لہ دعوۃ الحق

الکتاب المسطور

فی جواب

"سماع الموتیٰ" و "تسکین الصدور"

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

تالیف

الشیخ الحق مولانا السید محمد حسین النجفی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

کاوش محمد ابراہیم ملک خادم اشاعت توحید و سنت پاکستان

لہ دعوۃ الحق

الکتاب المسطور

فی جواب

"سماع الموتیٰ" و "تسکین الصدور"

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

جلد اوّل

تالیف

الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

حال شیخ الحدیث جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا

مکتبہ اشاعت السلام دہلی

کاوش محمد ابراہیم ملک خادم اشاعت توحید و سنت پاکستان

ندائے حق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (پارہ اول رکوع ۳)

اللہ پاک نے فرمایا تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مُردے پھر اُس نے تم کو جلایا پھر تم کو مارتا ہے پھر جلاوے گا پھر اُسی پاس اُلٹے جاؤ گے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ اول رکوع ۱۵)

اور جب اُٹھانے لگا ابراہیمؑ بنیادیں اس گھر کی اور اسمٰعیلؑ۔ اے رب! قبول کر ہم سے۔ تو ہی ہے اصل سُنتا جانتا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ (پارہ اول رکوع ۱۶)

کیا تم حاضر تھے جس وقت پہنچی یعقوبؑ کو موت۔ جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کیا پوجو گے بعد میرے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّاُوْا مِنَّا (پارہ ۲ رکوع ۴)

جب الگ ہو جائیں گے جن کے ساتھ ہوتے تھے اپنے ساتھ والوں سے اور دیکھیں عذاب اور ٹوٹ جاویں اُن کے سب طرف کے علاقے۔ اور کہیں گے ساتھ پکڑنے والے کاش کہ ہم کو دوسری بار زندگی ہو تو ہم الگ ہو جائیں اُن سے جیسے یہ الگ ہو گئے ہم سے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پارہ ۲ رکوع ۷)

نزدیک ہوں۔ پہنچتا ہوں پکارتے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ (پارہ ۳ رکوع ۳)

پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس۔ پھر اٹھایا کہا تو کتنی دیر رہا؟ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

اللہ نے پسند کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے گھر کو اور عمران کے گھر کو سارے جہان سے کہ اولاد تھے ایک دوسرے کی اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

جب بولی عورت عمران کی کہ اے رب! میں نے نذر کیا تیری جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد۔ سو تو مجھ سے قبول کر۔ تو ہے اصل سنتا جانتا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ قَالَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

وہاں دعا کی زکریاؑ نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ۔ بیشک تو سننے والا ہے دعا

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ

اور محمدؐ تو ایک رسول ہے ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول۔ پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں[1]۔

---

[1] اللہ نے فرمایا کہ رسولؐ زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو اور اشارت نکلتی ہے کہ حضرت کی فوت پر بعضے لوگ پھر جائیں گے۔ اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے۔ اور حضرت صدیقؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبد القادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (پارہ ۴ رکوع ۱۰)

ہر جی کو چکھنی ہے موت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (پارہ ۵ رکوع ۸)

جہاں تم ہو گے موت تم کو آپکڑے گی۔ اگرچہ تم ہو مضبوط برجوں میں

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا لَّعَنَہُ اللّٰہُ (پارہ ۵ رکوع ۱۵)

اِس کے سوا پکارتے ہیں سو عورتوں کو اور اس کے سوا پکارتے ہیں سو شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (پارہ ۷ رکوع ۶)

اور جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! تو نے کہا لوگوں کو؟ کہ ٹھیراؤ مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (پارہ ۷ رکوع ۹)

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر شریک والوں کو کہیں گے کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم دعوے کرتے تھے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ (پارہ ۷ رکوع ۱۰)

اور کچھ نہیں دنیا کا جینا مگر کھیل اور جی بہلانا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (پارہ ۷ رکوع ۱۳)

تو کہہ مجھ کو منع ہوا ہے کہ پوجوں جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۰)

تو کہہ میرے رب نے فرمائی ہے دینداری۔ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اسی کو اس کے حکم بردار ہو کر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا

یہاں تک کہ جب پہنچے اُن پاس بھیجے ہوئے ہمارے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْا اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۱)

۲۰ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۴)

۲۱ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (پارہ ۹ رکوع ۱۴)

۲۲ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

۲۳ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

جان لینے کو، بولے کیا ہوئے جن کو تم پکارتے تھے سوائے اللہ کے۔ بولے ہم سے گم ہوتے اور قائل ہوئے اپنی جان پر کہ وہ تھے منکر

پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے۔ اُس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے۔

جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، بندے ہیں تم سے۔ بھلا پکارو اُن کو تو چاہیے قبول کریں تمہارا پکارنا اگر تم سچے ہو

دُنیا کا جینا وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اُتارا آسمان سے پھر ایک مل نکلا اُس سے سبزہ زمین کا جو کھاویں آدمی اور جانور یہاں تک کہ پکڑی زمین نے چمک اور سنگار پر آئی اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگی، پہنچا اسپر ہمارا حکم رات کو یا دن کو۔ پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر۔ گویا کل کو یہاں نہ تھی بستی۔

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو، پھر کہیں گے شریک والوں کو پھر توڑ دیں گے آپس میں انکو اور کہیں گے اُن کے شریک تم ہم کو بندگی نہ کرتے تھے۔ سو اللہ بس ہے شاہد ہمارے تمہارے بیچ میں ہم تمہاری بندگی کی خبر نہیں رکھتے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۰)

اگر ہم دکھادیں تجھ کو کوئی ان وعدوں میں سے جو دیتے ہیں اُن کو یا پوری کردیں گے تیری عمر پھر ہماری طرف ہے اُن کو پھر آنا۔ پھر اللہ شاہد ہے اُن کاموں پر جو کرتے ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ (پارہ ۱۲ رکوع ۲)

اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَمَا اَغْنَتْ عَنْھُمْ اٰلِھَتُھُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّکَ (پارہ ۱۲ رکوع ۹)

پھر کچھ کام نہ آئے اُن کو ٹھاکر جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی چیز میں جب پہنچا حکم تیرے رب کا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاسْتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنْہُ کَیْدَھُنَّ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ ۱۲ رکوع ۱۴)

سو قبول کرلی اُس کے رب نے اس کی دعا۔ پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب۔ البتہ وہ ہے سُننے والا خبردار۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِہٖ وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (پارہ ۱۳ رکوع ۸)

اور جن کو پکارتے ہیں اُس کے سوا نہیں پہنچتے اُن کے کام پر کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دو ہاتھ طرف پانی کے کہ آپہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچیگا۔ اور جتنی پکار ہے منکروں کی سب بھٹکتی ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ (پارہ ۱۳ رکوع ۱۲)

اور یا کبھی دکھادیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں انکو یا تجھ کو بھر لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے اور ہمارا ذمہ حساب لینا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (پارہ ۱۴ رکوع ۶)

اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین[1]

[1] یعنی موت کہ بیشک ہے ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبد القادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (پارہ ۱۴ رکوع ۸)

اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔ مُردے ہیں جنہیں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے [1]

۳۲ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُخْزِیْھِمْ وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآئِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُشَاقُّوْنَ فِیْھِمْ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۰)

پھر قیامت کے دن رسوا کریگا اُن کو۔ اور کہیگا کہاں ہیں میرے شریک جن پر ضد کرتے تھے۔

۳۳ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذَا رَاَی الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَھُمْ قَالُوْا رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ فَاَلْقَوْا اِلَیْھِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۷)

اور جب دیکھیں شریک پکڑنے والے اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ تب وہ اُن پر ڈالیں بات کہ تم جھوٹے ہو۔

۳۴ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (پارہ ۱۵ رکوع ۱)

کہ دکھائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے۔ وُہی ہے سُنتا دیکھتا۔

۳۵ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (پارہ ۱۵ رکوع ۶)

کہہ پکارو جن کو سمجھتے ہو سوا اُس کے۔ سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے نہ بدل دیں وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کے مہر کی اور ڈرتے ہیں اس کی مار سے

---

[1] شاید یہ اُن کو فرمایا جو مرے بزرگوں کو پُوجتے ہیں ۱۲ [2] جو لوگ پکارتے ہیں بزرگوں کو وہ بزرگ بے گناہ ہیں۔ ایک شیطان اپنا وُہی نام رکھ کر آپ کو پُجواتا ہے۔ اسی سے اُن کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ۱۲ [3] یعنی تم سے کسی اور پر ڈال دیں ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبد القادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَکَآئِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْھُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ مَّوْبِقًا (پارہ ۱۵ رکوع ۱۹)

اور جس دن فرمائیگا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بناتے تھے پھر پکاریں گے پھر وہ جواب نہ دیں گے اور کردیں گے ہم اُن کے بیچ مرنے کا اسباب[1]

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (پارہ ۱۶ رکوع ۴)

اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (پارہ ۱۶ رکوع ۵)

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَعْتَزِلُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَکُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا (پارہ ۱۶ رکوع ۶)

اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا اور پکارونگا اپنے رب کو۔ امید ہے کہ نہونگا اپنے رب کو پکار کر محروم۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِیْنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ (پارہ ۱۷ رکوع ۳)

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی کو ہمیشہ جینا پھر کیا اگر تو مرگیا تو وہ رہ جائیں گے[2]

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پارہ ۱۷ رکوع ۱)

اُس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سُنتا جانتا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

اور نوحؑ کو جب اُس نے پکارا اس سے پہلے پھر سُن لی ہم نے اُس کی پکار۔ اور بچا لیا اُس کو اور اس کے گھر کو بڑی گھبراہٹ سے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ

اور ایوبؑ کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور تُو ہے سب رحم والوں سے رحم والا پھر ہم نے سُن لی اس کی پکار اور اٹھا دی جو اُس پر

---

[1] یعنی خندق آگ سے بھری۔ [2] کافر کہتے تھے اس شخص تک ہے یہ دھوم۔ جہاں یہ مرا پھر کچھ نہیں۔ موضح القرآن

وَاٰتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ .....
..... وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا
فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي
الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ
اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ
نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ
نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَكَرِيَّآ
اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا
وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا
لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ
زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي
الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا
وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

قَالَ اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا
لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ
مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ .....
اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ
النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ (پارہ ۱۷ رکوع اخیر)

تھی تکلیف اور دئے اس کو اُس کے گھر والے اور
اُن کے برابر ساتھ اُن کے اپنے پاس کی مہر سے
اور نصیحت بندگی والوں کو۔ اور مچھلی والے کو جب
چلا گیا غصہ سے لڑ کر پھر سمجھا کہ پکڑ نہ سکیں گے
پھر پکارا اُن اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوا
تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے پھر
سُن لی ہم نے اُس کی پکار اور بچا دیا اُس گھٹنے
سے اور یونہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔
اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو اے رب نہ
چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر وارث پھر
ہم نے سن لی اس کی پکار اور بخشا اس کو یحییٰ اور
چنگی کر دی اس کی عورت وہ لوگ دوڑتے تھے
بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور
ڈر سے اور تھے ہمارے آگے دبے۔

لوگو! ایک کہاوت ہے اس کو کان رکھو جن کو تم
پوجتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ
سارے جمع ہوں اور اگر کچھ لے اُن سے مکھی
چھڑا نہ سکیں وہ اُس سے۔ بودا ہے چاہنے
والا اور جن کو چاہتا ہے

اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے
والے اور آدمیوں میں سے۔ اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ (پارہ ۱۸ رکوع ۱)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ ھٰٓؤُلَآءِ اَمْ ھُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ مَا کَانَ یَنْبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِکَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنْ مَّتَّعْتَھُمْ وَاٰبَآءَھُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّکْرَ وَکَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا فَقَدْ کَذَّبُوْکُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ یَّظْلِمْ مِّنْکُمْ نُذِقْہُ عَذَابًا کَبِیْرًا (پارہ ۱۸ رکوع آخری)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقِیْلَ لَھُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ھَلْ یَنْصُرُوْنَکُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ (پارہ ۱۹ رکوع ۹)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَوْمَ یُنَادِیْھِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآئِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا اَغْوَیْنٰھُمْ کَمَا غَوَیْنَا تَبَرَّاْنَآ اِلَیْکَ مَا کَانُوْٓا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا

پھر اس کے پیچھے مروگے۔ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے ؛

اور جس دن جمع کر بلاویگا اور جن کو پوجتے ہیں اللہ کے سوا۔ پھر اُن سے کہیگا یہ تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بہکے راہ سے؟ بولیں گے تو پاک ہے ہم کو بن نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر کوئی رفیق۔ لیکن تو نے ان کو برتنے دیا اور اُن کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے یاد۔ اور یہ تھے لوگ کھپنے والے۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو نہ مدد کر سکتے ہو۔ اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھاویں گے بڑی مار

اور کہئے اُن کو کہاں ہیں جن کو پوجتے تھے اللہ کے سوا۔ کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے؟

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو کہیگا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعوٰی کرتے تھے بولے جن پر ثابت ہوئی بات اے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا۔ اُن کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے۔ ہم منکر ہوئے تیرے آگے۔ وہ ہم کو نہ پوجتے تھے [1]

بھلا کون پہنچتا ہے پھنسے کی پکار کو جب اس کو

[1] یہ شیطان بولیں گے۔ بہکایا تو ہے انہوں نے۔ پر نام لے نیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے ۱۲ موضح القرآن

دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ
خُلَفَاءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (پارہ ۲ رکوع)

۵۰ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ
بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ (پارہ ۲۰ رکوع ۱۵)

۵۱ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا
دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ
مِنْسَاَتَهٗ (پارہ ۲۲ رکوع ۱)

۵۲ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ
يَقُوْلُ ..... لِلْمَلٰٓئِكَةِ ءَاَهٰٓؤُلَآءِ
اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا
يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (پارہ ۲۲ ع ۱۱)

۵۳ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ
لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا
اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ
بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ
خَبِيْرٍ (پارہ ۲۲ رکوع ۱۴)

پکارتا ہے اور اٹھا دیتا ہے برائی اور کرتا ہے تم کو
نائب زمین پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟

اور بولا جو ٹھیرائے تم نے اللہ کے سوا بتوں کے
تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگی میں
پھر دن قیامت کے منکر ہو جائیں گے ایک سے ایک
اور پھٹکاریں گے ایک کو ایک اور ٹھکانا تمہارا
آگ ہے۔

پھر جب تقدیر کی ہم نے اس پر سلیمان نہ جتایا ان کو اس
کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھا تا رہا اس
کا عصا؛

اور جس دن جمع کریگا ان سب کو پھر کہیگا فرشتوں
کو کیا یہ لوگ تھے تم کو پوجتے؟

وہ بولے پاک ذات ہے تیری۔ ہم تیری طرف
ہیں نہ ان کی طرف۔ نہیں۔ پر پوجتے تھے
جنوں کو۔ یہ اکثر انہیں پر یقین رکھتے ہیں۔

اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا مالک نہیں
ایک چھلکے کے اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں
تمہاری پکار۔ اور اگر سنیں پہنچیں تمہارے
کام پر اور دن قیامت کو منکر ہوں گے تمہارے
شریک ٹھیرانے سے اور کوئی نہ بتاویگا تجھ کو جیسا
بتاوے خبر رکھنے والا؛

قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (پارہ ۲۳ اخیری رکوع)

بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں۔ پھر مقرر تم دن قیامت کے اپنے رب کے آگے جھگڑو گے

قال اللہ تعالیٰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (پارہ ۲۴ رکوع)

بولے اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا دو بار اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ۔

قال اللہ تعالیٰ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (پارہ ۲۴ رکوع)

سو پکارو اللہ کو نری نری کر کر اس کے واسطے بندگی اور پڑے بڑا مانیں منکر۔

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (پارہ ۲۴ رکوع ۹)

اور تم پاس آچکا ہے یوسفؑ اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ لایا۔ یہاں تک کہ جب مر گیا کہنے لگے ہرگز نہ بھیجیگا اللہ اس کے بعد کوئی رسول

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (پارہ ۲۴ رکوع ۱۱)

اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو بیشک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے آپ پیٹھیں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر

قال اللہ تعالیٰ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (پارہ ۲۴ رکوع ۱۳)

پھر اگر کبھی دکھا دیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو ان کو دیتے ہیں یا بھر لیں تجھ کو پھر ہماری طرف پھیرے آئیں گے

لہ پہلے مٹی تھے یا نطفہ تو مردے ہی تھے۔ پھر جان پڑی تو جی پایا پھر مرے۔ پھر جئے۔ یہ ہوئیں دو موتیں اور دو حیاتیں ۱۲ موضح القرآن للشاہ عبد القادر المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

قَالَ اللہ تعالیٰ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ (پارہ ۲۴ رکوع ۱۳)

پھر انکو کہا ہے کہ کہاں گئے جن کو شریک بتاتے تھے اللہ کے سوا۔ بولے ہم سے چوک گئے کیوں نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو

قَالَ اللہ تعالیٰ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآئِيْ قَالُوْا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ وَّضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ (پارہ ۲۵ رکوع ۱)

اور جس دن ان کو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی نہیں اقرار کرتا اور چوک گیا اُن سے جو پکارتے تھے پہلے اور اٹکلے کہ ان کو نہیں کہیں خلاصی۔

قَالَ اللہ تعالیٰ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (پارہ ۲۵ رکوع ۱۵)

مہر ہے تیرے رب کی۔ وہی ہے سنتا جانتا۔

قَالَ اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (پارہ ۲۶ رکوع ۱)

اور اس سے بہکا کون؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اُن کی پکار کو دن قیامت تک۔ اور اُن کو خبر نہیں اُن کے پکارنے کی۔ اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے اُن کے دشمن اور ہوں گے اُن کے پوجنے سے منکر۔

قَالَ اللہ تعالیٰ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (پارہ ۲۹ رکوع ۱۱)

اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو

قَالَ اللہ تعالیٰ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا (پارہ ۲۹ رکوع ۱۲)

تو کہہ میں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو

قال اللہ تعالیٰ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (پارہ ۳۰ رکوع ۱	کوئی نہیں! تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا۔
قال اللہ تعالیٰ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (پارہ ۳۰ سورہ والضحیٰ)	اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے

مقدمۃ الکتاب کی مزبورہ آیات میں صاحب تسکین کے مخترعات عقائد اور روایاتِ ضعیفہ اقوال مردودہ خیالاتِ باطلہ رطب و یابس جمیع مستدلات میں اوّلہٖ الیٰ آخرہٖ کا راز مضمر ہے۔ ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا۔

صاحبِ تسکین نے طوطی کی مانند اپنی کتاب تسکین میں اول سے آخر تک جو اکابر، سلف، جمہور کی رٹ لگائی ہے وہ محض عوام کالانعام کے دل بہلانے کیلئے ہے ورنہ اُن کا ضمیر خود شاہد ہے کہ قلم کی روانی نے جو لکھا ہے وہ کتاب و سنّت، جمہور صحابہ، خیر القرون، مسلکِ احناف کے صریح خلاف ہے۔ طوعاً و کرہاً کہہ تو دیا لیکن ضمیر قیامت تک ملامت کرتا رہے گا۔

تسکین کی تردید کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ چونکہ یہ تصنیف باعثِ توہینِ دیوبندیت ہو چکی ہے، کثرتِ حوالجات کو دیکھ کر غریب عوام کیا جانیں کہ اس میں کتنے اژدہا پوشیدہ ہیں اور اس میں کیا کیا چھپا دیا گیا ہے، محض اس راز کو فاش کرنے کیلئے صاحب تسکین کی علمی غلطیوں اور خیانتوں قرآنی تفاسیر و تراجم کی غلطیوں، دیگر تدلیس و تلبیس کتمان تحریف کا پردہ اٹھا کر ظاہر کیا گیا ہے تاکہ موجودہ مخلوقِ خدا اور آنے والی نسلیں ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کام کیلئے محقق و مدقق ماہر علوم نقلیہ و عقلیہ واقفِ اسرارِ شرعیہ حضرت مولوی محمد حسین صاحب نیلوی سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کا انتخاب ہوا جنہوں نے فقیہانہ اور محققانہ انداز میں اس کام کو سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و تفقہ میں اور برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

مولٰنا موصوف نے شفاء الصدور سے فراغت حاصل کرتے ہی فوراً صراط مستقیم کی تیاری شروع کر دی

جو قلیل مدت میں ایک جامع کتاب دربارۂ حیاتِ انبیاء مکمل ہوئی ابھی اس کی اشاعت کی تجاویز ہو ہی رہی تھیں کہ ناگہاں تسکین الصدور کا ظہور ہو گیا۔ اب ضروری تھا کہ اس کے ادلہ بیت العنکبوت کو ادلہ محکمات وثقات سے پاش پاش کر دیا جائے اگرچہ مفصل بحث مسئلہ سماع وحیات تو صراط مستقیم میں لکھ دی گئی ہے لیکن یہاں فوری طور پر چھوٹا سا اپریشن کر دیا گیا ہے اور اس پھوڑے کے مواد فاسدہ کو نکال کر الگ الگ سامنے رکھ دیا اور اسکا علاج ستر آیات محکمات وادلہ یقینیہ سے کیا گیا کہ شاید صاحب تسکین کی تسکین ہو جائے۔ اور فرضی سلف، فرضی جمہور، فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔

اگر کوئی منصف مزاج انابت اور رجوع سے مقدمہ کی مذکورہ بالا آیات بینات کو پڑھ لے گا تو بلا اختیار اس کی زبان پر یہ الفاظ قرآنی جاری ہو جائیں گے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اور أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ کا بھولا ہوا سبق یاد آجائیگا۔

شفاء الصدور میں مسئلہ سماع موتیٰ کی دیواروں کو جن جن قطعیات، محکمات، یقینیات پر قائم کیا گیا۔ صاحب تسکین نے ان دیواروں کے گرانے کی لایعنی کوشش ضعاف، موضوع، مجہول، مفتری روایات سے فرمائی اور حوالجات کا ایک خزانہ جمع کیا۔ نقول کے انبار لگائے۔ لیکن وسعت مطالعہ اور فراخی علم جہاں بڑی خوبی اور قابل ستائش وصف ہے وہیں اس صورت میں بلائے جان اور فتنہ کا سامان بھی بن جاتی ہے۔ جب رطب یابس کی تمیز اٹھ جائے اور موقعہ ومحل سے اغماض کا معاملہ اختیار کر لیا جائے۔

ان گنت روایات اور منقولات حفظ کر لینا، سلف کے سنہ وفات وولادت یاد کر لینا، اتنا زیادہ مشکل نہیں جتنا مشکل تفقہ اور تنقیح کا مرحلہ ہے کہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کیا جائے۔ اور روایات صحیحہ کو باہم منطبق کیا جائے۔ محکمات نصوص قطعیہ کو اپنی جگہ پر رکھ کر دوسری روایات میں ایسی تاویل کی جائے تاکہ وہ محکمات کے مخالف نہ ہوں اور دیکھا جائے کہ اسلاف نے اپنے فہم وکاوش کے مطابق کتابوں میں جو کچھ جمع کیا ہے اسکا کتنا حصہ جو واقعی معقول اور مستند ہے اور کتنا حصہ ایسا ہے جسے بعد ازاں صرف عقیدہ اور مرعوبیت کی زد میں ہضم کر لیتا ہے اور کوشش کی جائے کہ اسلاف کی احترام واعتماد وتدبر واجتہاد کے مابین کیونکر ایک صحت مند توازن اور مفید ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جن کتابوں میں صرف احادیث ہی جمع کی گئی ہیں اور اُس کے جمع کرنے والے علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز بھی تھے ان میں بھی جب بمشکل چند ہی کتابیں ایسی ہیں کہ اُن کی مجموعی صحت کا دعوے کیا جا سکتا ہے اور باقی کے متعلق اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ ان میں صحیح و ضعیف سقیم و سلیم صحیح و غلط صدق کذب سبھی کچھ جمع ہو گیا ہے تو آخر اِن کتابوں پر آنکھ بند کر کے کیوں کر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

صاحبِ تسکین نے محض تسکینِ قلب کی خاطر آنکھیں بند کر کے روایات کے انبار لگا دئیے ہیں مناسب غیر مناسب رطب و یابس ہر قسم کی روایات سے تسکین کے اوراق سیاہ کر ڈالے تاکہ جمہوریت ثابت ہو جائے اور یہ نہ سمجھے کہ کثرتِ نقول سے جمہوریت ثابت نہیں ہوا کرتی۔

پھر لطف یہ کہ اپنے عقائدِ مزعومہ مخترعہ کے اثبات کیلئے جو بگاڑ آیات بیّنات کی معنوی تحریف کر کے پیدا کیا وہ اہلِ علم کی شایانِ شان نہیں تھا۔ جن آیات کو کچھ مدّت پہلے اہلِ بدعت اپنے مستدلات میں پیش کیا کرتے تھے اور اہلِ حق تحریراً تقریراً اُن کے جوابات میں کوشاں رہتے تھے آج صاحبِ تسکین نے انہیں تاویلات کی آڑ میں اپنے مسلکِ جدید کو محکم بنانا چاہا۔ اگر سچ پوچھو تو صاحبِ تسکین نے قبوری شریعت والوں کے پژمردہ پودے کو از سرِ نو سیراب کرنا چاہا ہے۔

صاحبِ تسکین کی تمام کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ میّت کا جسم کے ساتھ روح کے اعادہ ہونے سے تعلق قائم رہتا ہے جس سے وہ میّت یعنی جسدِ مریم زائر کو دیکھتا ہے اور اسکا کلام سنتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے اور زائر کو پہچانتا ہے، غمی خوشی کا مورد ہے اور اُن کا وسیلہ بنانا جائز ہے۔ حالانکہ انسان نیند میں نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ جواب دیتا ہے لیکن نیند والے کو مُردہ نہیں کہا جاتا۔ اور جو مرنے کے بعد سُنتا دیکھتا بولتا جواب دیتا ہے وہ مُردہ ہے ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

واللہ اعلم صاحبِ تسکین نے ایسے جسد کو مُردہ کیوں لکھا ہے۔ سچ فرمایا اُس صادق و مصدوق نے صلی اللہ علیہ وسلم کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے مکّار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے۔

جو لوگوں پر اپنی مسکینی اور درویشی ظاہر کرنے اور اُن کو متاثر کرنے کیلئے بھیڑوں کے کھال کا لباس پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور اُن کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ترمذی شریف) شعر

لباسِ زہد کی ظاہر فریبیوں میں نہ جا　　چڑھے ہوئے ہیں اندھیرے میں روشنی کے غلاف

صاحبِ تسکین نے اپنی سابقہ تصنیف "راہِ سُنّت" کے صفحہ ۱۹۰ و صفحہ ۱۸۹ و صفحہ ۲۱۳ و صفحہ ۲۳۰ و صفحہ ۲۳۱ و صفحہ ۲۵۵ پر جو ضوابط و قواعد تحریر فرمائے تھے اب تسکین میں ان سب قواعد کو نسیاً منسیاً کر کے اُن کے خلاف اکثر روایاتِ ضعیفہ کا ذخیرہ جمع کر دیا اِن حرکات کی جواب دہی تو اس دن ہوگی جس دن وہ احکم الحاکمین مالک الملک عالم الغیب والشہادۃ سمیع و بصیر علیم و قدیر اپنے تختِ عدالت پر بیٹھ کر سوال فرمائیں گے کہ میری محکمات آیات بینات، سنتِ رسول، اجماعِ صحابہ، کے ہوتے ہوئے ضعاف، مجہول، متروک، موضوع، و مکذوب روایات کا ذخیرہ اپنی کتاب تسکین میں کیوں لکھ مارا اور فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ کے مصداق کیوں بنے اور مقرر کردہ قاعدہ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اور مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا پر عمل کیوں نہ کیا؟ سابقہ تالیفات میں سے "راہِ سُنّت" کی عبارات کو یاد دہانی کے طور پر پیش کیا جائیگا کہ "راہِ سنت" کے صفحہ ۱۸۹ پر تو لکھا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین کو یہ بات کیوں نہ سمجھ آئی کہ اذان دُعا ہے اور قبر پر یہ بھی ہونی چاہئے اور صفحہ ۲۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور خیر القرون میں یہ قیاس لوگوں کو کیوں نہ سوجھا اور صفحہ ۲۳۱ پر لکھا کہ جب یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بلکہ خیر القرون سے ثابت نہیں اور فقہا اِس کو بِدعۃ کہتے ہیں "راہِ سُنّت" میں تو قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہ اور خیر القرون کے اقوال اور اعمال کو "ہدایت" اور اس کے خلاف کو "بدعت" لکھا لیکن تسکین میں نص و سُنّت تعاملِ صحابہ اقوالِ خیر القرون کے خلاف کو معمول اور ماجور لکھ کر حوالجات کے انبار لگا دیئے۔ اہلِ بدعت کے دلائل جن کے جوابات برسوں پہلے دیئے جا چکے ہیں لکھ کر عوام کی آنکھوں میں دُھول ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ افسوس کتنے عوام ایسے رہے جو اپنی نافہمی اور کوتاہیِ نظر کے باعث حوالجات کی جھاگ کو دیکھ کر اور زخرف القول پڑھ کر مسلکِ حق سے منحرف ہو چکے ہوں گے، بھلا اِس کا وبال

کس کی گردن پر پڑے گا

قیامت کے دن عقائد کے اثبات میں جب لوگ اپنے اپنے اکابر سلف کی فہرستیں پڑھیں گے تو جواب میں خیر القرون والوں میں سے فاروقِ اعظمؓ کا وہ واقعہ بھی پیش کیا جائیگا کہ جب انہوں نے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر امتحاناً صحابۂ کرامؓ کے عظیم الشان مجمع میں استفسار فرمایا کہ لوگو! اگر میں تم کو خلافِ سنت کوئی بات بتلاؤں تو کیا تم مان لوگے؟ یہ بات کہنی تھی کہ ایک دلق پوش جس کی تلوار کھجوروں کے تنوں میں لپٹی ہوئی تھی تلوار کو نکال کر کھڑا ہو گیا اور عرض پرداز ہوا کہ اے امیر المؤمنین اگر ایسا ہوا تو پھر یہ تلوار ہو گی اور آپکی گردن۔ امیر المؤمنین نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ الحمد للہ صحابہ میں عاشقانِ سنت النبیؐ موجود ہیں۔ تو اب سوچئے عقائد بدعیہ کے مروجین کا اس دن کیا حال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو ان عقائد و رسومات سے بچائے جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں اور اجماع صحابہ خیر القرون کے اقوال و اعمال کے متضاد ہوں۔

جی چاہتا تھا کہ صاحبِ تسکین کی کتاب ہذا کا اول سے آخر تک رد کیا جاتا۔ لیکن اس بات کی چنداں نہ ضرورت تھی اور نہ فرصت "مشتے نمونہ از خروارے" چند حوالجات نقل کر کے انکی حقیقت واضح کر دی گئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ دکان میں جتنا سامان پڑا ہے معلوم ہو جائیگا کہ کس قیمت اور قدر و منزلت کا ہے اور جمہور سلف اکابر کے کیسپولوں میں کس قدر زہر بھر دی گئی ہے جسکی مضرت نسلاً بعد نسلٍ مہلک اور تباہ کن ثابت ہو گی۔

نمبر ۱ صاحب تسکین نے مسئلہ توسل کے باب میں تسکین کے صفحہ ۱۹۶ پر جو روایت عتبی سے نقل فرمائی ہے جسمیں اعرابی کی حکایت کو حجت بنا کر نقل کیا اور آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کی تفسیر عتبی کی ضعیف روایت سے فرما کر ابن عباس، ابن مسعود، ابو سعید خدری، عطا، قتادہ، مجاہد، حسن بصری، عبد اللہ بن کثیر، ابن زید، ابن جریر، معالم التنزیل، نیشاپوری۔ لطائف قشیری، بیضاوی، ابو ہریرہ، ابو وائل، سدی، علیؓ، صاحب کشف الاسرار۔ صاحب بحر الحقائق۔ تنویر المقیاس۔ مدارک۔ خازن۔ بخاری۔ موضح القرآن۔ ابن تیمیہ۔ ابن قیم۔ تدریب الراوی۔ مستدرک وغیرہ کی صائب رائے سے اعراض و اغماض کر کے ایک غیر معتمد علیہ روایت کو لانا حضرت مولانا کی نہایت کمزوریٔ علم و عمل پر دال ہے۔ جس مدعیٰ

اور سلف اور اکابر کا ورد تمام کتاب میں کرتے رہے۔ یہاں آکر اپنے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے دو رہنے بھول گئے۔ مولنا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں تو کیا اعرابی کا فعل شریعت میں حجت بن سکتا ہے؟ اور لطف یہ کہ واقعہ بھی خواب کا اگر کوئی مولانا دریافت کرے کہ غیر نبی کا خواب حجت ہو سکتا ہے جب تک کہ وحی اس کی مؤید نہو

نمبر۲ لفظ مکی اور مدینی میں عدم فرق — نمبر۳ لفظ زیارت کے معنی میں غلطی

نمبر۴ لفظ نسمہ کی غلط تشریح — نمبر۵ انسان کے مفہوم میں غلطی

نمبر۶ انسان اور بدن عنصری میں عدم فرق — نمبر۷ لفظ ذریۃ کے معنے سے صرف نظر

نمبر۸ موت کے معنے میں حضرت نانوتوی کے خلاف طرز — نمبر۹ اصول فقہ میں اسناد صحیح اور صحیح میں عدم امتیاز

نمبر۱۰ لفظ بین کے ترجمہ میں غلطی — نمبر۱۱ شاذ و منکر کے اطلاقات سے صرف نظر

نمبر۱۲ نزاع لفظی میں غلطی — نمبر۱۳ اجماع کا غلط مفہوم لیکر مسئلہ سماع موتی پر استدلال

نمبر۱۴ فہم راوی حجت نہیں میں غلط بیانی — نمبر۱۵ غریب جداً کی اصطلاح مضم اور غیر معتمد علیہ بنا کر اعتماد

نمبر۱۶ دلالت النص اور قیاس میں عدم امتیاز۔ جمہور کا صریح خلاف فرما کر قاضی خانؒ جیسے حنفی محقق عالم پر پھبتی اڑانا۔ شوافع کا دامن پکڑ کر متفقہ کلیہ کا رد کر دینا۔

نمبر۱۷ اہل کتاب کی غلط سلط باتیں شرائع من قبلنا میں داخل کر کے عوام کو دھوکہ دینے کی ناکام سعی۔

نمبر۱۸ جو استدلال سلف صالحین نے نہ کیا ہو وہ مردود ہے اس قاعدہ کا غلط مفہوم لینا جس کی زد میں حضرت نانوتویؒ جیسے متبحر عالم بھی آجاتے ہیں

نمبر۱۹ آیت کما یئس الکفار من اصحٰب القبور کے ترجمہ میں انوکھی طرز اختیار فرمائی اپنے شیخ حضرت مولوی حسین علیؒ کا بھی لحاظ نہ کیا۔ شاید یہ اکابرین میں سے نہ ہوں۔

نمبر۲۰ اسماء الرجال میں تو کمال ہی کر دیا۔ علامہ ذہبی جیسے محتاط مدقق اور نقاد عالم کو وہم کا شکار ہونے والا کہا

نمبر۲۱ بخاریؒ جیسے امام المحدثین بھی ان کی جرح سے نہیں بچ سکے

نمبر۲۲ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے محدث عالم مطعون قرار پائے۔

نمبر ۲۳ ذہبیؒ اور فتنیؒ کے بیان کردہ اصول کو محض اپنی ذاتی خود غرضی کی وجہ سے ترک کر دیا۔

نمبر ۲۴ ابو جعفر مدنی اور مدائنی کے بارے جدید تحقیق لکھ کر اپنے مخترعات مزعومات کے اثبات کی خاطر امام مسلم جیسے جبل من جبال الحدیث کے خلاف کرنا۔

نمبر ۲۵ امام ترمذیؒ جیسے فقیہ امام کی غلطی نکالکر ناقد محدث ہونے کا مدعی بن بیٹھنا

نمبر ۲۶ بارہ سو سال سے جس غلطی پر علامہ ابن حجرؒ جیسے جلیل القدر محدث اطلاع نہ پاسکے اور حضرات دیوبند کے مشایخ اکابر سلف مطلع نہ ہو سکے اور مولنا موصوف کے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولنا حسین علیؒ کو جسکا علم تک نہو سکا مولنا موصوف اس کی تنقید میں قلمران ہیں شعر

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد ؛ طعنہ اندر حق پاکاں میزند

نمبر ۲۷ اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ کہ جس راوی پر بعض علماء نے تنقید کی ہو اور بعض دوسروں نے اسکی توثیق کی ہو تو جرح کو توثیق پر ترجیح دی جائیگی لیکن صاحب تسکین اس کے خلاف لکھا

نمبر ۲۸ صاحب تسکین نے ایک نرالہ قاعدہ لکھا ہے کہ جو راوی کتب صحاح میں ذکر ہو خواہ اس راوی کو صاحب کتاب کیسا ہی سمجھے وہ راوی معتمد علیہ ثقہ ہوگا اور اسکی ہر روایت صحیح ہوگی خواہ مدلس معنعن ہی کیوں نہو

نمبر ۲۹ "کثرت دلائل" کا نام صاحب تسکین نے "جمہوریت" رکھا حالانکہ محدثین فقہاء کے نزدیک "کثرۃ دلائل" کی کچھ حیثیت نہیں بلکہ "قوت دلائل" کا اعتبار ہوتا ہے نہ کثرۃ دلائل کا ؛

جس طرح صاحب تسکین نے اپنی تصنیف میں غلطیوں کا ذخیرہ جمع کیا ہے اسی طرح بہت جگہ خیانتیں بھی کی ہیں جنکا کتاب ہذا میں واضح انکشاف کیا گیا ہے مثال کے طور پر

نمبر ۱ فرمایا کہ ابو الشیخ والی حدیث پر "مصنف الصارم المنکی" کی نظر نہیں پڑی حالانکہ صاحب تسکین کا یہ بہتان عظیم ہے کیونکہ مصنف الصارم المنکی نے اس حدیث پر صاف تغلیط کا فتویٰ لگایا

نمبر ۲ زاذان کی ثقاہت تہذیب التہذیب سے نقل کر کے اس عبارت کو شیر مادر کیطرح ہضم کر گئے۔ جسمیں انہوں نے لکھا ہے کہ زاذان کثیر الخطأ تھا۔

نمبر۳ حضرت مولٰنا حسین علیؒ کی عبارت کا وہ حصہ نقل کر دیا جو مفید پایا لیکن جو عبارت مخالف پڑتی تھی اس کو بالکلیہ چھوڑ گئے یہ صریح خیانت ہے تاکہ قارئین یہ سمجھ لیں کہ حضرت مولٰنا حسین علیؒ کا مسلک بھی یہی ہے جو صاحبِ تسکین کا ہے۔

نمبر۴ فتح الباری کی عبارت **نمبر۵** ابن کثیرؒ کی عبارت **نمبر۶** حضرت نانوتویؒ کی عبارت

نمبر۷ علامہ آلوسیؒ کی عبارت میں خیانت جو علمائے حقہ کی شان سے بہت بعید ہے

نمبر۸ قبر کی جامع مانع تعریف میں خیانت **نمبر۹** حیات کی تعریف میں جسدِ عنصری بولکر خیانت۔

نمبر۱۰ ارض کے معنے میں خیانت **نمبر۱۱** مادی وعنصری کو ایک بناکر دھوکہ دینا

نمبر۱۲ لفظ عود و اتصال میں وحدت بناکر دھوکہ **نمبر۱۳** خبر واحد کو حجتِ قطعیہ ثابت کرنا۔

نمبر۱۴ ابن جریر طبری کو فرقہ کرامیہ کا سربراہ بتایا۔ کاش مولٰنا اگر حاشیہ شرحِ عقائد نظم الفرائد اور نبراس دیکھ لیتے اور حاشیہ عبدالحکیم کو کاتب کی غلطی پر محمول کر لیتے تو حلقۂ اہلِ علم میں اتنی ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

نمبر۱۵ کتاب الروح کے مضامین کا نصف حصہ بالکلیہ چھوڑ گئے جو مقصد و مطلب کے خلاف پڑتا تھا یہ بھی خیانت ہے

نمبر۱۶ "رزق" سے مراد غیر حسی، اور "حیات" سے حیات حسیہ دنیویہ مراد لینا کہاں کی امانت و دیانت ہے

نمبر۱۷ "حدیث حسن" کو مطلقاً حجت بنانا اصولِ حدیث میں ایک مجرمانہ حرکت ہے جو اہلِ علم کے نزدیک معیوب ہے۔

صاحبِ تسکین کی لغزشوں اور خیانتوں کو طشت بر بام کر کے مجموعہ کتاب کی حقیقت کو ظاہر اور واضح کر دیا گیا ابھی کتاب تسکین الصدور زیرِ طبع تھی کہ پاکستان کے گوشہ گوشہ میں قدِ آدم کے برابر اشتہار برائے تشہیر شائع کئے گئے اور مرغوب و محبوب الفاظ میں فروخت کرنے کا بہترین طریقہ استعمال کیا

پہلے تو ہم نے بھی یہی سمجھا کہ کئی سالوں کی کاوشوں کے بعد جو تحریر سامنے آرہی ہے یقیناً دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے بھرپور ہوگی لیکن جب دیکھا تو بے اختیار زبان سے نکلا کہ ؎

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا ٭ جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نہ نکلا

مولٰنا نے جس مسلک کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور اپنی کتاب میں جن جن حوالجات کو جمع کیا ہے۔ جمہور، سلف، اکابر کا نام لیکر نئے نئے دام لگائے ہیں آج تک یہ مسلک جمہور، سلف، اکابر تو اپنی جگہ رہے کسی ایک صاحبِ علم کا بھی عقیدہ نہیں کہ مرنے کے بعد یہ جسمِ میم اور جسدِ عنصری اعادۂ روح کیوجہ سے زائر کی ہر کلام کو سُنتا ہے اور زائر کو دیکھ کر پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ زائر جاکر اُس کو وسیلہ بنالے۔ اور شفاعت و دعا کروالے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ یہ عقیدہ اہلِ سُنّت والجماعت کا نہیں ہے قرآنی ایک آیت اِس کی مؤیّد نہیں ملیگی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرز زیارتِ قبور میں یہ روش نظر نہیں آئیگی صحابۂ کرام اِس طریق سے مُبرّا ہیں۔ تابعین تبع تابعین ایسے مسلک والے سے بیزار ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اِس عقیدہ والے پر لعنت فرماتے ہیں۔

اگر مولٰینا موصوف کے دل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی محبت دینی کا رتّی برابر لحاظ ہوتا تو واللہِ العظیم اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ کر فقہی اصولی حوالجات سے آنکھیں بند کر کے، اکابرِ دیوبند سے ہٹ کر نصوصِ قطعیّہ کی مخالفت کر کے تسکین الصدور جیسی ضخیم کتاب نہ لکھتے

اگر کوئی اہلِ علم صاحبِ انصاف مولٰنا کی کتاب تسکین الصدور کو سامنے رکھ کر "مقیاس حنفیت" مصنفہ محمد عمر اچھروی کو بھی دیکھ لے تو یقیناً دونو صاحبوں کے مسلک میں کوئی فرق نظر نہیں آئیگا (در مسئلۂ سماع) بلکہ جو حوالجات کی کمی اس مسئلہ کے بارہ میں مقیاس حنفیت میں تھی اُس کو صاحبِ تسکین نے پورا فرما دیا۔ اور تحریراً اہلِ بدعت کے عقائد دربارہ سماعِ موتٰی کو خوب پُختہ بنایا۔ اِس لئے آپ دیکھیں گے کہ تسکین الصدور تقریباً ہر اہلِ بدعت لکھے پڑھے حضرات کی پاس موجود ہوگی۔

میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں یہ دردِ دل کی حکایت ہے جسے سُنائے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اگر سچ پوچھو تو کہہ دوں

دِل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے ٭ اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

الفاظ کی شدت کو دیکھ کر کسی تعصب اور عناد پر محمول نہ کرنا، حقیقت میں حضرت مولٰنا موصوف سے محبت ویسی ہے جیسے پہلے تھی۔ یہ بھی ایک طرح محبت کا اظہار ہے۔ ممکن ہے میرے درد بھرے الفاظ کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ رجوع کی ہمت بخشے۔

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر ؛ کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کام تریاقی

اگر مولٰنا موصوف سے دریافت کیا جائے کہ سماعِ موتیٰ میں اتنی ضخیم کتاب لکھ مارنے سے مقصد کیا ہے؟ تو اس کا جواب بغیر اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب قبوری شریعت، ضعیف الاعتقادی، وہم پرستی، ترویج شرک اور اشاعتِ بدعت کیواسطے بمنزلہ اکسیر کے ہے۔ بھلا جب اموات زائر کی ہر بات کو سنتے ہیں تو پھر اُن کو پکارنے میں کونسی بات مانع ہے؟ پھر قبور پر جاکر اُن سے التجائیں کرنا، شفیع بنانا، اُن کو وسیلہ پکڑنے میں کیا حرج ہے۔ غریب اہلِ بدعت کا کیا قصور ہے جو قبور پر جاکر اپنی گذارشیں اموات کو سناتے ہیں اور اُن کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ بناتے ہیں تاکہ وہ ہماری گذارشیں خدا کے سامنے پیش کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں تو پہلے انابت و ہدایت کی طاقتیں اس کے اندر سے سلب فرما لیتے ہیں جس سے صحیح اور غلط کے مابین امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ حق و باطل، ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کی قوت نہیں رہتی کیا اکابر و اسلاف دیوبند حضرات کا یہی مسلک تھا اور یہی طرزِ تحریر تھا۔ حضراتِ دیوبند اسی مسلک کی خاطر دنیا میں بدنام ہوئے تھے۔ مولٰنا موصوف کم از کم قرآن پاک کی تلاوت تو فرماتے ہوں گے سورۂ زمر جو بیسویں پارہ میں جب اس آیت کو تلاوت کرتے ہوں گے کہ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى تو بدن سے روح کے امساک کا مفہوم مراد لیتے ہوں گے اور موضح القرآن کی عبارت بھی زیرِ نظر ہوگی کہ انہوں نے امساک کا کیا مطلب مراد لیا ہے پھر اللہ پاک سے خوف نہیں آتا۔

کیوں جی! قرآن مجید میں کہیں ایک جگہ بھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ مُردے سنتے ہیں۔ جن جن اموات کو تم پکارتے ہو وہ نزدیک سے سنتے ہیں۔ نزدیک دور کا سوال ہی کیا۔ روح اربوں کھربوں میل دور چلی گئی جس سے سننا، دیکھنا، شعور و ادراک ہوتا تھا۔ اب قبر میں پڑے ہوئے دھڑ کو سنا کر تم کیا کرو گے

کسی نے کیا خوب کہا ہے **اشعار**

خُدا ہے اگر عالم الغیب اپنا ٭ عیاں ہے اگر اسپہ ہر عیب اپنا
اگر سب میں ہے نُور موجود اُس کا ٭ نہیں ہے اگر علم محدود اس کا
تو اِنکار کی کوئی صُورت نہیں ہے ٭ سفارش کی چنداں ضرورت نہیں ہے
وُہ بیباک رِندوں کی سنتا ہے پہلے ٭ وُہ مُردوں سے زندوں کی سُنتا ہے پہلے
جو مائل بخوابِ اَجل ہو چکے ہیں ٭ لحد میں جو آرام سے سو چکے ہیں
جو کروٹ بدلنا نہیں جانتے ہیں ٭ انہیں اپنا مشکل کُشا مانتے ہیں
مزاروں پہ جاتے ہیں بہرِ سفارش ٭ جو خود مر چکے کیا کریں گے گذارش
تراشا ہے کیسا مُردوں نے حیلہ ٭ کہ عرفان کی نردبان ہے وسیلہ
وسیلہ مزاروں کو گردانتے ہیں ٭ وسیلہ عمل ہے، نہیں جانتے ہیں

مولٰنا موصوف نے جو شیخ الحدیث ہیں، کئی بار کُتبِ احادیث پڑھائیں، مُطالعہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے علم و فضل دے رکھا ہے۔ آپ صاحبِ تصنیف ہیں کیا "بَابُ زِیارۃ القبور" کُتبِ احادیث میں بھی دیکھا ہے یا نہیں جہاں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور ارشاد جو ہدایت اور نجاتِ آخرت ہے لکھا ہوا ملتا ہے

صاحبِ تسکین کو یاد ہوگا کہ ہجرت کے بعد مدینہ مُنوّرہ میں ابتدائی ایامِ ہجرت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے شاگردوں کو اعلان فرمایا کہ زیارتِ قبور کیلئے قبرستان میں کوئی مرد و عورت نہ جائے۔ آخر مقصد کیا تھا کیوں منع کیا گیا۔ وُہ صحابہ کرام جنہوں نے تیرہ ۱۳ برس دین کیخاطر ماریں کھائیں اور مسائلِ دینیہ سیکھے اُنکو ارشاد ہوتا ہے کہ تم بھی قبرستان میں نہیں جاسکتے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کی زبان نے یہ حرکت نہ کی کہ حضرت فِدَاہُ اَبِیْ وَ اُمِّیْ ہم نے تو دینِ متین کو خوب سیکھا ہے، ہمیں تو اجازت فرما دیجئے۔ تمام صحابہ مدینہ مُنوّرہ میں قبرستان میں مردوں کی زیارت کو بند کر دئے گئے۔ آنے جانے کا دروازہ بند ہوگیا۔ اسکی حکمت بھی یہی تھی کہ کہیں مسلمان صحابہ کرام یہود و نصاریٰ کیطرح قبروں پہ جاکر وہی معاملہ نہ کرنے لگیں جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ چونکہ مدینہ مُنوّرہ میں ایک گروہ احبار و رہبان کا

بھی موجود تھا جنہوں نے اپنے انبیاء و اولیاء کی قبور کو مساجد کا مقام دے رکھا تھا یعنی جسطرح مساجد کے ساتھ برتاؤ کرنے کا حکم ہے اسی طرح انہوں نے قبور پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا مثلاً قبور کو پختہ بنانا، غلاف چڑھانا، اسمیں نقش و نگار کرنا، خوشبودار بنانا، اسمیں روشنی کرنا، طواف کرنا، زیارت کیلئے اوقات دن مقرر کرنا، وہاں جاکر قربانیاں دینا، جاکر دُعائیں کروانا، شفاعت اُن سے کروانا، وغیر ذلک۔

پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ پھر مسلمانوں میں داخل نہ ہو جائے۔ تو زیارتِ قبور سے بالکلیہ روک دیا۔ جب عقائد میں اُن کو مضبوط اور پختہ بنا دیا پھر فرمایا کہ صرف مردوں کو زیارت القبور جائز ہے۔ عورتیں پھر بھی قبرستان میں نہ جائیں کیونکہ وُہ ناقصات العقل والدین ہیں کہیں خلافِ سُنّت وہاں کام نہ کر بیٹھیں۔

زیارۃ القبور سُنّیہ میں دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں تیسری نہیں۔ اگر کوئی زائر دو چیزوں کے علاوہ تیسری غرض اور مقصود لے جائیگا تو زیارۃ القبور سُنّیہ پر عمل نہیں ہوگا۔ وہ "زیارۃ بدعیہ" کہلائے گی

وُہ دو چیزیں کیا ہیں؟ ——— دُعائے مغفرت اور تذکیر الآخرت!

زیارت القبور کے بارے میں خود پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی بات پر ہر عالم و جاہل، خاص و عام کو عمل کرنا واجب ہے۔ زیارت القبور میں مقصد میت کے حق میں دعائے مغفرت اور زیارت کرنے والے کیلئے موت کی یاد اور آخرت کی طرف رجوع، محض تزہید من الدنیا و ترغیب الآخرۃ زیارت سُنّیہ میں ہونا چاہیئے۔ ایک لاکھ سے زائد شاگردانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی مقصد اور عمل رہا۔ کیا حضرت عمرؓ کا عمل واقعہ استسقاء میں یاد نہیں کہ افضل میت کو چھوڑ کر مفضول زندہ سے دُعا کروانا مسئلہ زیارۃ قبور کی حقیقت کا واضح انکشاف ہے اگر کوئی کھینچ تان کر اور ہیر پھیر کر کچھ اور مطلب نکالتا رہے اس کی مرضی۔ لیکن حضرت عمرؓ جو صحابی رسول خلیفۃ المسلمین خلیفۃ الرسول من الخلفاء الراشدین ہیں اُن کا کئی بار کا عمل مسئلہ کی حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ زیارت میں سفارش شفاعت دعا کروانا مقصود نہیں بلکہ میت کیلئے زیارت میں دُعا کا کرنا ہے جیسا کہ نمازِ جنازہ میں جو دُعاء مسنون کُتُبِ حدیث میں موجود ہے وہاں بھی میت سامنے رکھی ہوئی کیلئے دُعا کی جاتی ہے نہ کہ اس سے دعا مانگی جاتی ہے۔ اگر میت سے دُعا کا کروانا کہیں جائز ہوتا تو نمازِ جنازہ میں سے زیادہ موزون اور کوئی مقام نہیں تھا۔ لیکن مرنے کے بعد میت اس بات کا محل ہی

نہیں رہا کہ اس سے دعا کروائی جائے۔ یہ تو اُن مشرکین کا عقیدہ تھا کہ جب ان کو پکار سے منع کیا گیا تو اُن نے جواب میں یوں کہا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور کہنے لگے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعٰٓؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے جب زائر کو دُعا کرواتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لعنت ہو تجھ پر اور نامراد پھرے تو ایسوں سے کلام کرتا ہے جو نہ سُن سکتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں موتیٰ کے بولنے کو تعلیق بالمحال کے موقعہ پر ذکر فرمایا اور فرمایا لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اور فرمایا وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اور فرمایا وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ وغیر ذٰلک

ہائے افسوس! جس مرض کا خطرہ تھا اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے ٹائم تک روکتے گئے آج وُہی زیادہ بدعت اُمّتِ محمدیہ میں مُروّج ہے جس کو اہلِ علم حضرات ضعیف روایات، قصص، کہانیاں، کشف، خواب اور دیگر ایسی قسم کے حربوں سے پرورش فرما رہے ہیں۔ خوب فرمایا ڈاکٹر اقبال نے ؎

خدایا اب یہ تیرے سادہ دِل بندے کدھر جائیں ؛ کہ دُرویشی بھی عیّاری ہے سُلطانی بھی عیّاری

اَب اس ترقّی کے دور میں جب دنیا چاند پر جا کر مریخ سے باتیں کرنے کو تیار ہے یہ اندھے مُردوں کو سُنا کر اپنا شفیع بنا کر، ان سے حاجتیں طلب کر رہے ہیں۔ بجائے عملی زندگی سنوارنے کے اب اموات کی پُوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ چہ جائیکہ ہم وہی کام کرتے جو اہل اللہ نے کئے ہیں بلکہ اُلٹا اُن کو پوجنا شروع کر دیا ہے۔ کسی اہل اللہ نے خوب فرمایا ؎

تُو تا کے گورِ مَرداں را پرستی ؛ بیاؤ کارِ مَردان کُن درستی

خیر القرون کے زمانہ میں جو روشنی کا زمانہ تھا کسی صحابی کو اعتقادی نظریات میں کوئی اختلاف نہیں تھا جو آج کل قبوری شریعت والوں نے پیدا کر دیئے ہیں بلکہ انہوں نے اپنا نظریہ و عمل پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت کو سمجھا اور زیارۃ قبور میں وہی کچھ کیا جو پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا یا دیکھا بلکہ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اقطارِ ارض میں سب سے افضل ہے اس پر وہی کام کیا جو دوسری مزاروں کے بارے حکم سُنا، اپنی طرف سے دین کے اندر کچھ

کی بیٹی نہیں کی۔ کچھ مدت تک تو گاڑی اسی طرز پر چلتی رہی۔ جوں جوں آفتابِ رسالت دُور دُور ہوتا چلا گیا توں توں شرک اور بدعت نے آکر دین میں جگہ لینی شروع کردی اور اس نورِ آفتاب پر اپنی ظلماتی چادریں آکر بچھا دیں حتیٰ کہ اُمّۃ واحدۃ ۷۲ فرقوں میں منقسم ہونی شروع ہوگئی اور اپنے مضبوط شیرازۂ ملت کو کھو بیٹھی حروریہ۔ قدریہ۔ جہمیہ۔ رافضیہ جبریہ میں منقسم ہوگئی پھر ہر ایک فرقہ بارہ حصّوں میں منقسم ہوگیا پھر کیا ہوا۔ وہ کتاب جو کروڑہا دماغوں کو نورِ ہدایت سے اور اوامر و نواہی کی لالٹینوں سے مُنوّر کرتی رہی اور جسکی ترجمانی تفسیر و تشریح کے طور پر خود زبان حاملِ وحی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جن مضامین کی تشریح تلامذۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے فرمائی جن اسرار و رموز قرآنی پر خیر القرون ثم الذین یلونہم واقف ہوئے بعد میں آنے والے فقیہ، محدث، شیخ، مجتہد، علامہ کے لباس میں آکر مضامین و مقاصدِ قرآن کو خواہشات کے ماتحت دماغی مخترعات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنی شروع کردی یہاں تک کہ امّت مسلمہ ملّت واحدہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوکر وحدت کی نعمت کو کھو بیٹھی۔ غیر مُسلم کی زبان پر جاری شدہ الفاظ قابلِ عبرت ہیں کہ مسلمانوں کا قرآن موم کی ناک ہے جدھر چاہو موڑو" العیاذ باللہ علماء نے اپنے فلسفیانہ افکار سے سیکڑوں اختلافی مسائل نکال لئے۔ جب مسلمان یونانیوں، رومیوں کو جاکر ملے تو اُن لوگوں نے فلسفیانہ افکار اسلام میں داخل کردیئے۔ پھر اسلام میں کئی بحثیں چھڑ گئیں مثلاً مسئلہ تقدیر، خلقِ قرآن، صفاتِ باری تعالیٰ۔ پھر انہیں مسائل میں آکر اُمّتِ مسلمہ جبریہ، معتزلہ، مرجئہ، ماتریدیہ، اشاعرہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ انہی فرقوں کے ساتھ مدتِ دراز تک حق و باطل کی جنگ جاری رہی ائمۂ دین، علمائے مجتہدین نے اپنی جانیں اظہارِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر قربان کردیں۔ طوفان آئے، موجیں اُٹھیں آندھیاں چلیں، خونِ شہداء سے زمین لالہ زار بن گئی لیکن نخلِ اسلام کو اعدائے دین سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح ہند میں جب عقائد ہنود پورے شباب پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک عالمِ دین معین الدین اجمیریؒ اور مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہؒ جیسے جلیل القدر عالم کو اُن کی سرکوبی کیلئے بھیج دیا "ولی اللّٰہی" خاندان نے جو دین کی خدمات انجام دی ہیں اُن کا احسان قیامت تک آنے والی اُمّت کی گردن پر باقی رہیگا۔ ولی اللّٰہی فیوضات کی تکمیل علمائے دیوبند نے فرمائی۔ ایک مرکز دیوبند میں قائم کیا گیا۔ جسکا مقصد اشاعۃ کتاب و سُنّۃ اور علومِ فقہیہ کی صحیح معنوں میں ترویج اطرافِ عالم سے علومِ شرعیہ کے پیاسوں کو سیراب کرنا تدریساً، تقریراً، تحریراً باطل کا مقابلہ کرنا صحیح

معنوں میں سُنّت نبوی کی خدمت کرنا اس مادرِ ملّت نے ہزاروں مجاہدین، محافظین، فقیہ، محدّث، ادیب، فصیح و بلیغ پیدا کئے۔ محمد قاسم نانوتوی۔ رشید احمد گنگوہی۔ مفتی عزیز الرحمٰن۔ حبیب الرحمٰن۔ شیخ الہند۔ اشرف علی۔ حسین علی۔ حسین احمد مدنی۔ مفتی کفایت اللہ۔ سید محمد انور شاہ۔ ضیاء الحق دیوبندی۔ محمد اعزاز علی۔ شبیر احمد عثمانی۔ میاں اصغر حسین۔ مرتضیٰ حسن چاندپوری۔ عبدالشکور لکھنوی۔ خلیل احمد انبیٹھوی۔ محمد یحییٰ۔ محمد الیاس۔ محمد ابراہیم بلیاوی۔ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم جیسے ہیرے گود میں پالئے۔ اقطارِ عالم میں جہاں بھی دیکھو گے بالواسطہ یا بلاواسطہ انہیں کے تلامذہ ملیں گے ملک کے ہر بلدہ ہر قریہ میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ملیں گے جو مسلک دیوبند کے ہو کر کتاب و سنت کی تبلیغ میں کوشاں جوشاں رہتے ہونگے۔ دین کو محفوظ رکھنے کی خاطر ہر طاقت کو استعمال کریں گے۔ ذریات باطل کے دلائل کمثل بیت العنکبوت کو کتاب و سنت کے براہین سے پاش پاش کریں گے!

اسی علمی میدان میں پنجاب میں حضرت مولٰنا حسین علی رحمہ اللہ کو ید طولیٰ حاصل ہے جنہوں نے شہر، اقرباء، احباء، رفقاء کو الوداع کر کے ایک جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں نفوس کو قرآنی نعمت اور حدیث نبویہ سے مالا مال فرمایا۔ ستر اسی برس اسی خدمت کو انجام دیا۔ کسی لومت لائم کی پرواہ نہیں کی جنکے معروف تلامذہ میں سے حضرت مولٰنا غلام اللہ خان، قاضی شمس الدین، سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت اُونچے پیمانہ پر لے رہا ہے۔ جو صحیح معنوں میں اپنے اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کتاب و سُنّت کے احیاء میں شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے خلف کو دیر تک زندہ رکھے

علمائے دیوبند کے خُدّام میں سے حضرت مولٰنا حسین علیؒ کے معتقدین و مریدین کا یہ شیوہ یہی ہے کہ کتاب و سُنّت کے مقابلہ میں کسی کا قول و فعل حُجّت نہیں سمجھتے۔ اور ایسی اندھی تقلید سے ہمیشہ مُبرّا رہتے ہیں جہاں دوسرے حضرات اکابر، سلف، جمہو کا بورڈ لگا کر عوام کالانعام کو خلافِ کتاب و سُنّت لے جانا چاہتے ہیں وہاں یہ مخلص اور مُجاہد حضرات اپنے اکابرین کے اقوال میں تاویل فرما کر کتاب و سُنّت کو اپنا مشعلِ ہدایت بناتے ہیں۔

مثال کے طور پر مسئلہ "حیاۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام" میں جب اختلاف ہوا تو جس وقت "محبّانِ اکابر" نے دنیوی کی قید لگا کر اپنے مقابلین کو "منکرین حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا فتویٰ دیدیا تو مریدین و معتقدین حضرت مولٰنا حسین علیؒ نے "وفاۃ النبی" جو نصِ قطعی سے ثابت ہے "حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا وہ مفہوم مراد لیا جو احادیث نبویہ میں ملا یعنی "حیاۃ برزخیہ" جس طرح

حیاتِ دنیویہ میں رہ کر مراتب و خصوصیات کے اعتبار سے انبیاء کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے اسی طرح وفات کے بعد انبیاء کو شہداء و دیگر اولیاء سے برزخ میں اعلیٰ ترین رتبہ ملتا ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

فرق حقیقتِ حیات میں نہیں بلکہ مراتب و خصوصیات کا فرق ہے مثلاً انبیاء وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی ارواح کو قبض کیا جاتا ہے (۲) اُن کے اجساد کو مٹی نہیں کھا سکتی (۳) دوسرے اموات کے جنازہ میں حکم تعجیل کا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کئی روز حجرۂ مبارکہ میں قبر سے باہر رکھا رہا (۴) دوسرے جنازوں پر نمازِ جنازہ باجماعت کا حکم ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام کی جماعت سے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی

اور یہ بھی یاد رہے کہ حیاۃِ برزخیہ' حیاۃِ دنیویہ سے افضل اکمل اعلیٰ اولیٰ اقویٰ اقرب الی اللہ ہے جس کو خود پیغمبر علیہ السلام نے پسند فرمایا۔ اس مسئلہ پر یہ حاصل بحث "الصراط المستقیم" میں کی گئی ہے جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آج تک حیاۃ دنیویہ کے قائلین نے جن جن روایات سے استدلال کیا ہے تمام کے جوابات اور مفصل بحث حقیقتِ مسئلہ کا انکشاف کالشمس فی الظہیرۃ اسمیں کیا ہے۔

حضرتِ موصوف کے تلامذہ جس دینی خلوص سے اشاعۃ التوحید والسنۃ کا کام کر رہے ہیں وہ اس دور میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ اُن سے مقابلہ مجادلہ کرنا تعصب کی واضح دلیل ہے

صاحبِ موصوف صاحبِ تسکین کے ایک بھائی مولوی عبدالحمید صاحب "مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ میں رہتے ہیں جب اُن کے سامنے اس جماعت کے مخصوص افراد میں سے کسی کا نام آجائے تو گالیوں تک بھی دریغ نہیں فرماتے۔

سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے ساتھ خصوصی بیر ہے کہ اُن کا تو نام سنتے ہی سیخ پا ہو جاتے ہیں۔

انہوں نے بھی ایک تصنیف فرمائی ہے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی تحریر "تحفہ ابراھیمیہ" کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن دراصل مقصود وہ مُقدّمہ ہے جو پہلے لکھ دیا گیا ہے جس نے اصل کتاب کے مقصد کو برباد

کر دیا۔ اس مقدمہ میں مسئلہ وحدۃ الوجود اور وسیلہ وغیرہ کو لکھ کر مسلکِ دیوبند کا ستیاناس کر دیا۔ حضرت امام ربانی مجددِ الفِ ثانیؒ جیسی شخصیت کو متہم کیا۔ اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو اس کتاب کے مضامین کی ترتیب اور الفاظ وجملوں کی بست وکشاد صاحبِ تسکین کے قلم کیطرف مشیر ہے۔ غالباً آپ کے ایماء سے جمع کردہ مضامین کتابی شکل میں شائع کر دیے گئے ہیں۔ گویا زبان انکی قلم ان کا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ کی تفسیر میں تو علمی جواہر کے ذخائر جمع کر دیئے "سبحان اللہ کیا کہنے! اِن عشاقِ اکابرین کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی خوفِ خدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایسا برتاؤ نہ کرتے۔ وسیلہ کی تفسیر میں اب جمہو کہاں غائب ہو گئے۔

سواتی برادران نے تسکین الصدور اور فیوضات حسینی لکھ کر اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر بہت بڑا احسان کیا۔ جس قدر شرک اور بدعت کے مبادی برادرانِ مذکورین کو میسر ہو سکتے تھے وہ جمع فرما کر سامنے رکھ دیئے۔ گویا کہ صیاد نے تمام سامانِ صید کو شکار کرنے کا مہیا کر لیا ہے۔ اب صید کے آنے کی کسر باقی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

یہ گُل چین باغباں صیاد یہ تیرے کرم فرما ہیں ۔ لئے بیٹھے ہیں دل میں حسرتیں تجھ کو مٹانے کی
قفس بھی، دام بھی، مقراض بھی بالکل نئے ہونگے ۔ نئی ترکیب ہوگی تجھکو پھندے میں پھنسانے کی

صاحبِ تسکین نے اجسادِ اموات سے "اتصالِ روح" بصورتِ "اعادۂ روح" ثابت کر کے پھر اس میت کا دیکھنا، سننا، اور اسکا شعور اور ادراک، زائر کو پہچاننا، اور مُردے کا خوش ہونا لکھا ہے۔ اور زائر کے لئے میت کا وسیلہ بنانا، اور اس کے واسطہ سے دعا مانگنا، اور حاجات میں قبور پر جا کر اُن کی ذات اور صفات سے وسیلہ پکڑنا، مذہبِ جمہو لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مولنا موصوف کے مزعومہ مخترعہ جمہو کونسے جمہو ہیں مولنا شیخ الحدیث ہیں باب زیارۃ القبور حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ کئی بار پڑھانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ کیا زیارۃ القبور خیر القرون کے زمانہ میں اسی نظریہ سے ہوا کرتی تھی۔ اور یہی زیارۃ القبور سُنّیہ کہلاتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک تھا جو تسکین میں لکھا گیا ہے؟ جلیل القدر علماء کی تصانیف مثلاً "قاعدہ جلیلہ"

حجۃ اللہ البالغہ، البلاغ المبین، تقویۃ الایمان، مکتوباتِ امام ربانی، فتح القدیر، ردّ المحتار، الکوکب الدرّی۔ مکاتیبِ رشیدیہ، قرآن مجید محشی شبیر احمد عثمانیؒ کیا زیرِ نظر مولنا کے نہیں گذریں۔ انہوں نے زیارۃ القبور کا مقصد یہی لکھا ہے؟ کیا ایسی ہستیاں جمہور میں داخل نہیں ہیں؟

تنبیہ

شیطان نے جس قدر قبروں کے راستہ سے اُمّتِ مسلمہ کے عقائد میں فساد ڈالا ہے اتنا کسی کسی دوسرے راستہ سے نہیں ڈالا۔ جس دور میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔ اس ہمارے دور میں گئی گونہ دواعی و علل و اسبابِ بدعت ایسے موجود ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ایسی کتابیں لکھنا جن سے شرک اور بدعت کے سیکڑوں دروازے کھل جائیں اپنے مخترعات اور مفروضات ضعیف روایات خوابوں اور کشفوں سے وسیلۂ بدعت جیسا مسئلہ سنانا زہرِ قاتل کا حکم رکھتا ہے

کچھ احکام بمقتضائے زمانہ بدلتے رہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا فرمان کہ اگر آج پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی کبھی اجازت نہ فرماتے۔

قبور پر جتنی بدعات آج نظر آتی ہیں کوئی پہلے تو نہیں تھیں۔ یہ عرس، قوالیاں، پھول، چادریں، سالانہ میلے، تیجے، چہلم، بیسویں، برسیاں، اور مجاورۃ قبروں پر۔ قبور کا غسل، اولیاء اللہ سے امیدیں، ان کے سامنے التجائیں، اُن سے دعائیں، سفارشیں۔ ان پر نذر و نیازیں، ایامِ مخصوصہ میں تقرری اور التزام ان کی ارواح کو حاضر و ناظر مان کر درخواستیں کیا یہ کام صحابۂ کرام نے افضل البشر اعلم الناس اقرب الی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارِ اقدس پر یہ اقوال و افعال کئے ہیں۔ تابعین اور تبع تابعین نے اجازت دی ہے؟ ائمۂ اربعہ نے ان کاموں کو پسند فرمایا ہے؟

لیکن آج صاحبِ تسکین نے جمہور۔ اکابر۔ سلف کے نام پر سب کچھ جواز اور استحباب میں داخل کر دیا

چونکہ اصل کتاب میں علامہ محقق و مدقق حضرت مولانا محمد حسین صاحب سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی نے بہت کچھ لکھ دیا ہے اور صاحبِ تسکین کی علمی قابلیتوں کو طشت بر بام کر دیا ہے۔ غالباً علماء حضرات اور طلبائے کرام بنظرِ انصاف دیکھ کر اپنی ایمان اور تقوے جیسی نعمت کو محفوظ رکھ سکیں گے۔

ہماری سابقہ کتاب "شفاء الصدور" پر جو صاحبِ تسکین نے اعتراضات کئے ہیں اور بعض سادہ لوح علماء حضرات نے بھی اپنی نیک نیتی سے کچھ نامناسب کلمات لکھ دئے ہیں اور دراصل حقیقتِ مسئلہ کو نہ سمجھنے کی بنا پر تمام مشکلات درپیش آئی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب دوسرے ایڈیشن میں مع قدرے اضافہ تمام اعتراضات کا جواب، اور فوائدِ جلیلہ جدیدہ ہدیۂ ناظرین ہوں گے۔

ہماری تحریرات میں کسی سے نہ عداوت مقصود ہے اور نہ تشہیر مقصود و مطلوب ہے۔ محض قرآن و سُنّت کی خدمت اور مذہب احناف کی تائید میں مخالفین، معاندین، مکابرینِ قرآن و سُنّت کے جوابات احسن طریق سے دینے مطلوب ہیں وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

العبد الضعیف الحقیر مُحَمَّدُ اَمِیْر کان اللہ لہٗ

مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا بلاک نمبر ۱۸

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ — ۱۰ اگست ۱۹۶۹ء — ۲۶ ساون سمت ۲۰۲۶

اتوار بوقتِ عصر در جامع مسجد حنفیہ بلاک نمبر ۱۸

پیشِ لفظ

الکتاب المسطور فی جواب سماع الموتیٰ وتسکین الصدور کا اب تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھ میں ہے۔ عرصہ پندرہ سال قبل یہ تسکین الصدور کے جواب میں صرف تین ماہ کے اندر تصنیف، کتابت، طباعت کے مراحل طے کر کے منظرِ عام پر آئی تھی،

علمی حلقوں میں جس قدر اس کتاب کو عزت کی نظر سے پڑھا گیا اور اس تالیف کو سراہا گیا اس پر ہم خدائے عزوجل کے شکر گزار ہیں۔

پہلا ایڈیشن تو چند ہی ماہ میں ختم ہو گیا۔

پھر دوسرا ایڈیشن جب طبع ہوا تو وہ بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ابھی آرڈر آ ہی رہے تھے کہ دوسرا ایڈیشن بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔

پھر شائقین کی مزید طلب اور تشنگی کا احساس کرتے ہوئے اب تیسرے ایڈیشن کا اہتمام کیا گیا جو کہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ندائے حق کے خلاف بیسیوں کتابیں، پمفلٹ، پوسٹر، اشتہارات شائع ہوئے جن میں اکثر سوالات اور اعتراضات علمی سطح سے گرے ہوئے اور محض تعصب اور فرقہ بندی پر مبنی تھے، جن کا قرآن واحادیثِ نبویہ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

طلبائے کرام وعلمائے عظام اور دینی حلقوں کے بار بار مطالبے کے پیشِ نظر ہم نے الشیخ المحقق مولٰنا السید محمد حسین النیلوی مدظلہ العالی کی خدمت میں گذارش کی کہ کتاب

ندائے حق پر کیے گئے اعتراضات و شبہات کا قرآن و سنت کی روشنی میں اور فقہائے کرام و محدثین و متکلمین و مفسرین کے اقوال سے مزین اور تحقیقی دلائل اور براہین قاطعہ سے مبرہن ایسے مسکت جوابات دیں جو کہ قاری صاحبان کے لیے تسلیہ اور اطمینان قلب کا باعث ہوں۔ حضرت نے اپنی گوناگون مصروفیات، درسی و تعلیمی سرگرمیوں کے باوجود اس دینی کام کا بیڑا اٹھالیا۔

اگرچہ پہلا ایڈیشن ۳۲۵ صفحات پر مشتمل تھا۔ جلدی کی وجہ سے اکثر مباحث مجمل رہ گئی تھیں لیکن طبع ثانی اور ثالث جو اب آپ کے زیر مطالعہ ہے ایک جامع علمی خزانہ ہے جو فاضل مصنف کے علم و فضل اور فہم و ذکاوت کا شاہکار ہے۔ ہم خداوند قدوس کے حضور اس کی کرم نوازی پر ہزار بار شکر گزار ہیں کہ مولائے کائنات نے ہمیں اس مقدس و پاکیزہ دینی پروگرام میں کامیابی بخشی۔ ہزاروں رکاوٹوں اور پریشانیوں کے باوجود اس مسبب الاسباب کا بے انتہا لطف و کرم ہے کہ ہم مسلکِ حق کو آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

خداوندِ قدوس ہماری اس سعی کو شرفِ قبولیت سے نواز کر عام و خاص کیلیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

کتاب ہذا دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی جلد کے دو جزء ہیں۔ پہلی جزء جو کہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں اصل مرکزی مسئلہ "حیاتِ انبیاءؑ" کا مسئلہ ہے۔

اور دوسری جزء میں دوسرے فریق کے دلائل کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

اور دوسری جلد میں سماعِ موتیٰ کے مسئلہ پر بحث ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم ہمیں کتاب کے باقی حصے بھی آپ تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ناظم المکتبہ الحسینیہ

جامعہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا

فہرس کتاب المسطور

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رسالہ خیر الصلات فی معنی الحیات والممات	۱۶	تمثیل بہ جبرائیل	۴۹
حیات کے معنی	〃	شعبی کی عبارت	۵۰
مولنا کے کلام میں تعارض	۲۰	حلیمی رح	〃
پیر جیلانی کے بارے میں ایک غلط خیال	۲۳	مولنا کی عبارتوں میں دو تعارض	۵۱
حیات انبیاء کا صحیح مفہوم	۲۵	جلنے اور خاک ہونے کے بعد بھی جسد	
کیفیت حیات بعد ممات	۲۷	عنصری قائم ہے؟	۵۳
علامہ سید آلوسی کا فیصلہ	۳۰	تیسرا تعارض	〃
حافظ ابن حجر کی تحقیق	۳۱	قول صاحب تسکین مخالف قرآن متین	۵۴
سوال، جواب	۳۳	ورسول مبین	
ایک اور سوال جواب	۳۴	معترض کو جواب	۵۶
تنبیہ	۳۵	حیات کیلیے روح کا جسم میں حلول ضروری	
الحاصل	۳۷	ہے؟	۵۷
سوالوں کے جواب	۳۹	موت کے معنی امام راغب کے نزدیک	۵۹
مراقی الفلاح کی ایک خبر کی تردید	۴۰	چوتھا تعارض	〃
نبی اکرم کی اپنی دی ہوئی مثال	۴۲	موت کی تعریف اور حقیقت۔	۶۰
امام غزالی رح کی صاف عبارت اور مولنا		قرآن حکیم میں روح بتدریج نکلنے کا ذکر	
کی پیوند کاری	۴۷	روح جسد عنصری سے نکلکر کہاں جاتی ہے؟	۶۱
تائید مسئلہ از مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی رح	۴۹	رسالہ کشف الستر عن معنی القبر	۶۵

مضمون	صفحہ
قبر کے معنی جمہور علمائے امت محمدیہ کے نزدیک	۶۶
لغت عرب میں قبر کے معنی	۶۷
اصطلاح شرع میں قبر کے معنی	″
از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	۶۷
از شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح	۶۸
از مولوی محمد ابراہیم دہلوی رح	۶۸
از امام شعرانی رح	″
از حکیم الامت تھانوی رح	″
از نواب قطب الدین دہلوی رح	۷۰
از اسد الرحمٰن قدسی رح	۷۱
از محمد عیسیٰ الہ آبادی رح	۷۱
از علامہ ابن قیم رح	″
از مفسر حقانی رح	۷۲
از محمد حسن سنبھلی رح	۷۳
از سید سلیمان ندوی رح	″
از محمد ادریس کاندھلوی رح	۷۶
از شبیر احمد عثمانی رح	″
از وحید الزمان حیدر آبادی رح	۷۷
از امام طحاوی رح	۷۸
از قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح	۷۸
از عبدالماجد دریابادی رح	″
از شیخ الہند رح	″

مضمون	صفحہ
از محمد منظور نعمانی رح	۷۹
از محمد طاہر قاسمی رح	۷۹
از مفتی محمد کفایت اللہ رح	″
از مولوی محمد نجم الغنی رح	″
از مفتی محمد شفیع دیوبندی رح	۸۰
از عبدالرحمٰن اسلہٹی رح	۸۰
از سعید بن نبہان حضرمی رح	″
از تھانوی رح بجواب ملاحدہ	″
از تفسیر مرادیہ	۸۱
از امام البریلویہ احمد رضا خاں	″
سوال وجواب	۸۲
ایک اہم نکتہ۔	۸۷
مزید تشریح از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح	۸۸
تشریح از سبحان الہند رح	۹۲
فائدہ	″
قبر کا معنی قرآن پاک میں	۹۳
تفسیر آیۃ ثم اماتہ فاقبرہ	″
برزخ کیا ہے؟ (نہایہ، قاموس	۹۶
صراح، منتہی الارب، تاج العروس	۹۶، ۹۷
قبر بمعنی گڑھا لینا معتزلہ کا مذہب ہے۔	″
قبر بمعنی برزخ کثیر الاستعمال ہونے کا مطالبہ	۹۸

مضمون	صفحہ
برزخ کہاں ہے۔	۹۹
اقوال مفسرین و متکلمین دربارہ علیین و سجین۔	〃
سجین مقام برزخ	۱۰۳
احادیث نبویہ دربارہ علیین و سجین	۱۰۵
برزخ اربعہ عناصر سے بالا ہے (سیوطیؒ و انور شاہؒ و شاہ ولی اللہؒ)	۱۰۹
رسالہ سبیل الاعتدال فی بیان عالم المثال۔	۱۱۰
آیت قرآن سے عالم مثال کا ثبوت	۱۱۱
احادیث دالہ بر عالم مثال	〃
تشریح عز الدینؒ و ابن دحیہؒ و وہبؒ بن منبہ و تفتازانیؒ	۱۳۶
و تفسیر قاسمی و ملا علی قاریؒ و سعید بن جبیرؒ	〃
و امام الہندؒ و امام عبد العزیزؒ و نیشاپوریؒ	۱۳۸
و خازن و شعرانیؒ	۱۳۹
سنیؒ کا جواب سوال	۱۴۲
قاشانی و نسفی	۱۴۳
و پانی پتیؒ و مجدد الف ثانیؒ و رازیؒ	〃
و بیضاویؒ	۱۴۴
اجماع سلف صالحین (صحابہؓ و تابعینؒ)	۱۴۵
غیخزادہؒ کی تشریح۔	۱۴۶
وہ معتزلہ جو ارواح کے عذاب کے منکر ہیں۔	۱۴۷
از مواہب الرحمٰن۔	۱۴۷
از مولوی عبد الحکیم سیالکوٹیؒ	۱۴۸
سید محمد انور شاہ صاحبؒ	〃
مولانا نانوتویؒ	〃
تشریح تھانویؒ	۱۴۹
خیر الحیات	۱۵۰
سید سلیمان ندویؒ	〃
مذہب معتزلہ، ایک سوال و جواب	۱۵۱
پیر طریقت مولانا حسین علیؒ	۱۵۲
تشریح شہرستانی و موضح القرآن	〃
و سید محمد انور شاہ صاحبؒ	۱۵۳
ساری بحث کا ماحصل و نتیجہ۔	〃
عالم مثال کا مشاہدہ نبی پاکؐ نے کیا	۱۵۴
از شرح الصدور	۱۵۶
از صحیح بخاری	۱۶۱
عذاب و ثواب قبر سمجھنے کے لیے خواب کی نظیر۔	۱۶۶
جسم مثالی کا اقرار، از مفتی "بینات"	۱۶۸
از مولانا تھانویؒ	۱۶۹
پانچواں تعارض	۱۷۱

مضمون	صفحہ
حسد کے معنی	۱۷۲
اعتراض کا جواب	″
معتزلہ کا مذہب	۱۷۳
تواتر حدیث، شاہ عبدالعزیزؒ	۱۷۴
مولٰنا محمد شفیع دیوبندیؒ	″
قبر کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کا اصل منشا	۱۷۵
رسالہ لطیفۃ القدس فی تفسیر آیت اللہ یتوفی الانفس۔	۱۷۶
قاضی پانی پتیؒ	۱۷۷
شبیر احمد عثمانیؒ	۱۷۹
عبدالماجد دریا بادیؒ۔	″
نعیم الدین مراد آبادی	۱۸۱
سبحان الہندؒ	۱۸۱
محمد شفیع دیوبندیؒ	۱۸۲
شیخزادہؒ و تھانویؒ	۱۸۴
صفدری خیانت	۱۸۵
صفدری جہالت	″
فرمان سیوطیؒ	″
امام عبدالعزیزؒ	۱۸۶
دیگر عربی تفسیروں کے حوالجات	۱۸۷
تفسیر آیت وافا النفوس زوجت از بغویؒ و رازیؒ و ابوالسعودؒ و آلوسیؒ و ابن کثیرؒ	۱۸۸

مضمون	صفحہ
و ابن جریرؒ و نیشاپوریؒ و شاہ ولی اللہؒ	
و ابن عباسؓ و عکرمہؒ و ضحاکؒ و ابوالعالیہؒ	
و سعید بن جبیرؒ و شعبیؒ و حسن بصریؒ رحمہم اللہ	
تفسیر آیۃ یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک۔	۱۹۰
از بغوی و خازن و ابوالسعود از عکرمہ و ضحاک و ابن عباسؓ و معارف القرآن	
تفسیر آیت قیل ادخل الجنۃ	۱۹۲
از سبحان الہندؒ	
و مدارک و خازن و عثمانی و جواہر القرآن	
دخول کا مفہوم	۱۹۳
تفسیر آیۃ قالوا ربنا امتنا اثنتین و	″
احییتنا اثنتین از شاہ عبدالقادرؒ و	
تھانویؒ و ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ و	
ابوالعالیہؒ و حسنؒ و مجاہدؒ و قتادہؒ و	
ابوصالحؒ و ضحاکؒ و عطا خراسانیؒ وغیرہ	
و محمد شفیعؒ و رازیؒ و آلوسیؒ و خازن	۱۹۵، ۱۹۶
و ابن کثیرؒ	۱۹۷
و عثمانیؒ	″
الحاصل	۱۹۷
احادیث نبویہ در تائید آیات ربانی۔	۱۹۹

مضمون	صفحہ
ارواح المومنین فی الجنۃ، احادیثِ متواترہ	۱۹۹
پیر گولڑوی کا اعترافِ حق	۲۰۴
قبر سے صرف گڑھا مراد لینے کی خرابیاں	۲۰۵
برزخ والوں کا دنیا والوں کے ساتھ تعلق	۲۰۷
برزخ والے اور دنیا والے ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے۔	۲۰۸
وفات کے بعد اس جسدِ عنصری کے ساتھ حج نہیں ہوتا	۲۰۸
دنیا میں پس پردہ دیکھ نہیں سکتے تو مرنے کے بعد کیسے؟	۲۰۸
قبر کی زمین اور ہے اور اہلِ دنیا کی زمین اور ہے۔	۲۱۰
"ارض" کے معنی۔	″
قبر کی وسعت اور تنگی سے مراد	۲۱۲
شیعہ، سنی، معتزلی سب کے نزدیک عذابِ قبر برحق ہے۔	۲۱۶
براء بن عازبؓ کی حدیث جو اعادۂ روح کے خلاف ہے۔	۲۲۳
اصولی قاعدہ	۲۲۴
ایک فقہی مسئلہ	۲۲۵
قرآن میں اشارہ کہ روح کے بغیر قبر میں محض مردہ جسم ہے۔	۲۲۶
ارواحِ شہداء بھی جسدِ عنصری کی طرف نہیں لوٹتیں، ارواحِ انبیاءؑ بھی۔	۲۲۷
حضرت بنوریؒ کی تقریظ پر ایک نظر	۲۲۹
پیر طریقت کی تحقیقِ انیق۔	″
اعادۂ روح والی حدیث متواتر ہے۔	۲۳۰
یہاں تو سات مذاہب ہیں۔	
ازالہ وہم	۲۳۴
صاحب قرۃ العین	۲۳۵
صاحب کشف المغالطات کو مغالطہ	۲۳۶
مغالطہ کا منشاء نمبر ۱، ۲	۲۳۷، ۲۴۰
قولِ فقہاء موید ہے ہمارے مدعا کا	۲۴۱
تاویلِ فقہاء میں بحث ہے	۲۴۱
حیاتِ ضروریہ	۲۴۲
حدیث میں احتمال ہے کہ یَسْمَعُ ہو۔	۲۴۳
سدی کا خیال اور تفسیر غلط۔	″
سوال جواب ملائکہ کے لیے زندگی برزخی ہے۔	″
جسدِ عنصری کے ساتھ دو ہی زندگیاں ہیں	۲۴۴
معنی کی رو سے سدی کا قول غلط ہے	۲۴۵

مضمون	صفحہ
سوال کا جواب	۲۴۸
رسالہ اصح الاقوال فی شرح حدیث خفق النعال۔	۲۵۰
ردِ سہو ناسخ۔ اس کا جواب۔	۲۵۳
عطف کا مغالطہ	
بسا اوقات اپنے مسلک کے خلاف بھی مفسر تفسیر کر دیتے ہیں۔	۲۵۵
مجازی معنی کا موید ۲	″
مجازی معنی کی نظیر۔	۲۵۶
رسالہ فیض الجواد فی شرح مسئلۃ المبدأ والمعاد	۲۵۸
نسمہ کیا چیز ہے؟	″
شیعہ و معتزلہ کا مذہب کہ عہدِ الست صرف ارواح سے ہوا تھا۔	۲۶۳
انسان اور بدن عنصری میں فرق	۲۶۵
معادِ جسمانی	۲۶۷
معادِ جسمانی پر شبہات کے جوابات	۲۶۸
انسان کس چیز کا نام ہے؟	۲۷۴
سائنس اور اسلام کی عبارت	۲۷۶
حیات برزخیہ میں علماء کا شدید اختلاف	۲۹۴
نقشہ	۲۹۶
پیٹ کے کیڑوں سے مثال غلط	۲۹۷

مضمون	صفحہ
خواب کی مثال غلط	۲۹۷
سورج کی مثال غلط	۲۹۸
تمثیلات عقاید کی بنیاد نہیں۔	۲۹۹
معتزلہ کی طرف سے سوال کا جواب اور ردِ جواب۔	۲۹۹
معتزلہ کی طرف سے سوال کا جواب اور ردِ جواب۔	۳۰۴
امکان عقلی مستلزم وقوع نہیں۔	۳۰۵
امکان عقلی ہو تب بھی بدن عنصری کو جنا سزا نہ ماننے کی اصل وجہ، تھانویؒ	۳۰۷
رازیؒ و شاہ عبدالعزیزؒ	″
جعلی تطبیق۔	۳۱۰، ۳۱۱
تطبیق کے غلط ہونے کی وجہ نمبر ۱ و ۲	۳۱۱
ارواح کا جسدِ عنصری سے تعلق،	۳۱۳
عود روح یا اتصال	۳۱۴
عود کے حقیقی معنی نہ لینے کی وجہ	۳۱۵
حتی کے معنی۔	۳۱۹
عودِ روح یا اتصال کونسے جسم میں؟	۳۲۲
حضور کی تفسیر حیات	۳۲۳
ابن قیمؒ و شاہ عبدالعزیزؒ	۳۲۵
رسالہ البیان فی کیفیۃ تعلق الروح بالابدان۔	″
	۳۲۷

مضمون	صفحہ
امام بخاریؒ کا مسلک، مولٰنا کا ذہول	۳۳۱
تعلق دخولی نہیں، التفاتی اور معنوی ہے	۳۳۲
ابن قیمؒ کی تحقیق، سوال وجواب،	۳۳۴
ملا علی قاری کی توجیہ میں بحث،	۳۳۶
الحاصل	"
رسالہ فیض الودود فی تفسیر آیت تبدیل الجلود	۳۳۸
بعض کا خیال اور خیالیؒ کا جواب	۳۳۹
مولوی سیالکوٹی	۳۴۰
محشی قرء کمال کا اعتراض	۳۴۰
فاضل لاہوریؒ کا جواب	۳۴۱
شجاع کی تقریر	۳۴۱
بیضاوی کی تفسیر اور شیخ زادہ کی تشریح۔	۳۴۳
مترجمین کے تراجم	۳۴۳
ایک مشہور اور اہم سوال	۳۴۵
اور مولٰنا نانوتوی کا جواب	"
معتزلہ کا اعتراض اور اہل سنت کا جواب	۳۴۶
اس جواب پر صاحب تبراس کا اعتراض نیلوی کی تشریح	۳۴۷
علم عقاید والے برزخی حیات کو حیات ضعیفہ مانتے ہیں۔	۳۴۸
نوحًا من المیوۃ کا مفہوم	۳۴۹
مولٰنا کاندھلویؒ کی تفسیر	۳۵۰
تفسیر آیت النار یعرضون علیہا	۳۵۱
متاخرین معتزلہ کا مسلک۔	۳۵۳
اتصال روحانی کی نظیر	۳۵۴
حیات برزخیہ ناقصہ پر حیات کا اطلاق مجازی ہے۔	"
بیضاویؒ کی عادت	۳۵۵
ثم الیہ ترجعون میں استنباط، مولٰنا کا جواب،	۳۵۶
چند مفید باتیں۔	۳۵۷
میت کو نائم کے ساتھ تشبیہ دینے کی صحیح توجیہ۔	۳۵۷
حدیث القبر روضۃ پر بحث	۳۶۱
قبر عرفی کو غیر مسلم لوگ جنت دوزخ کہتے ہیں۔	۳۶۲
شرح معنی انا للہ وانا الیہ راجعون از تھانویؒ	۳۶۳
تشریح کل نفس ذائقۃ الموت	۳۶۸
موت کفار کی نظر میں	
تمام بحث کا ماحصل	۳۷۰

مضمون	صفحہ
رسالہ ازالۃ الخفاء عن حیاۃ الانبیاء	۳۷۴
موحدین پر بہتان انکار حیاۃ الانبیاء کی ابتداء	۳۸۸
حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر جو تھا بہتان۔	۳۸۸
اسباب تصنیف تقویۃ الایمان	۳۸۹
تقریر مولنا محمد منظور نعمانی مدظلہ	۳۹۵
مراد آبادی کا شاہ صاحبؒ پر بہتان	۳۹۷
اور عزیز الدین صاحب کا جواب	″
صحابۂ کرامؓ کے مرثیوں میں شاہ صاحبؒ کی تائید۔	
انبیاء کرامؑ پر اموات کا اطلاق	۴۰۶
مؤرخین اسلام کا تحقیقی بیان	۴۰۹
نبی پاکؐ کی وفات، دلائل	
آپؐ کو میت کہنے والوں کی فہرست	۴۲۲
امام ابوحنیفہؒ کا مذہب	۴۲۷
تالیسی اور صاحب مواہب کا مذہب	۴۲۸
جامع زبدۃ العقائد، تعلیم الاسلام ترکمانیؒ، تھانویؒ	۴۳۱
شیخ چراغ دہلویؒ	۴۳۶
فتوٰی مفتی اعظم ہند	″
سرفراز صاحب کے قلم سے ظہور حق	۴۳۷

مضمون	صفحہ
فتوٰی مفتی اعظمؒ دیوبند	۴۳۷
فتوٰی مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی	۴۳۸
علامہ ابراہیم حلبی	″
صاحب مستخلص۔	۴۳۹
صاحب عنایہ	۴۴۰
حفظ الرحمٰن سیوہاروی	۴۴۰
محمد ادریس کاندھلویؒ	۴۴۳
عبدالحق حقانی	۴۴۷
مذہب شافعیہ وجنازہ بر قبر النبیؐ	۴۵۰
شہداء کا جنازہ	۴۵۱
مولنا عثمانیؒ	۴۵۴
سید اصغر حسین دیوبندی	۴۵۵
سوال کا جواب	۴۵۷
عالم تیقنسے عدم عود روح کا مسئلہ حل	۴۶۳
فہم خصم کی غلطی پر تنبیہ	۴۶۴
مذہب امام اعظمؒ	۴۶۵
قبور انبیاء کی خصوصیت	۴۶۶
ایک سوال کا جواب۔	۴۷۰
قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سعید بن المسیب کا آواز سننا۔	۴۷۳
حفظ حبیب نبیؐ پر اعتراض کا جواب	۴۷۷

مضمون	صفحہ
انبیاء و شہداء کی حیاتِ برزخیہ میں تفاوتِ درجات	۴۸۳
شاہ ولی اللہ کا بیان دربارہ وفاۃ النبیؐ	۴۸۵
سید حفیظ الدین احمد کا بیان دربارہ حیات الانبیاء	۴۸۹
حیات برزخیہ مثل حیاتِ دنیا نہیں	۵۰۰
نیز وفات سے نبوت زائل نہیں ہوتی	۵۰۶
عقیدہ وفات النبیؐ کی تعلیم والدین پر واجب ہے۔	۵
وفاۃ النبی کا منکر فرقہ کرامیہ	۵۱۳
" " " " ابن فورک	۵۱۲
اول منکر وفات النبیؐ منافقین	۵۱۴
دوسرا گروہ منکر وفاۃ النبیؐ شیعہ	۵۱۸
دوسرے گروہ کا قول قبر سے باہر نکلا	۵۱۹
حیاۃ النبیؐ سے ایک قدم آگے	۵۲۰
تیسرا گروہ منکرین وفاۃ النبی، متبعین ابن فورک	۵۲۲
ایک قدم اور آگے۔	۵۲۴
حیات النبیؐ کے بارے مرزا قادیانی کا عقیدہ	۵۲۶
حیات النبیؐ کے بارے ہندوؤں کا عقیدہ۔	۵۲۷
ان کے برحق علامہ مشرقی کا بدعقیدہ کہ تعوذ باللہ آپ مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے مصنف ندائے حق اس باطل عقیدہ سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہے۔	۵۲۸
بیت النبیؐ کی بجائے قبر النبیؐ کہنے میں اقرار وفات ہے۔	۵۲۹
صحابہؓ بعد وفات دنیوی جسمانی عنصری زندگی کے قائل نہ تھے۔	۵۳۰
متبعین ابن فورک و سبکی کے دو نظریے مع تردید۔	۵۳۷
حاصل کلام از شیخ القرآن	۵۵۰
حیاۃ النبیؐ پر حکیم الامت کی حکیمانہ تقریر	۵۶۱
حرمین کے اماموں کے فتوے	۵۶۸
المہند کی تقریظ پر سوال کا جواب	۵۷۱
تعلیم الاسلام	۵۷۲
عالم برزخ میں حیات کی کیفیت	۵۷۵
حضرت نانوتوی رح اور صاحب تسکین کے عقیدے میں فرق۔	۵۷۷
صاحب تسکین کا کتمانِ حق	۵۸۸
تفصیل مسلک اہل حق	
دستی فی الکتب کا اثبات	

مضمون	صفحہ
صاحب تسکین کا دعوی حیاۃ دنیویہ برزخیہ کا، اس پر اشکالات	۵۹۸
حضرت نانوتویؒ کے نزدیک حیاۃ انبیاء وشہداء میں بہت فرق ہے۔	۶۰۸
صاحب تسکین کے نزدیک حیاۃ انبیاء وشہداء میں چنداں فرق نہیں۔	"
العارفون لا یموتون پر بحث	۶۱۰
حیاۃ شہداء اور قرآن حکیم	۶۱۲
شہداء کے بارے منافقین کا غلط نظریہ	"
فرقہ معتزلہ کی غلط توجیہ حیاۃ شہداء کے بارے	۶۱۳
" " " ع۲ " "	۶۱۷
" " " ع۳ " "	"
اہل سنت کا مسلک حق	۶۱۸
از برجندی وعین الہدایہ وکاسانی و سرخسیؒ۔	۶۱۹
از نانوتوی و شیخ الہندؒ	۶۲۱
از شیخ التفسیر کاندھلوی رح	۶۲۳
از علامہ سندھیؒ	۶۲۵
از شیخ القرآنؒ	۶۲۵
از مولانا عثمانیؒ وعبدالحق حقانی،	۶۲۹
وپیر طریقت مولانا حسین علی۔	۶۳۰
الانبیاء بمقام ارواح الانبیاء	۶۳۱

مضمون	صفحہ
مختلف نظریے، عثمانیؒ	۶۳۳
آلوسی، عبدالحق، سید محمد انور شاہ	۶۳۴
بیہقی،	"
بانی دارالعلوم	۶۳۵
مقام ارواح شہداء	۶۴۰
مقام ارواح مومنین	۶۴۲
مقام ارواح کفار	۶۴۴
مقام ارواح صحابہؓ کرام کے کلام میں	۶۴۶
سماع عند قبر النبیؐ کے صحابہ قائل نہ تھے	۶۴۸
اہل اصول کا اصل عظیم	۶۴۹
امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق۔	۶۵۳
عمر بن عبدالعزیزؒ کا رویہ	۶۵۴
ابن عمرؓ کا تفرد	۶۵۶
حضرت عمرؓ کا ٹوکنا	۶۵۷
اجماع صحابہؓ	۶۵۷
قبر النبیؐ کی تشبیہ بیت اللہ سے	۶۵۸
اعتراض اور جواب	۶۵۹
نبیؐ کی نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۲	۶۶۱
" " " " " دلیل ۳ و ۴	۶۶۲
بھلا میت آواز بھی سن لیتے ہیں؟	۶۶۳
مفتی اعظم ہند کے فتوے،	۶۶۴
فتوی گلھڑوی۔	۶۶۵

مضمون	صفحہ
نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی موید دلیل ع۵	۶۶۶
" " " " ع۶	۶۶۷
" " " " ع۷ و ع۸	۶۶۸
" " " " ع۹	۶۷۲
" " " " ع۱۰	۶۷۳
" " " " ع۱۱	۶۷۵
" " " " ع۱۲	۶۷۸
" " " " ع۱۳	۶۷۹
" " " " ع۱۴	۶۸۰
وفاۃ النبیؐ کے عقیدہ سے انکار رسالت لازم نہیں آتا	۶۸۴
مسئلہ حیات الانبیاء اور متقدمین احناف	۶۸۷
عبارات علماء کی تطبیق	۶۹۴
صاحب تسکین کی ہیرا پھیری	۶۹۴
حیات انبیاء کی مختلف تعبیریں	۶۹۶
مسلک اہل حق	۷۰۱
(۱) مطالبہ میراث دلیل وفات ہے	"
ابوبکرؓ کا جواب	تا "
حدیث ع۲ و ع۳	
" ع۴ و ع۵ احادیث کا تواتر	۷۰۴
روافض بھی مان گئے۔	۷۰۵
جعلی شیعہ کا سوال اور اس کا جواب	۷۰۶
تبول رضہ کا امت پر احسان عظیم	۷۰۸
روایت بالمعنیٰ	۷۰۹

مضمون	صفحہ
ایک ضروری بحث	۷۱۱
اعتراض اور جواب	۷۱۳
شیعہ کا سوال اور اس کا جواب	۷۱۵
شیعہ کتب کی عبارات	۷۱۶
اس پر اہلسنت کا اعتراض	۷۱۶
اصل حقیقت	۷۱۶
شیعہ پر نانوتویؒ کا اعتراض	۷۱۷
نانوتوی کے کلام کی تشریح	۷۱۷
تطبیق قاسمیؒ مولنا سے سوال	
مولنا سے سوال ع۲ و ع۳ و ع۴	تا ۷۲۲
مولنا کا ہم پر بلا تحقیق الزام	۷۲۳
مولنا پر بلوہ کے پلیٹ فارم پر	۷۲۴
مولنا کو جواب ان کے اپنے قلم سے	"
انبیاء کا مورث نہ بننا دنیویہ عنصریہ حیات کی دلیل نہیں۔	۷۲۶
امتیوں کو ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت، حیات انبیاء دنیویہ عنصریہ کی دلیل نہیں۔	۷۲۷
آپؐ کی منکوحہ غیر مدخول بہا کا حکم۔	۷۲۸
فتوی مفتی اعظم پاکستان	۷۳۳
(تمت الفہرس)	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین ٥ یحیی ویمیت وھو علی کل شیئ قدیر ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً وھو العزیز الغفور وقال اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخرٰی وقال اذا النفوس زوجت وقال ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون وقال ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ٥

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا ومولٰنا محمد سید الرسل وخاتم النبیین الذی نصحنا بقولہ اکثروا ذکر ھاذم اللذات و قال تحفۃ المومن الموت وعلی اٰلہ واصحابہ الذین شادوا الدین واشاعوہ بعد ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المشارق والمغارب والجنوب والشمال۔

امابعد! بندہ ہیچمدان خادم علوم قرآن محمد حسین النیلوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذتہ عارض ہے کہ ۱۵ سال کا عرصہ ہو چکا ہے کہ بریلویہ عقیدہ کی تردید میں شفاء الصدور کتاب لکھی تھی پھر امید کے بالکل برعکس بریلوی چپ سادھ ہو گئے مگر دیوبند دارالعلوم کے فارغ جو قبل ازیں ردِ بریلویت میں تسلی بخش کام کرتے رہے ہیں یعنی حضرت مولٰنا محمد سرفراز خان صاحب نے "شفاء الصدور" کی تردید میں "تسکین الصدور" لکھی، پھر "ندائے حق" میں حق واضح کیا گیا چاہیے تھا کہ مشن ایک ہونے کی وجہ سے خاموش ہو جاتے مگر "شمارع موتی" و طبع جدید تسکین الصدور لکھ کر بریلویت کے خشک درخت کو پانی دیدیا جس سے وہ ہرا ہو کر خوب برگ و بار نکالنے لگ گیا ہے۔

احقاقِ حق کے لیے دوبارہ "ندائے حق" لکھی جس میں مولانا کے سارے طلسم سے پردہ اُٹھا دیا گیا ہے۔ کتاب ہذا کے دو حصے ہیں پہلے حصے کے دو جزو ہیں موت و حیات و قبر و برزخ کے معنی اور عالم مثال کا اثبات، بیان مقامِ ارواح و تعلق ارواح با بدان و عذاب و ثواب قبر و مفہوم حیاتِ انبیاء و عقیدۂ حیات و وفاتِ انبیاء کے بارے میں مفصل بحث ہے اور جزو ثانی میں مخالف کے دلائل کا تجزیہ ہے۔

خیر الصلات ، فی معنی الحیاۃ والممات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ السمیع العلیم البصیر الخبیر القدیر الذی وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ الذین بلغوا رسالات ربہم وآتاموا فی اعلیٰ علیین۔

بعد از حمد و ثنا و صلوٰۃ و سلام عرض ہے کہ مسئلہ سماع موتیٰ سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حیات اور موت کا مفہوم کیا ہے پھر یہ سمجھیں کہ رُوح کا جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق بعد الممات رہتا ہے یا نہ، اگر رہتا ہے تو وہ کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اور مقام ارواح کو نسا ہے اسلیے ہم پہلے موت و حیات کا مفہوم سمجھاتے ہیں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

حیات کے معنی

صاحب تسکین نے حیاتِ انبیاء و شہداء پر بہت زور دیا ہے حالانکہ بعد از موت حیات ثانیہ برزخیہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس حیات ثانیہ برزخیہ کا انکار قطعیات و محکمات کا انکار ہے۔ لیکن حیات کے ساتھ اپنی ناصواب دانش و فہم سے عنصری کی قید بڑھانا اور اس قید کو جس کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث میں ہے نہ کسی صحابی سے مروی ہے۔ نہ کسی تابعی سے نہ تبع تابعین، نہ کسی مجتہد اور امام سے نہ کسی مفسر اور شارح سے نہ کسی متکلم اور صوفی سے ثابت، غرض جس قید کو سلف و خلف میں سے کسی محقق نے ذکر نہ کیا ہو پُرزور دعووں سے بلا دلیل ثابت کرنا اور اس دعوے بلا دلیل کی دلیل کا مطالبہ کرنے والے کو بجائے دلیل بتانے کے اور براہین قاطعہ سے سائل کی تسلی کرنے کے، سائل کو منکر حیات انبیاء و شہداء کہہ کہہ کر لوگوں میں بدظنی پھیلانا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہیں خوفِ خدا انہیں مرنا یاد نہیں۔

آنے والی تحقیق کا مطالعہ کرنے کے بعد انشاء اللہ تسلی ہو جائے گی کہ مرنے کے بعد بھی

انسان زندہ ہی رہتا ہے مگر لباس و مکان بدل لیتا ہے، تبدیلی لباس جدید و مکان جدید سے جیسے انسان کو فرحت یا غمی ہوتی ہے مگر مرتا نہیں ایسے ہی جسدِ عنصری کا لباس اتار کر جسدِ مثالی کا لباس پہن لینے اور دارِ دنیا سے منتقل ہو کر دارِ برزخ میں پہنچ جانے سے بھی انسان نہیں مرتا جیسے وہاں عقل و شعور برقرار رہتا ہے ایسے ہی یہاں بھی عقل و شعور قائم رہتا ہے جیسے جو کراچی سے پشاور گیا وہ کراچی والوں کو نہ دیکھ پہچان رہا ہے اور نہ ان کی آوازیں سُن رہا ہے اور نہ کراچی والے اس کو جان پہچان رہے ہیں نہ اس کی آواز سُن رہے ہیں، ایسے ہی دارِ دنیا والے دارِ برزخ والوں کو نہ جان پہچان سکتے ہیں اور نہ ان کی آواز سن سکتے ہیں اور نہ دارِ برزخ والے دارِ دنیا والوں کو جان پہچان سکتے ہیں اور نہ ان کی آواز سُن سکتے ہیں۔ رہا خرقِ عادت معجزہ اور کرامت و معونت سو اس سے بحث نہیں اور نہ ہم معجزات و کرامت کے منکر ہیں، جو سندِ صحیح سے ثابت ہو جائے اسے ہم مانتے ہیں بشرطیکہ ایسی خبر واحد نہ ہو جو قرآن یا حدیث متواتر یا مشہور سے ٹکرائے۔

صاحبِ تسکین نے حیات کے معنی صرف یہی سمجھے ہیں: تعلق الروح بالبدنِ العنصری تعلق الدخول او الاشراف او الاشراق۔ یہی لغزش ہے جو صاحبِ تسکین سے ہو گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حیات کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:

ص ۹۲

(۱) ایک تو متعارف اور مشہور معنی ہیں الحیٰوۃ صفۃ تقتضی الحس والحرکۃ الارادیۃ (مختصر معانی) ایسی صفت جو حس اور حرکتِ ارادیہ کی موجب اور مقتضی ہو، حیات کہلاتی ہے۔

(۲) قوتِ نامیہ بڑھنے والی طاقت جو جاندار چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے اور درختوں اور دیگر پودوں میں بھی، اسی معنی کو آیۂ کریمہ وجعلنا من الماء کل شیٔ حی میں مراد لیا گیا ہے یعنی پانی سے تمام جاندار چیزیں بنائیں۔

(۳) قوۃ عاقلہ اسی قبیلہ سے ہے اَوَمن کان میتا فاحییناہ، کیا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور ہم نے اس کو نورِ ایمان بخشا۔

ایک شاعر نے کہا ؎ لقد اسمعت لو نادیت حیا + ولکن لا حیاۃ لمن تنادی یعنی اگر تو کسی زندہ (عاقل) کو آواز دیتا تو ہم کہتے کہ تو نے اس کو سُنا دیا ہے لیکن کیا کریں جسے تو

آواز دے رہا ہے اس میں تو ذرہ بھر حیات یعنی عقل نہیں۔

(۴) ارتفاعِ غم جیسے شاعر نے کہا ہے: لیس من مات فاستراح بمیت ؛ انما المیت میت الاحیاء، وہ مرا ہوا میت نہیں ہے جو مر کر سکھ پا گیا ہے۔ میت تو وہی ہے جو زندوں میں رہ کر غموں میں مبتلا ہے۔

(۵) حیاتِ اخروی دائمی جو علمِ شرع اور عمل و عقل کے ذریعے خداوند کریم کی رحمت سے نصیب ہوگی۔

(۶) حیاتِ دائمی جس کے بعد موت کا آنا محال ہے اور وہ صفت مختصہ ذاتِ باری تعالےٰ کی ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

(۷) معنی مجازی باعتبار مایؤول الیہ کے (مجاز مشارفۃ جیسے من قتل قتیلاً فلہ سلبہ) یعنی جو قیامت کو زندہ ہوں گے ان کو ابھی سے زندہ کے ساتھ تعبیر کر دیا۔

(۸) دنیا میں ذکرِ جمیل کا باقی رہنا اور آخرت میں اجرِ جزیل کا عطیہ ملنا۔

(۹) اجساد و ابدانِ عنصریہ کا اپنے اپنے مدفنوں میں صحیح سلامت باقی رہنا اور تہ زمین میں بوسیدہ نہ ہونا۔

(۱۰) مُردہ کو مرنے کے بعد نہلانے کا حکم ہے۔ زندہ کو نہلانے کا حکم نہیں، سو اب جو ایسا میت ہو جسے نہ نہلانے کا حکم ہو بلکہ بغیر نہلانے کے دفن کرنے کا حکم ہو اُسے "زندہ" کہا گیا سو اس معنی کے رُو سے "زندہ" کا اطلاق صرف شہدائے کرام پر آئے گا۔ انبیاء علیہم السلام کا اس معنی کے رُو سے زندہ نہ کہا جائے گا۔

(۱۱) احادیث کا مطالعہ کرنے سے حیات کے معنی "نمو عمل" بھی مفہوم ہوتے ہیں۔ الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۸۱ میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مسند احمد اور سنن ابی داؤد کے حوالے سے حدیث نقل فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ مَیِّتٍ یُخْتَمُ عَلٰی عَمَلِہٖ اِلَّا الَّذِیْ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ یَنْمُوْ عَمَلُہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَیُؤْمَنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ۔ یعنی راہِ خدا میں چوکیداری کرنے والا مر بھی جائے تو قیامت کے دن تک اس کے اعمال برابر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور قبر کے امتحان سے بھی بچ جائیگا اسکے علاوہ مرنے کے بعد ہر شخص کے اعمال سربمہر

کر دیئے جاتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے جس کے بارے میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی ج ۱۰ ص ۶۷ میں فرمایا والاعتماد علی کلام الراغب فی مثل ذالک ارغب عند المحققین، (محققین کے نزدیک ایسے مواقع پر راغب کے کلام پر اعتماد کرنا بہت مرغوب ہے) حیات کا چوتھا معنی (ارتفاع الغم) ذکر کر کے استشہاد میں اللہ تعالیٰ کا کلام پیش فرمایا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم اور اس کی تشریح اس طرح فرمائی اے ہم متلذذون لما روی فی الاخبار الکثیرۃ فی ارواح الشہداء (مفردات راغب ج ۱ ص ۱۳۸) یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ یہ خیال نہ کرنا کہ مردے ہیں بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں یعنی وہ لوگ لذتیں اٹھا رہے ہیں اور مزے لے رہے ہیں یہ ان احادیث کو مدنظر رکھ کر لیا ہے جو شہداء کے ارواح کے بارے میں بہت سی احادیث میں روایت کیا گیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ امام لغت نے اس آیت کریمہ میں حیات کے معنی تلذذ اور ارتفاع غم کے لیے ہیں نہ معنی متعارف اور دلیل میں احادیث کثیرہ کا حوالہ پیش فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام راغب کے نزدیک احادیث کثیرہ میں جو حیات کا ذکر ہے اس حیات سے مراد یہی تلذذ اور ارتفاع غم ہی ہے اور یہ معنی حیات کے امام راغبؒ کے نزدیک نہیں کہ ان شہداء کے اجسادِ عنصریہ میں روح داخل کر دی جاتی ہے یا ان کا باہم تعلق اشراف یا اشراق کا ہوتا ہے۔

یہی معنی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں مراد لیے ہیں کیونکہ حیات کے مدمقابل "موت" ہے اور قاعدہ ہے تعرف الاشیاء باضدادہا۔ ایک چیز کی ضد کو دیکھ لیا جائے تو اس سے خود اس چیز کی بھی پہچان ہو جاتی ہے کہ وہ ایسی ہے۔ تو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے "امواتا" کے معنی لکھے ہیں امواتا غیر مستشعرین باللذات و النعماء (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۱۷۰) یعنی انہیں مزوں اور نعمتوں کا شعور نہیں۔

تو جب موت کے معنی ہوئے عدم استشعار لذات و نعماء تو حیات کے معنی یہی ہونگے الاستشعار باللذات والنعماء یعنی مزوں اور نعمتوں کا شعور رکھنا۔

مگر محترم کا دو رُخہ کلام مُلاحظہ ہو

تعارض

محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع اول ص ۸۱ میں خود تحریر فرمایا ہے کہ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ زندہ نہیں جس میں روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں مگر ص ۶۴ میں اس کے خلاف لکھ دیا کہ "فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدوں روح کے اس کا تصور نہیں ہو سکتا" اب معلوم نہیں پہلی بات صحیح ہے یا پچھلی ؟

بہر حال اس دار فانی یعنی دنیا میں انسان اپنا مقرر وقت گزار کر کے جب عالم برزخ میں جاتا ہے تو وہاں وہ زندہ ہوتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کے وقت بھی وہ زندہ ہی تھا۔ ورنہ وہ خدا کا خطاب "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" خطاب معدوم کو ہوگا اور "بلیٰ" کا لفظ معدوم کا بول ہوگا تو جیسے وہاں کی زندگی بغیر جسد عنصری کے تھی ایسے ہی عالم برزخ کی زندگی بغیر جسد عنصری کے ہوتی ہے نہ وہاں مکلف اعمال تھا نہ یہاں مکلف اعمال، مکلف زندگی صرف عالم دنیا میں ہوتی ہے، عالم ارواح میں جب تھے تو جزا و سزا نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے مکلف زندگی نہ تھی جس کی جزا و سزا ملے اور اس میں جسد عنصری نہیں دیا گیا تھا کیونکہ وہاں کا زندگی میں اس سے اعمال کی تکلیف دینا نہ تھا کہ آلات کی ضرورت ہوتی، پھر جب اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ عالم ارواح سے نکال کر عالم دنیا میں لانا جس میں اعمال کا مکلف ہو تو پہلے پہلے عالم بطن میں جسد عنصری تیار فرماتا ہے تاکہ عمل کرنے کے لیے روح کو آلہ دیا جائے جب آلہ اعمال جسد عنصری عالم بطن میں تیار ہو جاتا ہے تب روح کو حکم فرماتا ہے وہ اس جسد عنصری میں داخل ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑھاتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پوری طاقت اس میں آجاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو اعمال کا مکلف بنایا جاتا ہے پھر جب تک اسے دنیا میں رکھنا خدا پاک کو منظور ہوتا ہے رکھتا ہے مقرر وقت آجاتا ہے تو اس کے اعمال کو مرنے کے ساتھ بھر بھر کر دیا جاتا ہے۔ یعنی اس جسد عنصری

سے روح کو نکالنے کے بعد جب عالمِ برزخ میں پہنچتا ہے تو اس سے وہی ایفائے عہد اور میثاق کا سوال ہوگا جو سب سے پہلے عالمِ ارواح میں عہد کروالیا گیا تھا کہ عالمِ دنیا دارالتکلیف میں رہ کر جب کہ ہر قسم کی نعمتیں دے کر آلاتِ عمل (جسدِ عنصری) سے مالا مال کیا تھا تو نے اس عہد کو پورا کیا یا عہد شکنی کی؟ فَمَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے۔ رب کی پہچان کرانے والے پیغمبر کے متعلق سوال ہوگا مَنْ نَّبِيُّكَ تیرا نبی کون ہے۔ نبی کی تعلیم کا سوال ہوگا مَا دِيْنُكَ تیرا دین کیا ہے؟

تو جس سے عالمِ ارواح میں عہد لیا گیا تھا اسی سے عالمِ برزخ میں ایفائے عہد کا سوال ہوگا کہ جو تو نے عالمِ ارواح میں میرے ساتھ پختہ عہد کیا تھا اس عہد پر دارِ دنیا میں (دارالتکلیف) میں رہ کر پکا رہا، مضبوط رہا، کاربند رہا یا اس عہد کو باوجود یاددہانی کے دنیا کے نشہ میں آکر بھول گیا اور توڑ دیا۔ تو جس زبان سے اس رُوح نے عالمِ ارواح میں شعور اور ادراک رکھتے ہوئے جن کانوں سے سُن کر جواب دیا تھا عالمِ برزخ میں بھی وہ روح شعور و ادراک رکھتے ہوئے انہی کانوں سے منکر نکیر کا سوال سُن کر جواب دے گا۔

اگر دنیا میں اس عہد پر کاربند رہا تو اللہ کی توفیق سے اس امتحان میں کامیاب ہو جائیگا ورنہ ناکام

قیامت کا ایک دن مقرر ہے جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر اخیر دنیا تک سب انسانوں اگلوں پچھلوں کو اکٹھا کیا جائے گا لیکن اس سے پہلے جو انسان مرتا ہے تھوڑی دیر کے لیے عالمِ برزخ میں رکھا جاتا ہے اس میں اپنے کیے کا بدلہ پائے گا۔ یہ رہنا کوئی خواب کی طرح نہیں ہوگا جیسے بعض لوگ سمجھتے ہیں، خواب تو مثل مشہور ہے خواب خیال ہوتا ہے بلکہ یہ حقیقت واقعیہ ہے سچ مچ اس کو جزا و سزا ملتی ہے۔ اگر عالمِ برزخ میں زندگی اور حیات نہ مانیں تو عذابِ قبر اور تنعیمِ قبر کا انکار لازم آتا ہے حالانکہ عذاب و ثوابِ قبر کے متعلق متواتر احادیث وارد ہیں بلکہ قرآن پاک کی بہت سی آیات سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے اور علماءِ اُمت نے عذاب و ثوابِ قبر کے انکار کو کفر کہا ہے۔

اب رہا کیفیت کا سوال کہ وہ عذاب و ثوابِ قبر کیسے ہوتا ہے تو اسلم طریقہ تفویض الی اللہ

کا ہے یعنی اس کیفیتِ عذاب و ثوابِ قبر کو اللہ کے حوالے کریں وہ عذاب و ثواب آپ ہی دیتا ہے آپ ہی اس کی کیفیت کو جانتا ہے اور اس شخص کو محسوس ہوتا ہے جسے عذاب و ثواب ہو رہا ہے، وہ روتا یا ہنستا ہے (تفصیل شرح عقائد نسفیہ محشی محمد حسن صاحب سنبھلی رح میں دیکھو)

عالمِ دنیا میں رہ کر اپنے پہلے دونوں عالموں (عالمِ ارواح و عالمِ بطن) کا کچھ علم نہیں سب بھول بھال گئے، نہ وہ عہدِ میثاق یاد ہے اور نہ وہ ارواح کی دوستیاں و دشمنیاں یاد ہیں جو عالمِ ارواح میں باہم تھیں۔ بلکہ عالمِ بطن بھی یاد نہیں بلکہ عالمِ دنیا میں بچپن میں جو حالات گزرے وہ بھی یاد نہیں لیکن مرنے کے بعد یعنی عالمِ دنیا میں سے منتقل ہو کر عالمِ برزخ میں پہنچنے کے بعد عالمِ دنیا کی تمام باتیں خوب یاد ہوں گی سارے اعمال سامنے آجائیں گے کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا جو دنیا میں اسے پیش آیا ہو اور اب یاد نہ ہو اگرچہ دنیا میں نسیان کا مریض ہو قوتِ یادداشت اور قوی ہو جائے گی اور اس عالم کا شعور و ادراک دنیا کے شعور و ادراک سے بڑھ کر ہوگا اور یہی شعور و ادراک ہے جس کے انکار کو امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کفر کہا ہے (اور صاحبِ تسکین نے ہمارے خلاف سمجھ کر نقل کیا ہے۔)

مگر اس شعور و ادراک کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ جو زائر اس کے جسدِ عنصری کے پاس آتا ہے تو اس کی نگاہ یا وجود آنکھیں بند ہونے کے اور کفن میں مستور ہونے کے اور اوپر سے ہزاروں من مٹی پڑنے کے اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ تین پردوں کے اندر سے دیکھ لیتی ہے اور دل پہچان جاتا ہے اور زائر کی آواز سن لیتا ہے اگرچہ اس کے دیکھنے کی آنکھیں اور سننے کے کان اور سمجھنے کا دل خاک ہو جائے یا راکھ ہو جائے یا میت کی لاش ہی غائب ہو جائے۔

پیر صاحبؒ کے بارے میں عوام کا غلط خیال اور انکشافِ حقیقت

جیسے عوام کالانعام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی قبر پر جاکر السلام علیکم وغیر ذالک کہتے ہیں اور ان سے حاجتیں، مرادیں، امدادیں مانگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کی ذات گرامی قبر مبارک میں صحیح سلامت تشریف فرما ہے وہاں وہ سنتے ہیں ہمیں دیکھتے پہچانتے ہماری حاجتیں مرادیں سُن کر خود پورا کرتے ہیں یا خدا پاک سے کہہ کر پورا کروا دیتے ہیں حالانکہ اس قبر کے اندر پیر صاحب کا جسم مبارک نہیں ہے بلکہ پیر صاحبؒ کا جسم مبارک سلامت بھی نہیں رہا تھا، خاک ہو چکا تھا کچھ ہڈیاں باقی تھیں جنہیں دریا میں پھینک دیا گیا تھا، جیسے شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۱۳ میں یہ واقعہ موجود ہے۔ اسی طرح ابو شامہؒ نے الروضتین فی الدولتین ج ۱ ص ۱۲ میں اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی آتابکی نے النجوم الزاہرہ ج ۶ ص ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ عبیداللہ بن یونس بن احمد وزیر جلال الدین ابوالمظفر حنبلی نے راتوں رات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی قبر مبارک کھودنے کے لیے نباش بھیجے جنہوں نے قبر مبارک کو کھودا تو محض ہڈیاں پڑی پائیں ان ہڈیوں کو نکال کر دریا میں ڈال دیا اور کہنے لگا کہ یہ زمین وقف ہے اس میں کسی کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے اور عبارت اس کی یہ ہے: وفیہا (سنۃ) توفی عبید اللہ بن یونس بن احمد الوزیر جلال الدین ابو المظفر الحنبلی ولی حجابۃ الدیوان ثم استوزرہ الخلیفۃ وکان اماماً عالماً فی الاصلین (ای الدولتین) والحساب والہندسۃ والجبر والمقابلۃ غیر انہ شان امرہ بامور فعلہا۔ منہا انہ خرب بیت الشیخ عبد القادر جیلانی وشتت اولادہ ویقال انہ بعث فی اللیل من نبش علی الشیخ عبد القادر (رحمہ اللہ تعالیٰ) ورمی بعظامہ فی الدجلۃ وقال ھذا وقف ما یحل ان ان یدفن فیہ احد۔ انتہی کلامہ

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ از روئے حدیث مشہور جس کے ساتھ کتاب اللہ پر

زیادتی کی جا سکتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے ماسوا کسی کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، اللہ چاہے تو ان کے جسموں کو محفوظ رکھے چاہے نہ رکھے، دیکھا نہیں کہ کئی شہیدوہ ہیں جن کو زندہ جلا دیا گیا اور ان کی راکھ کو اڑا دیا گیا، اور کئی کافر ہیں جن کی لاشیں ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی اب تک صحیح سلامت عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ص ۴۵۳ میں فرمایا "ایک غرق شدہ فرعون مصر کی نعش ماہرین اثریات کو مدت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے، اور مؤرخین و ماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے اور یا فرعون مغروق کوئی اور ہوا ہے، تو ماہرین فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے انبیاء کرام عظام علیہم السلام کے نہ جسم کے محفوظ رہنے میں کوئی کمال ہے اور نہ جسم کے خاک و راکھ ہو جانے میں کوئی نقصان و وبال ہے۔ دیکھا نہیں کہ فرعون کافر دہری تھا اس کا جسم محفوظ ہے، خدا پاک نے فرمایا اَلْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ط سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دیتے ہیں تاکہ تو ایک نشانِ عبرت پیچھے آنے والوں کے لیے رہے اور تیرے لیے مزید رسوائی اور تفضیح کا سامان بنا رہے۔ حضرت دریابادی رحمہ اللہ نے فرمایا فرعون کا ایمان جس طرح عالم یاس میں تمامتر ظاہری و صوری تھا، معنی و حقیقت سے خالی اسی طرح اور اسی مناسبت سے اس کے جسم مردہ کی نجات بھی اسکے حق میں تمامتر بے سود رہی۔

ادھر دوسری طرف دیکھو کہ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمہ اللہ کس قدر کامل ولی عالم باعمل واصل باللہ تھے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہ تھا، اشاعت توحید و ابطال فرق باطلہ میں ہمہ تن مصروف رہے اصلاح حال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، پانچویں چھٹی صدی کے مشاہیر اولیاء اللہ میں سے ہو گزرے ہیں، مگر قبر مبارک جب کھودی گئی تو سوائے چند ہڈیوں کے جسم کا کوئی حصہ نہ تھا مگر ان کی دنیاوی زندگی اعلیٰ گزری ہے اس سے ظن غالب یہی ہے کہ ان کی برزخی زندگی بھی اعلیٰ ہوگی۔ باقی اللہ کی باتیں اللہ ہی بہتر جانے، علیٰ سبیل القطع والیقین ہم کسی کو جنتی نہیں کہہ سکتے ہیں۔ مگر جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

سے ہمیں یقینی خبر پہنچی ہے کہ فلاں جنتی ہے تو وہ یقیناً جنتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۱۳۱ ط مجتبائی۔

جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کی اولاد اور امام مہدیؑ

اور علیٰ ہذا القیاس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جن جن کے متعلق آپؐ کی طرف سے خبر پہنچی ہے کہ وہ دوزخی ہیں تو یقیناً وہ دوزخی ہیں، خواہ اونچے درجے کا بزرگ اسے جنتی کہتا پھرے جیسے فرعون، کہ آج صوفیوں کے شیخ ابن عربی نے اسے جنتی کہا ہے، حقیقتہً اس صوفی کا قول مردود ہے اور قرآن و نبی پاک سچے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ فرعون یقیناً جہنمی ہے۔

آمدیم بر سرِ مطلب

حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا صحیح مفہوم

بہر صورت انبیاء کرام علیہم السلام ان بارہ معنوں میں سے نو معنوں کی رو سے زندہ ہیں، ان کا ذکر جمیل جب تک دنیا میں قائم ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے باقی ہے اور آخرت میں جو اجر جزیل ان کو عطا ہوگا وہ کسی کو نہیں ملے گا اور آپ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے اور آپ کے جسم مبارک اجسادِ عنصریہ اپنے اپنے عرفی مقبروں میں بالکل صحیح سلامت بلا تغیر و تبدل اسی حال میں اب تک موجود ہیں اور یوم بعث (جس دن اجسادِ عنصریہ میں روحیں لوٹائی جائیں گی) تک اسی حال میں رہیں گے جس حال میں ان کے امتیوں نے انہیں سپردِ زمین کیا تھا، زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ ان کے معصوم، مطہر و معطر و مقدس جسموں کو چھیڑے۔ زمین کو حکم ہے کہ ان امانتوں کو نہ چھیڑے (اور باوجود اس کے کہ ان اجسادِ عنصریہ میں روحیں نہیں ہیں ان کا صحیح سلامت رہنا یہی تو کمالِ قدرتِ الٰہیہ کا ظہور ہے ورنہ بے روح کی چیز تو زمین کا لقمہ بن جاتی ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی قوتِ عاقلہ کے کمال میں بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور آپؐ کو اس زندگی میں جو تلذذ اور تنعم حاصل ہے وہ بھی اور کسی کو میسر نہیں اور نہ ہی کسی قسم کا غم ان کو ہے اور وہ خوش عیشی اور تنعم و تلذذ محسوس بھی کرتے ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

هُمْ يُحْزَنُوْنَ ہ اور آپ کے اعمال میں روز بروز نمو اور اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے اور امتیوں کے اعمال آپ کی تبلیغ کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں، مزید برآں، اور آپ کو جو شعور و ادراک وہاں نصیب ہے وہ بھی بے تردد ہے اس میں کسی کو کسی طرح شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور نہ حیاتِ اخرویہ دائمہ میں۔

ان معنوں کے اعتبار سے تو سب کے نزدیک بالاتفاق زندہ ہیں کسی کو اس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے

اور اس اعتبار سے کہ زندہ کو نہلایا نہیں جاتا بلکہ میت کو نہلایا جاتا ہے، شہداء پر زندوں کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام پر زندوں کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی وفات کے بعد کپڑوں سمیت غسل دیا گیا اور کفن دیا گیا اور ان کے ساتھ شہیدوں کا سا برتاؤ نہیں کیا گیا کہ بغیر غسل دیے ان کے معصوم، مطہر، معطر و مقدس اجسادِ طیبہ کو زیبِ تن کپڑوں کے ساتھ دفن کیا گیا ہو۔ اور یہ بات سب امت کے نزدیک متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے کسی ایک فرد کا اس میں اختلاف نہیں، سو اس معنی کی رو سے سب کے نزدیک ان پر میت کا اطلاق درست ہوا اور حی کا اطلاق اس معنی کی رو سے درست نہیں۔

(اور حیات کا یہ معنی کہ آپ کے اعمال میں نمو ہے یہ بھی صحیح ہے کیونکہ ترقی درجات ہر وقت ان کی ہو رہی ہے خصوصاً حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ترقی میں کسی کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے جب اُمت کے اعمال ملائکہ لکھتے ہیں تو انبیاءِ کرام کے اعمال بطریق اولیٰ لکھتے ہیں)

خصوصاً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اکناف عالم سے جہاں کہیں مسلمان ہے درود شریف پڑھتا ہے وہ آپ کو فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ برابر رہے گا۔ جیسے امام ابن تیمیہ نے فرمایا، اور امام الہند کی تشریح اور ہے۔

نوٹ: (فرشتوں کے پہنچانے کے کیا معنی ہیں؟ یہ شرح حدیث من صلی علی عند قبری میں ملاحظہ فرمائیں۔)

اور حیات ازلی ابدی جو خاصہ ہے اللہ تعالےٰ کا وہ بھی آپ پر صادق نہیں آسکتا اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ھو الحی القیوم وہی ہے زندہ نہ میرندہ وہی قیوم ہے۔

کیفیتِ حیات بعد ممات

رہا حیات کا پہلا معنی سو سارا جھگڑا اس میں ہے۔

مولانا نے تسکین الصدور طبع اول ص ۱۴۷ میں فرمایا ہے کہ کیفیتِ حیات میں اختلاف ہے نیلوی کہتا ہے کہ کیفیتِ حیات بعد الممات کے بارہ میں عینی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے۔ عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۲ میں ہے: واختلف الناس فی کیفیۃ حیات الشھداء فقال ابن بطال ان الارواح ترزق وکذا احیاء الخبر فی صحیح ابن حبان انما نسمۃ المومن طائر تعلق فی شجر الجنۃ قال اھل اللغۃ یعنی تاکل منھا قال ابن فرتول بضم اللام (تعلق) ای تتناول وقیل تشمہ وھذا الحدیث عام وقد خصہ القرآن باشتراط الشھادۃ وقال الداؤدی ارواح الشھداء فی حواصل طیر وقال ابن التین ھذا لا یصح فی العقل ولا فی الاعتبار لانھا ان کانت ھی ارواح الطیر فکیف تکون فی الحواصل دون سائر الجسد وان کان لھا ارواح غیرھا فکیف یکون لھا روحان فی جسد وکیف لھم الارزاق التی ذکرھا اللہ عزوجل انتھی وفیہ نظر لان مسلما اخرج فی صحیحہ عن محمد بن عبد اللہ بن نمیر قال اخبرنا ابو معاویۃ قال حدثنا الاعمش عن عبد اللہ بن مرۃ عن مسروق قال سألنا عبد اللہ (ابن مسعود) عن ھذہ الآیۃ (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الآیۃ) فقال انا قد سألنا عن ذلک فقال علیہ السلام ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح من الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل الحدیث وروی الحاکم علی شرط مسلم من حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اصیب اخوانکم باحد الحدیث وروی ابن ابی عاصم من

حدیث ابن مسعود ان الثمانیۃ عشر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا جعل اللہ ارواحھم فی الجنۃ فی طیر خضر وفی لفظ ارواح الشھداء عند اللہ کطیر خضر فی قنادیل تحت العرش ومن حدیث عطیۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارواح الشھداء فی طیر خضر ترعی فی ریاض الجنۃ ثم تکون ماوٰھا قنادیل معلقۃ بالعرش ومن حدیث موسی ابن عبیدۃ الربذی عن عبید اللہ بن یزید عن ام قلابۃ اظنھا ام بشر قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ارواح المومنین طیر خضر فی حجر من الجنۃ یاکلون من الجنۃ و یشربون من الجنۃ وبسند صحیح الی کعب بن مالک یرفعہ ارواح الشھداء فی طیر خضر وعند مالک فی الموطا نسمۃ المومن طائر، وتاول بعض العلماء لفظ فی فی قولہ فی جوف طیر خضر بمعنی علی فیکون المعنی ارواحھم علی اجواف طیر خضر کما فی قولہ تعالی ولاصلبنکم فی جذوع النخل ای علی جذوع النخل وقال الطیبی قولہ ارواحھم فی جوف طیر خضر ای یخلق لارواحھم بعد ما فارقت ابدانھم ھیاکل علی تلک الھیئۃ تتعلق بھا وتکون خلقا عن ابدانھم فیتوسلون بھا الی نیل ما یشتھون من اللذات الحسیۃ، وقال القاضی عیاض واختلفوا فیہ فقیل کیست لا تفنیۃ والعقول فی ھذا حکم فاذا اراد اللہ ان یجعل اللہ الروح اذا خرجت من المومن او الشھید فی قنادیل او جوف طیر او حیث شاء کان ذالک ووقع ولم یبد ولاسیما علی القول بان الارواح اجساد فغیر مستحیل ان یصور جزء من الانسان طائرا او یجعل فی جوف طائر فی قنادیل تحت العرش

خلاصہ ترجمہ عبارات بالا

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حیات شہداء کی کیا کیفیت ہے۔ اس میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں، ابن بطال رح نے یہ مطلب بتایا کہ ارواح کو روزی ملتی ہے جیسے صحیح ابن حبان کی حدیث ہے کہ مومن کی روح پرندہ ہوگا جنت کے درختوں سے کھاتے ہیں حدیث

گو عام ہے مگر قرآن نے شہداء کی تخصیص فرمادی، داؤدی نے کہا حیاتِ شہداء بایں صورت ہے کہ ان کے ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتے ہیں لیکن ابن تین نے اس قول کی تردید فرمائی کہ عقلاً یہ بات درست نہیں مگر ابن تین کی تردید صحیح نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ چیز ثابت ہے اور بعض علماء نے یہ بتایا کہ شہداء کے رُوح سبز پرندوں کے پوٹوں کے اوپر ہوتے ہیں طیبی نے کہا کہ ابدانِ عنصریہ سے جب ارواح جدا ہوتے ہیں تو ان کے ابدان کی جگہ اسی شکل کے اور ڈھانچے پیدا کیے جاتے ہیں جن کے ذریعے لذات حسیہ میں سے جو چاہتے ہیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ کئی کہتے ہیں کہ اس میں قیاس اور عقل سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے مومن اور شہید کی روح کو نکال کر قندیلوں میں رکھے یا پرندوں کے پوٹوں میں رکھے یا جہاں چاہے رکھے اس کی مرضی ہوتا وہی ہے جو وہ کرتا ہے اس کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں خاصکر اس قول کے مطابق کہ ارواح بھی بذاتِ خود اجساد ہیں تو یہ کوئی محال نہیں کہ انسان کی کسی جزء کو پرندہ بنا دے یا پرندے کے پوٹے میں رکھ کر عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ دے۔

نیلوی کہتا ہے کہ طیبی کی بات کے ساتھ بہت سے علماء متفق ہیں چنانچہ

(۱) ابن رجب نے التنویر میں لکھا ہے روح الشہید الذی کان فی جوف جسدہ فی الدنیا یجعل فی جوف جسد آخر کانہ صورۃ طائر فیکون فی ھذا الجسد الآخر کما کان فی الاول وذالک مدۃ البرزخ الی ان یعیدہ اللہ یوم القیامۃ کما خلقہ (شرح الصدور ص ۹۷) یعنی دنیا میں شہید کی روح جس جسم میں رہی ہے اب شہادت کے بعد دوسرے جسم میں رکھ دی جاتی ہے اس میں اڑتی پھرتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اڑنے والے پرندے کی صورت ہو (مگر شکل انسانی ہی ہوتی ہے) تو وہ روح جب تک عالم برزخ میں رہے گی اسی دوسرے جسد میں رہے گی جیسے دنیا میں پہلے جسدِ عنصری میں رہی تھی یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دوبارہ اس روح کو اس دنیاوی جسدِ عنصری میں ڈال دے گا جس طرح اس کو پیدا کیا تھا اور عالم

بطن میں تیار کردہ جسد عنصری میں روح پھونک دی تھی۔

(۲) حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴ میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِذَا استشهد الشهيد اخرج الله جسداً كاحسن جسدٍ ثم امر روحه فادخله فيه فينظر الى جسده الذى خرج منه یعنی اللہ تعالیٰ شہید کی خاطر حسین سے حسین جسد نکال لاتا ہے پھر شہید کے روح کو اس جسد کے اندر داخل ہونے کا حکم دیتا ہے پھر وہ روح اس جسم میں داخل ہو کر اپنے اس جسم کی طرف نظر کرتا ہے جس سے نکل کر آیا ہے۔

(۳) روح المعانی پارہ ۱۵ ص ۴۸ میں شیخ ابراہیم کورانی رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے:

ان الارواح بعد مفارقتها ابدانها المحسوسة تتعلق بابدان اخر مثالية جسمانية يليق بها الخ یعنی ان ابدان محسوسہ سے جو ظاہرہ انسان کو نظر آتے ہیں روحیں جدا ہو جانے کے بعد دوسرے مثالی بدنوں کے ساتھ جا لگتی ہیں جو ان کے لائق اور مناسب اعمال کے ان کو نصیب ہونگے۔

علامہ سید آلوسی رح کا فیصلہ

(۴) پھر صاحب روح المعانی نے ج ۲ ص ۲۱ میں اپنا عندیہ بھی یہی بیان فرمایا وعندی ان الحيوة فى البرزخ ثابتة لكل من يموت من شهيد وغيره وان الارواح وان كانت جواهر قائمة بانفسها مغايرة لما يحس به من البدن لكن لا مانع من تعلقها ببدنٍ برزخي مغاير لهذا البدن الكثيف الخ یعنی برزخ میں ہر مرنے والے کو حیاۃ ملتی ہے شہید ہو یا کوئی اور۔ نیز روحیں جواہر قائم بذات خود ہیں ان ابدان سے مغایر ہیں جو ظاہرہ محسوس ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس بات سے کوئی امر مانع اور رکاوٹ نہیں بنتا کہ ان ارواح کا تعلق کسی برزخی بدن کے ساتھ ہو جو اس کثیف بدن سے مغایر ہو۔

اور اس کا حوالہ محترم جناب مولانا صاحب نے خود بھی تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۲۵

سلہ طبع ملتان ص ۱۶۰۔

میں نقل فرمایا لیکن اس کے بعد ص ۱۳۵ پر آپ نے روح المعانی پارہ ۱۵ ص ۱۶۳ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ پارہ ۲ میں جو آپ نے لکھا ہے اس سے آپ نے رجوع فرما کر جمہور کا ساتھ دیا ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ پارہ ۲ میں آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میرا عندیہ یہ ہے اور یہ لفظ وہیں استعمال ہوتا ہے جہاں پر مصنف کے سامنے دوسرے نظریات بھی ہوں وہ ان سب پر سوچ بچار کرتا ہے پھر ان میں سے جس نظریہ پر اس کا دل مطمئن ہوتا ہے تب کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے خواہ اس مقام پر ان دیگر نظریات کو بیان کرے یا نہ کرے اور پھر پارہ ۱۵ میں انہوں نے دوسروں کے اقوال نقل فرما دیئے ہیں اور اپنا عندیہ بیان نہیں فرمایا اسلیے کہ میں اپنا عندیہ پارہ ۲ میں بیان کر آیا ہوں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے پہلے عندیہ سے رجوع کر لیا تھا تو آپ پارہ ۲ کی عبارت کو کاٹ دیتے اور پارہ ۱۵ میں جن علماء اور صوفیاء کے مختلف نظریئے نقل فرمائے ہیں ان میں سے کسی ایک نظریہ پر انگلی رکھ کر فرماتے کہ میرا اس نظریہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ مگر وہاں ایسا نہیں ہے پھر کیسے باور کرایا جاتا ہے کہ علامہ آلوسی صاحبؒ نے اپنے پہلے نظریہ سے رجوع فرما لیا ہے اور جمہور کا ساتھ دیا ہے۔ کیا جمہور حافظ ابن حجرؒ کا نام ہے؟

حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق!

اب ابن حجرؒ کی تحقیق جو شرح الشمائل میں لکھی ہے اس تحقیق کو حافظ صاحب نے سلف صالحین میں سے کسی کی طرف نسبت نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی ذاتی تحقیق ہے۔ پھر اپنی ذاتی تحقیق میں بھی وہ خود متردد ہیں پہلے تو فرماتے ہیں کہ روح کا تعلق اور اتصال بدن (عنصری) کے تمام اجزاء کے ساتھ ہے اور اس کا پرتاؤ تمام اجزاء بدن (عنصری) پر پڑتا ہے اگرچہ اجزاء متفرق ہوں کہ کوئی مشرق میں ہو اور کوئی مغرب میں۔ اور ایسا نہیں کہ روح کا تعلق اور اتصال بدن کے ایک جزء کے ساتھ ہو اور دوسری جزء کے ساتھ نہ ہو۔ اتنا بیان فرمانے کے بعد آپ لَعَلَّ کا لفظ کہہ کر شک اور تردد کا اظہار فرماتے ہیں

اور اس کا ترجمہ خود مولانا صاحب نے اس طرح کیا" شاید کہ رُوح کا یہ پرتاؤ اصلی اجزاء پر ہو" یعنی تمام اجزاء پر نہ ہو بلکہ اجزاء اصلیہ پر ہو۔

اب اجزاء اصلیہ کونسے ہیں؟ اس کے متعلق محترم جناب مولانا صاحب نے وہی بات لکھی ہے جو نیلوی نے ندائے حق ص ۱۶۲ میں عقاید الاسلام مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب حقانی کے حوالہ سے لکھی تھی کہ:

"انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں کہ جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے، پس رُوح کا تعلق بعد از مرگ انہیں اجزائے اصلیہ و ذرات کے ساتھ ہے"۔

اس عبارت کے نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ محترم جناب مولانا صاحب نیلوی کا بیان کردہ نظریہ تسلیم فرما چکے ہیں کیونکہ ان کا اپنا بیان کردہ قاعدہ ہے کہ "کسی عالم کا کسی کے قول کو نقل کرنا اور اس کا کہیں بھی رد نہ کرنا بلکہ اس سے استدلال کرنا و احتجاج کرنا حقیقۃً اس کی تصحیح ہے"۔ اور آپ اپنی کسی کتاب میں اس بات کی تردید نہیں کر سکے کہ انسان کے اجزاء اصلیہ یہ نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہیں اور یہاں بطور استدلال کے پیش بھی فرما دیا۔ پس نیلوی کا بیان کردہ یہ نظریہ کہ روح کا تعلق اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی ان غیر مبصر ذرات کے ساتھ جو آدمؑ کی پشت مبارک سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے، صحیح ہو گیا اور اس پر محترم جناب مولانا صاحب کی تصدیق بھی ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

بہر حال اتنا تو ثابت ہو گیا کہ حافظ صاحب کو بھی اس بارے میں تردد ہے کہ رُوح کا تعلق تمام اجزاء کے ساتھ مانیں یا صرف اجزائے اصلیہ کے ساتھ مانیں۔ تمام اجزاء کے ضمن میں اجزائے اصلیہ خود آجاتے ہیں پس اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ روح کا تعلق اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہے اور یہ امر یقینی ہے اور احادیث بھی اس بارے میں اسی طرف مشیر ہیں بلکہ مؤید ہیں کہ جس سے عہد و میثاق لیا تھا کہ اس عہد کو پورا کرنا ہو گا پھر امتحان بھی اسی سے لیا جائے گا نہ یہ کہ عہد کسی سے لیا جائے اور اس کا امتحان لیا جائے کسی اور سے۔

سوال

اب رہا یہ سوال کہ تم تو جسد مثالی میں رُوح کے دخول کے قائل ہو اور ادھر تم کہتے ہو کہ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے یہ کیا دورنگی چال ہے ایک طرف بات کو لگاؤ یا جسد مثالی سے تعلق مانو یا صرف اجزائے اصلیہ سے۔

جواب

سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مجتہد نہیں ہیں پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے ہم تو سلف صالحین کی بات کو لے کر اس پر کاربند ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن مبارک کے طریق سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان معلوم ہو گیا پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلف و خلف کے نزدیک بھی یہی مسلک صحیح ہے کہ ان ابدان محسوسہ سے نکل کر رُوح دوسرے مثالی جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر انکار کی ہمیں کوئی گنجائش نہیں، ہاں اگر کوئی پرویزی ذہن کا نہ مانے تو ہم اس کو منوانے کے مکلف نہیں۔

پھر علماء کا فرمان یہ بھی ہے کہ رُوح کا تعلق اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تعلق بھی اتنا جس سے سکھ دُکھ محسوس کر سکے (الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ) کے اصول پر صرف اتنا ہی تعلق قائم کیا جاتا ہے سارے اجزاء کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ جس سے زائرین کو بھی جان پہچان سکے دیکھ سکے ان کی باتیں سُن سکے۔ ضرورت ہے تو صرف اتنی کہ نیک ہے تو تلذذ و تنعم اسے حاصل ہو اگر بد ہے تو گرزوں کی زد محسوس کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مارنے سے میت کو دُکھ محسوس نہیں ہوتا، ہماری عطر پاشی سے وہ خوشبو محسوس نہیں کرتا، پاس گندگی پڑی ہو اسے بدبو نہیں آتی۔ اس کی قبر پر چراغ نہیں سیدھا سورج چمک رہا ہو تو اسے روشنی نہیں لگتی، اس کی قبر پر بیٹھا جائے تو اسے بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ میت اندر سے دیکھ لیتا ہے کہ میری قبر پر چڑا بیٹھا ہے یا چڑیا تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب وہ میت زندہ تھا تو اسے چڑا اور چڑیا کی پہچان تھی؟ نیز اس کے سامنے کنجریاں ننگا ناچ کرتیں تو دیکھتا رہتا اگر دنیوی زندگی میں وہ دیکھتا

تھا تو وہ بزرگ کیسے تھا اور اب جو دیکھ رہا ہے تو تم کو روکتا کیوں نہیں، یا تم یہ گوارا کرو گے کہ اپنے پیر صاحب کے پاس کنجریاں لے جاؤ اور پیر صاحب کے سامنے ناچیں۔ اگر کہتے ہو کہ اوپر بیٹھنے سے میت کو دکھ ہوتا ہے تو یہ بتاؤ کہ ڈیڑھ من کا انسان تو قبر پر بیٹھنے سے میت کو دکھ ہوتا ہے تو ہزاروں من مٹی ڈالنے سے بلکہ بالشت سے زیادہ ڈھیر لگانے سے بلکہ پختہ اینٹیں لگانے اور چونہ گچ کرنے اور سیمنٹ لگانے سے میت کو کیا دکھ نہیں ہوگا؟ پھر اس پر گنبد بنانے سے کیا اس کو سکھ ہوتا ہوگا؟ ہرگز نہیں!

تو جیسے یہ تمام امور میت پر مؤثر نہیں ایسے ہی زائرین کو میت نہ دیکھتا پہچانتا ہے اور نہ اس کی آواز سنتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب!

اب رہا یہ امر کہ میت کی قبر پر بیٹھنے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیوں فرمایا اور یہ کیوں فرمایا کہ میت کی قبر پر بیٹھ کر میت کو ایذا نہ دو، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھا بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو محدثین عظام نے بیان فرمایا دیکھو تنقیح الرواۃ ص ۳۳۳ لا تؤذوا صاحب هذا القبر اسناده صحيح (فتح) ومعناه اى لا تهينه فان روح الميت لا يرضى بالاتكاء على قبره لتضمنه الاهانة ككسر عظم الميت ككسره حيا رواه مالك موقوفا على عائشة وعند احمد وابى داؤد وابن ماجة وابن حبان جاء مرفوعا والمرفوع حسنه ابن القطان وقال ابن دقيق العيد انه على شرط مسلم وكذا قال ابن حجر فى بلوغ المرام لكن اشار المنذرى الى ضعفه فى الترغيب والترهيب وفى اسناده رجل مجهول لكن حديث عائشة رضى الله عنها يشد عضده والحديث عند ابن ماجة عن ام سلمة رضى الله عنها ايضا وفيه زيادة فى الاثم یعنی اس حدیث میں ایذا کے حقیقی معنے مطابقی مراد نہیں بلکہ التزامی معنی مراد ہیں یعنی اہانت، تو مطلب یہ ہوگا کہ میت کی توہین نہ کرو کیونکہ قبر پر تکیہ لگانے سے میت کی روح ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے، اس کی

مثال بالکل ایسی ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے اس کی تشریح حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہو جاتی ہے جس میں "فی الاثم" کی زیادتی مروی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جیسا گناہ زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے سے ہوتا ہے ایسا میت کی ہڈی توڑنے سے بھی گناہ ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے سے زندہ کو درد اور تکلیف ہوتی ہے ایسے میت کی ہڈی توڑنے سے میت بھی درد اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی ہے کہ خالد کو ضرور ماروں گا، اب اس حالف کے مارنے سے پہلے ہی خالد مر گیا اب قسم کھانے والا خالد میت کے جسم پر ضربیں لگاتا ہے تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ مرنے کے بعد خالد میت کو مارنے کا دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ عینی شرح کنز میں ہے لان الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لایتصور (یعنی ضرب کا مطلب ہوتا ہے مضروب کو دکھ پہنچانا اور مرنے کے بعد میت کو دکھ پہنچانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ بحر الرائق میں ہے والایلام لایتحقق فی المیت (میت میں دکھ پہنچانا متحقق نہیں ہوتا۔

تنبیہ

• یہاں کوئی نہیں کہتا کہ ہمارے مارنے سے میت کو دکھ تو ہوتا ہے اور اس دکھ کی وجہ سے چیختا چلاتا اور شور بھی مچاتا ہے مگر اس کا چیخنا چلانا اور شور مچانا ہمیں سنائی نہیں دیتا۔ اور اگر یہی کہیں کہ عرف میں تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اسے دکھ محسوس نہیں ہوتا مگر حقیقت میں ہماری مار سے اسے دکھ ہوتا ہے جیسے ہم بات کرتے ہیں تو میت سنتا ہے اور ہماری بات کا جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اس کا جواب نہیں سن سکتے ہم جب اس کی قبر پر جاتے ہیں تو وہ ہم کو دیکھ بھی لیتا ہے اور پہچان بھی جاتا ہے مگر ہم باہر سے کھڑے ہو کر اسے دیکھ نہیں سکتے تو البتہ ان کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا مگر محدثین کا کیا جواب ہوگا جو انہوں نے لاتؤذ کا حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لیا

نواب قطب الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مظاہر حق ج ۲ ص ۶۴ میں اس حدیث کے فائدہ میں لکھتے ہیں ف شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناخوش ہوتی ہے تکیہ لگانے سے اس لیے کہ اس سے حقارت اس کی لازم آتی ہے جیسے ما اضمر عاملہ علی شرائطہ التفسیر کے بیان میں بحیث لوسلط علیہ مناسبہ کی مثال پیش کرتے ہیں زیدًا ضربتُ غلامہ ای اھنت زیدًا زید کے غلام کو مارنے میں زید کی اہانت اور بے عزتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی رُوح کے سابق بدن کی قبر پر بیٹھنے سے رُوح کی اہانت ہے۔

اور صاحب مظاہر حق نے جو "شاید" کا لفظ کہا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا مطلب ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ یہی ہو اور دیگر مفہوم بھی اس سے مراد لیا جا سکتا ہے مگر ہوگا وہ بھی مجازی، بہرحال حقیقی معنی یہاں مراد نہیں۔

نیز فقہا نے یہ مسئلہ لکھ کر عذاب قبر کا ذکر فرمایا اس سے ان کا مقصد ہے ایک سوال کا جواب دینا کہ جب میت دُکھ درد محسوس نہیں کر سکتا تو عذاب قبر کا عقیدہ حقہ کیونکر ثابت کرو گے تو اس کا جواب دیا کہ قبر کا عذاب یا ثواب محسوس کرنے کے لیے حق تعالیٰ صرف اسی قدر حس اور ادراک میت میں پیدا کرتا ہے کہ جس قدر سے وہ عذاب کے اَلم اور ثواب کی لذت کو جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے پہنچتی ہے محسوس اور دریافت کر سکتا ہے، زیادہ کا ادراک نہیں ہے اس دعوٰی پر دلیل کے لیے عامہ کتب فقہ حنفیہ کی ایسی عبارتیں موجود ہیں جو عامہ علمائے حنفیہ اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ اور تمام اہل عقائد اہل سنت کا یہی عقیدہ ثابت کرتی ہیں دیکھو۔

(۱) رد المحتار ج ۲ باب الیمین فی الضرب والایلام والادب لایتحقق فی المیت، و لا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوٰۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ یعنی میت کو ایذا رسانی نہیں ہو سکتی، اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب میت ایذا رسانی کا اہل اور قابل نہ رہا تو قبر کا عذاب اس کو کس طرح ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک میت میں صرف اتنا حس حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے کہ

جس کی وجہ سے قبر کے عذاب کے الم کو دریافت کر لیتا ہے اور اس کے لیے ترکیب اور ہیئت جسمانی کا سلامت رہنا بھی اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے۔

(۲) جامع الرموز ص ۲۹۲ میں ہے۔ والمعذب فی القبر کحی یقدر ما یتالم به وھو اقرب الی الحق یعنی صرف عذاب الٰہی کے لیے مردہ، زندہ کی طرح ہے اور یہی حق ہے اقرب الی الحق ہے۔

(۳) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے والایلام لا یتحقق فی المیت والمعذب فی القبر یُحیی بقدر ما یتالم به وھو اقرب الی الحق یعنی میت صرف قبر کے عذاب وثواب ہی محسوس کرنے کے قدر زندہ کیا جاتا ہے اور یہی اقرب الی الحق ہے۔

(۴) مقاصد میں ہے وقد ثبت بالضرورۃ من الدین ان للمیت فی القبر نوع حیاۃ قدر ما یتالم ویتلذذ

(۵) اور شرح مقاصد میں ہے اتفق اھل الحق علی ان اللہ تعالیٰ یعید الی المیت فی القبر نوع حیوۃ قدر ما یتالم ویتلذذ ویشھد بذالک الکتاب والاخبار والاٰثار یعنی ضروریات دین میں یہ مسئلہ ثابت ہے جس پر تمام اہل حق کا اتفاق اور اجماع ہے اور قرآن پاک اور احادیث نبویہ اور صحابہؓ اور تابعین، سلف صالحین کے اقوال بھی اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اللہ تعالےٰ قبر میں میت کی طرف دوبارہ پھر ایک خاص قسم کی حیات دے دیتے ہیں اور دیتے بھی ہیں صرف اسی قدر جتنے سے دکھ یا سکھ محسوس کر سکے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسے پہنچے۔

(۶) ہدایہ میں ہے والایلام لا یتحقق فی المیت۔

(۷) فتح القدیر میں وجہ بتائی لانہ لا یحس کہ اس میت کو انسان کا دیا ہوا دکھ کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

الحاصل

بہر حال اس جہان والے میت کو کچھ اذیت نہیں پہنچا سکتے نہ دفن سے پہلے نہ دفن کے بعد اور عذاب ثواب کا مسئلہ عالم دنیا اور عالم اجساد کے ساتھ متعلق نہیں اس کا تعلق عالم

عالم برزخ کے ساتھ ہے جسے خدا جانتا ہے اور اسی انسان کو محسوس ہوتا ہے۔
مگر فقہاء و متکلمین میں سے کسی نے یہ توجیہ کسی کتاب میں نہیں لکھی کہ دنیا میں رہنے والا آدمی جب اس میت کو مارتا ہے تو میت کو وہ مار محسوس تو ہوتی ہے مگر چونکہ عرف عام میں جو یہ مشہور ہے کہ ہمارے مارنے سے میت کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اسلیے مرنے کے بعد حالف اگر اسکو مارے گا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے۔
جب میت کو لاٹھیاں مارتے ہے جو براہ راست اس کے بدن پر زور زور سے لگ رہی ہیں اور اس مار کی آواز بھی دُور دور تک جا رہی ہے میت کو محسوس کچھ نہیں ہوتا تو زندہ کی آواز جو ہوا کی لہروں میں لہراتی ہوئی مکان سے پار نہیں جا سکتی وہ میت کو کیسے سُنائی دے گی اگر میت زندہ کی آواز سنتا ہے تو زندہ کی مار اور چوٹیں بھی محسوس کرتا ہے اور اگر میت زندہ کی مار اور چوٹیں محسوس نہیں کرتا تو زندہ کی آواز بھی نہیں سنتا اور اگر کہو کہ آواز تو سنتا ہے مگر اس کو مار محسوس نہیں ہوتی تو سوال پیدا ہوگا کہ وجہ فرق کی بتاؤ کہ آواز میت کو پہنچ جاتی ہے مگر دُکھ درد اس کو محسوس نہیں ہوتا۔ نیز کئی شہید میدانِ جہاد میں ایسی جگہ پڑے ہوتے ہیں جہاں عسکر المسلمین کی نظر نہیں پڑی یا کوئی اور مسلمان جنگل میں مر گیا درندے اس کو چیرتے پھاڑتے ہیں کھاتے ہیں اسے دُکھ اگر ہوتا ہے تو بیچارے شہید اور مسلمان کو مرنے کے بعد تکلیف ہو رہی ہے حالانکہ خدا پاک کے ہاں ادھر اس کی روح اس کے جسدِ عنصری سے نکلی ادھر جنت میں فوراً ہی پہنچ گیا اور عیش و عشرت تلذذ اور تنعم میں رہ کر لطف اندوز ہو رہا ہے یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ دنیا کے کسی عمل سے میت کچھ متاثر نہیں ہوتا مگر وہ زندگی جو مرنے کے بعد اسے نصیب ہوئی ہے وہ نہ تو دنیوی زندگی ہے اور نہ مماثل اس زندگی دنیوی کے ہے بلکہ وہ زندگی اس زندگی سے الگ ہے، مسلم کی زندگی اس زندگی سے اعلیٰ ہے اور کافر کی زندگی اس زندگی سے ابتر ہے اور بدتر ہے اور اس زندگی کا نام حیاتِ برزخیہ ہے نہ حیاتِ دنیویہ عنصریہ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب رہا یہ کہ لوگ حدیث نبوی سناتے ہیں المیت یؤذی فی قبرہ ما یؤذی بہ الحی جو چیز زندہ آدمی کو ایذا دیتی ہے قبر میں میت کو بھی وہ ایذا دیتی ہے تو اس کا۔۔۔۔ **جواب** یہ ہے کہ یہ حدیث دیلمی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام کرکے روایت کی گئی ہے اور دیلمی کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بستان المحدثین ص ۶۲ میں لکھا ہے اما در اتقان و معرفت و علم او قصورے است در تنقیم و تصحیح احادیث تمیز نمی کند و لہٰذا دریں کتاب او موضوعات و واہیات تو دہ تو دہ مندرج۔ یعنی دیلمی کے علم اور اتقان اور معرفت حدیث میں قصور تھا اور وہ بیمار اور صحیح حدیثوں میں تمیز نہ کرسکتا تھا اس لیے دیلمی کی کتاب میں جھوٹی اور واہیات حدیثیں کثرت سے موجود اور درج ہیں۔

نیز اس کتاب کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کتابوں کی فہرست میں لکھا ہے جن کی حدیثیں نہ قابل عمل ہیں اور نہ ہی ان پر عقیدہ رکھا جاسکتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اور حاشیہ طحطاوی اور ردالمحتار میں جو لکھا ہے کہ قبرستان میں پیشاب کرنے کے لیے نہ بیٹھے لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی جس چیز سے زندہ کو دکھ ہوتا ہے اس سے مردہ کو بھی دکھ پہنچتا ہے تو اسکا **جواب** یہ ہے کہ اتنی بات تو صحیح اور بجا ہے کہ قبرستان میں پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میت کو پیشاب کرنے سے تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی طحطاوی اور شامی نے یہ وجہ بتائی ہے بلکہ یہ وجہ اصول مذہب حنفیہ اور فقہ حنفی کے بالکل خلاف ہے۔ اصل وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ اہل اسلام کا قبرستان فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ ملائکہ کراماً کاتبین کو انسان کی وفات کے بعد انسان کی قبر کے پاس

رہنے کا اور وہاں رہ کر اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے کا حکم ملتا ہے اور مجموعۃ النوادر فقہ حنفی قلمی ورق ۳۰۲ کے حوالہ سے کشف المغالطات ص ۹۲ میں لکھا ہے فاذا انتھی الیھم یقول السلام علیکم لان ھناک من یجیبہ وھم الحفظۃ یعنی جب قبرستان میں پہنچو تو السلام علیکم کہو کیونکہ وہاں جواب دینے والے موجود ہیں لیکن آپ یہ گمان نہ کیجیے کہ مردے سلام کا جواب دیتے ہیں بلکہ صاف عبارت موجود ہے کہ انسان کے اعمال کے محافظ کراماً کاتبین فرشتے سلام کرنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔ پس جہاں ملائکہ حاضر ہوں وہاں کچی پیاز کھا کر جانا بھی منع ہے وہاں کسی بدبو کی چیز کا ظاہر کرنا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا بھی منع ہے۔ پس یہ قول کہ میت کو اذیت ہوتی ہے اس چیز سے کہ جس سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے سراسر غلط اور سراسر لغو ہے اور عامہ کتب حنفیہ اس کی تردید کرتی ہیں۔

مراقی الفلاح کی ایک خبر کی تردید

اب لگے ہاتھوں اس قول کی تردید کرنا ضروری ہے جو مراقی الفلاح میں ہے:

اخبرنی شیخی محمد بن احمد الحموی الحنفی بانھم یتاذون بخفق النعال یعنی میرے شیخ محمد بن احمد حموی حنفی نے مجھے بتایا ہے کہ جوتوں کی آواز سے مُردوں کو دکھ ہوتا ہے۔ سو اس کا ..... **جواب** یہ ہے کہ یہ قول صحیح احادیث کے خلاف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مبارکہ کے خلاف ہے اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے بھی خلاف ہے خاص کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کے اور تمام مذہب حنفیہ کے خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار مع گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جنازوں کے دفن کرنے کے لیے جوتے پہن کر قبرستان تشریف لایا کرتے تھے جو قطعی طور

پر متعدد طرق سے صحیح احادیث سے ثابت ہے، پھر حضرت علامہ ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار ص ۲۹۵ باب المشی بین القبور بالنعال کے باب میں صاف اور صریح طور پر امام اعظم رحمہ اللہ و امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب لکھا ہے کہ ان کے نزدیک قبرستان میں جوتوں سمیت جانا بلا کراہت جائز ہے۔

نیز مراقی الفلاح کے حاشیہ میں محشی حضرت طحطاوی رحمہ اللہ نے بھی صفحہ ۴۰۸ میں اس قول کی تردید بایں الفاظ فرمائی ہے ولا یکرہ المشی فی المقابر بالنعلین عندنا ولنا قولہ علیہ السلام وانہ لیسمع قرع نعالھما اذا انصرفوا یعنی قبرستان میں جوتوں کے ساتھ چلنا ہمارے مذہب حنفی میں مکروہ نہیں جس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب لوگ قبرستان سے واپس گھروں کو جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث کی توجیہ میں اگرچہ علمائے کرام کا اختلاف ہے مگر وہ اپنی جگہ پر ہے ہمیں صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ جوتوں سمیت قبرستان میں جانا مکروہ نہیں ہے سو وہ ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد!

اور تحقیق اس امر کی کہ مردوں کا جوتوں کی آواز سننے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ سو اس تحقیق کی مکمل تفصیل "اصح الاقوال فی توجیہ حدیث خفق النعال" میں مذکور ہے۔

آمدم بر سر مطلب

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ روح کا تعلق ان اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہے جن کے عدم سے انسان کا عدم لازم آتا ہے۔ نہ ان اجزاء عرفیہ ظاہرہ حسیہ کے ساتھ کیونکہ ان کے عدم سے انسان کا عدم لازم نہیں آتا کیونکہ اگر ایک انسان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا آنکھ پھوڑ دی جائے یا کان کاٹ دیا جائے یا ناک کاٹ دی جائے تو انسان معدوم نہیں ہوتا اور نہ اسے نصف انسان کہتے ہیں نہ ربع انسان کا کہتے ہیں بلکہ وہ مکمل انسان ہے لیکن اجزائے اصلیہ کے معدوم ہونے سے انسان معدوم ہوگا۔ لیکن نہ

اجزاء اصلیہ معدوم ہوتے ہیں نہ انسان معدوم ہوتا ہے ہاں البتہ ایک عالم سے نکل کر دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور اس عالم میں اس کے ساتھ ساری کارروائی کی جاتی ہے ینتقل من دارٍ الیٰ دارٍ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اجزائے اصلیہ کونسے ہیں اور کہاں ہیں؟ اس کا **جواب** یہ ہے کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ قرطبیہ ص ۳۹ میں لکھا ہے اروی مسلم وابن ماجۃ مرفوعًا لیس من الانسان شیئ الا یبلیٰ الا عظم واحد وھو عجب الذنب ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ وفی روایۃ منہ خلق و منہ یرکب الخلق یوم القیامۃ ای اول ما خلق من الانسان ھٰذا العظم ثم ان اللہ یبقیہ الیٰ ان یرکب الخلق منہ تارۃ اُخریٰ وقد قیل یا رسول اللہ وما ھو؟ فقال مثل حبۃ خردل ومنہ ینبتون الحدیث یعنی مسلم وابن ماجہ نے مرفوعًا حدیث بیان کی ہے کہ ایک ہڈی کے سوا تمام انسانی جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے اور اس ہڈی کا نام ہے عجب الذنب قیامت کے روز مخلوق اسی سے جڑے گی اور اسی سے شروع شروع میں انسان بنا اور سب سے پہلے انسان کے اجزاء میں سے یہی ہڈی پیدا ہوئی ہے۔ پھر اسی ہڈی کو اللہ تعالےٰ رکھے گا یہاں تک کہ دوبارہ اسی سے پھر انسان کو جوڑے گا۔ اس مجلس نبوی میں ایک شخص نے استفسار کیا کہ اس ہڈی کی کیا مقدار ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس ہڈی کی مقدار آسانی کے لیے ایسے سمجھ لو جیسے رائی کا دانہ اور لوگ اسی سے پیدا ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی معصوم زبان سے دی ہوئی مثال

آپ نے سمجھانے کے لیے رائی کے دانہ کی مثال دی مطلب یہ ہے کہ بہت ہی قلیل مقدار ہے۔ اور فلسفۂ اسلام کے عالم اس کو جزء لا یتجزّٰی سے تعبیر کر لیتے ہیں اور

یہی جزء ہے جو اول عمر سے اخیر عمر تک قائم رہتی ہے پھر جب انسان مرجاتا ہے تو اس وقت یا تو اس جزء کو زندہ ہی رہنے کی حالت میں اس کے بدن سے جدا کر دیا جاتا ہے اور یا پھر اللہ تعالیٰ اس جزء اصلی کو بھی موت دے دیتا ہے پھر دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اور اسی جزء کو عذاب و ثواب ہوتا ہے اور اس تقریر سے تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں جیسے مفسر نیشاپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ج ۴ ص ۱۳۸ میں لکھا ہے: وکلنا یجد انہ شیئ واحد من اول عمرہ الی آخرہ والباقی مغایر للمتبدل لا یبعد ان ینفصل بعد موت البدن حیًا او اماتہ اللہ فیعیدہ حیا وبھذا یثبت عذاب القبر وثوابہ وتزول الشبہات۔

تہافت الفلاسفہ ص ۱۲۱ میں خواجہ زادہ نے فرمایا ہے کہ اجزاء حقیقیہ جو درحقیقت وہی انسان ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت کے وقت فرشتے ان کو قبضہ میں لے لیتے ہیں، ان اجزاء اصلیہ کو نہ زمین کھاتی ہے اور نہ وہ اجزاء مٹی میں ملتے ہیں نہ ان سے پودے پھل اور دانے حاصل ہوتے ہیں، الاجزاء الاصلیۃ التی ھی الانسان فی الحقیقۃ تقبضھا الملائکۃ بامر اللہ تعالیٰ عند حضور الموت فلا یتعلق بھا الاکل (ای اکل الارض) ولا تختلط بالتراب ولا یحصل منھا النبات والثمار والحبوب،

اور تہافۃ الفلاسفہ ص ۹۳ میں لکھا الفاعل المختار یجوز ان یحفظ الاجزاء الاصلیۃ عن التحلل یعنی اللہ تعالیٰ جو فاعل مختار ہے وہ اجزاء اصلیہ کو تبدیل ہونے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

تہافۃ الفلاسفہ ص ۱۲۰ اور الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۲ میں ہے وتلک الاجزاء قلیلۃ جدا وھی المسماۃ بالروح (ای مجازًا کما فی قول علیہ السلام الحج عرفۃ واطلاق الصلوٰۃ علی الفاتحۃ (مشکوٰۃ ص ۷۸) واطلاق الوتر علی صلوٰۃ اللیل واطلاق التشھد علی التحیات للہ الی آخرہ سمی باسم جزءہ الاشرف (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۸۵) قال فی البرھان لبدر الدین الزرکشی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۴۲۹ علیک بالنفس فاستکمل فضائلھا فانت بالنفس لا بالجسم انسان) فعند حضور

الموت یامر اللہ الملائکۃ بقبض تلک الاجزاء التی ھی الانسان بالحقیقۃ من غیر ان یقع فیھا تفرق وتبدل وتغیر فی صفاتھا یعنی وہ اجزاء بہت ہی قلیل ہیں اور انہیں مجازی طور پر روح بھی کہہ دیتے ہیں، اشرف جزء کے نام پر بلائے گئے (جیسے وقوف عرفہ کو حج فرمایا۔ سورۂ فاتحہ پر نماز کا اطلاق فرمایا۔ التحیات للہ الخ پر تشہد کا اطلاق اور ساری صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد پر وتر کا اطلاق فرمایا۔ اوتروا یا اھل القرآن، اسی طرح کہتے ہیں انسان نفس کا نام ہے جسم گوشت پوست کا نام نہیں بہرحال جب انسان پر موت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ ان اجزاء کو اپنے قبضے میں کرلیں جو دراصل وہی انسان ہیں، اور ان اجزاء میں باہمی پھوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی صفات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۹ میں لکھا ہے ان الذرۃ التی قبضھا عزرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام من الارض اولاً باقیۃ فی کل انسان لاتتبدل البتۃ وھی الجزء القائم منہ الذی اخذ علیہ المیثاق ویتوجہ الیہ فی القبر سوال الملکین ویتولی جوابھما بردالروح الیہ والحیاۃ لہ وسائر اجزاءہ سمت صمت وھو الذی یتعلق بہ الروح عند النفخ فی الصور ثم ینضم الیہ سائر الاعضاء العنصریۃ حیث کانت بقدرۃ اللہ تعالیٰ حتی یقوم الشخص تاماً کما کان فی الدنیا یعنی جس ذرہ کو حضرت عزرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی دفعہ زمین سے اپنے قبضے میں لے لیا تھا وہ ہر انسان میں باقی ہے اس میں قطعاً کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور وہ ذرہ وہی جزء قائم ہے جس سے روز میثاق میں عہد لیا گیا تھا اور اسی جزء سے منکر نکیر قبر میں سوال کرنے کے لیے متوجہ ہوں گے اور اسی ذرہ کی طرف روح اور حیات دوبارہ واپس کرکے ان سوالوں کے جواب دینے کا ذمہ دار وہی ذرہ بنے گا اور اس کے دوسرے تمام اجزاء چپ سادھ لیں گے۔ اور وہی ذرہ ہے جس کو یہ تعلق روح عذاب یا ثواب ہوتا رہتا ہے۔ پھر صور پھونکنے کے وقت دوسرے عنصری اجزاء و اعضاء جہاں

جہاں بھی منتشر اور پھیلے ہوئے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سب اس ذرہ کی طرف آکر اس سے جڑ جائیں گے، حتیٰ کہ جیسے دنیا میں تام الخلقۃ مکمل شخص تھا اب پھر اسی طرح اٹھ کھڑا ہوگا۔

(۴) علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۲۰ میں فرمایا:

الانسان عبارۃ عن ذالک الجزء الذی ھو باق من اول عمرہ الی الآن فلم لا یجوز ان یقال انہ وان بقیت ھذہ الجثۃ فی الماء الا ان اللہ تعالیٰ نقل تلک الاجزاء الاصلیۃ الباقیۃ التی کان الانسان المعین عنھا الی النار والعذاب یعنی انسان اس جزء کا نام ہے جو شروع عمر سے اب تک باقی ہے۔ تو اب اس صورت میں اس طرح کہنا کیونکر ممکن ہے کہ یہ جثہ اگرچہ پانی میں پڑا ہے مگر ان اجزاء اصلیہ باقیہ کو جو اصل انسان ہیں آگ اور عذاب کی طرف اللہ تعالیٰ منتقل فرما دے۔

نیز تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۳ میں فرمایا بل ھو (الانسان) عبارۃ عن جسم نورانی سار فی ھذا البدن (العنصری) یعنی انسان سے مراد وہ نورانی جسم ہے جو اس بدن عنصری میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

نیز تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۳۹ میں فرمایا سریان الماء فی الورد والدھن فی الزیتون والنار فی الفحم لا یقبل التحلل والتبدل والتفرق والتمزق یعنی اس نورانی جسم کے بدن عنصری میں سرایت کی مثال ایسی سمجھو جیسے گلاب کی پتی میں پانی سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے یا زیتون کے دانوں میں تیل، یا کوئلے میں آگ، مگر جزء اس قسم کی ہے کہ نہ تغیر و تبدل کو قبول کرتی ہے اور نہ پھوٹنے پھٹنے کو (یعنی گویا وہ جزء لا یتجزیٰ ہے جس کو توڑ کر ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔

(۵) ابو بکر رازی جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۸ میں فرمایا فان قیل کیف یجوز ان یکونوا احیاء ونحن نراھم رمیما فی القبور بعد مرور الازمان علیھم قیل لہ الناس فی ھذا علی قولین منھم من یجعل

الانسان هو الروح وهو جسم لطيف والنعيم والبؤس انما هما له دون الجثة ومنهم من يقول ان الانسان هذا الجسم الكثيف المشاهد فهو يقول ان الله تعالى يلطف اجزاء منه بمقدار ما تقوم به البنية الحيوانية ويوصل النعيم اليه وتكون تلك الاجزاء اللطيفة بحيث يشاء الله تعالى ان تكون تعذب او تنعم على حسب ما يستحقه ثم يفنيه الله تعالى كما يفنى سائر الخلق قبل يوم القيامة ثم يحييه يوم القيامة للحشر وقد حدثنا ابو القاسم عبد الله بن محمد بن اسحق المروزي قال حدثنا الحسن بن يحيى بن ابي الربيع الجرجاني قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهري عن كعب بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم قال نسمة المومن طير تعلق في شجر الجنة حتى يرجعها الى جسده (وفي الهامش هذا الحديث شاهد للمعنى الاول)

علامہ جصاص رحمہ اللہ نے سوال وجواب کے ذریعے مسئلہ سمجھایا کہ اگر کوئی سوال کرے کہ شہداء کے زندہ ہونے کی کیا صورت ہے جب ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ قبروں کے اندر مرورِ زمانہ کے بعد بالکل بوسیدہ اور کھوکھری ہڈیوں کی حالت میں ہیں تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ انسان دراصل روح کا نام ہے جو ایک لطیف جسم ہے دکھ سکھ اسی کے ساتھ متعلق ہے نہ اس جثہ کے ساتھ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انسان تو یہی جسمِ کثیف ہے جو آنکھوں سے دکھتا ہے مگر اللہ تعالےٰ اس میں سے اتنی مقدار میں جتنے میں جاندار دھڑ بن جائے۔ باریک اور چھوٹے چھوٹے اجزاء لے کر ان کو ثواب (وعذاب) پہنچاتا ہے اور ان لطیف اجزاء کو اللہ جہاں چاہتا ہے ان کے استحقاق کے مطابق جزا سزا دیتا ہے، پھر جیسے دوسری مخلوق کو فنا کرے گا قیامت سے پہلے پہلے ان کو بھی فنا کر دے گا پھر قیامت کے روز میدانِ حشر میں جمع کرنے کے لیے پھر انہیں زندہ کریگا۔

حضرت جصاص رحمہ اللہ نے اس کے بعد وہ مشہور وجہ بیان فرمائی جس سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا نسمہ اُڑتا اُڑتا جنت کے درختوں کے پھل کھاتا رہے گا، حتیٰ کہ قیامت کے روز اس نسمہ کو اس کے پہلے جسدِ عنصری کی طرف واپس کردے گا اس مقام پر محشی نے لکھا کہ یہ حدیث پہلے معنی کی شاہد ہے اور دوسرے علماء جو اسی جسم کثیف مشاہد کو انسان کہتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جزا، سزا ہر ہر عضو کثیف مشاہد کو نہیں ہوتی بلکہ اجزاء لطیفہ کو ہوتی ہے۔

اور اس حدیث کو محترم جناب مولانا صاحب نے بھی تسکین الصدور طبع دوم ص۱۸۷ میں مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۵ وسنن ابن ماجہ ص ۳۱۶ و مؤطا امام مالک ص ۸۴ و مورد الظمآن ص ۱۸۷ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

(۶) اور انہی اجزاء کے متعلق حضرت ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹ میں فرمایا جعلت الحیوٰۃ فی تلک الاجزاء الّتی لا یاخذھا البصر یعنی ان اجزاء لطیفہ میں حیات رکھی جاتی ہے جو دکھ نہیں سکتے۔ شامی ج ۳ ص ۲۰۱ میں لا یدرکھا البصر ہے۔ مطلب وہی ہے۔

نتیجہ: خواجہ زادہ، شعرانی، رازی، جصاص، ابن ہمام، شامی وغیرہم کی ان تشریحات سے معلوم ہوگیا کہ دراصل انسان ان اجزاء اصلیہ کا نام ہے اور اس ڈھانچہ کو جو سر دھڑ پیر انسان بولتے ہیں، یہ عرف ہے۔

امام غزالیؒ کی صاف عبارت، اور مولینا کی پیوند کاری

امام غزالی رحمہ اللہ نے جو بیان فرمایا ہے اسے محترم جناب مولینا صاحب نے تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۸۲ میں خود نقل فرماتے ہیں: "موت کی وجہ سے جسم کے معطل ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے فساد مزاج یا اعصاب میں سُدّہ آجانے کی وجہ سے اعضاء مفلوج اور شل ہوجاتے ہیں اور دوران خون اور نفوذ روح میں رکاوٹ آجاتی ہے حالانکہ روح جو علم و عقل اور ادراک سے متصف ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے بعض اعضاء اسکے تصرف میں ہوتے ہیں اور بعض شل ہوجانے کی وجہ سے اس کا

اثر قبول نہیں کرتے۔

بات تو مثال کے بعد بالکل واضح تھی، کہ روح بعض اعضاء میں اثر کرتی ہے اور بعض اعضاء اس کے اثر کو قبول نہیں کرتے اگر ان اعضاء کو ماریں یا سوئی چبھوئیں یا کاٹیں تو کچھ محسوس نہیں ہوتا مگر مع ہذا محترم جناب مولانا صاحب نے اس واضح عبارت کی بھی تشریح فرمادی اور تشریح بھی اپنے مطلب کی یعنی روح باوجود مکمل کوشش کے مفلوج اعضاء میں پورا اثر نہیں کر سکتی۔ یعنی اثر کرتی تو ہے مگر مکمل اثر نہیں کرتی اور شل کا ذکر ہی ترک کر دیا۔ اس سے یہ مطلب نکالنا کہ روح کا اثر میت کے بدن میں ہوتا تو ہے مگر پورا اثر نہیں ہوتا ہے اس تھوڑے سے اثر کی وجہ سے زائر کا سلام بھی سن لیتا ہے اور زائر کو دیکھ پہچان بھی لیتا ہے تو گویا شل اور مفلوج سے بڑھ کر میت میں حس ہوتی ہے اس قدر کہ جو زائر بالکل تندرست اور صحیح الاعضاء قبر پر کھڑا ہے اسے تو قبر میں لیٹا ہوا میت نظر نہیں آتا اور میت کا جواب سلام نہیں سنتا۔ یہ بات کم از کم ہماری سمجھ سے بعید تر ہے اور خدا کے ہاں تو کوئی چیز بعید نہیں۔

نیز امام غزالیؒ کی عبارت میں ایک دو قیدیں ایسی لگائیں جو قواعد کی رو سے ہر عالم سمجھ سکتا ہے کہ صحیح نہیں۔ امام رحمہ اللہ نے تو فرمایا ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان تؤخر الی یوم البعث واللہ اعلم بما حکم بہ علی کل عبد من عبادہ۔ مطلب عبارت کا تو بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو کوئی چیز نہ محال ہے نہ مستبعد ہے نہ مشکل ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قبر میں جسم کی طرف روح کو واپس کر دے اور اسے یہ بات بھی مشکل نہیں کہ روح جسم کی طرف قیامت تک نہ لوٹائے وہ خود مختار حاکم ہے جو چاہے حکم فرمائے۔ مگر محترم جناب مولانا صاحب نے پہلے لا یبعد والے فقرہ میں فی الجملہ کا اضافہ اور دوسرے لا یبعد والے فقرہ میں بکمالہ کا اضافہ فرمایا جس سے دونوں معطوف علیہ اور معطوف کے مابین مغایرت غارت ہو جاتی ہے حالانکہ مغایرت کا ہونا ضروری ہے اور دونوں فقروں کا مطلب جب ایک ہوا تو دوسرا لا یبعد کا اضافہ کلام کی فصاحت کو تو کم از کم ضرور عیب ناک کر دیتا ہے۔

تائید مسئلہ از مولوی عبد الحکیم سیالکوٹیؒ وصاحب الکافیؒ

پھر مولوی عبد الحکیم کی عبارت تو ہمارے دعوٰی کی مؤید ہے یعنی اعادہ روح صرف اسی قدر ہوتا ہے جس سے وہ انسان دُکھ اور لذت ونکیرین کا جواب سوال معلوم کر سکے اس سے زائر کا جاننا پہچاننا اور اسکے سلام کا جواب دینا ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح الکافی کی عبارت بھی یہی بتاتی ہے عند العامۃ توضع فیہ الحیاۃ بقدر ما یتاتی لہ الحیوۃ المطلقۃ یعنی جمہور کے نزدیک حیات صرف اسی قدر اسے دی جاتی ہے جس سے سزا کا ادراک کر سکے نہ کامل حیات جس سے زائر کا سلام سن کر جواب بھی دے سکے اور جان پہچان سکے اور چڑا چڑیا کا امتیاز بھی کر سکے، بلکہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کے قول کو بصیغہ تمریض "قیل" سے بیان فرمایا وقیل توضع فیہا الحیوۃ من کل الوجہ یعنی ایک کمزور قول یہ ہے کہ اس میت میں من کل الوجوہ جان ڈالی جاتی ہے جس سے میت میں سب حواس باقاعدہ کام کرتے ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے اور مسائل فقہ حنفی اس سے آبی ہیں۔

تنبیہ: صاحب الکافی ابو البرکات نسفی کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری میں جو "ویسمع سلام الزائر" کا اضافہ ہے اس کا منشا یہی قول ضعیف ہے یا تو قاضی صاحب کا اپنا خیال ہے یا بعد میں کسی ناسخ کا اضافہ ہے۔

تمثیل، بہ جبریلؑ؟

پھر جبریلؑ کی مثال کیسے درست ہے اور اس پر کیا دلیل ہے کہ آپؐ بیک وقت آسمان ہفتم میں بھی ہوں اور زمین پر بھی ہوں آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تھے جبرائیلؑ آپؐ کے ساتھ تھے جب مکہ شریف سے آپؐ چلے تو جبرئیلؑ آپؐ کے ساتھ تھے جب بیت المقدس میں پہنچے تو اس وقت مکہ شریف میں نہ آپؐ تھے نہ جبرئیلؑ تھے پھر پہلے آسمان کے پاس پہنچے تو حضرت جبرئیل دروازہ کھلواتے ہیں سوال جواب کے بعد

جب دروازہ کھلتا ہے تب آپؑ بھی اور جبرائیلؑ اوپر جاتے ہیں، پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں جب دروازہ کھلتا ہے تب دونوں اوپر جاتے ہیں علیٰ ہٰذا القیاس سب آسمانوں کے دروازے کھلواتے ہیں، دروازے کھلنے کے بعد اندر جاتے ہیں اگر حضرت جبرائیل کا استقرار ساتویں آسمان پر ہونے کی حالت میں زمین پر بھی تشریف فرما ہوتے ہیں تو دروازہ کھلوانے کی ضرورت ہی نہیں اس پر کونسی صحیح حدیث ناطق ہے کہ جبرائیلؑ ساتویں آسمان کے اوپر بیٹھے ہوتے تھے اور ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، پھر یہ جو حدیثوں میں آتا ہے جبرائیلؑ آیا، جبرائیلؑ چلا گیا، تو ان سے حضرت جبرائیل کا ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ جانا متبادر معلوم ہوتا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثال ایسی ہے جس نے بجائے وضاحت کے اور پیچیدگی اور اغلاق پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ مثال دینے سے مقصد مسئلہ کی توضیح ہوتی ہے۔

شعبی کی عبارت کس کی تائید کرتی ہے؟

پھر حضرت شعبی رحمہ اللہ کی بحر الکلام میں بیان کردہ مثال صریح طور پر آپ کے دعوٰی کی تردید کر رہی ہے کیونکہ آپ کا تو دعوٰی ہے کہ روح مومنین وانبیاء وکفار سب کی ان قبروں کے اندر ہوتی ہیں لیکن مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ روح تو علیین یا سجین میں ہی رہتی ہے جیسے سورج آسمان ہی میں ہوتا ہے سورج کبھی زمین پر نہیں آیا البتہ اس کی روشنی زمین پر پڑتی ہے۔

حوالہ حلیمی؟

پس حلیمیؒ نے جو فرمایا ہے ترد الروح الی جسدہ کلہ (سارے جسد کی طرف روح واپس کر دی جاتی ہے) یہ قول ضعیف ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت مفتی اعظمؒ سے جب سوال ہوا کہ مرنے کے بعد روح قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے تو اس کا جواب یوں نہیں دیا کہ قبر میں لائی جاتی ہے یا واپس کی جاتی ہے

بلکہ جواب دیا کہ جسم سے رُوح کو تعلق رہتا ہے دیکھو فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۴۶۲ بحوالہ تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۹۲۔ یہ بحث الگ ہے کہ مسئلہ تعلق کی کیا پوزیشن ہے۔

تعارض ۱

تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۹۳ میں فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۶ کے حوالہ سے لکھا ہے:

ولا بعد فی تعذیب الجسد بعد تمزقہ فانہ یبنیٰ علیٰ عدم الشعور فی الجمادات وھو فی حیز الخفاء اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ جسم ریزہ ریزہ ہو جائے اور بایں ہمہ اس کو عذاب دیا جائے اس کے خلاف نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ جمادات میں شعور نہیں اور یہ خیال محل نظر ہے۔ یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ حق یہی ہے کہ جمادات میں شعور ہے ادراک ہے حس ہے۔

مگر جب سماع الموتیٰ ص ۱۵۴ و ص ۱۵۹ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سے بالکل اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ جمادات میں شعور نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸ اور کتاب الرُّوح ص ۴ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو ان سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا (یعنی مردے نہ سنتے ہوتے اور نہ سمجھتے ہوتے تو یوں ہی ان کو السلام علیکم کہنے کا حکم نہ ہوتا) تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔ اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو سلام کہنے والے کا نہ شعور رکھتا ہو نہ علم، محال ہے۔

اب اس شخص کو کیا سمجھ آئے گی جو تسکین الصدور اور سماع الموتیٰ ہر دو کی عبارتیں دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ایک طرف دیکھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جمادات میں شعور ہوتا ہے اور شعور نہ ہونے کا خیال غلط ہے اور جب دوسری طرف دیکھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ مردے کو سلام کرو وہ سنتا دیکھتا ہے اور مردے کو جماد نہ سمجھو کیونکہ جماد کو نہ شعور نہ علم اور جماد اور معدوم شعور اور علم نہ ہونے میں برابر ہیں۔

بہرحال رُوح کا تعلق تمام اعضاء کے ساتھ کہنا تو قول ضعیف ہے اور بعض اعضاء کے

کسی حصہ کے ساتھ قول صحیح ہے۔ اب وہ بعض سے کونسا بعض مراد ہے اس کی تشریح الیواقیت والجواہر ص۲۴ میں ہے جو اوپر گذر چکی ہے دوبارہ دیکھ لیں۔

تعارض ۲

محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع دوم ص۱۴۶ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ بتایا کہ جب تک بدن مادی اور عنصری موجود ہو تو اس وقت تک روح کا تعلق اسی سے قائم رہتا ہے لیکن جب بدن عنصری ہی قائم نہ رہے (مثلاً یہ کہ اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو) تو اس صورت میں سزا اور راحت روح کو ہوتی ہے اور اس خاص صورت میں روح کا بدن مثالی سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور اس صورت میں چونکہ مادی اور عنصری بدن ہی باقی نہیں رہا اس لیے روح کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا، اور غالباً یہ ان اقوام کے بارے میں ہو سکتا ہے جن کو درندے وغیرہ کھالیں یا جن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ انتہیٰ کلامہ۔

پھر ص۱۴۷ میں کہا جب تک مادی و عنصری بدن قائم ہے روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتاتی حیثیت سے، اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے، تو جہاں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ روح کا بدن سے سرے سے اصلاً کوئی تعلق نہیں رہتا اور روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کر دیا جاتا ہے تو یہ اس صورت سے مختص ہے جس میں بدن اصلی اور عنصری باقی نہ رہے۔

مگر ایک صفحہ کے بعد جب حوالہ جات کا خلاصہ نکالتے ہیں تو فرماتے ہیں (بالکل حوالہ جات کے برعکس) کہ آپ اس مفصل اور مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی قبر کی راحت و عذاب کے سلسلہ میں روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق، اتصال اور ربط ہوتا ہے اگرچہ اس کے اعضاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں۔ ناظرین! مولانا کی بات سمجھ آئی؟

جلنے اور خاک ہونیکے بعد بھی جسدِ عنصری قائم ہے ؟

یہاں سے قدرتی سوال اُٹھتا ہے کہ جب بدن جل کر راکھ ہو جائے تب تو بدن عنصری قائم نہیں رہتا اس لیے پھر مجبوراً بدنِ مثالی سے اس کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے لیکن جب بدن جل کر راکھ نہ ہو بلکہ مٹی ہو جائے ریزہ ریزہ ہو کر اکنافِ عالم میں بکھر جائے تو بدن عنصری اور مادی ہو بہو صحیح سلامت قائم رہتا ہے اسکی کیا وجہ ہے کیا یہ بات عقلِ سلیم قبول کرلے گی ؟ کسی شخص کو ثالث مقرر کر لو وہی فیصلہ کر دے۔

دیکھو تو سہی جب جسم خاک یا راکھ بن گیا تو اربعہ عناصر کہاں ہیں ؟ آگ پانی مٹی ہوا۔ ان میں سے ایک عنصر خاک تو واقعی موجود ہے مگر وہاں نہ پانی ہے نہ آگ نہ ہوا، تو بدن عنصری اور مادی کا اطلاق اس پر کیسے درست ہے ؟

تعارض ۳

تسکین الصدور طبع دوم ص۱۱۸ میں کہا، ایسی حیات (مطلقہ کاملہ، پوری حیات) یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا قیامت کے دن ہوگی اور اس حیات کی علامت یہ ہے کہ اس میں روح تمام بدن میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے اور روح بدن کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتی ہے اور ایسی مطلق اور کامل حیات میں بدن کو حاجۃ خوراک پانی لباس وغیرہ جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور بدن میں حس و حرکت ہوتی ہے اور وہ جنبش کرتا ہے جس کا بخوبی لوگ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور اس کی حرکات محسوس ہو سکتی ہیں اور ایسی حیات صرف دو دفعہ ہوگی دنیا میں اور آخرت میں، رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں۔

اب کھو لیے ص۱۲۷ سطر ۲، ۳ "سوال نکیرین کے وقت گو عارضی سہی مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیاتِ کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مُردوں کے بعض اجزاء مثلاً پسلیاں جو آر پار ہو جاتے ہیں تو محسوس ہوتے ہیں اس کو جس کی نظر پڑے۔

اب مطالعہ بین ان دونوں صفحوں کی عبارتوں کو سمجھے اور سمجھائے کہ پہلے کہا قبر اور برزخ کی حیات مطلق اور کامل نہیں، پھر کہا حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے اور محسوس بھی ہوتی ہے اور عقل و فطرت بھی مانتی ہے، گو ملحد و بے دین نہ مانیں۔ یہ دونوں باتیں کیسے سمجھ میں آئیں؟

قول صاحب تسکین، مخالف قرآن متین و رسول مبین

پھر یہ بات بھی فرمائی کہ وہاں کی حیات میں تغذیہ تمتیہ و لباس نہیں۔ حالانکہ خدا پاک کا فرمان ہے یُرْزَقُوْنَ (ان کو وہاں رزق ملتا ہے) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تعلق من شجر الجنۃ جنت کے درختوں کے پھل کھاتے ہیں ہیں اور مرتے وقت فرشتے نیک کی خاطر ریشمی جنتی لباس اور کافر کے لیے دوزخی ٹاٹ لاتے ہیں، پھر یہ بھی ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں، قیام رکوع، سجود سب ہی حسی ہو علی رغم انف الملحد والزندیق تو قبر کو اتنا وسیع بنانا چاہیئے تاکہ میت اس میں کھڑا ہو سکے سر چھت کے ساتھ نہ ٹکرائے اور رکوع اور کھلا سجدہ بھی کر سکے۔ حالانکہ اس کی تغلیط حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے المورد الفرسخی فی المولد البرزخی ص۷۸ میں فرمائی ہے "عام لوگوں میں مشہور ہے کہ قبر کے تختے اونچے رکھے جائیں کہ آدمی قبر میں بیٹھے تو تختے سر کو نہ لگیں تاکہ بیٹھنے میں میت کو تنگی نہ ہو، یہ بے اصل بات ہے کیونکہ مردہ کا جلوس و قعود جو احادیث میں وارد ہے وہ اور قسم کا ہے یعنی برزخی ہے اس کے لیے یہ تختے مانع نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ توسیع وغیرہ جیسا کہ بیان کیا گیا اکرام ہے جسد مسلم کا اس کی روح کے سبب سے۔ پس اصل چیز انسان میں یہی روح ہے۔"

اس سے پہلے المورد الفرسخی ص۷۸ میں فرماتے ہیں" لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی جب مر جاتا ہے تو بس ایک گڑھے میں اس کو دفن کر دیتے ہیں اور وہ وہیں پڑا رہتا ہے اور چند روز میں گل سڑ کر خاک ہو جاتا ہے۔ اسی خیال نے لوگوں کو موت سے متوحش کر رکھا ہے

صاحبو! انسان جسم کا نام نہیں ہے۔ یہ حال جو تم بیان کرتے ہو جسم کا ہوتا ہے روح کا یہ حال نہیں ہوتا۔ وہ تو عالم ارواح میں اور دار النعیم میں پہنچتی ہے — اور انسان اسی

رُوح سے انسان ہے وہی اصل چیز ہے۔ اسی سے انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس جسد کا جو احترام کیا جاتا ہے حیات میں بھی اور بعد موت کے تحسین کفن و توسیع قبر واستعمالِ حنوط وحمل علی الاعناق وصلوٰۃ جنازہ سے بھی، یہ سب بھی رُوح ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر رُوح قابلِ احترام ہے تو جسد بھی قابلِ احترام ہے ورنہ بے شمشیر کا نیام ہے۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حیاتِ دنیا سے برزخی حیات کئی امور میں اکمل ہے کیونکہ ہم دنیا میں کھاتے پیتے ہیں برزخ والے بھی کھاتے پیتے ہیں دنیا والے نماز پڑھتے ہیں، برزخ والے بھی نماز پڑھتے ہیں۔ دنیا والے حج کرتے ہیں برزخ والے بھی حج کرتے ہیں بمطابق حدیث پاک دنیا والے اُڑ نہیں سکتے، برزخ والے اُڑ سکتے ہیں، دنیا والے قرآن پڑھتے ہیں، برزخ والے بھی قرآن پڑھتے ہیں اور ابن زندیق والملحد ابن رادندی کے قول کے مطابق دنیا والوں کی طرح برزخ والے شادی بیاہ بھی کرتے ہیں، بیویوں سے صحبت بھی کرتے ہیں۔ دنیا والوں کی روح صرف جسدِ عنصری میں بند ہے مگر برزخ والوں کی ارواح بیک وقت آسمانِ ہفتم کے اوپر بھی ہے اور جسدِ عنصری کے ہر ہر ذرہ میں بھی ہے، یا پل میں ساتوں آسمانوں سے اوپر پل میں بدن مادی کے اندر، خواب میں اسی وقت چین والے سے ملاقات کر رہی ہے اور اسی وقت امریکہ و ہند و ترک و عرب والے سے ملاقات ہو رہی ہے، پھر مشرکین کا دعوٰی کیا عجب کہ سچ ہو (والعیاذ باللہ) فوراً آجاتی ہیں جونہی ہم بلائیں۔

پھر کہتے ہیں کہ میت دیکھتا ہے پہچانتا ہے، اچھا تو اگر یہ بات مان لیں تو چاہیے تھا کہ عورتوں کو قبرستان میں جانا اس لیے ممنوع ہوتا کہ وہاں جانے سے بے پردگی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم نے شرح الصدور ص۹۵ میں پڑھا ہے قال ما رایت الماء اذا کان فی الزجاج ما یتبین؟ قلت بلی قال فکذلک نری من یزورنا یعنی میت نے کہا کیا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! میت نے کہا بس اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر عورتوں کا قبرستان الگ ہوتا تاکہ مردوں کو بے پردہ نہ دیکھیں اور مردوں کا قبرستان الگ ہوتا کہ عورتوں کی بے پردگی نہ ہو۔ نیز نامحرموں کی قبروں پر

عورتوں کو جانے کی ممانعت ہوتی، ان علماء کے مسلک میں جو عورتوں کو زیارتِ قبور کی اجازت دیتے ہیں اور جو علماء زیارتِ قبور سے مطلقاً منع فرماتے ہیں وہ علتِ ممانعت عورت کی بے صبری اور جزع فزع قرار دیتے ہیں اور بے پردگی والی وجہ کسی نے نہیں بتائی۔

ہماری اس تقریر سے

ایک معترض[1] کالاعمیٰ کا اعتراض

بفضلہ تعالیٰ باحسن الوجوہ رد ہوگیا اور مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ والحمد للہ

رہی شرح الصدور والے کی یہ عبارت سو یہ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ دلائل شرع کے چار ہیں، قرآن پاک، سنت نبویہ، اجماعِ امت اور قیاس مجتہد کا اور یہ میت کا قول ہے جو خواب میں کسی کو سنائی دیا نہ قولِ میت حجت ہے اور نہ خواب ہی حجت ہے جب تک مؤید بالوحی نہ ہو۔ نیز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میت نے اس آدمی سے تو بات کرلی اور اس آدمی نے سن لی مگر میت ہم سے بات نہیں کرتا اگر کرتا ہے تو ہم کیوں نہیں سنتے قرآن نے بھی جس انداز سے بیان فرمایا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔ ایک جگہ تو فرمایا هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ، کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو۔ استفہام انکاری ہے۔ یعنی وہ نہیں سنتے۔ دوسری جگہ فرمایا فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ بھلا ان کو پکارتو دیکھو پھر تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ پکارتا بے کار ہے جب کہ ان کی طرف سے جواب ہی نہیں ملتا۔ مگر اس عہد کے کفار کو یہ جواب نہیں سوجھا تھا کہ تمہاری پکار نہ سنیں، ہماری پکار تو سن لیتے ہیں

---

[1] اس سے مؤلف کی مراد اللہ یار خاں چکڑالوی ہے۔

اور ہمیں جواب بھی دیتے ہیں۔

نیز حبیب رب العالمین امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا میرے سے حج کے افعال خوب دیکھ سمجھ لو کیونکہ لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا (مشکوٰۃ ص۲۳۰) شاید اپنے اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھ سکوں یعنی میں انتقال کر جاؤں۔ جب یہ پاک ہستی وفات کے بعد نہیں دیکھ سکتیں تو دوسروں کے متعلق کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ وہ زائر کو دیکھتا پہچانتا ہے۔

الغرض زیارت قبور کی حدیث اور حجۃ الوداع میں آپ کا فرمانا لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا (ترمذی ص۱۲۰) ان لوگوں کے مسلک کو ضعیف قرار دیتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ مردے قبروں میں پڑے ہوئے آنے جانے والوں کو دیکھتے اور جانتے پہچانتے ہیں۔ کیا مردے نعوذ باللہ اتنے بے حیا ہو جاتے ہیں کہ آنے جانے والی عورتوں کو بے حجابانہ دیکھتے بھی رہتے ہیں اور ان کی آواز بھی سنتے رہتے ہیں۔

کیا حیات کیلئے رُوح کا ہونا ضروری ہے جو جسم میں حلول کیے ہوئے ہو

ہم نے اس بحث کی ابتداء میں حیات کے معنوں میں سے ایک معنی حیات کا مختصر المعانی میں سے نقل کیا تھا۔ الحیوۃ صفۃ تقتضی الحس والحرکۃ ای الادراک بالحواس الخمسۃ الظاھرۃ وتفتقر الی البدن والروح یعنی حیات ایک ایسی صفت ہے جو حس اور حرکتِ ارادیہ کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی پانچ ظاہری حواس کے ذریعے ادراک کرنا اور اس حیات میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک بدن دوسری رُوح۔

حضرت ناصر اللقانی فرماتے ہیں والحق عندھم ان الروح لیس شرطاً فی الحیوۃ بل للقادر المختار ان یوجد الحیوۃ فی ای جسم اراد سواء کان فیہ الروح اولا وسواء کان فی صورۃ الحیوان اولا کما وقع فی الجذع الذی حن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی علمائے حق کے نزدیک حق بات یہ ہے کہ حیات کے لیے رُوح کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس ذات قادر و مختار کو

قدرت ہے کہ جونسے جسم میں چاہے اس میں حیات پیدا کر سکتا ہے چاہے اس میں روح ہو یا نہ ہو، چاہے حیوان کی صورت میں ہو یا نہ ہو جیسے اس تنے میں جان پڑ گئی تھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رو پڑا تھا۔ مگر اس قول پر ایک سوال کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت محشیؒ فرماتے ہیں۔

ولك ان تقول يجوز انه تعالىٰ اوجد الروح فى الجذع ثم اتصف بالحيوٰة يعنى الناصر اللقانى کے اس قول پر تو کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس تنہ کھجور کے اندر روح پیدا کر دی ہو پھر اس روح کے داخل ہونے کی وجہ سے وہ کھجور کا تنہ وصفِ حیات کے ساتھ متصف ہو گیا ہو (من لیس ص۹۲ حاشیہ مختصر المعانی۔

جہاں لکھا کہ مردہ کی ہڈیاں اور بال پاک ہیں وہاں صاحب ہدایہؒ ج ۱ ص۲۴ میں اس کی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں لانہ لاحیاۃ فیھما ولھذا لا یتالم بقطعھما فلا یحلھما الموت اذا الموت زوال الحیوٰۃ یعنی وجہ ان (ہڈی، بال) کے پاک ہونے کی یہ ہے کہ ان دونوں میں حیات نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کاٹنے سے دُکھ نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں موت حلول نہیں کرتی کیونکہ موت کے معنی ہوتے ہیں حیات کا زائل ہونا۔ یہاں صاحب نہایہ لکھتے ہیں قال شیخی ھذا تعریف بلازم المسمی بل الموت امر حسی یلزم منہ زوال الحیوٰۃ یعنی استاذ صاحب ہدایہ نے موت کی تعریف باللازم فرمائی ہے۔ دراصل موت ایک حسّی چیز ہے جس کو زوالِ حیات لازم ہے۔

فائدہ: صاحب ہدایہ کی اس دلیل سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ میت میں دوبارہ روح نہیں

عہ اب تسکین الصدور ص۱۷۸ کی بات ٹھیک ہوئی جو کہتے ہیں اگر عذاب صرف بدن کو ہوتا تو اس میں بخلق نوع من الحیاۃ ایک گونہ حیات تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی رہا محشیؒ کا قول لك ان تقول سو یہ محض امکان عقلی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

آتی اسلیے کہ بدنِ میت کو ہم جتنا ماریں یا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں یا آگ میں جلا دیں تو اس کو دکھ نہیں ہوتا۔

پھر صاحب نہایہ کے شیخ نے صاف کہہ دیا کہ موت حسی ہے جس کو زوال حیات لازم ہے۔ اب اس کے ساتھ روح المعانی کی عبارت فلو فرض انکشاف قبر نبی من الانبیاء لا یری الناس النبی فیہ الا کما یرون سائر الاموات الخ چسپاں کرو اور پھر اس کے ساتھ حضرت استاذی الشیخ المفتی الاعظم رحمہ اللہ کا فتویٰ لگاؤ، دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں، اب نتیجہ خود نکال لیجیے ہمیں بولنے کی ضرورت نہیں۔

اور تحریر البنانی حاشیہ مختصر المعانی ص ۹۲ میں احیا کے معنی نافع بنانے کے لکھے ہیں چنانچہ فرمایا احی الارض جعلھا نافعۃ فان ما ینفع حی وما لا ینفع کالمیت یعنی احی الارض کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو نافع (نفع بخش) بنایا کیونکہ نفع بخش چیز زندہ کہلاتی ہے اور جس چیز سے نفع کچھ نہ ہو تو وہ مردہ کی طرح ہے۔

معنی الموت امام راغبؒ کے نزدیک

امام راغب نے المفردات ص ۴۹۴ میں موت کے معنی یہ کیے ہیں کل نفس ذائقۃ الموت فعبارۃ عن زوال القوۃ الحیوانیۃ وابانۃ الروح من الجسد یعنی موت کہتے ہیں قوتِ حیوانیہ کے زوال کو اور جسد سے روح کے جدا ہونے کو۔

حکیم الامۃ حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے المورد الفرسخی ص ۱۱ میں فرمایا موت کی حقیقتِ معنویہ انتقال من عالم الی عالم یعنی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کو موت کہتے ہیں۔ اب حضرت محترم مولانا کو دیکھو وہ کیا فرماتے ہیں؟

تعارض ۴

تسکین الصدور طبع اول ص ۸۱ میں تو لکھا۔ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ زندہ نہیں

جس میں رُوح داخل ہوا ور اس سے اختیاری طور پر فعل سرزد ہوں۔ مگر اس کے برعکس ص۶۴ میں لکھا کہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدون رُوح کے اس کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اب دیکھنے والے اس کا جو مطلب سمجھیں وہ ہمیں بھی سمجھا دیں۔ مہربانی ہوگی۔

پھر یہ بھی سوال ہوگا کہ سلام زائر سننا اور زائر کو دیکھنا یہ اختیاری فعل ہے یا نہ؟ اور دنیا میں بھی یہ فعل اختیاری تھے یا قسری طور پر ان سے سرزد ہوتے تھے تو دنیا میں بھی وہ زندہ تھے یا مردہ؟

نیز اگر ان سے سرزد ہونے والے افعال اختیاری ہیں تو ان کے مکلف نہ ہونیکا کیا مطلب؟

موت کی تعریف اور حقیقت

"عالم برزخ" ص۱۱ میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے فرمایا: شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا قول ہے کہ موت عدم محض اور فناء خالص کا نام نہیں، بلکہ روح کا بدن سے تعلق منقطع ہونے کا نام موت ہے، یا یوں کہو کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا نام موت ہے (شرح الصدور ص۸) اور خاص مومن کی موت کی تعریف بعض علماء سے اس طرح منقول ہے کہ دارِ غرور سے دارِ سرور کی طرف اور دارِ مصیبت سے دارِ راحت کی طرف منتقل ہو جانے کا نام موت ہے۔

موت کی کیفیت اور شدت

کے متعلق "عالم برزخ" ص ۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔ امام غزالیؒ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قبض رُوح قدموں کی جانب سے شروع ہوتا ہے اور روح بتدریج قبض کی جاتی ہے اول قدموں کی رُوح قبض کی جاتی ہے پھر ساقین یعنی پنڈلیوں کی پھر رانوں کی پھر رُوح آکر سینہ میں رُک جاتی ہے۔ اس وقت آدمی کی زبان بند ہو جاتی ہے بولنے پر

قدرت نہیں رہتی۔ بعد ازاں رُوح حلقوم میں پہنچ جاتی ہے اس وقت دنیا کا دیکھنا اور سننا سب ختم ہو جاتا ہے۔

پھر "عالم برزخ" میں چند روایات لکھیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام پر شدت موت کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ: بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رُوح اللہ تعالیٰ کی طرف گئی تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ اے موسیٰ! موت کو تو نے کیسا پایا؟ عرض کیا کہ جیسے زندہ چڑیا کو تیل کی گرم کڑھائی میں ڈال دیا جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو ایسا پایا کہ جیسے زندہ بکری قصاب کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس کی کھال اتار رہا ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! موت کی کیفیت ایسی پائی جیسے کانٹوں کا جھاڑ اون اور رُوئی میں سے نکالا جاتا ہے (شرح الصدور، واحیاء العلوم)

اور شہید کی وفات کے بارے معجم طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کو موت کی صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنا کہ چیونٹی کے کاٹنے سے ہو"۔ ان ہر دو میں تطبیق مستبعد ہے۔

قرآن حکیم میں روح بتدریج نکلنے کا ذکر

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

سو جب کسی کی رُوح گلے تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت مرنے والے کو دیکھا کرتے ہو اور ہم اس مرنے والے کے تم سے قریب ہوتے ہیں لیکن تم ہمارے قرب علمی کو سمجھ نہیں سکتے اور تم ہم کو دیکھتے نہیں۔

یعنی جب کسی کی جان سمٹ کر اس کے حلق اور ٹینٹوے میں آجاتی ہے اور ٹینٹوے میں

پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھا کرتے ہو اور ہم بھی اپنے قرب علمی کی بنا پر تم سے زیادہ اس مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں لیکن نہ تم ہم کو دیکھتے ہو نہ تم ہمارے قرب علمی کو اپنے جہل کی وجہ سے سمجھ سکتے ہو، ہم تم سے زیادہ مرنے والے کے حال کو جانتے ہیں۔ پھر اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اور تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے اور تم خود مختاری کے دعوے میں سچے ہو تو اس رُوح کو گلے میں آئے پیچھے بدن میں لوٹا کیوں نہیں دیتے۔ یعنی اگر تم کسی کے حکم میں نہیں ہو تو اس جان کو جو حلقوم میں پہنچ گئی ہے اس کو پھر واپس جسم میں کیوں نہیں پھیر لاتے اور واپس کیوں نہیں کر دیتے؟

یعنی تم جو بعث کے منکر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رُوح پر اپنا قابو مانتے ہو تو اچھا بعث کے وقت تو رُوح اجسام میں داخل کی جائے گی اور اب نکالی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے رُوبرو ہو رہا ہے اور تم غمگین، پریشان بھی ہو تو اچھا اس رُوح کو واپس لے آؤ تاکہ ہم تمہاری طاقت اور زور آزمائی کا حال معلوم کر لیں۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو اور خود مختار ہو تو جان کو واپس کر لو تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ نہ کوئی جان نکال سکتا ہے اور نہ جان کو تمہاری منشاء کے خلاف کوئی جسم میں داخل کر سکتا ہے اور تم واپس نہیں کر سکتے لہٰذا معلوم ہوا کہ تم کو جان پر کوئی دسترس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس کو جسم سے نکال دے اور جب چاہے داخل کر دے۔

ماجدیؒ اس طرح مطلب بتاتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تمہارے کسی عزیز قریب کی جان نکلنے لگتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی حکمت، کسی تدبیر، کسی کوشش و کاوش سے اس کی جان کو روک لو الخ

مواہب الرحمٰن میں ہے ف یعنی جس وقت کسی شخص کی موت آتی ہے تو اس کی رُوح اس کے حلق پر پہنچتی ہے، پھر تم کیوں نہیں کسی حیلہ سے اس کو روک لیتے کیونکہ تمہارے نزدیک اس کی پیدائش سے فقط یہی غرض تھی کہ اسی دنیا میں جانوروں کی طرح کھائے پیے۔ اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ملک الموت کے ماتحت بہت فرشتے ہیں جو اس کی رگوں سے کاٹ کر رُوح کو تھوڑا تھوڑا کر کے جدا کرتے ہیں

یہاں تک کہ وہ حلقوم پر آتی ہے پھر اسکو ملک الموت وفات دیتا ہے وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ حالانکہ تم لوگ اس حالت میں نظر لگائے رہتے ہو، ف یعنی میت کو برابر دیکھتے رہتے ہو کہ وہ سکراتِ موت سے کیسی سختی اُٹھا رہا ہے۔

زجاج نے کہا یعنی اے میت والو! تم اس حالت میں دیکھتے ہو کہ میت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے حلقوم پر رُوح ہے اب نکلنا چاہتی ہے۔ اور یہاں فقط یہ لوگ آنکھ سے نظر کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان کو شانِ رُوح سے کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے اور نہ ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں، اسی واسطے تبصرون نہیں فرمایا بلکہ تنظرون فرمایا، یعنی تم انہیں حواس کی آنکھوں سے میت کو دیکھتے ہو کہ سخت کرب کے ساتھ اُلٹی سانس چلتی ہے اور پاؤں سرد ہو گئے اب دھڑ سرد ہوا، اب حلقوم پر سانس پہنچی اور گھڑا لگ گیا اور یہی وہ وقت ہے کہ رُوح حقیقی جو نظر نہیں آتی ہے اس کے حلقوم پر آگئی اب کوئی دم میں نکلنے والی ہے۔

کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ وَقِیْلَ مَنْ ، رَاقٍ کوئی نہیں جب پہنچی جان ہنسلی تک اور کہا گیا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک والا اور جم گئی یہ بات کہ یہ جُدائی ہے۔

تراقی جمع ترقوہ اور وہ دو ہڈیاں گلے کے سرے پر ملی ہیں، یعنی جن کو ہنسلیاں کہتے ہیں اور وہی مقام حلقوم ہے، اسی واسطے دوسری آیت میں حتّٰی اذا بلغت الحلقوم واقع ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ قلب سے تجاوز کرنے لگے کیونکہ قلب سے بالکل جدا ہونے پر موت آجاتی ہے اور قلب کا اوپر کا نل ہنسلی سے ملا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب آدمی کی رُوح اس کے قلب کے بالائی کنارہ پر آئی جس کو یہ کہتے ہیں کہ حلقوم پر دم آیا تو اس وقت سب چھوٹ جاتا ہے اور خدا سے کام پڑتا ہے،

نیز فرمایا وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وہ ملائکہ گواہ ہیں جو بنی آدم کی روحیں ان کے جسم میں ڈوب کر باہر کھینچ نکالتے ہیں اور وہ فرشتے بھی گواہ ہیں جو بند چھڑانے والے ہیں، گویا یہ رُوح اپنے بدن میں بندش سے جکڑی تھی اسے کھول دیتے ہیں پھر رُوح پھر سے اُڑ جاتی ہے پھر اس کے بعد کہاں جاتی ہے؟

رُوح جسدِ عنصری سے نکل کر کہاں جاتی ہے؟

حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالمِ مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ آسمان دنیا کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے، تو رُوح کے لیے مرنے کے بعد ایک جسم مثالی ہوگا۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۵)

مرنے کے بعد مثالی قبر میں اُٹھایا جاتا ہے۔ وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۷)

تو وہ عالم عالمِ مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اوّل پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالمِ آخرت کے ہے۔ وہیں اس کو فرشتے اُٹھاتے ہیں وُہیں اس سے سوال کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے، وہیں اس کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے (〃)

کشف السّتر عن معنی القبر

اس کا کیا مطلب ہے، کہ ارواحِ اموات قبروں میں رہتے ہیں

اب اگر کوئی کہے کہ حضرت قبلہ قطب العالم مولینا رشید احمد صاحب رح نے فرمایا ہے کہ ارواح اموات قبروں میں رہتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ علماء اہل تحقیق کی اصطلاح میں قبر صرف اس گڑھے کا نام نہیں ہے جہاں جسدِ خاکی کو مدفون کر کے خاک میں ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اس گڑھے کو عرف عام میں قبر کہتے ہیں حقیقت شرعیہ یہ نہیں، بلکہ حقیقی شرعی قبر عالم برزخ ہے۔ شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی رح نے اشعۃ اللمعات ص۶۲ طبع دہلی میں اور تکمیل الایمان ص۱۵ میں فرماتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے اعتقادات میں سے ایک اعتقاد "عذاب قبر" ہے اور "قبر" سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا کی دار اور آخرت کی دار کے درمیان واسطہ ہے اور اس عالم کا تعلق دونوں مقاموں کے ساتھ ہے۔ قبر سے مراد (عذاب و ثواب قبر کی بحث میں) گڑھا نہیں کہ مُردہ کو جس میں گور کرتے ہیں (گاڑتے اور دفن کرتے ہیں) کیونکہ کئی مردے جو پانی میں ڈوب جاتے ہیں، کئی آگ میں جل جاتے ہیں کئی جانوروں کے پیٹ میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے بھی لازماً عذاب، و ثواب قبر ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی کی بھی کسی نے کسیوں سے قبریں نہیں کھودیں۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ان سب کو عذاب یا ثواب قبر کا ہے اور برحق ہے اور اگر اسی گڑھے کو قبر کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جلے یا ڈوبے یا درندوں کے کھائے ہوئے مردوں کو نہ قبر کا ثواب ہے نہ قبر کا عذاب ہے اور اس طرح لازم آئے گا قبر کے عذاب و ثواب کا انکار جو محض جہالت اور ضلالت ہے۔

قبر کے معنی جمہور علمائے امتِ محمدیہ کے نزدیک

صاحب تسکین نے بہت سے اکابر کے حوالہ سے لکھا کہ نبی پاکؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر انبیاء کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور لفظ قبر سے عرفی قبور مراد لیے ہیں، چاہیے تو تھا کہ ان علماء سے ہی دریافت کر لیا جاتا تاکہ آپ جو فرماتے ہو کہ "انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں"، قبور سے آپ کی کیا مراد ہے؟ عرفی قبور یا کوئی اور؟ مگر صاحب تسکین ان سے دریافت کرنے کی بجائے خود ہی تحقیق کرنے بیٹھ گئے اور وہ تمام عبارات جمع فرما دیں جہاں عرفِ عام میں قبر بمعنی گڑھا آیا ہے اور یہ اصولی طرزِ استدلال نہیں۔ البتہ مرزا غلام احمد قادیانی نے توفی کے بارے یہی طریق اختیار کیا اور ۳۰ آیاتِ قرآنیہ جہاں جہاں توفی موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جمع کر کے لکھا کہ دیکھو ہر جگہ توفی بمعنی موت آتا ہے لہٰذا انی متوفیک اور فلما توفیتنی میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ حالانکہ منطقی رُو سے یہ شکل ثانی ہے جس کے انتاج کے لیے اختلاف القضیتین فی الایجاب والسلب ہونا ضروری ہے۔۔۔۔ دوسروں کو تو سمجھاتے ہیں کہ استدلال وہ ہونا چاہیے جو سلف سے منقول ہو اور جو نیا استدلال کرے گا وہ بدعتی ہے، مگر آپ خود یہاں اسی جرم کے شکار ہو گئے جس سے دوسروں کو منع فرماتے ہیں۔ جناب! یہ فرمائیے کہ کسی لفظ کا ایک معنی میں کثیر الاستعمال ہونا دوسرے معنوں میں استعمال سے مانع ہے؟ یہی لفظ قبر بحث جنازہ میں صلوٰۃ الجنازہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقبر فیھن (ثلاث ساعات) موتانا کیا اس جگہ بھی قبر بمعنی گڑھا ہے؟ کیا اوقات ثلاثہ میں میت کو دفن کرنا بھی منع ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس جگہ قبر بمعنی صلوٰۃ الجنازہ ہے۔ قال ابن المبارک معنی ھذا الحدیث ان نقبر فیھن موتانا یعنی الصلوٰۃ علی الجنائز (ترمذی ص ۱۳۴) اور حالانکہ اس معنی میں قبر کا لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح سمجھیے کہ حیاتِ انبیاءؑ و شہداءؒ کے بیان میں یا مابعد الموت

تعذیب و تنعیم کے مقام پر لفظ قبر بولا جائے تو اس قبر کے معنی گڑھے کے نہیں ہوتے۔
اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے قبر کے لغوی اور شرعی معنوں کی وضاحت کریں تاکہ عوام کو جو شبہ میں ڈالا جاتا ہے عوام حقیقت سے آگاہ ہو کر اصل بات کو پالیں۔
(واللہ الہادی الی الصراط المستقیم)

لغتِ عرب میں قبر کے معنے

امامِ لغت امام راغب اصفہانی نے قبر کے معنی مقرّ المیّت لکھے ہیں (مفردات ص ۳۹۸)
اور تاج العروس میں ہے القبر مدفن الانسان یعنی انسان کے دفن ہونیکی جگہ۔

اصطلاحِ شرع میں قبر کے معنے

اصطلاحِ شرع میں جب قبر کی طرف نسبت عذاب یا ثواب کی ہو تو اس سے مراد عالمِ برزخ ہوتا ہے نہ یہ عرفی قبر جو کسیوں سے کھود کر بنائی جاتی ہے جس میں مسلمان اور اہلِ کتاب اور قدیم مشرکینِ عرب اپنے اموات کو دفن کرتے رہے اور دفن کرتے ہیں۔
دلیل اس امر کی کہ اصطلاح شرع میں قبر نام ہے عالمِ برزخ کا۔ ذیل کی تحریر سے معلوم ہوگی۔

۱۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ

ہمارے اکابر دیوبند کے شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الخیر الکثیر" ص ۱۵۸ میں الخزانۃ التاسعۃ فی احکام نشارۃ المعاد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ولہا اربع منازل، المنزل الاول عالم البرزخ وسمّاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقبر یعنی اخروی نشارۃ کی چار منزلیں ہیں ان میں سے پہلی منزل عالمِ برزخ ہے جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر رکھا ہے۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام۔ نہ گورے کہ مردہ را در وے گور کنند، چہ بسیار مردگان کہ در آب غرق شوند و در آتش سوختہ گردند و در شکم جانوران بہ تحلیل روند (اشعۃ اللمعات ط دہلی ج ۱ ص ۶۲) ترجمہ پیچھے گذر چکا۔

۳۔ مولوی محمد ابراہیم دہلویؒ

قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جہاں جسدِ خاکی مدفون کر کے خاک ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں۔ اس گڑھے کو برائے نام یا بطورِ مجاز قبر کہتے ہیں، حقیقی قبر یہ نہیں، حقیقی قبر عالم برزخ ہے (کشف المغالطات ص ۱۵۹)

۴۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ

الیواقیت والجواہر ص ۱۷۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب طبعی اجسام سے روحوں کو قبض کر لیتا ہے[1] تو برزخ کے حفرہ (گڑھے) میں جسمانی صورتوں میں ان ارواح کو امانت کے طور پر رکھ دیتا ہے اور وہ برزخ نام ہے اسرافیل کی صور کا

۵۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حفرہ (گڑھا)، (مجالس الحکمت ص ۴۳) غرض ایک جسم تو یہاں ہے اور ایک جسم عالم مثال میں ہے اور وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے پس اس مثال ہی کا نام قبر ہے۔ کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہوگا۔ اشکال تو تب ہوتا ہے جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں

---

[1] اس کی تائید قرآن کی آیت سے ہوتی ہے ۱۲ خیلوی

لاش دفن کی جاتی ہے، حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالمِ مثال کو کہتے ہیں قبر، اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ (اشرف الجواب ص ۳۴۶/۳ نیز دیکھو ص ۱۲۸ حوالہ التکشف ص ۵۵)

تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالمِ مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ (آسمانِ) دنیا کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے۔ تو روح کے لیے مرنے کے بعد ایک جسم مثالی ہوگا ...
(اشرف الجواب ص ۳۴۵/۳)

مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے، وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔
(اشرف الجواب ص ۳۴۷/۳)

تو وہ عالم عالمِ مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اوّل پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالمِ آخرت کے ہے وہیں اس کو فرشتے اٹھاتے ہیں، وہیں اس سے سوال کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے۔ وہیں اس کو عذاب و ثواب ہوتا ہے وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے (")

اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس جسد سے تعلق رکھتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اس جسدِ مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور جسدِ عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے۔ اب چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگر ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے۔ تو روح کو وہاں جسدِ مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسدِ عنصری کے ساتھ بھی ہوگا۔

اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہوگا؟ — سو جواب سوال اسی جسدِ مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالمِ برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ص ۵۱۴/۴ و ص ۸۲۵/۴)

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التشرف اکمل و اشرف حصہ اول میں جو مجلہ اشراف الرحمن ۱/۴ میں طبع ہوا ہے ص ۲۵ میں کتاب الاذکار والدعوات کے زیرِ عنوان

حدیثیں مع فوائد کے تحریر فرمائیں۔

الحدیث القبر اما حفرۃ من حفر النار او روضۃ من ریاض الجنۃ ت من حدیث ابی سعید بتقدیم وتاخیر وقال غریب قلت فیہ عبید اللہ بن الولید الوصافی ضعیف قبر یا گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے یا ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔ ترمذی نے ابو سعید کی حدیث سے کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ بیان کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے، میں کہتا ہوں کہ اس میں عبید اللہ بن الولید الوصافی ضعیف ہے۔

الحدیث ارواح المومنین فی حواصل طیور خضر معلقۃ تحت العرش من حدیث کعب بن مالک ان ارواح المومنین فی حواصل طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ ورواہ ن بلفظ انما نسمۃ المومن طائر ورواہ ت بلفظ ارواح الشہداء وقال حسن صحیح یعنی مومنین کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں عرش کے نیچے معلق ہوتی ہیں۔ اور کعب بن مالک کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں اور نسائی میں ہے کہ مومن کی نسمہ (جان) گویا ایک طائر ہے اور ترمذی میں ارواح الشہداء کے الفاظ ہیں اور اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

ف مجموع الحدیثین دلیل علی ان القبر المذکور فی النصوص ھو عالم البرزخ لا ھذہ الحفرۃ الخاصۃ فان المومن فی القبر ثم ھو معلق بالعرش وھو غیر الحفرۃ یعنی مجموعہ حدیثیں اس پر دلیل ہے کہ لفظ قبر جو نصوص میں وارد ہے اس کی تفسیر عالم برزخ ہے نہ یہ خاص گڑھا۔ چنانچہ مومن قبر میں ہے پھر اسی حالت میں وہ عرش سے بھی معلق ہے حالانکہ عرش میں حفرہ نہیں) اور اس تفسیر سے بہت سے اشکالات متعلقہ قبر رفع ہو جائیں گے۔

۶۔ نواب قطب الدین دہلوی رح

مظاہر حق صہ ۶۲ میں نواب قطب الدین رحمہ اللہ نے کہا عذاب قبر کا ثابت ہے کتاب سنت سے اس میں کچھ شبہ نہیں اور مراد قبر سے عالم برزخ ہے کہ وہ واسطہ ہے درمیان

دنیا اور آخرت کے اور ہر جائے ہو سکتا ہے کچھ معنے قبر کا گڑھا ہی مراد نہیں،

۷۔ اسد الرحمٰن قدسی رح

اسد الرحمٰن قدسی، معارف و طریقت ص۴۲ مطبوعہ گوشۂ ادب چوک انارکلی لاہور میں لکھتے ہیں:

برزخ وہ عالم ہے جو اصطلاحاً قبر کہلاتا ہے اور قبر اس عرصہ کا نام ہے کہ موت کے وقت سے قیامت تک ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام ہے جسے لحد کہتے ہیں۔

۸۔ مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادی

نور الصدور ص ۱۰۰ میں مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں علماء نے فرمایا ہے کہ عذابِ برزخ کو عذابِ قبر کہتے ہیں اور برزخ کہتے ہیں دنیا و آخرت کے درمیانی مدت کو یعنی میت نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں بلکہ عالمِ برزخ میں ہے اور جس میت کو اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو اسی عالمِ برزخ میں عذاب کرتا ہے

اور نور الصدور ص ۱۲۳ میں ہے: جاننا چاہیے کہ عالمِ دنیا و آخرت کے درمیان ایک عالم ہے اس کا نام برزخ ہے، یہی عالم، ارواح کے رہنے کی جگہ ہے۔ برزخ دنیا سے بڑا اور آخرت سے بہت چھوٹا ہے۔ اس کے درجے اور طبقے بہت ہیں اور اعمال کے موافق ارواح کے بھی مختلف درجے ہیں، یہ ارواح اپنے اپنے اعمال کے موافق ان درجوں میں رہیں گی۔

۹۔ علامہ ابن قیم رح

اور نور الصدور ص ۱۳۴ میں ہے: علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ روح کے چار مکان ہیں۔ پہلا مکان ماں کا شکم، دوسرا مکان دنیا، تیسرا مکان عالمِ برزخ ہے یعنی موت کے بعد سے قیامت تک اور یہ مکان دنیا سے بہت زیادہ بڑا ہے جس طرح دنیا، ماں کے شکم سے بڑی ہے۔ چوتھا مکان آخرت کا مکان ہے یعنی جنت جہنم،

۱۰۔ مولوی عبدالحق حقانیؒ

مولوی عبدالحق حقانی مفسر و متکلم دہلوی فرماتے ہیں:

قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرفِ عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں (عقاید الاسلام ص ۱۶۰، ۱۶۱)

قبر حقیقت میں اسی عالمِ برزخ کا نام ہے اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی عالمِ برزخ میں مُردے سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آکر سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ پوری پوری جزا قیامت کو حساب و کتاب کے بعد ملیگی مگر جزا و سزا کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

دارالعمل یعنی دنیا سے ابھی پوری طرح تعلق قطع نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے اقارب و احباب کے دعوات صالحات اور صدقات و مبرات مردہ کے حق میں تخفیفِ عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انبیاءؑ و مرسلینؑ کو اور بعض عباد صالحین کو بطورِ تکلیف نہیں بلکہ بطورِ لذت و فرحت قبر (عالم برزخ) میں عبادت مثلاً نماز اور حج اور تلاوتِ قرآن کی اجازت دی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے قبر[1] میں موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ قال اللہ تعالیٰ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بھی ایک عذاب ہے جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے

---

[1] ناظرین عبارت کے سیاق و سباق سے سمجھ گئے ہوں گے کہ علماء موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث میں قبر کے کیا معنی مراد لے رہے ہیں ۱۲

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وہ لوگ غرق کیے گئے اور اس کے فوراً بعد ہی آگ میں داخل کیے گئے۔ کلامِ عرب میں ف تعقیب بلا مہلت کے لیے آتی ہے اس عذاب سے عذابِ عالمِ برزخ مراد ہے .... مرنے کے بعد قیامت سے پہلے بھی عالمِ برزخ میں ہر شخص پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے اسی کو شریعتِ اسلامیہ میں عذاب قبر اور ثواب قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں ایک دفعہ مرجانے کے بعد رُوح پھر کسی دوسرے جسمِ عنصری میں سزا اور جزا بھگتنے کے لیے دنیا میں نہیں آتی جس کو تناسخ اور ہندی میں "آواگون" کہتے ہیں، الّا یہ کہ مُردے کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لیے زندہ فرما دیا جائے تو وہ تناسخ نہیں۔

تناسخ یہ ہے کہ روح دوبارہ دنیا میں کسی قالب میں جزا و سزا پانے کے لیے آئے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد خویش و اقارب سے رُوح کا تعلق باقی رہتا ہے ص ۲۴۵

۱۱۔ مولوی محمد احسن سنبھلی رح

والمراد بالقبر لیس ما یحفر ویدفن فیہ المیت بل المراد بہ عالم البرزخ مما بعد الموت الی یوم النشور (نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد النسفیہ ص ۱۷۱) قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالمِ برزخ مراد ہے۔

۱۲۔ سیّد سلیمان ندوی رح

سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرۃ النبی ج ۴ ص ۶۶۸ کے حاشیہ میں لکھا: بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔ یہ غلط فہمی ان کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواحِ انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر موجود ہے تو ان کو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی۔ اور قرآن میں اسی قسم کی متعدد آیتیں ہیں۔

نیز اسی صفحہ کے متن میں زیر عنوان "قبر کی اصطلاح" لکھا۔ سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن میں نظر آتے ہیں، اور احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں وہ عموماً قبر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس لفظ قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے اور ان ہی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر ہے، اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے جو ہو بہو اس خاکی جسم کا مثنیٰ ہوتا ہے، تم نیند میں ہو، اور تمہارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہٖ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے یا باغ و بہار کی لذتوں میں مصروف ہے اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے، جو بیداری میں اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے مل سکتی ہے، اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہو بہو تمہارا مادی جسم ہے اسی طرح موت کے بعد بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا جو اکثر حالتوں میں ہو بہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا (یہاں حاشیہ میں لکھا" اس سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نیز اس شبہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس کیسے ہوتا ہے؟) اور تمہاری روح اس جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے جسم خاکی نہیں۔ فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر-۲-) یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرو ہوگی۔ اس لیے اصل مکلف روح ہے جسم نہیں، جسم بمنزلہ آلہ کے ہے۔ دنیا میں اس کا ایک جسم خاکی تھا، برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا جو مادہ اور مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مُردوں کو اسی قبر میں جاتے

دیکھتے ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (انفال) اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کے روح قبض کرتے ہیں، مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر اور کہتے ہیں چکھو جلنے کا مزہ۔

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار اُن کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے مگر یہ منہ اور یہ پیٹھ وہ نہیں ہے جو بے جان لاشہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی رُوح کو جانور سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے منہ پر اور کبھی پیچھے پیٹھ پر مارتے ہیں اسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے اور ہنکاتے ہوئے لے چلیں گے اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم ہے صاف لفظوں میں اس آیت میں اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ (قیامۃ) اس دن تیرے پروردگار کی طرف سے ہنکایا جانا ہے۔

بعض ایسی سعید روحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ "مومن کامل کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اُڑتی پھرتی ہے" (ابن ماجہ کتاب الجنائز ص۱۰۶) خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی، اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رُؤیائے صادقہ پہلے گزرا ہے اس میں جن جسمانی قالبوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں، ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام، ان کے وہ قالب اور جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہو گئے یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہو گئے اور ذرّے ہوا میں اُڑ کر منتشر ہو گئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزوِ بدن بن گئے۔ انتہیٰ کلامہٗ

۱۳۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند اپنے رسالہ "عالم برزخ" ص ۲۵ میں فرماتے ہیں برزخ لغت میں اس شے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور اصطلاح شریعت میں برزخ وہ زمانہ ہے کہ جو موت اور حشر کے درمیان ہے۔ کما اخرجہ ابو نعیم عن مجاہد وروی نحوہ عن الفراء اور اس عالم برزخ کا دوسرا نام عالم قبر ہے۔ قبر اسی ظاہری گڑھے کا نام نہیں، بلکہ انسان کا ایک گھر ہے جس میں انسان دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے رہتا ہے۔ یہ گھر دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ اور یہ گھر دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جیسا کہ دنیا، ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے پھر ص ۲۶ میں لکھا:

عالم برزخ، عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے، نہ تو محض خواب ہے جیسا کہ عالم دنیا ایک خواب ہے۔ حدیث میں ہے الناس نیام، اذا ماتوا انتبھوا یعنی لوگ سو رہے ہیں، جب مرتے ہیں تب بیدار ہوتے ہیں۔ ع

مردماں را سر بسر در خواب داں گشت بیدار آنکہ او رفت از جہاں

تعلق کی تشریح: اور عالم آخرت بیداری ہے اور یہ عالم قبر نوم اور بیداری کے بین بین ہے۔ دنیا سے بالکلیہ تعلق منقطع نہیں ہوا۔ مردہ خود عمل نہیں کرتا لیکن زندوں کی طرف سے اس کو ثواب پہنچ سکتا ہے۔

عالم دنیا میں جسمانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور عالم برزخ میں روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے جسمانی کیفیتیں کالعدم ہو جاتی ہیں، اس لیے عالم برزخ میں نکاح وغیرہ نہیں۔

۱۴۔ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رح

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ برزخ کے معنی ایک ہی ہیں یعنی دو چیزوں کا پردہ۔ قرآن پاک میں ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ یعنی اسی اللہ نے دو دریا جاری فرمائے اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جو ان دونوں کو آپس میں ملتے نہیں دیتا۔ نیز فرمایا: هُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ، وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا اسی اللہ نے دو دریا جاری فرمائے جن میں یہ ایک میٹھا مزیدار اور یہ دوسرا کھاری اور بدمزہ، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا اور ایک مضبوط روک لگا دی۔ اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل و حاجب ہے اس کا نام بھی برزخ ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون میں ہے: وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ان کے آگے مرنے کے بعد ایک عالم برزخ ہے جہاں ان کو قیامت تک رہنا ہوگا، یعنی ابھی کیا دیکھا ہے، موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

۱۵۔ مولوی وحید الزمانؒ حیدر آبادی

لغت میں برزخ اس شے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور اصطلاح شریعت میں برزخ وہ زمانہ ہے کہ جو موت اور حشر کے درمیان ہے (کما اخرجہ ابو نعیم عن مجاہد وروی نحوہ عن الفراء) اور اسی طرح عالم برزخ کا دوسرا نام قبر ہے۔ قبر ظاہری اس گڑھے کا نام نہیں، بلکہ انسان کو ایک گھر ہے جس میں انسان دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے رہتا ہے، یہ گھر دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ اور یہ گھر دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنا کہ دنیا پیٹ سے زیادہ وسیع ہے۔ یہاں ایمان اور کفر، اخلاص اور نفاق، اچھے اور برے اعمال کی جانچ اور پڑتال ہوتی ہے، ایمان اور کفر طاعت اور معصیت کا اثر نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور قرآن و حدیث نے جن چیزوں کی خبر دی تھی ان کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے، عالم برزخ، عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ہے۔

نہ تو محض خواب ہے۔ جیسا کہ عالم دنیا محض ایک خواب ہے۔ حدیث میں ہے الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا (اب دنیا میں تو لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مر جائیں گے تب جاگیں گے) ترجمہ مؤطا امام مالک مترجم وحید الزمان ص۹۶ و ص۹۷)

۱۶۔ امام طحاوی رح

شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۲۰ و ۳۲۱ میں فرماتے ہیں: یہ یقین جانئے کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی کا نام ہے سو جو بھی عذاب کا اہل مر جائے اسے اس عذاب میں سے اس کا حصہ ملتا ہے خواہ گڑھے میں اسے گاڑا جائے یا نہ گاڑا جائے۔ خواہ اس کو درندے کھا جائیں یا جل کر راکھ ہو جائے یا اسے ہوا میں اڑا دیا جائے یا اسے سولی چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے ــــ تو حاصل یہ ہے کہ گھر تین ہیں ایک دنیا دوسرا برزخ، تیسرا سدا رہنے کی جگہ، یعنی جنت یا دوزخ، اور اللہ تعالےٰ نے ہر گھر کے علیحدہ علیحدہ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔

۱۷۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح

"مالا بد منہ" ص ۱۲ کے حاشیہ میں ہے "مراد از قبر عالم برزخ است"۔

۱۸۔ عبد الماجد دریا بادی رح

تفسیر ماجدی ص۱۱۷۶ میں ہے آگ میں جل کر پانی میں غرق ہو کر، درندوں کی غذا بن کر، ہر حال میں ہر صورت سے انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔ نیز ص۵۵۴ میں ہے: خود برزخ جس عالم کا نام ہے وہ آخرت کی ہلکی مثالی رؤیائی شکل ہے۔

۱۹۔ حضرت شیخ الہند رح

لمعات التنقیح ج ۱ ص۱۸۹ میں ہے اس جگہ عالم قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور

آخرت کے مابین ایک جہان ہے۔

۲۰ محمد منظور نعمانی رح

معارف الحدیث ج ۲ ص ۳۳ میں ہے قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے اور ج ۱ ص ۱۸۷ میں لکھا: انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالم برزخ (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔

۲۱۔ مولوی محمد طاہر قاسمی نبیرہ حضرت نانوتوی رح

عقاید الاسلام قاسمی ص ۴۶ میں ہے روح انسانی اگر دنیا سے پاک ہو کر جسم سے نکلتی ہے تو عالم قدس میں اس کا ٹھکانا ہو جاتا ہے جسے علیین کہتے ہیں اور اگر ناپاک ہو کر دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو عالم ظلمت اس کا ٹھکانا ہوتا ہے جسے سجین کہتے ہیں۔ ص ۹۸ و ۹۹ میں لکھا "جو روحیں پاک اور مومن ہوتی ہیں ان کو حشر تک علیین میں رکھا جاتا ہے اور جو روحیں ظلمات کفر میں لپٹی رہتی ہیں ان کو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھیے کہ یہ ہر دو مقامات ارواح بشریہ کے لیے بمنزلہ دو مسافر خانوں کے ہیں جہاں قیامت تک نیک و بد روحیں ثواب و عقاب آخرت سے آشنا کرائی جاتی ہیں۔

۲۲۔ شیخی المعظم مفتی اعظم ہند محمد کفایت اللہ علیہ رحمۃ اللہ

جواہر الایمان ص ۶ میں ہے۔ قبر سے مراد زمین کا گڑھا ہی نہیں بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے

۲۳۔ مولوی محمد نجم الغنی رح

تہذیب العقائد ص ۴۰ میں ہے: قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں مدفن نہیں ہے تاکہ یہ کیفیت شامل ہو ان لوگوں

کی نسبت بھی جو دریا میں ڈوب گئے ہیں یا آگ میں جل کر مر گئے ہیں یا کسی جانور نے ان کو کھا لیا ہو۔

۲۴۔ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

معارف القرآن ج ۸ ص ۶۶۵ میں یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔

۲۵۔ عبدالرحمٰن سلہٹی

مسئلہ: اعتقاد رکھنا چاہیے کہ عذاب قبر کا برحق ہے اور اس سے مراد عذاب عالم برزخ کا ہے کہ واسطہ ہے درمیان دنیا اور آخرت کے۔ گنہگار مومن اس عالم برزخ میں محنت اور عذاب میں رہیں گے اور نیک کار مومن ناز و نعمت میں اس طرح پر کہ خواہش اور مرضی اس خالق حقیقی کی ہوگی۔ (احسن العقاید لاہل السنۃ والجماعۃ ص ۲۱ لمحمد عبدالرحمٰن سلہٹی)

۲۶۔ سعید بن نبہان حضرمی

کفایۃ الاخوان فی التوحید ص ۶ میں شیخ سعید بن سعد نبہان حضرمی نے فرمایا ہے

مثل السوال والنعیم والاذیٰ — لمیت فی نحو قبر نبذا

وذا مقام برزخ فلتعرف — فالبعث فالحشر مهول الموقف

جیسے سوال نکیرین اور ثواب، عذاب میت کا جو قبر میں رکھا گیا ہے اور وہ قبر کا مقام پہچان لو پھر مر کر زندہ ہونا پھر جمع ہونا، پھر موقف کا خطرہ۔

قبر کا مفہوم از مولانا تھانویؒ ـــــ ملاحدہ کے جواب میں!

مجالس الحکمت مجلس ۱۳ ص ۴۴ قسط ۲۰، ۲۵ شوال ۱۳۳۲ھ طبع مصطفائی۔ جزء از حسن العزیز تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون

بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ اگر مردہ جلایا گیا تو عذاب قبر کیسے ہوگا، فرمایا اس نے

یہی نہیں سمجھا کہ معذب کونسا جسم ہے۔ خاکی یا مثالی۔ معذب جسم مثالی ہے۔ یہ لوگ اس کو کیا جانیں، دیکھتے تو جانتے۔ تقریب الی الفہم خواب سے ہو سکتی ہے۔ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے، نہ حفرہ (گڑھا)

۲۷۔ تفسیر مرادیہ

تفسیر مرادیہ ص ۱۶۷/۱۶۸: خبر میں آیا ہے نامۂ اعمال بدکاروں کے، کرامًا کاتبین آسمانوں کو لے جاتے ہیں، دروازے آسمان کے فرشتے جو دربان ہیں نہیں کھولتے، ان اعمالناموں کو نہیں اوپر آنے دیتے، پھر وہاں سے پھیر لاتے ہیں، زمین کے اوپر لاتے ہیں، زمین کے فرشتے بھی قبول نہیں کرتے۔ دوسری زمین کو لے جاتے ہیں وہاں بھی کوئی قبول نہیں کرتا اسی طرح ساتوں زمین تک کوئی جگہ قبول نہیں کرتی، پھر ساتویں زمین کے نیچے ایک ٹھکانا ہے۔ بڑی تنگی اور تاریکی اس جگہ میں ہے اور وہی جگہ شیطان کے لشکر کے رہنے کی ہے۔ ان اعمالناموں کو اس جگہ میں سپرد کرتے ہیں، وہاں رکھتے ہیں اور اسی طرح کافروں کی جانوں کے تئیں اور مشرکوں منافقوں کی جانوں کو جب بدن سے نکال کر فرشتے اوپر لے جاتے ہیں، آسمان کے دروازے نہیں کھلتے، وہاں سے رد کر کے زمین میں لاتے ہیں، قبول نہیں ہوتی، پھر ایک زمین سے دوسری زمین تک اسی طرح ساتوں زمین تک کہیں جگہ نہیں ملتی، تب ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ان جانوں کو بند کر دیتے ہیں، شیطانوں کے ٹھکانے میں رکھ کر تنگی میں تاریکی میں ڈال دیتے ہیں۔ وہی قبر ہوتی ہے ان کی۔ وہیں عذاب پاتے ہیں۔

فرقۂ بریلویہ کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی سے کسی نے سوال کیا۔

عرض: برزخ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ شے جو متوسط ہو درمیان دو شے کے جیسے دونوں سے علاقہ ہو سکے، جب صرف برزخ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مفہوم قبر ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ برزخ سے مراد قبر ہے یا وہ زمانہ جو بعد مرنے سے قیامت یا حشر تک ہے؟ اس کے جواب میں احمد رضا خاں بریلوی نے کہا:

ارشاد: نہ قبر نہ وہ زمانہ۔ بلکہ وہ مقامات جن میں ارواح بعد موت حشر تک حسب مراتب رہتی ہیں۔

عرض: درجات برزخ علیین اور سجین اور ان کے سوا جو ہوں ارشاد ہوں

ارشاد: علیین اور سجین برزخ ہی کے مقامات ہیں اور ہر ایک میں حسب مراتب تفاوت بے شمار۔

مفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی نے اسرار الاحکام بہ انوار القرآن میں لکھا ہے۔

قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو، مگر روح تو محفوظ ہے، اسی روح کو جسم کے اصلی ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال و جواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو، یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا۔

مولوی رحیم بخش مؤلف کتاب الاسلام نے اسلام کی گیارھویں کتاب کے صفحہ ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ عالم برزخ یعنی عالم قبر کی حقیقت اس عالم دنیا کی حقیقت کے علاوہ ہے۔

اور اسی کے صفحہ ۲۱۴ پر لکھا ہے:

عالم قبر، جدا عالم ہے۔ اور دنیا کے عالم سے جدا اور مباین ہے اور اس کے لوازم جدا ہیں اور اس کے جدا ہیں اس لیے اس عالم کا اس عالم دنیا پر پورا اور بعینہ قیاس نہیں ہو سکتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: ہم جب قبر کا لفظ بولتے ہیں تو یہی گڑھا مراد لیتے ہیں۔ نیز قرآن پاک میں اٹھارہ مقامات پر قبر کا لفظ آیا ہے سب جگہ یہی گڑھا مراد ہے اور احادیث میں بھی قبر کے معنی گڑھا ہی کے لیے جاتے ہیں، تم کس قرینہ سے قبر بمعنی برزخ لیتے ہو۔

جواب: ہم اپنی طرف سے قبر کے معنی برزخ نہیں لیتے۔ اکابر جید ماہرین قرآن و سنت علماء متقدمین و متاخرین، محدثین مفسرین، متکلمین، صوفیا اور فقہاء کے اقوال آپ نے ملاحظہ فرما لیے اور قرآن و حدیث و فقہ و عرف میں جو قبر بمعنی گڑھا ہے وہ بھی ہمیں مسلم

ہے۔ قبر کے دونوں معنی ہیں گڑھا اور برزخ، موقع محل کو دیکھتے ہوئے ایک معنی کو متعین کیا جاتا ہے۔

شرع شریف میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو عرفی معنوں میں بھی استعمال ہوتے رہتے ہیں اور شرعی معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً نکاح کا لفظ عقد نکاح پر بھی بولا جاتا ہے جو آج کل عرف عام بھی ہے اور وطی کے معنی بھی مراد لیے جاتے ہیں۔

اب رہا قرینہ اس بات کا کہ قبر کے معنی گڑھے کے نہیں ہیں بلکہ عالم برزخ کے ہیں حالانکہ تم دوسرے مقامات پر قبر کے معنی گڑھے کے کرتے ہو سو **جواب** اس کا یہ ہے کہ جن امور کا تعلق عالم دنیا کے ساتھ ہے تو وہاں قبر کے واقعی معنی بلحاظ لغت و عرف کے گڑھے کے ہی ہیں مثلاً میت کو دفن کرنا، لحد بنانا یا شق بنانا قبر کا، وسیع اور گہرا بنانا قبر کا، کچا رکھنا قبر کا اور قبر کے اندر یا اوپر پختہ اینٹیں نہ لگانا، قبر کو چونہ گچ نہ بنانا، قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا، مسطح نہ بنانا، قبر پر قبہ نہ بنانا اور قبر میں کچی اینٹیں اور سرکنڈے رکھنا، قبر میں لکڑی نہ رکھنا میت کو قبلہ کی طرف سے ہو کر قبر میں رکھنا۔ عورت کو دفن کرتے وقت اس کی قبر کا پردہ کرنا۔ میت کو قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہنا۔ قبر میں میت کا منہ قبلہ رُخ کرنا اور میت کو قبر میں رکھ کر اس کے کفن کی گرہ کھول دینا، پھر میت کو قبر میں ڈھک کر مٹی ڈالنا، بالشت سے قبر کا بلند نہ کرنا، قبر پر چراغاں نہ کرنا، قبر پر نہ بیٹھنا نہ لیٹنا نہ سونا نہ ہنسنا نہ پیشاب پاخانہ کرنا اور قبر کی طرف منہ کر کے (قبر سامنے ہو) نہ نماز پڑھنا نہ سجدہ کرنا، نہ قبر کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، قبر میں میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سر کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کرنا، سر سے پاؤں تک لے جانا۔ قبر کے سر کی طرف کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کی پہلی آیتیں مفلحون تک پڑھنا، اور قبر کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کی آخری آیتیں آمن الرسول سے فانصرنا علی القوم الکافرین تک پڑھنا۔ پھر قبر کے ارد گرد کھڑے ہو کر تمام حاضرین کا اتنی دیر کھڑے ہو کر دعا و استغفار للمیت میں مشغول رہنا جتنی دیر تک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے تاکہ اس قرأت قرآن

دعا و استغفار سے میت کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور اس سے میت خوش ہوگا اور نکیرین کے سوالوں کا جواب خوشی خوشی دے گا، قبر پر نہ لکھنا، قبر کو نہ روندنا، قبر پر بطورِ نشان کے پتھر وغیرہ رکھ دینا، قبر پر اُچھاڑ نہ چڑھانا، قبر پر میلہ اور عرس نہ لگانا، قبر پر نذر و نیاز کی کوئی چیز نہ رکھنا، قبر پر جانور ذبح نہ کرنا، قبر پر قرآن پڑھنے والے اجیر نہ بیٹھانا، قبر پر اذان نہ کہنا، قبر والے سے قبر پر بھی حاجتیں مرادیں نہ مانگنا، قبر والے کو نہ پکارنا نہ اس سے سفارش کروانا، قبروں کی زیارت کرنا اور زیارتِ قبور مردوں کے لیے مسنون ہونا۔ اور زیارت قبور کے وقت سلام کہنا السلام علیکم یا اہل القبور۔ یا۔ اہل الدیار من المومنین والمسلمین یغفر اللہ لنا ولکم، یا۔ نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ۔ انتم لنا سلف ونحن بالاثر وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون۔ یا یرحم اللہ المستقدمین منا والمستقدمین او نحو ذالک، یا قبر پر پھول نہ بکھیرنا۔ دال وغیرہ نہ ڈالنا۔ قبر پر علم اور جھنڈا نہ لٹکانا، قبر کو غسل نہ دینا، قبر پر اگربتی لوبان وغیرہ کی دھونی نہ دینا، قبر پر یا اس کے اردگرد آگ نہ جلانا۔

کیونکہ یہ تمام امور دنیا والوں کے ساتھ متعلق ہیں اسی لیے تمام اہل علم ان مقامات پر گڑھا ہی معنی مراد لیتے ہیں قبر کا اور ان مقامات میں سے کسی مقام پر بھی اہل علم نے قبر کے معنی عالم برزخ نہیں کیے۔

لیکن جن امور کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق فرشتوں، عالم بالا عالم برزخ اور خدا کے ساتھ ہے تو وہاں تمام اہل علم فقہاء محدثین مفسرین اور متکلمین صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ مراد قبر سے اس مقام پر عالم برزخ ہے یہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردے کو دفن کرتے ہیں۔ وہ مقام نہ یہ جہان دنیا کا ہے نہ وہ جہان آخرت کا ہے بلکہ وہ جہان ان دونوں جہانوں کے درمیان واسطہ ہے اس کا کچھ تعلق اس دنیا کے جہان کے ساتھ بھی ہے (جس کی تشریح ص میں گذری) اور کچھ تعلق آخرت کے جہان کے ساتھ بھی ہے۔

اس لحاظ سے کہ دنیا کا باشندہ اس برزخ کے باشندے کے حق میں دعا یا استغفار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اس برزخ کے باشندے کو پہنچتا ہے بشرطیکہ دنیا کے

باشندے کی دُعا و استغفار خدا کی بارگاہ میں قبول ہو جائے اور برزخ کا باشندہ موحد ہو مشرک، منافق کافر نہ ہو، حقوق العباد بھی اس کے ذمے نہ ہوں، انہیں شرطوں کے ساتھ اگر دنیا کا باشندہ بغیر ریا اور دنیوی غرض کے محض اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے قرآن شریف پڑھے گا یا کلمہ طیبہ یا کوئی کلمہ یا تسبیح تکبیر تحمید یا درود شریف پڑھ کر اس کا جو ثواب خدا سے حاصل ہونے کی اُمید ہے وہ برزخ والے کو پہنچنے کی درخواست کرے تو اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب برزخ والے کو پہنچاتا ہے، اسی طرح محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز فی سبیل اللہ صدقہ و خیرات کرتا ہے یا نفل نماز پڑھتا ہے یا نفلی روزہ رکھتا ہے یا نفلی حج کرتا ہے اور ان سب کا ثواب برزخ کے باشندے کو پہنچانے کی درخواست کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ ان کا ثواب بھی اس کو پہنچاتا ہے اور اگر برزخ کے باشندے کے ذمے فرائض یا واجبات یا ان کے مثل اور حقوق اللہ یا حقوق العباد تھے، اس کی طرف سے اس کے وصیت کر کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں سے ادا کر دیئے گئے تو اس برزخ کے باشندے سے اتر جائیں گے اور اگر وصیت نہ کر گیا ہو اور دنیا کا باشندہ اپنی خوشی سے کچھ للہ غرباء مساکین کو دے کر اللہ سے درخواست کرتا ہے کہ برزخ والے کے سر سے یہ فرائض اُتر جائیں، تو اللہ تعالےٰ کی ذات کریم سے اُمید غالب ہے کہ قبول فرما کر برزخ والے کے سر سے فرائض اتار دے۔ اور اگر برزخ والے کے سر پر قرض ہو اور دنیا والا اس کی طرف سے قرضخواہ کو ادا کر دے تو برزخ والے کے سر سے قرض اتر جائے گا اور اگر برزخ والے نے دنیا میں رہ کر مسجد، سرائے، پُل، کنواں، مدرسہ یا اور کوئی رفاہِ عامہ کا کام اور سلسلہ جاریہ چھوڑا ہے تو جب تک وہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے تب تک برزخ والے کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ اور اگر اس نے کوئی اچھی کتاب تصنیف کی ہے جب تک اس کتاب سے فیض جاری رہیگا تب تک برزخ والے کو فائدہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر طالب علموں کو دین پڑھاتا رہا یا تبلیغ دین کرتا رہا یا اولاد کو دینی تعلیم دی اور اس تعلیم و تبلیغ کے مطابق جب تک عمل ہوتا رہیگا اس کا فائدہ اور ثواب برزخ والے کو پہنچتا رہے گا اور اگر برزخ والے نے دنیا میں

رہ کر کافروں سے زبانی جانی یا مالی جہاد کیا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کو جنت برزخی میں سے کھانے کو طرح طرح کے پھل بھی ملیں گے جنت برزخیہ میں اُسے پر بھی ملیں گے جن کے ذریعے جہاں چاہے گا اُڑتا پھرے گا جہاں سے چاہے گا پھل کھاتا پھرے گا اور اس کو وہاں سبز لباس نصیب ہوگا۔ خوش خوش رہے گا۔ اور اگر برزخ والے نے دنیا میں رہ کر بُرے کاموں کی تلقین کی جس سے لوگ غلط راستے پر لگ گئے اور بغیر توبہ کیے مر گیا تو ان غلط کاریوں کی سزا اس برزخ والے کو ملتی رہے گی اور اگر لوگوں کو نوحہ کرنے سے روکا نہیں تھا اور اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے نوحہ کیا تو برزخ میں اس کو عذاب ہوگا اور اگر لوگوں کے حالات سمجھتا تھا کہ میرے مرنے کے بعد لوگ میری قبر پختہ بنائیں گے یا تیجا، ساتواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سالیانہ، عرس، قوالی وغیرہ کریں گے پھر وہ ان باتوں سے منع نہ کرے۔ اب اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے یہی کرتوت کیے تو برزخ میں ان سب کرتوتوں سے منع نہ کرنے کی سزا اس کو ملے گی۔

اور برزخ والوں کے اپنے ذاتی امور ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں اہلِ دنیا کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہوتا سوائے روحانی تعلق کے یا مالک مملوک کے یا صاحبِ خانہ کے تعلق کے اپنے گھر کے ساتھ۔

مثلاً اہلِ دنیا کا اہلِ برزخ کے ساتھ باہمی گفت و شنید، امداد و استمداد، شفاعت تصرف، دیکھنا پہچاننا، سننا سمجھنا، اہلِ دنیا کے ضرب و شتم سے اس کے جسمِ عنصری کو دُکھ ہونا۔ جلانے سے جسمِ عنصری کا دکھی ہونا۔ ٹھنڈے پانی کے ساتھ نہلانے سے اس کو مزا اور ٹھنڈک کا محسوس ہونا، یا پھول رکھنے سے اس کو خوشبو محسوس ہونا یا دھوپ پر رکھنے سے اس کو دھوپ لگنا یا ٹوکنا یا سمجھانے سے اس کا سمجھنا یا سُنانے سے اس کا سُننا یا غصہ دلانے سے اس کا غصہ ناک ہونا یا خوش کرنے سے اس کا خوش ہونا یا بھوک پیاس لگنا، یا بے وضو یا بے غسل ہونا، یا اونگھنا یا سونا یا جاگنا یا روزہ رکھنا یا افطار کرنا، یا تیمم کرنا یا پنجگانہ نماز پڑھنا یا جمعے یا عیدین پڑھنا یا نماز کسوف یا خسوف پڑھنا یا نماز جنازہ پڑھنا یا زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کرنا یا حج و عمرہ کرنا۔ صوف

کعبہ وسعی و وقوف و جمرات کا رمی یا نکاح بیع و دیگر معاملات و معاشرت وغیرہ۔
البتہ ان کا باہم ملاقات کرنا، نئے آنے والے روح سے اہل دنیا کے حال و احوال پوچھنا اور نئے آنے والے روح کا پہلی ارواح کو اہل دنیا کے احوال بتانا یہ سب برحق ہے۔

ایک اہم نکتہ

بہرحال قبر عرفی پر آنے والے کا سلام کلام اندر دفن کیا ہوا دھڑ نہیں سنتا اور نہیں سمجھتا اور وہ اندر پڑا ہو دھڑ آنے والے کو نہ دیکھتا ہے نہ پہچانتا ہے اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ اور وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْنَ اور ایسی آیتیں نص صریح ہیں۔ اور فرمایا فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں) بھلا ان کو پکارو تو دیکھو اگر تم سچے ہو تو ان کو چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں۔ پھر فرمایا اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا کیا ان کے ہاتھ پاؤں ہیں جن سے چل پکڑ سکیں یا ان کے کان آنکھ ہیں جن کے ذریعے سن دیکھ سکیں۔ ہر ایک میں دو شقیں نکلتی ہیں یا تو ان کے سرے سے پاؤں ہی نہیں (جل بھڑ، کھائے گئے ہیں) یا پاؤں تو (ٹھیک سلامت ہیں گلے سڑے جلے یا کھائے نہیں گئے) مگر چل پھر نہیں سکتے ان پاؤں کے ذریعے۔ اسی طرح یا تو ان کے ہاتھ ہی نہیں۔ یا ہاتھ تو سلامت ہیں مگر ان سے پکڑ نہیں سکتے۔ اسی طرح یا تو انکی آنکھیں ہی نہیں یا آنکھیں تو ہیں مگر ان آنکھوں سے نظر کچھ نہیں آتا۔ اسی طرح یا تو ان کے کان ہی نہیں یا کان تو ہیں صحیح سلامت مگر ان کانوں سے سنائی کچھ نہیں دیتا۔ یعنی موت کے بعد ان کے جسد عنصری کا یا تو خاتمہ ہی ہو چکا ہے جل گل گیا ہے جیسے لات، عزیٰ منات، ہنبل، ہنومان، رام چند، کرشن، بشن، مہادیو۔ یا ان کے جسد عنصری کا کچھ تغیر تبدل بحکم تعالےٰ نہیں ہوا جیسے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، کیونکہ ان سب کے اجساد عنصریہ بالکل صحیح سلامت

محفوظ ہیں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِن اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اس میں کچھ شک نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔ مگر بایں ہمہ بقول محترم جناب مولانا صاحب اگر دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی۔ تو اس کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے، بلکہ وہ اس معنی میں برزخی اور اخروی ہے۔

(تسکین الصدور طبع اول ص۱۳۸ و ص۱۳۹)

مزید تشریح از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولینا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ سابق مدرس شیخ التفسیر والحدیث دار العلوم دیوبند ثم شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اپنی کتاب علم الکلام ص۲۴۴ میں عالمِ آخرت کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

اس عالمِ شہادت اور عالمِ دنیا کے علاوہ ایک اور جہان ہے جس کو عالمِ آخرت کہتے ہیں عالمِ آخرت کے دو طبقے ہیں، ایک مرنے سے حشر تک جس کو اصطلاح شریعت میں عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ دوسرا قیامت سے لے کر ابدالآباد تک، اس کو عالمِ حشر کہتے ہیں اول ہم کچھ مختصراً "عالمِ برزخ" کا حال ذکر کرتے ہیں۔

عالمِ برزخ و قیامت صغریٰ قال تعالیٰ ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون ۝ اور ان کے آگے ایک برزخ ہے جس میں قیامت تک رہیں گے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات فقد قامت قیامتہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا اس کی قیامت ہو گئی، یہ قیامت صغریٰ ہے۔

قبر حقیقت میں اسی عالمِ برزخ کا نام ہے، اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی عالمِ برزخ میں مردہ سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آ کر

سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ پوری پوری جزا تو قیامت اور حساب و کتاب کے بعد ملے گی، مگر جزا سزا کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ عالم، عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت سے بین بین ہے اور اسی وجہ سے اس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں اس لیے اس عالم کا عذاب من وجہٍ عذاب دنیوی سے مشابہت و مناسبت رکھتا ہے کہ منقطع ہو سکتا ہے اور من وجہٍ عذاب اخروی سے تعلق رکھتا ہے اس لیے کہ یہ عذاب درحقیقت عذابِ آخرت کا آغاز اور شروع ہے اور اسی طرح عالمِ برزخ کی راحت و آرام بھی من وجہٍ عالمِ دنیا کی راحت و آسائش سے اور من وجہٍ عالمِ آخرت کی راحت و آسائش سے مناسبت رکھتی ہے۔

دارالعمل یعنی دنیا سے ابھی پوری طرح تعلق منقطع نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے اقارب و احباب کے دعواتِ صالحات اور صدقات و مبرات مُردہ کے حق میں تخفیف عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں اور اسی وجہ سے انبیاءؑ و مرسلینؑ اور بعض عباد صالحینؒ کو بطورِ تکلیف نہیں، بلکہ بطورِ لذت و فرحت قبر و عالمِ برزخ میں عبادت مثلاً نماز اور حج اور تلاوتِ قرآن کی اجازت دی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ میں نے قبر میں موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

قال عزوجل۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ یعنی وہ لوگ برزخ میں صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت ہوگی اس روز یہ حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو مع فرعون کے نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بھی ایک عذاب ہے جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے دوسری آیت میں ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وہ لوگ غرق کیے گئے اور اس کے (فوراً) بعد ہی آگ میں داخل کیے گئے۔ کلامِ عرب میں فَ تعقیب بلا مہلت کے لیے آتی ہے۔ اس عذاب سے بھی عالمِ برزخ کا عذاب مراد ہے۔

وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ اگر آپ اس وقت کو دیکھیں جس وقت یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کے مارنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ نکالو اپنی جان کو آج تم کو ذلت اور رسوائی کا عذاب دیا جائے گا اسلیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

(پھر پانچ آیات اور نقل فرما کر لکھتے ہیں) ان آیات سے مومن اور کافر کے لیے قبر کا ثواب اور عذاب بخوبی ثابت ہوگیا اور اسی پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔

لوقا کی انجیل ۱۶ : ۱۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول اس عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔

ایک دولتمند اور ایک غریب کی تمثیل: ایک دولت مند تھا جو نہایت عیش و آرام میں تھا اور ایک غریب تھا۔ دونوں کا انتقال ہوگیا: ۲۲ آیۃ میں ہے کہ جب وہ غریب مرگیا تو فرشتوں نے اسے لیجا کر ابراہیمؑ کی گود میں رکھدیا اور دولت مند کو عالمِ ارواح کے درمیان عذاب میں رکھدیا۔ جب اس نے آنکھ اٹھائی تو اس غریب کو حضرت ابراہیمؑ کی گود میں دیکھا تو پکار کر یہ کہا اے باپ ابراہیم! رحم کر۔ اور اس غریب کو میرے پاس بھیج تاکہ اپنی انگلی کے پانی سے مجھ کو تر کرے۔ کیونکہ میں آگ میں تڑپتا ہوں۔ بعد ازاں اس دولت مند نے حضرت ابراہیم سے یہ درخواست کی کہ اس کو میرے باپ کے گھر بھیج دیجیے کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تاکہ ان کے سامنے جاکر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آئیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰؑ اور دوسرے نبی ہیں اس نے کہا شاید مُردوں میں سے اگر کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کر لیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا "جب وہ موسیٰؑ اور نبیوں ہی کی نہیں سنتے تو اگر مردوں میں سے کوئی جی اٹھے تو اس کی بھی نہ مانیں گے۔

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے عالمِ برزخ میں ہر شخص

پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے، اسی کو شریعت اسلامیہ میں عذاب قبر یا ثواب قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں۔ ایک دفعہ مر جانے کے بعد روح پھر کسی دوسرے جسم عنصری میں جزا و سزا بھگتنے کیلیے دنیا میں نہیں آتی جس کو تناسخ اور ہندی میں آواگون کہتے ہیں، الا یہ کہ کسی مردہ کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لیے زندہ فرما دیا جائے تو وہ تناسخ نہیں، تناسخ وہ ہے کہ روح دوبارہ دنیا میں کسی قالب میں جزا و سزا پانے کے لیے آئے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد خویش و اقارب سے روح کا علق باقی رہتا ہے (ص ۲۴۸)

(اس کے لیے ص ۶۱ دیکھو نیز ص ۵۰ دیکھو)

مضمون بالا کی تائید

نیلوی کہتا ہے کہ یہ ہی بات قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ظاہر ہے قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ وہ ..... نامی مبلغ مرد صالح جس نے محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بغیر تعلق نفسانی کے اپنی قوم کو نصیحت کی اور ان بدبختوں نے اس شخص کو شہید کر دیا۔ تو اللہ تعالے نے اس کو اس دنیائے فانی دار بلا و محنت سے نجات دی اور اپنے دار کرامت میں لے لیا (اور ارشاد سے (خدا کی طرف سے) کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا (بعد اس کے کہ قوم نے پیروں سے ایسا روندا کہ آنتیں نکل پڑیں۔) پس وہ جنت میں چلا گیا اور جسم اس کا یہیں زمین پر رہا اور وہاں جنت میں رزق جمیل پاتا ہے اور جب جنت میں یہ کرامت دیکھی تو وہاں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی میں دریغ نہ فرمایا، بلکہ فرمایا اے کاش میری قوم کو یہ سب معلوم ہو جاتا کہ جو کچھ میرے رب عزوجل نے میری مغفرت فرمائی اور مجھے بزرگ لوگوں میں کر دیا۔ اس مقام پر حضرت رئیس المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شخص نے زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی کہ تم لوگ رسولوں کی تابعداری کرو اور موت کے بعد بھی خیر خواہی چاہی کہ کاش ان کو اس منزلت و کرامت سے آگاہی ہو جاتی۔ رواہ ابن ابی حاتم۔

تشریح آیت از سبحان الہند دہلوی رحمہ اللہ

مولانا سبحان الہندؒ کشف الرحمٰن ص۷۰۵ میں فرماتے ہیں: "قوم کے اس ناروا اور ظالمانہ سلوک کے باوجود جنت کے دخول کا حکم سُن کر اس کو اپنی قوم یاد آئی کہ کاش میری قوم کو میرا حال معلوم ہو جاتا کہ توحید اور اتباعِ رسولؐ کی وجہ سے میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا.... اگر میرا حال معلوم کر لیں تو سب ایمان لے آئیں۔

یاد رہے کہ اس جنت سے اصلی حقیقی جنت مراد نہیں جس میں حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد مؤمنین کو وہاں گھر ملے گا بلکہ اس جنت سے مراد وہ جنت ہے جو عالمِ قبر یعنی عالمِ برزخ میں واقع ہے وُہ خاص شہداء کا مقام ہے جو اس (حقیقی) جنت سے متصل ہے کذا قالہ سبحان الہندؒ فی کشف الرحمٰن ص۷۰۵)

فائدہ: جب اپنی قوم و اقارب وغیرہ کے ساتھ روحانی تعلق قرآن پاک سے ثابت ہے تو اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ روح کا تعلق یقیناً ثابت ہے جو اسی قرآنی آیت سے بطریق دلالت النص ثابت ہے اور جو بات دلالت النص کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہو جائے وہ اسی طرح قطعی اور یقینی ہوتی ہے جس طرح عبارۃ النص کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہونے والی بات قطعی اور یقینی ہوتی ہے، یہ تعلق ثابت ہے اس تعلق کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس تعلق کے انکار سے قرآن پاک کی آیت کا انکار لازم آتا ہے اور ایک آیت بلکہ ایک کلمہ قرآنیہ کا انکار کفر ہے جس طرح سارے قرآن کریم کا انکار کفر ہے۔

مگر اس تعلق کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے رُوح جسد کی طرف واپس آکر اس میں کان، آنکھ، دل اور عقل اور زبان اپنے اپنے فرائض پر اسی طرح تعینات ہو جائیں جس طرح دنیوی زندگی میں ان فرائض کی ادائیگی ہوتی تھی یعنی کان اہل دنیا کا کلام سننے لگ جائیں۔ آنکھیں اہلِ دنیا میں سے قبر پر کھڑا ہونے والوں کو دیکھنے لگیں اور زبان اہل دنیا میں سے قبر کے پاس آنے والوں کے کلام سلام کا جواب دینے لگ جائے اور دل اور عقل اہلِ دنیا میں سے قبر پر آنے جانے والوں کو جان پہچان کرنے لگ جائے۔ ایسا تعلق

قرآن پاک کی کسی آیت سے ثابت نہیں نہ عبارۃً نہ اشارۃً نہ دلالۃً نہ اقتضاءً (یہی چار طرق صحیحہ ہیں معرفت طرق الاستدلال کے اور باقی طرق سب فاسد ہیں کما بیّن فی اصول الفقہ) اور نہ ہی ایسا تعلق کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے، نہ اس تعلق کے وجود پر اجماع امت ہے نہ ہی امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ امام احمدؒ امام محمدؒ امام زفرؒ امام حسنؒ امام شافعی، امام مالکؒ اور امام احمدؒ وغیرہ مجتہدین میں سے کوئی مجتہد اس تعلق کا قائل۔ اور مابعد کے علماء غیر مجتہدین میں سے کوئی قائل ہو بھی جائے تو وہ حجت شرعیہ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ان کا قول اَدِلّہ اربعہ سے خارج ہے وہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے اس خیال میں ہم ان کو معذور سمجھیں گے۔ دلیل شرعی سمجھ کر اس پر عقیدہ نہیں رکھ سکتے

قبر کے معنی قرآن پاک میں

اور یہ اقوال مفسرین، متکلمین، ومحدثین وفقہاء جو ہم نے مندرجہ بالا اوراق میں جمع کیے ہیں ان کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے، خصوصاً حنفیہ مسلک کی پوری تائید ملتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ یعنی اللہ تعالےٰ نے پہلے انسان کو بنایا پھر اس کی ہر ایک چیز کا اندازہ باندھ دیا پھر نیکی اور بدی کا رستہ اس پر آسان کر دیا پھر ایک وقت خاص تک اس کو زندہ رکھ کر اس کو مار دیا پھر اس کو قبر میں لے جا داخل کیا پھر جب چاہے گا اس کو دوبارہ اُٹھا کھڑا کرے گا۔ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ۔

تفسیر آیتِ کریمہ، ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ

اس آیت مبارکہ میں اصولِ حنفیہ کے مطابق قبر سے عرفی قبر مراد نہیں بلکہ قبر برزخی اور شرعی مراد ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اقبرہٗ کے معنی ہیں اَدْخَلَهٗ فِی الْقَبْرِ (اس کو قبر میں داخل کر دیا) یہ کام اللہ تعالےٰ کا ہے جس طرح اس سے پہلے جملہ معطوف علیہا میں اَمَاتَهٗ کے معنی ہیں اللہ نے اس کو موت دی اسی طرح اقبرہٗ کے معنی ہیں اللہ نے

اس کو قبر میں داخل کیا تو اِمَاتَہٗ (مارنے کا) فاعل بھی اللہ ہے اور اِقبار (قبر میں داخل کرنے) کا فاعل بھی اللہ ہی ہے۔ جیسے سب کو مارنا اللہ کا کام ہے ایسے ہی سب کو قبر میں داخل کرنا بھی اللہ ہی کا کام ہے اور ظاہر ہے کہ ہندو اور سکھ جب مرجاتے ہیں تو ان کو جلا دیا جاتا ہے ان کو لوگ نہ گڑھا بنا کر دفن کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالےٰ ان کے لیے گڑھا کھودتا ہے۔ مگر خدا سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا اس نے قرآن پاک میں جو فرمایا سچ فرمایا ہے وہ ضرور ہر مرنے والے کی قبر بناتا ہے اور اس میں ہر میت کو داخل کرتا ہے اگرچہ لوگ اس کو جلا کر اس کی راکھ اڑا دیں یا درندوں کی خوراک بن جائے یا پرندے یا پانی کے جانور اسے کھا کر ہضم کر جائیں اور اسی قبر کا نام ہے قبر حقیقی، قبر برزخی، قبر شرعی۔

رہا یہ امر کہ علماء مفسرین نے اقبرہٗ کے معنی کیے ہیں امر بالاقبار تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین شافعی مسلک کے ہیں تو انہوں نے تفسیر کرتے وقت اپنے مذہب کو ملحوظ رکھا۔ کیونکہ اصول فقہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا باہم اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فروعات کے مخاطب کفار ہیں یا نہ، حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان لانے کے مخاطب ہیں جب ایمان لاچکیں اس کے بعد فروع کے مخاطب بنتے ہیں، اور شافعیہ کہتے ہیں کہ جیسے کفار ایمان لانے کے مخاطب ہیں ایسے ہی دیگر فروعات کے بھی مخاطب ہیں۔ اب یہاں قبر میں میت کو داخل کرنا فروعات میں سے ہے، شافعیہ کے نزدیک مسلمانوں کی طرح کفار بھی اس امر کے مخاطب ہیں۔ تب ہی انہوں نے یہ معنی کیے۔ لیکن ہمارے حنفیہ یہ معنی کریں گے وَضَعَہٗ فِی الْقَبْرِ (قبر میں اس کو رکھ دیا) یا جو معنی امام ابوبکر رازی رح نے احکام القرآن ص۵۸۰ ج۳ میں کیے جَعَلَ لَہٗ قَبْرًا اس کے لیے قبر بنائی۔ اور علامہ نسفی نے مدارک ص۳۵۴ ج۴ میں فرمایا جعلہ ذا قبر یواری فیہ۔ اور ڈپٹی نذیر احمد نے ترجمہ میں لکھا پھر اس کو قبر میں لے جا داخل کیا۔ اور سبحان الہند نے لکھا اور پھر اس کو قبر میں پہنچایا اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے تفسیر ماجدی میں لکھا پھر اسے قبر میں لے گیا اور حاشیہ نمبر ۱۱۷۶ میں لکھا کہ یہ اشارہ ہے زندگی کی مختلف منزلوں کی طرف پہلے انسان بہترین قوی د

استعداد لیکر وجود میں آتا ہے پھر ایک مدت تک زندگی بسر کرنے کے بعد اسے موت آتی ہے پھر وہ عالم قبر میں جاتا ہے اَقْبَرَہٗ اس سے مراد انسان کا قبر میں لے جایا جانا ہے اس کے مصداق کے لیے تدفین ظاہری لازم نہیں، آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہو کر، درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں اور ہر صورت میں انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔ انتہیٰ

اور علماء مفسرین کا یہ کہنا کہ قَبَرَ مجرد ہو تو اس کے معنی ہیں دفن کرنا اور قابرٌ کے معنی ہیں دفن کرنے والا۔ اور اَقْبَرَ مزید باب افعال ہو تو اس کے معنی ہیں دفن کرنے کا حکم دینا اور مُقبِر کے معنی ہیں دفن کا حکم دینے والا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور قابر (دفن کرنے والا) انسان ہے۔ یہ بات حصر پر دلالت نہیں کرتی۔ ایک باب کی کئی کئی خاصیات علماء نے بتائی ہیں، من جملہ ان کے موافقت بمجرد بھی ہے۔ چنانچہ عند الحنفیہ اس مادہ میں یہی خاصیت ہے تو اس اعتبار سے قابر و مقبر متحد المعنی ہیں اور اس کی مؤید مشکوٰۃ صـ۲۵ کی حدیث ہے اِذَا اُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاہُ مَلَکَانِ یعنی جس وقت میت کو قبر میں رکھا جائے تو اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔ یہاں ظاہر ہے کہ اُقْبِرَ کا معنی قبر میں رکھنے کے ہیں اور یہاں یہ معنی بنتے ہی نہیں کہ جب میت کو قبر میں رکھنے کا حکم دیا جائے تو فوراً دو فرشتے آجاتے ہیں۔

تو جس طرح حدیث پاک میں اُقْبِرَ بمعنی قُبِرَ ہے اسی طرح قرآن پاک میں بھی اَقْبَرَہٗ بمعنی قَبَرَہٗ ہے یعنی قبر میں رکھا اس کو، اور یہ کام بغیر اللہ کے کسی کا نہیں، جیسے مارنا اور جلانا، اور وہ قبر وہی ہے جو عالم برزخ میں ہر انسان کو بلا استثناء ملتی ہے۔ فرعون کو بھی خدا نے مارا اور غرق کیا اور خدا ہی نے اس کے جسم کو صحیح سلامت بحر قلزم سے باہر پھینک دیا پھر اس کو کسی انسان نے دفن نہیں کیا۔ مگر خدا پاک فرماتا ہے کہ ہر انسان کو مارنے والا بھی میں ہوں اور اس کو قبر میں رکھنا بھی میں ہوں۔ اس آیت کی رو سے خدا نے اس کو قبر میں رکھا ہے جہاں صبح و شام اس پر آگ پیش ہوتی رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ قبر اس دھرتی کا گڑھا محسوس نہیں ہے بلکہ وہ اس برزخی زمین (ساتویں زمین) کا گڑھا ہے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا: القبر..... اَوْ حفرۃ من حفر النیران۔ قبر (کافر کی) آگ کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے (نہ یہ مٹی کا گڑھا) فافہم! اسی طرح جو جل جاتے ہیں راکھ ہو جاتے ہیں

یا درندوں پرندوں آبی جانوروں کی خوراک بن جاتے ہیں ان کی بھی قبریں ہیں، اور نوح ؑ کی غرق شدہ کافر قوم ادھر غرق ہوئی اُدھر قبر کی آگ میں جلنے لگ گئی، پانی ان کے لیے زمہریر کا عذاب نہیں جو یوں کہدیں کہ پانی ان کی قبر بن گیا۔ اگر پانی کو قبر کہو تو گڑھا زمین والا دعوٰی فوراً اپنی زبان سے باطل کر دیا۔ اتنا جلدی ذہول؟

برزخ کیا ہے؟

اب جب ثابت ہو گیا کہ ہر میت کی قبر اللہ تعالےٰ بناتا ہے یا ہر میت کو قبر میں لے جاتا ہے، اور علماء نے ہمیں بتایا کہ اس کا نام برزخ ہے۔ تو اب یہ معلوم کرنا کہ برزخ کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟ نیز وہ مقام برزخ کہاں ہے؟ تو اس کے لیے لغت کی کتابیں دیکھیں جنہوں نے برزخ کے لغوی معنی بتائے۔ چنانچہ:

نہایہ ابن اثیر ص۸۸ میں ہے۔

البرزخ ما بین کل شیئین من حاجز، البرزخ الحاجز والحد بین الشیئین وقیل البرزخ ما بین الموت الی القیامۃ یعنی دو چیزوں کے درمیانی پردہ کا نام برزخ ہے: نیز مفردات راغب ص۸۹ میں ہے دو چیزوں کی درمیانی حد برزخ ہے اور بعض نے کہا کہ موت اور قیامت کے درمیانی وقفہ کا نام برزخ ہے۔

قاموس ص۳۱۸ میں ہے:

البرزخ الحاجز بین الشیئین ومن وقت الموت الی القیامۃ و من مات دخلہ، یعنی دو چیزوں کی درمیانی روک اور پردہ برزخ کہلاتا ہے۔ اور موت کے وقت سے قیامت کے دن تک کے وقفہ کو برزخ کہتے ہیں، اور جو مر گیا وہ برزخ میں پہنچ گیا۔

صراح ص۱۱۳ میں ہے۔

برزخ باز داشت میان دو چیز ویقال ما بین الدنیا والآخرہ من وقت الموت الی البعث فمن مات فقد دخل البرزخ۔ یعنی دو چیزوں کی درمیانی روک برزخ ہے اور یہ بھی

کہا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت کا درمیانی زمانہ جو موت سے روز نشور (قیامت) تک کا ہے جو شخص مر گیا وہ برزخ میں پہنچ گیا۔

منتہی الارب صفحہ ۸۰ میں ہے:

برزخ حائل مابین دنیا و آخرت و آں از زمانِ مرگ تا زمانِ قیامت باشد۔ ہر کس کہ میرد داخل برزخ گردد۔

تاج العروس ج ۲ صفحہ ۴۷۸ میں ہے:

کہ مُقبِر اللہ ہے کیونکہ اللہ نے اس کو قبر والا بنایا اور لیس فعلہ کفعل الآدمی اللہ کا فعل آدمی کے فعل کی طرح نہیں ہے، یعنی آدمی کا کام تو ہے کسیوں سے گڑھا کھود کر اس میں میت کو دبا دینا اور اللہ تعالےٰ جو میت کو قبر والا بناتا ہے۔ اس کی یہ صورت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ اس میت کو برزخ میں لے جاتا ہے اس طرح وہ اس کو قبر والا بناتا ہے۔

پس قرآن پاک اور کتب لغت سے ثابت ہوا کہ برزخ دو چیزوں کے درمیانی پردہ کا نام ہے یا موت و قیامت کے درمیانی زمانہ یا جگہ کا نام ہے۔ برزخ کے معنی قبر، نہ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور نہ کتب لغت سے۔

قبر بمعنی گڑھا لینا معتزلیوں کا مذہب ہے

نیلوی کہتا ہے کہ اگر بالفرض یہ بات مان لیں کہ معتزلی عذابِ قبر کے منکر ہیں تو ایک اعتبار سے قبر کا معنی گڑھا محض لینے والے بھی معتزلہ کے ہم نوا ہو جاتے ہیں، بایں طور کہ جن لوگوں کو قبر (گڑھے) میں دفن نہیں کیا گیا بلکہ جلا دیا گیا اور اس کی راکھ ہوا میں اُڑا دی گئی یا درندے پرندے کھا گئے یا مچھلیاں اور دیگر دریائی جانوروں کی خوراک بن گئے تو گڑھا نہ ہونے کی وجہ سے وہ عذاب و ثواب سے الگ رہے اور یہی مذہب ہے معتزلہ کا

ایک مشہور بریلوی مولوی مفتی احمد یار خان بدایونی ثم گجراتی بھی اسرار الاحکام و انوار القرآن میں بریلوی مسلک کا ہو کر بھی اس امر کو مان گیا ہے کہ "قبر سے مراد صرف یہ غار

نہیں جس میں یہ مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی روح کو جسم کے اصل ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال وجواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو، یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا ہو اس سے اسی حال میں سوالات قبر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں محسوس نہ ہو۔ ماں کے پیٹ میں بچہ بن جاتا ہے، ماں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

یہ بات ہم مانیں یا نہ مانیں بہر حال یہ اس کو بھی مسلم ہے کہ قبر صرف غار اور گڑھے کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ کا نام ہے قبر۔ وہو المطلوب!

قبر بمعنی برزخ کا کثیر الاستعمال ہونے کا مطالبہ

قبر بمعنی برزخ کے کثرۃ امثلہ کا مطالبہ کرنا ایسا ہے جیسے مرزائی کہتے ہیں کہ توفی کے معنے موت کے جہاں نہ ہوں اس کی مثالیں کثرت سے بیان کرو۔ اور حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام ص۵۳ میں فرمایا ہے

إذا كان المقام صالحاً جاء فيه لغير الموت بلا نكير فمطالبه كثرة الامثلة فيه عناد وعتو لانه هناك في المادة قلة لا تعدم صلوح اللفظ لذلك یعنی جب ایسا مقام ہو جہاں موت کے سوا دوسرے معنے کی صلاحیت ہو تو وہی دوسرا معنی ہوگا بغیر کسی انکار کے اور اب کثرۃ امثلہ کا اس بارے میں مطالبہ کرنا محض ضد ہی ضد ہے کیونکہ اس معنی میں اس لفظ کا استعمال کم ہے یہ بات نہیں کہ اس لفظ کے یہ معنی بنتے ہی نہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

وقد كثر في الحقائق الشرعية اطلاق الفاظ لم تعهد اولم تشتهر عند اهل اللسان نحو جاءهم بكتاب ونزول الوحي وتنزيل الكتاب وغير ذلك مما لم يتلق الا من الشرع وقد اصطلح اصحاب الاصول على الحقيقة الشرعية لذالك ويحثوا عن غريب القرآن كما في مقدمة المطول وعن وجوهه ونظائره وافراده كما في الاتقان۔ انتهى۔

یعنی حقائق شرعیہ میں بہت سے الفاظ کا اطلاق ان معنی میں کیا گیا ہے جو اہل زمان کے ہاں معہود یا مشہور نہیں ہیں صرف شرع ہی کے بتانے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

برزخ کہاں ہے؟

شریعت کی کتابوں تفسیر و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کی قسمیں ہیں یا یوں کہو کہ برزخ دو مقاموں کا نام ہے۔

اقوال مفسرین و متکلمین دربارۂ علیین و سجین

تفسیر مظہری اردو کے حاشیہ ۱ ص ۳۴۴/۱۲ میں ہے موت انسانی کیا ہے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہونا۔ اس کی توضیح کے لیے بطور اختصار اتنا لکھنا ضروری ہے کہ قبر کے اندر منکر نکیر کا سوال کرنا اور مردہ کا سن کر جواب دینا، قبر کا عذاب و ثواب، مردہ کا علم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے درود کو سننا وغیرہ وغیرہ۔ مختلف احوال کا مردہ پر توارد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ پھر علیین اور سجین کا وجود تو صراحت قرآنی میں موجود ہی ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں تجربہ سے بھی ثابت ہے آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں کانوں سے بھی سنتے ہیں۔ غرض متواتر مشاہدات اور متواترات سے ثابت ہے کہ کروڑوں مردے دفن نہیں کیے جاتے جلا دیئے جاتے ہیں ان کی خاک اڑا دی جاتی ہے، دریاؤں میں بہا دی جاتی ہے۔ بعض لاشوں کو ممیا کر رکھ لیا جاتا ہے اور برسوں تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ان تجربات مشاہدات اور متواترات کا انکار نہیں کیا جا سکتا نہ عقل سلیم کو اپیل کرنے والی تاویل کی جا سکتی ہے۔ پھر کیا ہے؟ کیا احادیث غلط ہیں؟ اور قطعی منصوصات خلاف واقع ہیں؟ ایسا نہیں ہے! اس گتھی کو سلجھانے کے لیے امام غزالی، شاہ ولی اللہ متکلم اعظم اور بعض دوسرے اصحاب وجدان و شہود نے لکھا ہے کہ قبر نام اس محسوس مرئی گڑھے کا نہیں جو زمین میں کھودا جاتا ہے بلکہ عالم ارواح مجردہ اور عالم اجسام مادیہ کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے اس میں دونوں عالموں کے کچھ خصوصیات ہیں نہ وہ مجرد

محض ہے، نہ بالکل مادی، عالمِ ارواح جسمانی نہیں، روح کا جسم نہیں لیکن عالمِ برزخ جسمانی ہے، مشکل ہے رنگا رنگ ہے، اس میں جواہر بھی ہیں، اعراض بھی ہیں، صورتیں بھی ہیں، صورتوں کی لمبائی چوڑائی رنگینی حسن و قبح اور امتیازات بھی ہیں لیکن برزخی جسم کا یہ مادہ نہیں، یہ صورت نہیں، یہ جوہر و عرض نہیں، یہ مقدار و شکل نہیں یہ صوت و نغمہ نہیں یہ حسن و قبح نہیں، عالمِ برزخ کا انسان کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے چلتا بھی ہے پھرتا بھی ہے خوش اور ناخوش بھی ہوتا ہے، لذت و الم کا احساس بھی کرتا ہے۔ اس میں شعور بھی ہے حس بھی ہے، علم و ادراک بھی ہے۔ مگر یہ ہماری دنیا کا مادی احساس و شعور نہیں ہے بلکہ اس کی ہر کیفیت یہاں کی ہر کیفیت سے زیادہ قوی لطیف اور تیز اور وسیع ہے۔ اسی برزخ کو عالمِ مثال اور عالمِ اشباح بھی کہتے ہیں، برزخ کا انسان لافانی ہے مرتا نہیں، تغیر پذیر نہیں، اس میں توالد و تناسل نہیں، پیدائش اور موت نہیں، ہماری دنیا کی جسمیت اور لوازم جسمیت اس میں موجود نہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے افلاطون کے جس عالمِ مثال کی صراحت کی ہے وہ شیخ ولی اللہ کے عالمِ مثال کا بالکل عین تو نہیں، کیونکہ امثالِ افلاطونیہ کو ہم حقائق تکوینیہ اور ماہیاتِ امکانیہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر جزا و سزا والا عالمِ برزخ نہیں کہہ سکتے لذت و الم کا عالم نہیں قرار دے سکتے۔

حقیقت میں اصحابِ وجدان کے نزدیک عالمِ مثال حقیقی ہے اور یہ عالمِ ظاہر اس کا سایہ وہ اصل ہے یہ اس کی کاپی، سایہ اور کاپی فنا ہو جائے تباہ ہو جائے مٹ جائے، اصل اور حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے نہ مٹتی ہے نہ تباہ ہوتی ہے۔ دنیا میں جو شخص مرتا ہے اس کی روح کا رشتہ اس مادی جسم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ جسم فنا ہو جاتا ہے مگر مثالی اصل جسم باقی رہتا ہے اس سے روح کا تعلق نہیں ٹوٹتا۔ گویا ہر شخص دو جسم رکھتا ہے۔

(۱) ایک یہی کثیف محسوس ظاہری مادی جسم۔

(۲) دوسرا برزخی مثالی لطیف باطنی جسم۔

موت کا معنے ہے صرف ظاہری کثیف جسم سے قطع تعلق۔ مگر مثالی برزخی جسم سے

روح کا رشتہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ عالم برزخ چونکہ مجرد اور مادی کے درمیان حجاب حاجز ہے اور دونوں عالموں سے اس کا قرب ہے اس لیے دونوں عالموں کی کچھ کچھ خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ وہ اس عالم جسم کی طرح عمل اور سعی حیات کا عالم نہیں، دار التکلیف نہیں، ارادۂ خیر و شر میں وہاں کا انسان مختار نہیں۔ بلکہ اس زندگی کے نتائج و ثمرات اور جزا و سزا کا عالم ہے مگر روز قیامت کی طرح مکمل جزا و سزا کا عالم بھی نہیں ہے بلکہ کاروان انسانی کا ایسا وقفۂ منزل ہے جو گذشتہ زندگی کے افکار و کردار کا مجمل دھندلا خاکہ نظر کے سامنے لاتا ہے اور عقیدہ و عمل کی صحت و غلطی اور اچھائی اور برائی کے فیصلہ کے آثار و علامات برزخ میں ہی منہ دکھانے لگتے ہیں۔ برزخی انسان اپنا ہاتھ پاؤں اپنا سر، اپنا گوش و چشم اور اپنے قیام و قعود اور اطوار و گفتار، غرض ہر جسمانی کیفیت و حالت کو دیکھتا جانتا اور سمجھتا ہے۔ بلکہ اس کا ادراک و احساس زیادہ لطیف اور تیز ہو جاتا ہے، راحت و رنج، مسرت اور غم، ہر وجدانی کیفیت اس کو محسوس کرتی ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ ظاہری مادی جسم نہیں رکھتا۔ یہ جسم تو فنا ہو چکا ہوتا ہے، اس جسم کو جلا دیا جائے، اس کی خاک اڑائی جائے، پانی میں بہا دی جائے۔ اس کو شیر کھا جائے یا صندوق میں اس کو محفوظ رکھا جائے۔ برزخی جسم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا تو ہر احساس و ادراک جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جسم مثالی میں جسم مادی کے تغیر سے کوئی تغیر نہیں آتا، روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے۔ جنت و دوزخ کے مناظر دیکھتی ہے خواب کی کیفیت اور کیفیت کی گونا گونی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ خواب دیکھنے والے کا جسم اپنے بستر پر ہوتا ہے۔ دیکھنے والے اس کو بستر پر موجود پاتے ہیں تنفس جاری ہوتا ہے لیکن خواب دیکھنے والا کبھی اپنے جسم کو جیلخانہ کے اندر بند پاتا ہے اور شدائد جیل کا اسے احساس ہوتا ہے، کبھی قصر شاہی میں اپنے کو رونق افروز پاتا ہے اور شاہانہ استقبال اپنے لیے دیکھتا ہے کبھی صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے تو کبھی مرغزاروں اور خیابانوں میں گل گشت کرتا ہے، یہ عالم برزخ تو نہیں مگر برزخ کا نمونہ ضرور ہے

جسم مثالی کا یہاں سے سراغ ملتا ہے۔ مثالی لذت و الم کا پتہ معلوم ہو جاتا ہے۔

گویا افلاطون نے جس بعد کو مادہ سے مجرد قرار دیا ہے، دوسرے الفاظ میں غیر مادی جسمانیت کا اقرار کیا ہے (گو مکان کی تعریف میں اس نے یہ الفاظ کہے ہیں مگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرگروہ اشراقیہ کی نظر کشفی بھی ایک ایسے جسم تک پہنچ گئی تھی، جو باوجود حامل جسمانیت ہونے کے غیر مادی ہے) اس کی جولانگاہ اور اس کا میدانِ ظہور یہی عالم برزخ ہے۔ پس قبر نام اسی برزخی گڑھے کا ہے۔ یہی جنت یا دوزخ کا دروازہ ہے اسی میں اعلیٰ اور ادنیٰ یعنی علیین اور سفلیین دو مقام ہیں، سفلیین کا دوسرا نام سجین ہے۔ اور علیین کا دوسرا نام قندیل نور مبین اسی مقام سے جنت کی تفریح نظری اور جہنم کی نظر سوز سیر ہوتی ہے، یہیں جنت کی فرحت بخش ہوائیں اور جہنم کی جاں گسل لپٹیں آتی ہیں، یہی منزل جناں و سقر کی وقفۂ سیر ہے۔ یہاں سہولت مل گئی تو آئندہ اس سے زیادہ سہولتیں ملیں گی۔ اور یہاں دکھ ہوا تو آئندہ کا دکھ اس سے زیادہ سخت ہوگا۔ سچ ہے جو مر گیا اس کی قیامت بپا ہو گئی، یہ قیامت صغریٰ ہے جو قیامت کبریٰ کا پیش خیمہ اور ہراول ہے، برزخ ارضی بھی ہے عالم مادی کے قریب ہے اور سماوی بھی ہے، عالم روحانی کے قریب ہے اور فضائی بھی ہے، عالم مادی اور عالم ارواح کے درمیان حائل ہے۔

روح مومن کو زمین کی طرف لوٹائے جانے کا اظہار کیا جائے یا عرش کے نیچے قندیلوں میں سبز پرندوں کی شکل میں بند ہونے کا اقرار کیا جائے بات ایک ہی ہے۔ برزخ زمین بھی ہے آسمان بھی ہے اس زمین سے اعلیٰ ہے اور سماء ارواح سے افضل ہے۔

مکمل تفصیل کی یہ جگہ نہیں، احادیث متعارضہ کا تعارض رفع کرنے کے لیے اتنا بیان کافی ہے۔ مگر اس پر یقین رکھنے کے لیے شہودی نظر اور وجدانی علم کی ضرورت ہے، گو عالم مثال کا وجود عقلیت کے خلاف تو نہیں مگر عقل سے ورا ضرور ہے اس لیے عقل استدلالی اور منطق برہانی کی اس حدود میں رسائی نہیں۔ واللہ اعلم۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سجین مقام ہے جیسے لفی سجین سے ظاہر ہے۔ اکثر نے کہا کہ سب سے نیچے ساتویں زمین کا نام سجین ہے۔ یہ عطا نے ابن عباسؓ سے

روایت کیا۔ اور یہی قول مجاہدؒ و قتادہؒ و ضحاکؒ و ابن زیدؒ کا ہے۔

(حضرت) براء رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے اور عطا خراسانیؒ نے کہا کہ اسی میں ابلیس اور اس کی ذریات ہے۔ اور ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ سجین جہنم میں کنواں ہے اور کلبیؒ اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے پتھر ہے (تفسیر کبیر)

کعب احبار سے روایت ہے کہ کافر فاجر کی روح کو آسمان تک لے جاتے ہیں آسمان اس کو قبول نہیں کرتا (اللہ تعالےٰ نے فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ یعنی ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، اسی کی مانند حدیث صحیح میں آیا ہے) پھر فاجروں کی ارواح کو زمین کی طرف گرا لاتے ہیں، پس زمین اس کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ تب اس کو ساتویں زمین کے تحت میں لے جاتے ہیں یہاں تک کہ سجین پہنچے۔ اور یہی ابلیس کے لشکر کا مقام ہے اور یہ فجار کی خواری ہے۔ وہاں شیاطین ملعونین حاضر رہتے ہیں جیسے ارواح مومنین کے ساتھ ملائکہ مقربین موجود رہتے ہیں۔ انتہی کلام السید عبدالدائم الجلالی۔

سجین مقام برزخ

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجین ساتویں زمین کی تہ میں ہے اس میں کافروں کی روحیں رکھی جاتی ہیں۔

(۲) براء بن عازبؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کی تہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان سے اوپر عرش سے نیچے ہے۔

(۳) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ کافر

لہ نیلوی کہتا ہے کہ براء رضؓ کی روایات ثلثہ ان کی روایت عود روح کے معارض ہیں خوب سمجھ لو۔

کی روح کو سجین میں لے جاؤ اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

(۴) ابن جریر نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی کہ فلق جہنم میں ایک کنواں ہے وہ ڈھکا ہوا ہے اور سجین کھلا ہوا ہے (ابن کثیر وقال غریب منکر)

(۵) احسن العقاء ص۲۳ میں ہے" اور لکھا ہے دقائق الحقائق میں کہ ہرگاہ پوچھے گئے بعض علماء حال معادِ ارواح سے۔ کہا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی جنات عدن میں رہیں گی اور لحد سے انس رکھیں گی اور اجسام ان کے اپنے رب کو سجدہ کرنے والے اور ادائے حمد میں مشغول رہیں گے اور ارواح شہیدوں کی فردوس اعلیٰ میں درمیان بہشت کے سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہیں گی اور جنت میں اڑتی پھریں گی اور جہاں خواہش ہوگی جہریں گی پھر پناہ لیں گی قندیلوں میں جو لٹکتی ہیں بہشت میں، اور اور ارواح اولادِ کفار اور مشرکین کی (یعنی ان کے نابالغ بچوں کی) پھریں گی جنت میں اور نہ ہوگا ان کے لیے کہیں ٹھکانا روز قیامت تک پھر وہ خدمت کریں گی مومنین کی۔ اور ارواح ان مومنین کی جس پر کسی کا دین باقی ہے معلق رہیں گی ہوا میں نہ جنت میں جا سکیں گی نہ آسمان میں جب تک وہ دین اور وہ حق ادا نہ ہو، اور ارواح فاسق مسلمانوں کی عذاب کی جائیں گی قبر میں ساتھ جسم کے اور ارواح کافروں اور منافقوں کی سجین میں رہیں گی، وھکذا فی مرآۃ الاخرۃ منتخبا عن البدور السافرۃ وکذا فی العقیدۃ المعینیۃ النسفیۃ اور شاہ عبدالعزیز (محدث دہلوی رحمہ اللہ) نے فتح العزیز میں تفسیر آیت کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ اور کَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ۔ میں لکھا ہے کہ ارواح فجار کی سجین میں مستقر بنی ہیں اور ارواح ابرار کی علیین میں۔ جس کو خواہش ہو تفسیر میں دیکھ لیوے کہ بشرح و بسط لکھا ہے۔ اور لکھا ہے حافظ محی السنہ ابو محمد الحسین الفراء البغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں ان کتاب الفجار الذی یکتب فیہ اعمالہم لفی سجین قال عبداللہ بن عمرؓ وقتادہؒ و مجاہدؒ و الضحاکؒ سجین ھی الارض السابعۃ السفلیٰ فیھا ارواح الکفار۔ السجین سب زمینوں سے نیچے ساتویں زمین ہے جس میں کافروں کی ارواح رہتی ہیں۔

(۶) بحر الکلام ص۸۷ میں ہے وَالسجّین تحت الارض السابعۃ اسی طرح مسامرہ ص۲۶۳ میں ہے۔

احادیثِ نبویہ در بارۂ علیین و سجین

(۱) عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کے پاس ام بشر رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا اے کعب! اگر تمہاری میرے بیٹے سے ملاقات ہو تو میری طرف سے ان کو سلام کہنا! کعب نے کہا کہ اے ام بشر رضی اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے ہم تو ایسی حالت میں مشغول ہوں گے کہ اس بات کا کیا ذکر ہے۔ ام بشر رضی نے کہا کہ یہ کیا کہتے ہو۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ نسمہ مومن جنت میں جہاں چاہتا ہے سیر کرتا ہے اور کافر کا نسمہ سجین میں قید رہتا ہے، کعب نے کہا کہ ہاں میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ام بشر نے کہا کہ پھر میں اسی لیے یہ بات کہتی ہوں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ و طبرانی و بیہقی و امام عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔

(۲) محمد بن عبدالرحمٰن نے روایت کی کہ جب بشر بن براء بن معرور کا انتقال ہوا تو ان کی ماں ام بشر رضی کو سخت فراق کا غم ہوا۔ پھر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ! میرے کنبہ (بنی سلمہ) میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مرتا رہتا ہے تو کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے رہتے ہیں؟ تاکہ میں بشر رضی کو سلام کہلا بھیجوں۔ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مردے بیشک ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر چڑیاں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں پھر جب بنی سلمہ میں سے کوئی مرتا تو ام بشر رضی اس کے پاس آکر بعد سلام کے کہتی تھیں کہ تو میرے بیٹے بشر رضی کو میرا سلام کہہ دیجیو۔ (رواہ ابن ابی الدنیا)

(۳) جب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا انتقال ہونے لگا تو محمد بن المنکدر تابعی نے حاضر ہو کر (بعد سلام وغیرہ کے) عرض کیا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو سلام کہہ دینا۔ (رواہ ابن ماجہ)

(۴) محمد بن المنکدر نے بہت باریک بات سوچی کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچاویں گے تو آپ بھی سلام کا جواب فرمائیں گے۔ اس ترکیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو سلامتی کی دعا حاصل ہو جائے گی اور یہ بہت عظیم نعمت ہے اور اب بھی جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت عظیم حاصل ہوتا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین (مواہب الرحمن ص ۲۱۸/۳)

(۵) خالدہ بنت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تھا اس کے پندرہ روز بعد اُن کی بیٹی ام بنین رضی اللہ عنہا میرے باپ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، وہ بیمار تھے اور کہا کہ اے چچا اگر تم جاؤ تو میرے باپ سے میرا سلام کہنا (رواہ البخاری فی التاریخ)

(۶) ابو نعیم نے کہا کہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی بیماری قریب وفات پہنچی تو ان کو گھبراہٹ ہوئی پس ناگاہ ایک آدمی ان کی ملاقات کو آیا کہ اے ابو محمد! تم کو گھبراہٹ کیوں ہے اور بات صرف اسی قدر ہے کہ ادھر تمہاری روح نے جسم سے مفارقت کی اور ادھر تم اپنے ماں باپ علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و جعفر رضی اللہ عنہ اور ماموں قاسم رضی اللہ عنہ و طیب رضی اللہ عنہ و مطہر رضی اللہ عنہ و ابراہیم رضی اللہ عنہ اور خالہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا و ام کلثوم رضی اللہ عنہا و زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ (رواہ ابن عساکر)

(۷) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب مؤمن مرتا ہے تو اس کا لڑکا اس کا استقبال کرتا ہے جیسے مسافر کی پیشوائی (استقبال) کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ابی الدنیا)

فائدہ: یہ بات کسی کو کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پائی ہو۔ تو ضرور ہوا کہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تابعی نے اس کو کسی صحابی سے سنا اور صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لیکن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

نے اس لیے حدیث کر کے نہیں روایت کیا کہ شاید بعضے نادان لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور وہ شک کرے، پس اگر اس سے کہا جاوے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پھر اس نے شک کیا تو کافر ہو جائے گا اور اگر میرے کہنے میں شک کرے گا تو کافر نہ ہوگا۔ اس نکتہ سے آپؒ نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے (مواہب الرحمن ص ۲۱۹ ج ۳)

(۸) ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انسؓ اور دیگر صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب جو پہلے مر چکے ہیں، اس کو گھیر لیتے ہیں اور دونوں مل کر خوش ہوتے ہیں جس طرح سفر سے گھر آنے والے مسافر سے خوشی ہوتی ہے (ابن ابی الدنیا)

(۹) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پائے ہوئے بندے اس کا استقبال کرتے ہیں جیسے تم دنیا میں سفر سے آنے والے کا استقبال کرتے ہو، اور ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ پھر باہم کہتے ہیں کہ ابھی اس کو مہلت دو کہ ذرا آرام کرے کیونکہ وہ سخت کرب میں تھا۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہے اور فلاں عورت کا نکاح ہو گیا؟ وہ جواب دیتا ہے۔ اور پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے کیا یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، وہ اپنی ہاویہ ماں کی گود میں گیا جہاں اس کی خرابی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے اعزہ و اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں جو آخرت میں ہیں پس اگر وہ تمہارے اعمال نیک پاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ الٰہی یہ تیرا فضل اور رحمت ہے تو اسی حالت پر اس کو موت دیجیو، اور قصہ ملاقات ارواح کو سعید بن منصور و ابن ابی الدنیا نے حسن بصری سے موقوفاً ان کا قول روایت کیا۔

نوٹ! یہ روایت العلل المتناہیہ باب حدیث فی تلقی الموتی المیت ص ۴۲۸ ج ۲ میں ذکر کی گئی ہے اور ص ۴۲۹ ج ۲ میں کہا ہذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلام (التیمی) ہوالطویل وقد اجمعوا علی تضعیفہ وقال النسائی والدارقطنی متروک وقال المؤلف وقد روی عن ایوب موقوفاً وہذا یروی عن عبید بن عمیر یعنی سلام متفق علیہ ضعیف ہے اور متروک ہے اس لیے یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں۔ ہاں ایوب سے موقوفاً مروی ہے۔ پس عرضِ اعمال میں یہ حدیث پیش نہیں کی جاسکتی۔ لیکن یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عرضِ اعمال کے جو معنی عام لیے جاتے ہیں وہ معنی یہاں نہیں، بلکہ یہ عرضِ اعمال عالمِ برزخ میں جا ہوتا ہے؛

سبحان الہند رح

سبحان الہند کشف الرحمان ص ۴۸۹ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک میں مکلف زندگی یعنی دنیوی زندگی کے ساتھ مقید ہوں اور اگر کوئی اور صورت پیش آجائے اور یہ دنیوی زندگی کسی اور زندگی میں تبدیل ہو جائے اس کے احکام دوسرے ہوں گے اور وہاں کی نماز اور زکوٰۃ کسی اور طرح ہوگی۔

مفتی اعظم محمد شفیع رح

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رح نے معارف القرآن ج ۶ ص ۲۸ میں وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا کے تحت فرمایا یعنی نماز اور زکوٰۃ کا حکم میرے لیے دائمی ہے جب تک زندہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ حیات ہے جو اس عالمِ دنیا میں زمین پر ہے کیونکہ یہ اعمال اسی زمین پر ہو سکتے ہیں اور یہیں سے متعلق ہیں، آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد نزولِ زمانہ تک رخصت کا زمانہ ہے

صاحب الکاویہ علی الغاویہ

الکاویہ علی الغاویہ ص ۳۲۵ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد کا سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر فوت نہ ہوئے ہوں اور زندہ آسمان پر بیٹھے ہوں تو خدا کے فرمانِ قرآن کے خلاف ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واوصانی بالصلوۃ کا لفظ عیسیٰ ع کی طرف سے نقل فرمایا ہے اور اس لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تمام عمر میں نماز پڑھتے رہیں گے اور آسمانوں میں نماز کے مکلف کہاں؟

جواب یہ دیا گیا کیا اور کوئی کام نہ کریں گے؟ اگر یہ نکتہ آفرینی درست ہے۔ تو ذرا اوصافی پر بھی ہاتھ صاف کر دیجیے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو مرتے وقت یہ وصیت کی تھی تو گویا (والعیاذ باللہ ثم والعیاذ باللہ) خدا کے مرنے کے بعد حضرت مسیح نے تبلیغ کی تھی۔ اب اگر وصیت کا معنیٰ معروف نہیں ہے (اور واقعی نہیں) تو صلوۃ کا مفہوم بھی صرف یاد الٰہی ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطی رح

علامہ سیوطی نے شرح الصدور ص ۱۰۱ میں فرمایا و ذالک البرزخ عند منقطع العناصر بحیث لا ماء و لا ھواء و لا تراب و لا نار یعنی برزخ اس مقام میں ہے جہاں اربعہ عناصر ختم ہو جاتے ہیں وہاں ان چار عنصروں (پانی، ہوا، مٹی، آگ) میں سے ایک عنصر بھی نہیں ہے

سید انور شاہ صاحب رح

حضرت سید انور شاہ صاحبؒ نے فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳ میں فرمایا البرزخ ھو انقطاع حیوۃ ھذا العالم و ابتداء حیوۃ اُخریٰ یعنی اس جہان کی زندگی ختم ہونے کے بعد دوسرے جہان میں زندگی شروع ہونے کا نام برزخ ہے۔

امام الہند شاہ ولی اللہ رح

حجۃ الاسلام حکیم الامت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے برزخ کے مثالی اجسام کی تصریح حجۃ اللہ البالغہ میں جس وضاحت سے فرمائی ہے وہ یہ ہے:

(۱) جسم سے نکلنے کے بعد روح ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہوتے ہیں۔

قیامت: بعد الموت تا قیامت کے درمیانی عرصہ کو کتاب و سنت میں چونکہ برزخ کا نام دیا گیا ہے۔ بنا بریں شاہ صاحب برزخ کے بعد کی زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پھر جب صورتوں (انسانی اجسام میں) رُوح ڈالی جائے گی تو ویسا ہی فیضان ہوگا جیسے کہ ابتدار عالم میں تھا" (آیۃ اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۲۱) نیز فرماتے ہیں:
اپنے بدنوں کی چادریں اتار کر انہیں (الملائکۃ المقربین) میں منسلک ہو جاتے ہیں، اور من جملہ ان کے ہی شمار کیے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ خوض و محویت سے وہ اپنے پروردگار کی حمد سے خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں (آیۃ اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۲۳)

سَبِیلِ الاعتدال فی بیانِ عالَمِ المثال

اب تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اصطلاحِ شریعت میں قبر نام ہے برزخ کا اور برزخ وہ جگہ ہے جو ارلیہ عناصر سے ماوراء ہے یعنی وہاں اس عالمِ دنیا کی نہ مٹی ہے نہ پانی نہ ہوا نہ آگ۔ اگر وہاں آگ ہے تو اور نوعیت کی اور اگر پانی ہے تو اور نوعیت کا اگر مٹی یا ہوا ہیں تو اور نوعیت کے۔ وہاں کے سانپ بچھو اور ہی نوعیت کے ہے اور باغات اور نوعیت کے جن کا اس عالمِ دنیا کے ساتھ کچھ تشابہ نہیں۔
پھر اس برزخ کے دو مقام ہیں، نیکوں کے لیے علیین اور بدوں کے لیے سجین، علیین ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اور سجین ساتویں زمین سے نیچے، علیین میں ارواحِ مومنین وصالحین وشہداء وصدیقین وانبیاء کرام علیہم السلام رہتے ہیں۔
اور سجین میں ابلیس اور اس کی ذریت اور کافروں کی ارواحِ خبیثہ رہتی ہیں،
اور اسی قبر (برزخ) علیین وسجین کو عالمِ مثال بھی کہتے ہیں اور عالمِ مثال حقیقت واقعہ ہے، مجاز نہیں، خواب نہیں، فرضی بات نہیں، قرآن وسنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

عہ اجسام عنصریہ سے رُوح کی علیحدگی کا صاف ثبوت ہے ۱۲

آیتِ قرآنی سے اس کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے قومِ نوح کے بارے مِمَّا... خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا یعنی وہ کافر اپنی خطا کاریوں کے باعث غرق کیے گئے۔ پھر فوراً اس کے بعد متصل بلا تاخیر آگ میں داخل کر دیے گئے۔ اسی طرح فرعونیوں کے بارے میں فرمایا صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں ان دونوں آیتوں سے عذابِ قبر کا ثبوت ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک کو گڑھا کھود کر قبر عرفی میں دفن نہیں کیا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے ورنہ ان آیتوں سے عذابِ قبر کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس میں اس قول کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں دفن سے پہلے ثواب عذاب نہیں ہوتا کیونکہ ف تعقیب بلا مہلت کے لیے ہوتی ہے۔

اَحَادِیْث دَالّہ بر عالمِ مثال

حدیث ۱: فجر کی نماز پڑھ کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے پوچھا اے بلال! تیرے پاس اسلام لانے کے بعد ایسا کونسا امید افزا عمل ہے جس پر تو کاربند ہے۔ بتاؤ! کیونکہ بہشت میں تیرے جوتوں کی آواز اپنے آگے آگے میں نے سُنی ہے۔ تو حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ میں نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو امید افزا ہے اتنا ہے کہ رات ہو یا دن کسی وقت بھی وضو کر لوں تو جس قدر مقدر ہوتا ہے اس وضو کے بعد نماز پڑھ لیتا ہوں (مشکوٰۃ ص ۱۱۶)

یہ واقعہ خواب کا ہو یا بیداری کا یا بیداری میں معراج کا بہرحال آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنت کی سیر کی اور اس میں اپنے آگے آگے بلالؓ کے جوتوں کی آواز سُنی حالانکہ حضرت بلالؓ عالمِ دنیا میں تھے۔ ادھر پیغمبرؐ کی معصوم زبان سے جو بات نکلی ہے وہ

بھی برحق ہے کہ آپ نے بہشت بریں میں بلالؓ کے جوتوں کی آواز سُنی تو وہ مثال ہی ہو سکتی ہے۔ بہرحال یہ ایک امر تھا عالمِ غیب میں جو آپؐ پر منکشف کیا گیا، خواب میں یا بیداری میں یہ ہی عالمِ مثال ہے۔

حدیث ۲: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جعفر (ابن ابی طالب) کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتا دیکھا ہے (مشکوٰۃ ص ۵۷۰) یہ حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکاشفہ میں یا خواب میں دکھائی گئی۔ معلوم ہوا کہ واقعی وہ جنت برزخیہ میں ہیں جس کا نظارہ حضورؐ کو کرایا گیا۔ کوئی فرضی امر نہیں نہ یہ قبر ہے اس میں اُڑنا کیسے ہو سکتا ہے؟

حدیث ۳: حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جو رجم کیے گئے تھے ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً فرمایا کہ فَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ اِنہ الآن لفی انہار الجنۃ ینغمس فیہا یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ (ماعز اسلمی) واقعی سچ مچ اب اس وقت جنت کی ندیوں میں غوطہ زن ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۱۶) یہاں بھی واضح معلوم ہوا کہ ماعزؓ برزخی جنت کی ندیوں اور باغوں میں مزے کر رہے ہیں۔

حدیث ۴: کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُحد کے روز پوچھا اگر میں جہاد میں لڑتے لڑتے مارا گیا تو پھر میری رہائش کہاں ہوگی؟ تو آپؐ نے جواب دیا جنت میں (مشکوٰۃ ص ۳۴۲) ف کا لفظ تعقیب بلا مہلت کے لیے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ شہادت کے متصل بعد جنت مقام ہو جاتا ہے۔ یہی جنت برزخیہ ہے جو عالمِ مثال میں ہر مومن کو ملتی ہے۔

حدیث ۵: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز آکر فرمانے لگے کہ (عالمِ مثال میں) مجھ پر اُمتیں پیش کی گئیں تو دیکھتا ہوں کہ ایک ایسے نبیؑ کی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے اور ایسے نبیؑ کی بھی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ صرف دو آدمی ہیں اور ایسے نبی کی بھی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ صرف چند بندے ہیں اور

ایسے نبی کی بھی گزر ہوتی ہے جس کے ساتھ ایک بھی نہیں اور اتنی کثیر تعداد میں جماعت بھی دیکھی جس نے تمام افق آسمانی کو کثرت کی وجہ سے بند کر رکھا ہے میں نے سمجھا کہ امید ہے کہ یہ میری امت ہوگی۔ آواز آئی کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم میں ہیں۔ پھر مجھے حکم ہوا غور سے دیکھو! پھر میں نے اپنے آگے بہت کثیر جماعت دیکھی جس نے تمام افق روک رکھا ہے پھر مجھے کہا گیا دائیں بائیں بھی نظر دوڑائیے! تب بھی کثیر تعداد سے جماعت دیکھی جس نے تمام افق روک رکھا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی قوم ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ان کے پیشرو ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوتے ہیں جو نہ بدشگونی لیتے ہیں نہ دم کراتے ہیں نہ داغ لگواتے ہیں اور صرف اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص۴۵۲)

حدیث ۶: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میں نے کعبہ شریف کے پاس اپنے آپ کو دیکھا تو ایک گندمی رنگ کا بہت ہی خوبصورت آدمی دیکھا جس کے گیسو بہت ہی حسین لگتے تھے ان میں کنگھی بھی دے رکھی تھی ان بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، اس نے دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگائی بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ تو حاضرین نے جواب دیا کہ یہ ہیں مسیح بن مریم۔ اس کے بعد اچانک ہی ایک اور بندہ نظر آیا جس کے نہایت ہی گھنگریالے بال تھے دائیں آنکھ اس کی کانی جیسے پھولا ہوا دانہ ہو انگور کا اس کی شکل عبدالعزیٰ ابن قطن کے ساتھ بہت زیادہ ملتی ہے اس نے بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ یہ المسیح الدجال ہے (مشکوٰۃ ص۴۷۶)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ تو تا حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اترے ہیں جو بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں کیونکہ آپ آسمان سے زمین کی طرف قیامت کے قریب قریب واپس تشریف لائیں گے جیسے متواتر احادیث، آیات قرآنیہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور نہ ہی دجال لعین حرمین شریفین میں قدم

رکھ سکتا ہے چہ جائیکہ بیت اللہ المحترم الحرم کا طواف کرے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان بھی سولہ آنے صحیح ہے اس کا ماننا امت محمدیہ پر واجب ہے۔ تو اس کا حل شراح عظام نے اس طرح کیا ہے کہ باوجود کافر ہونے کے دجال کا طواف بیت اللہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفات میں سے ہے۔ ایک مکاشفہ ہے جو خواب میں آپ کو یہ کشف کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی حسین وجمیل صورت کے ساتھ اتر کر دینی امور قائم کرنے کے لیے اور فساد کی اصلاح کے لیے دین قیم کے گرد چکر لگائیں گے اور دجال لعین اپنی مکروہ اور ناپسندیدہ صورت کے ساتھ دین قویم میں فساد مچانے کے لیے اس دین کے گرد چکر لگائے گا۔

الحاصل یہ عالم مثال ہے جس میں آئندہ ہونے والوں کا نظارہ آپ کو ابھی سے دکھایا گیا۔

حدیث ۷: اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو ناگہاں ابو طلحہ رضی کی بیوی رمیصاء مجھے سامنے ملی اور ساتھ ہی پاؤں کی آواز بھی سنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرشتہ نے بتلایا یہ بلال رضی ہیں، اور میں نے ایک محل بھی دیکھا جس کی ایک جانب میں نوجوان عورت ہے میں نے پوچھا کہ یہ عورت کس کی ہے اور یہ محل کس کا ہے؟ تو فرشتہ نے بتایا کہ یہ عورت اور یہ محل حضرت عمر رضی کا ہے۔ میرا خیال ہوا کہ میں اس محل کے اندر جاؤں اور دیکھوں اندر سے بھی جیسے باہر سے دیکھ لیا۔ پھر اے عمر رضی! مجھے تیری شدت غیرت کا خیال دامنگیر ہوا پھر یہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں کیا میں آپ کے داخل ہونے پر بھی غیرت کروں گا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی وجہ سے مجھ کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اور آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہدایت نصیب فرمائی ہے (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

ظاہر بات ہے کہ حضرت رمیصاء رضی اور حضرت بلال رضی یہاں عالم دنیا میں زندہ موجود تھے باوجود اس کے آپ کو جنت میں یہ دونوں ہستیاں صحیح صحیح نظر آئیں، معلوم ہوا کہ جنت میں مومنین کی مثالیں (مثالی اجسام) موجود ہیں اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو وہاں جسمانی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر وہ مثالی اجسام ہی ہوتے ہیں جو مرتے وقت

مومن کی روح ان میں داخل کر دی جاتی ہے اور جنتی حوریں بھی استقبال کے لیے آجاتی ہیں اور اپنے ساتھ لے جاتی ہیں جیسے صحیح روایات سے ثابت ہے۔

حدیث ۸: مشکوٰۃ ص۲۳ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو آدمؑ پر اپنے مقدس دستِ قدرت سے مسح فرمایا تو تا قیامت پیدا ہونے والا ہر ہر نسمۂ انسانی صورت میں آدمؑ کی پشت سے نمودار ہو گیا (وہی نسمہ انسان تھا) اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی درخشاں چمک ودیعت فرمائی، اور پھر تمام اولادِ آدم کو آدمؑ کے سامنے پیش کیا پس آدمؑ نے جبکہ تمام بنی نوعِ انسان کو اپنی اپنی شکل وصورت میں دیکھا تو عرض کیا یا رب یہ کون لوگ ہیں؟ حکم ہوا ذریتک یہ تیری اولاد ہے۔ پس آدم کو اس پوری اولاد سے ایک مرد کی صورت بہت پسند آئی۔ عرض کیا یا اللہ! یہ کون انسان ہے؟ فرمایا تیرا بیٹا داؤدؑ ہے۔

حدیث بالا میں کل نسمۃ، جعل بین عینی کل انسان وبیصا فنای رجل منھم کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ تمام نسمے انسانی شکل وصورت میں ہی آدمؑ کے سامنے پیش کیے گئے۔

خود ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ ج ۱ ص۱۵۶ میں لکھتے ہیں و فی قولہ بین عینی کل انسان ایذان بان الذریۃ کانت علی صورۃ الانسان علی مقدار الذر" یعنی بین عینی کل انسان میں یہ بتا دیا کہ وہ ذریت جو پشت آدمؑ سے نمودار ہوئی تھی وہ انسانی صورت میں تھی اور مقدار میں چیونٹی جتنی تھی، نیز لکھا ذریۃ بیضاء ای نورانیۃ کانھا الذر فالتشبیہ فی الھیئۃ یعنی لفظ ذریۃ بیضاء سے مراد ہے نورانی، جتنی چیونٹی، پھر ص ۱۵۹ میں کہا ای مشبھین بالنملۃ فی صغر صورۃ یعنی اللہ نے وہ نسمے انسانی اجسام کی صورت میں چھوٹی چیونٹی کی مقدار وقامت کے برابر ظاہر فرمایا۔ یعنی عالم ارواح میں انسانی نسمے خود انسان ہی کے عسائی یا مثالی اجسام میں ظاہر ہوئے اور اپنی پیدائش یعنی دنیا میں ظہور پذیر ہونے

تک اسی مثالی صورت میں ہیں۔

حدیث ۹: دال بر عالم مثال: اور حضرت ابی بن کعبؓ سید القراء رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امتحان میں کامیاب پاکر فرمایا: لیھنک العلم یا ابا منذر! اے ابو منذر! تجھے علم مبارک ہو۔

وہ ابی رضی اللہ عنہ واذ اخذ ربک من بنی آدم کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جمعھم فجعلھم ازواجا ثم صورھم فاستنطقھم فتکلموا ثم اخذ علیھم العھد والمیثاق (مشکوٰۃ ص ۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو ان کے باپ دادوں کی پشت سے ظاہر فرما کر یک جا مختلف رنگوں اور مختلف صورتوں میں جمع کر کے انہیں قوتِ گویائی بخشی اور اپنی ربوبیت اور الوہیت کا ان سے روبرو آدمؑ کے عہد و اقرار لیا۔ تو فجعلھم ازواجا ثم صورھم کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ نسمہ جسم تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے زبان دی جو بولا، سمجھ دی جو خدا کی بات سمجھا، کان دیئے کہ خدا کی بات سنی۔

آگے فرمایا ورفع علیھم آدم علیہ السلام ینظر الیھم فرای الغنی و الفقیر وحسن الصورۃ ودون ذلک فقال رب لو کا سویت بین عبادک قال انی احببت ان اشکر ورای الانبیاء فیھم مثل السرج علیھم النور خصوا بمیثاق فی الرسالۃ والنبوۃ وھو قولہ تعالیٰ واذ اخذنا من النبیین میثاقھم الآیۃ یعنی اور بلند کیے گئے (سامنے آئے) ان نسموں کے آدمؑ تاکہ پوری اولاد کو ایک نظر اچھی طرح دیکھ پائیں، پس اپنی اولاد کے غنی، محتاج خوبصورت اور کم صورت یعنی بھونڈی صورت والوں کو دیکھا تو دیکھ کر قدرے ملال اور پریشانی آئی تو عرض کی اے رب کریم ان سب کو ایک جیسا ہی کیوں نہیں بنا دیا۔ حکم ہوا میں چاہتا ہوں کہ یہ باہم ایک دوسرے کو کم و بیش حال اور مرتبہ میں دیکھ کر میرا شکر ادا کریں۔ اور آدم نے اپنی ساری اولاد میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو امتیازی شان میں دیکھا کہ ان پر مثل چراغ کے نور روشن ہے، یہ اس لیے کہ وہ آخر الزمان صلی اللہ

علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے عہد و میثاق کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں جیسا کہ..
و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم الآیۃ سے ظاہر ہے۔
شبِ معراج میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن انبیاء علیہم السلام کی ملاقات آسمانوں پر کی تھی ماسوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثالی انسانی اجسام میں دیکھا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب المعراج فصل نمبر ۱ ص ۵۲۹)
فلما فتح علونا السماء الدنیا اذا رجل قاعد علی یمینہ اسودۃ اذا نظر قبل یمینہ ضحک و اذا نظر قبل شمالہ بکی یعنی جب آسمان دنیا کا دروازہ کھلا اور ہم اس پر چڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بیٹھا ہے جس کے دائیں بائیں انسانوں کا انبوہ ہے۔ وہ آدمی جب دائیں طرف والے انسانوں کو دیکھتا ہے تو مسرت اور خوشی سے مسکراتا ہے اور اس کے برعکس جب بائیں طرف کے انسانوں کو دیکھتا ہے تو رو پڑتا ہے۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو بصد خوشی مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح کہتا ہے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، جواب دیا کہ یہ آدمؑ ہیں اور ان کے دائیں بائیں والے انسان ان کی اولاد ہیں۔ دائیں والے جنتی ہیں اور بائیں والے جہنمی۔
حدیث ۱۲ مشکوٰۃ ص ۵۰۸ میں ہے ورأیت مالکا خازن النار والدجال میں نے جہنم کے داروغہ مالک کو بھی دیکھا اور دجال کو بھی دیکھا۔
حدیث ۱۳ مشکوٰۃ ص ۵۸، آپؐ نے فرمایا شبِ معراج میں انبیاءؑ سے میری ملاقات ہوئی (عرض علی الانبیاء) مظاہر حق ج ۴ ص ۴۵۴ میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ارواحیں انبیاء کی روبرو لائی گئیں بشکل ان صورتوں کے کہ تھیں دنیا میں پس ناگہاں دیکھا میں نے کہ موسیٰ علیہ السلام مرد کم گوشت دبلے ہیں گویا کہ وہ مردوں شنوءہ کے سے ہیں کہ نام ایک قبیلہ مشہورہ کا ہے یمن میں کہ وہ دبلے ہوتے ہیں۔
حدیث ۱۴ دال بر عالم مثال، اسی صفحہ میں حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے سفر کیا، ہم مکہ و مدینہ کے درمیان

تھے، ایک جنگل میں سے ہمارا گزر ہوا۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کونسا جنگل ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ وادی ازرق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ گویا میں موسیٰؑ کی طرف غور سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے ان کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا۔ فرمایا کہ موسیٰؑ نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دی ہوئی ہیں، بڑی بلند آواز سے خدا کے آگے فریاد اور زاری کر رہے ہیں۔ تلبیہ بھی کہہ رہے ہیں اور اسی جنگل سے گزر رہے ہیں پھر آگے چلے ایک پہاڑی درّہ سے گزرے آپؐ نے پوچھا یہ کونسا ثنیہ ہے، صحابہؓ نے عرض کی یہ ہرشیٰ ہے یا لفت۔ آپؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے گویا میں یونسؑ کو دیکھ رہا ہوں کہ سُرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور ان پر جبہ پشمینی ہے اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اور وہ اس وادی سے تلبیہ کہتے ہوئے جا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اجساد مثالیہ ہی تھے۔ کیونکہ اجسادِ عنصریہ تو تمام کے اپنے اپنے مرقد میں ہیں۔

حدیث ۱۵: مشکوٰۃ ص۵۷۰: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جعفرؓ کو بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے ہوئے دیکھا۔

یہ اپنے مکاشفہ یا خواب میں دیکھا کہ ان کے دو پر ہیں خون میں بھرے ہوئے، کہ اڑتے ہیں ان سے جنت میں ساتھ فرشتوں کے (مظاہر حق تتمہ ج ۴ ص ۱۵۶)

حدیث ۱۶: مشکوٰۃ ص۳۱۶: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا پاک کی قسم کھا کر فرماتے ہیں والذی نفسی بیدہ انہ الآن لفی انھار الجنۃ ینغمس فیھا یعنی مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یقیناً وہ (ماعز اسلمیؓ) اس وقت سچ مچ جنت کی نہروں میں غوطے مار رہا ہے۔

حدیث ۱۷: مشکوٰۃ ص۳۳۱: حارثہ بن سراقہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے ان کی والدہ ربیع بنت براء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگیں کہ میرے بیٹے کے بارے بتائیں وہ اب کہاں ہے؟ جنت میں ہے تو صبر کروں، ورنہ خوب روؤں گی۔ آپ نے فرمایا بہشت میں کتنے باغات ہیں مدارج میں اوپر تلے اور تیرا بیٹا یقیناً فردوس اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے جو تمام مدارج سے اعلیٰ

درجہ میں ہے۔

حدیث ۱۸ مشکوٰۃ ص۳۴۲: غزوہ احد میں ایک آدمی نے آپؐ سے پوچھا یہ بتلائیے اگر میں مارا جاؤں تو اس کے متصل بعد کونسی جگہ میں رہوں گا، بہشت میں یا دوزخ میں؟ آپؐ نے فرمایا بہشت میں پس اسی وقت جلدی شہادت پالے اور بہشت میں داخل ہونے کے لیے ہاتھ میں جو کھجوریں لیے ہوئے تھا پھینکیں اور لڑا حتیٰ کہ شہید ہوگیا

حدیث ۱۹: مشکوٰۃ ص۳۳۴ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے اصحابؓ سے ارشاد فرمایا کہ جب غزوۂ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے اللہ تعالےٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں رکھ دیں اب وہ بہشت کی نہروں میں آتے میوے کھاتے اور سونے کی قندیلوں کی طرف جاکر ٹھکانا پکڑتے ہیں جو سایۂ عرش میں لٹکی ہوئی ہیں پھر جب ان شہیدوں نے اپنے کھانے پینے کا مزہ پایا اور اپنی خوابگاہ کا لطف اٹھایا تو کہنے لگے کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو خبر دے کہ ہم بہشت میں زندہ موجود ہیں تاکہ اس بہشت کے مزے حاصل کرنے میں بے رغبتی نہ کریں بلکہ شوق سے یہ درجات حاصل کریں اور لڑائی میں سستی نہ کریں۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تمہاری طرف سے تمہارے بھائیوں کو میں خبر پہنچاتا ہوں تب یہ آیت اتری: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ۔

حدیث ۲۰ مشکوٰۃ ص۳۳۰: حضرت مسروق رحؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا الآیۃ کا مطلب پوچھا، تو حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ خود ہم نے بھی اسی آیت کا مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپؐ نے ہمیں اس آیت کا مطلب اس طرح سمجھایا کہ (ان کی زندگی اس جسدِ خاکی سے نہیں بلکہ ان کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی ارواح سبز پرندوں کے قالبوں میں ہیں ان کی خاطر عرش کے نیچے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں جو بمنزلہ گھونسلوں کے ہیں جنت میں سے جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی اور سیر کرتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں

کی طرف جاٹھ کا نا پکڑتی ہیں پھر اللہ تعالےٰ ان کی طرف جھانک کر فرماتا ہے اب تمہیں اور کیا چاہیئے وہ عرض کرتی ہیں ربّا! اب ہم اور کیا چاہیں ہم بہشت میں میوے خوب کھا رہے ہیں جہاں سے چاہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ تین بار سوال ہوگا شہید یہی جواب دیں گے۔ پھر سمجھیں گے کہ اللہ تعالےٰ پوچھنا نہیں چھوڑتا تب کہیں گے ربّا! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے ان پہلے خاکی جسموں کی طرف پھر دوبارہ ڈال دے یعنی پھر دنیا میں بھیج تاکہ تیری راہ میں پھر ایک بار لڑ کر مارے جائیں۔ پھر اللہ ان کو اپنی اسی حالت میں چھوڑ دے گا کہ یہ سوال خلاف ارادۂ اللہ کے ہے۔

مظاہر حق ج ۳ ص ۳۷۳: یہاں لکھتے ہیں تنبیہ: لکھا ہے علماء نے کہ رکھنا ارواح شہداء کا بیچ بدنوں جانوروں کے مانند رکھتے جواہر کے ہے صندوقوں میں، بسبب تکریم و تشریف کے اور بقصد داخل کرنے ان کے کے بہشت میں ساتھ اس صورت کے نہ متعلق ساتھ ان (خاکی) ابدان کے اور ساتھ رکھتے ارواح کے بیچ بدنوں جانوروں کے جگہ پکڑتی ہیں بہشت میں اور پاتی ہیں خوشبوئیں اور ہوائیں وہاں کی اور دیکھتی ہیں انوار وہاں کے اور لذت پاتی ہیں اور خوشحال ہوتی ہیں ساتھ اسکے اور ساتھ قرب حضرت رحمانؑ کے اور جوار ملائکہ مقربین کے۔ اور یہی مراد ہے اللہ کی اس آیت میں یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (اور آگے چل کر لکھتے ہیں) اور اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جنت مخلوق و موجود ہے جیسا کہ مذہب اہلسنت کا ہے انتہیٰ

تیلوی کہتا ہے کہ اس سے وہ اشکال رفع ہو گیا جو حضرۂ میت کو جنت بتاتے ہیں خوب سمجھ لیں!

مشکوٰۃ ص ۳۴۵: ابو طلحہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں چوبیس مشرک قریشی سرداروں کو بدر کے ایک گندے کنوئیں میں ڈالنے کا حکم فرمایا.... تیسرے روز آپؐ نے سواری کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کا حکم فرمایا، کجاوہ باندھا گیا۔ پھر آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ چل دیے۔ یہاں تک کہ اس گندے کنوئیں کے کنارہ پر جا کھڑے ہوئے اور ان پڑے ہوئے کافروں اور ان کے باپوں کا نام لے لے کر پکارنا

شروع فرمایا اے فلانے فلانے کے بیٹے! اے فلانے فلانے کے بیٹے کیا اب تم کو اچھی لگ رہی ہے کہ تم اللہ و رسولؐ کی بات مان لیتے، ہم سے جو اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ غلبہ اسلام کا ہوگا ہم نے تو وہ وعدہ سچا پا لیا آیا تم نے بھی وہ وعدہ عذاب کا جو اللہ نے تمہارے بارے میں کیا تھا پورا پا لیا؟ (یہ استفہام توبیخی ہے) پھر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ ان دھڑوں سے باتیں فرما رہے ہیں جن میں روح تو ہے نہیں، آپ نے قسم کے ساتھ اپنی بات کو موکد کر کے فرمایا تاکہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ان کافروں کے بے جان دھڑوں سے اس وقت جو بات میں کہہ رہا ہوں اس بات کو یہ بے جان دھڑ تم (صحابہ کرام) سے بھی زیادہ سن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

نواب قطب الدین صاحب نے مظاہر حق ج ۳ ص ۴۲۰ میں فرمایا ف اس حدیث سے حضرت شیخ عبدالحق وغیرہ وغیرہ نے سماع اموات ثابت کیا ہے اور اکثر علمائے حنفیہ نے انکار اس کا کیا ہے اور جواب اس کے کئی طرح پر دیئے ہیں جو چاہے فقہ کی کتابوں میں مثل فتح القدیر وغیرہ کے دیکھ لے۔

نیلوی کہتا ہے اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نواب صاحب سماع موتی کے قائل نہیں، ورنہ ف لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں پھر اپنی تفسیر میں تو اور ہی وضاحت سے لکھ دیا کہ مردے نہیں سنتے!

حدیث ۲۱ دال بر عالم مثال

مشکوٰۃ ص ۱۶۸ مسلم و بخاری کے حوالے سے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے جسے اس نے باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ بھوکی پیاسی مر گئی الخ

اسی صفحہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قسم خدا کی میں نے ایک آدمی کو بہشت میں چلتا پھرتا اور عیش کرتا دیکھا ایک درخت کو کاٹنے کی وجہ سے جو راہ میں کھڑا تھا گزرتے ہوئے آدمیوں کو اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔

عالمِ مثال میں اجسام بھی مثالی ہیں نہ عنصری

حدیث ۲۰ دال بر عالمِ مثال

اخرج ابن مندۃ من طریق عبد الرحمن بن زیاد بن انعم عن حیان بن جبلۃ قال بلغنی ان رسول اللہ ﷺ قال ان الشہید اذا استشہد انزل اللہ لہ جسدا کاحسن جسدہ ثم یقال لروحہ ادخلی فیہ فینظر الی جسدہ الاول ما فعل بہ ویتکلم فیظن انہم یسمعون کلامہ فینظر الیہم فیظن انہم یرونہ حتی یاتیہ ازواجہ یعنی من الحور العین فیذہبن بہ۔

(شرح الصدور ص ۹۷ و ۹۸)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا شہید کی خاطر اللہ تعالیٰ پہلے (عنصری جسد سے زیادہ حسین جسد آسمان سے اتارتا ہے پھر اس کی روح کو کہا جاتا ہے کہ اب اس جسد میں داخل ہو جا پھر وہ اپنے اس پہلے جسدِ عنصری کی طرف نظر کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے پھر وہ یہ سمجھ کر بات کرتا ہے کہ یہ میری بات سن رہے ہیں پھر ان کی طرف نگاہ ڈالتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں اتنے میں جنت سے اس کی بیویاں حور عین آجاتی ہیں تو دیکھتے ہی فوراً ان کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

حدیث ۲۱ دال بر عالمِ مثال

عن ابن المبارک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استشہد الشہید اخرج اللہ جسدا کاحسن جسدہ ثم امر روحہ فادخلہ فیہ فینظر الی جسدہ الذی خرج منہ (حاشیہ ترمذی ص ۱۹۴)

حضرت عبد اللہ بن المبارکؒ نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کی خاطر اللہ تعالیٰ پہلے جسم سے زیادہ حسین جسم نکال لاتے ہیں پھر اس کی روح کو حکم دیتے ہیں پھر وہ روح اس حسین جسم میں داخل ہو جاتی ہے، پھر وہ اپنے پہلے جسم کی طرف نگاہ کرتی ہے جس سے نکلی ہے۔

حدیث ۲۲ دال بر عالمِ مثال

عن ابن عمرؓ انما ترکب فی جسد اخر وھو وان کان موقوفا فلہ حکم المرفوع لان مثلہ لا یقال من قبل الرأی وقد رأیت لہ شاھدا مرفوعا واخرجہ (ص۹۷ شرح الصدور مصری قدیم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ شہید کا روح دوسرے جسم میں جڑ جاتا ہے اور یہ قول، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بات رائے سے معلوم نہیں ہو سکتی جو یہ سمجھا جائے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی رائے سے یہ بات کہہ دی ہوگی۔ اس لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی بات بتا دی اور اس کا شاہد بھی موجود ہے جو حضرتؐ سے مرفوعاً روایت ہے۔

۱۔ تشریح ابن قیمؒ

قال ابن قیم ویدل علی ھذا ان اللہ سبحنہ جعل ارواح الشھداء فی اجواف طیر خضر فانھم لما بذلوا انفسھم الیہ حتی اتلفھا اعداؤہ فیہ اعاضھم منھا فی البرزخ ابدانا خیرا منھا تکون فیھا الی یوم القیامۃ ویکون نعیمھا بواسطۃ تلک الابدان اکمل من نعیم الارواح المجردۃ عنھا (کتاب الروح ص۱۵۷)

ابن قیمؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو شہیدوں کے ارواح سبز لباس میں ملبوس اڑنے والے مثالی جسموں میں رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی جانیں خدا کی راہ میں خرچ کیں حتیٰ کہ دشمنوں نے ان کو تلف کر دیا تو ان عنصری بدنوں کے عوض میں مدت برزخ کے اندر ان عنصری بدنوں سے بہتر بدن (مثالی) عطا فرما دیتے ہیں جن میں قیامت تک رہائش پذیر رہیں گے اور ان مثالی ابدان کی وساطت سے جو نعمتیں ملتی ہیں وہ ان نعمتوں سے زیادہ کامل ہوتی ہیں جو ان ارواح کو ملتی ہیں جو ان ابدان مثالی کی

وساطت سے خالی ہو۔

۲۔ تشریح ابراہیم کورانیؒ

ذکر الشیخ ابراھیم کورانی ... ان الارواح بعد مفارقتھا ابدانھا المحسوسۃ تتعلق بابدان اخر مثالیۃ حسبما یلیق بھا الوروح المعانی ص۱۴۸ ج۱۵

شیخ ابراہیم کورانی نے کہا: محسوس بدنوں سے جدا ہونے کے بعد دوسرے مثالی ابدان کے ساتھ ارواح کا تعلق ہوتا ہے جیسے ان کے لائق ہوں۔

۳ تشریح طیبیؒ

قال الطیبیؒ قولہ ارواحھم فی جوف طیر خضر ای یخلق لارواحھم بعدما فارقت ابدانھم ھیاکل علی تلک الھیئۃ تتعلق بھا وتکون خلفا عن ابدانھم فیتوسلون بھا الی نیل ما یشتھون من اللذات الحسیۃ (تفسیر قاسمی ص۳۲۳ ج۴ نقلا من الطیبی)

طیبیؒ نے ارواحھم فی جوف طیر خضر کا یہ مطلب بیان کیا ہے، ان عنصری بدنوں سے جدا ہونے کے بعد ان کے روحوں کی خاطر انہی بدن عنصری کی ہیئت پر دوسرے مثالی ڈھانچے اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔ اب ان مثالی ڈھانچوں کے ساتھ ان ارواح کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ مثالی بدن عنصری بدنوں کے قائم مقام ہوتے ہیں، تو ان مثالی ڈھانچوں کی وساطت سے حسی لذتیں پاتے رہتے ہیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ معلوم اور واضح بات ہے کہ نائب اور منوب یکجا جمع نہیں ہو سکتے تو جو تاویل صاحب تسکین کرتے ہیں وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔

حدیث ۲۳ دال بر عالم مثال:

مشکوٰۃ ص۳۳۰ و مسلم ج۲ ص۱۲۵ و ۱۲۶ میں ہے:

عن مسروق قال سالنا عبد اللہ عن ھذہ الایۃ ولا تحسبن الذین

قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ قال انا قد سألنا عن ذلك فقال ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی تلك القنادیل فاطلع الیهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتهون شیئا قالوا ای شیء نشتهی ونحن نسرح بالجنة حیث شئنا ففعل ذالك بهم ثلث مرات فلما راوا انهم لن یترکوا من ان یسألوا قالوا یارب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلك مرة اخری فلما رای ان لیس لهم حاجة ترکوا۔

یعنی مسروق نے کہا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کی اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں نے بھی اسی آیت کریمہ کے بارے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، تو آپ نے اس آیت کریمہ کا مطلب اس طرح ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز اڑنے والے قالبوں میں ہیں اور ان کے لیے قندیلیں عرش معلّٰی سے لٹکی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف ان کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں اب کسی اور چیز کی خواہش ہے؟ تو ان شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں جب ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جنت میں ایسے آزاد ہیں کہ جہاں چاہیں مزے کرتے پھریں۔ اللہ تعالیٰ نے تین بار اسی طرح ان سے یہ دریافت کیا اور اس کے بعد جب شہداء نے یہ سمجھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے ان کا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا۔ تب انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری تمنا اور خواہش یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ واپس کر دیا جائے تاکہ ہم دوسری بار پھر تیری راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں۔ اب جبکہ رب تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا ترک کر دیا۔

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ شہید کو اُڑنے والا سبز لباس والا جسم عطا ہوتا ہے جس میں اس کی رُوح ڈالی جاتی ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ جنت کے مزوں میں خوش و خرم رہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ اپنے عرش معلّٰی کے اوپر سے اس شہید پر التفات خسروانہ فرمانے کے بعد بڑی شفقت سے گفتگو بھی کرتا ہے اور اپنی خواہشات اور تمناؤں کے اظہار پر اصرار بھی۔ مگر جب وہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اس کی روح کو اس کے دنیوی جسم میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ ایک بار پھر اس کی راہ میں جہاد کر کے شہادت کی سعادت حاصل کرے تو چونکہ ما یبدل القول لدیّ اور لن تجد لسنۃ اللّٰہِ تبدیلاً اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے اسلیے اس کی خواہش کو پورا نہیں کرتا جس کے ظاہر کرنے کا اس رب تعالےٰ نے اس سے بار بار تقاضا فرمایا تھا۔

حدیث ۲۴: دال بر عالم مثال:

امام احمد اور عبد بن حمید نے اپنی مسندوں میں اور طبرانی رح نے اپنی معجم میں محمود بن لبید کے طریق سے سند حسن کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الشہداء علیٰ بارق نہر بباب الجنۃ فی قبۃ خضراء یخرج الیہم رزقہم من الجنۃ غدوۃ وعشیًا (الحاوی للفتاوی ص ۳۶۱/۱) یعنی شہید لوگ جنت کے دروازے کے پاس نہر کے بارقوں میں سبز محل میں رہتے ہیں اور جنت میں سے صبح و شام ان کے پاس رزق آتا ہے۔

حدیث ۲۵ دال بر عالم مثال

اور مسلم نے ابن مسعود رضی سے ایک اور روایت بھی بیان کی ہے عن ابن مسعود رضی ان ارواح الشہداء فی اجواف طیر خضر تسرح بہم فی الجنۃ (وفی روایۃ) فی انہار الجنۃ حیث شاءت وان ارواح ولدان المؤمنین فی اجواف عصافیر تسرح فی الجنۃ۔ (الکلیل ص ۳۵۱ والحاوی للفتاوی ص ۳۶۱/۱) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں اللہ تعالےٰ کے ہاں سبز لباس میں ملبوس اُڑنے والے قالبوں میں ہیں وہ جنت کے دریاؤں کے کنارے کنارے

جہاں جی چاہتا ہے گھومتے پھرتے ہیں اور مؤمنین کے بچوں کی روحیں بھی چھوٹے چھوٹے اڑنے والے قالیوں میں جنت کی سیر کرتے پھرتے ہیں

حدیث ۲۶ دال بر عالم مثال

امام احمدؒ نے اپنے مسند میں اور بیہقی نے کتاب البعث میں اور ابن ابی داؤد نے اپنی کتاب البعث میں اور حاکم نے مستدرک میں تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولاد المؤمنین فی جبل فی الجنۃ یکفلھم ابراھیم علیہ السلام وسارۃ حتی یردھم الی آبائھم یوم القیامۃ (الحاوی ص ۳۶۲) یعنی مومنوں کی اولاد جنت کے پہاڑ میں رہتی ہے، جن کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کر رہے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح رہے گا کہ قیامت کے دن اپنے اپنے باپوں کی طرف واپس کر دیئے جائیں گے۔

حدیث ۲۷ دال بر عالم مثال۔

ابونعیم اصفہانی نے فرمایا حدثنا احمد بن ابراہیم الکیال قال حدثنا موسیٰ بن شعیب ابو عمران السمرقندی قال حدثنا محمد بن سہیل قال حدثنا ابو مقاتل السمرقندی قال حدثنا ابو سہیل ہشام بن مقسک عن الحسن عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ارواح المؤمنین فی السماء السابعۃ ینظرون الی منازلھم فی الجنۃ وفی روایۃ لماعز بن مالک الاسلمی الذی اعترف بالزنا عندہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ انہ الآن فی انھار الجنۃ ینغمس فیھا قالہ السیوطی رح فی بشری الکئیب ص ۱۰۱ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین کی روحیں ساتویں آسمان میں رہ کر جنت کے اندر جو ان کے گھر اور قیامگاہیں ہیں انہیں دیکھتے رہتے ہیں اور بڑے خوش ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جا کر زنا کا اقرار کیا تھا، پھر انہیں خدا کے حکم

کے مطابق سنگسار کیا گیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ (ماعز اسلمیؓ) اب جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ مگر آج وہ لوگ بھی ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی اعتبار نہیں گڑھے ہی کو جنت کہتے ہیں۔

حدیث ۲۸ دال بر عالم مثال

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین و مفسرین نے ابو محمد حمانی کے طریق سے ابو ہارون عبدی سے روایت کیا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتیت بالمعراج الذی تعرج علیہ ارواح بنی آدم فلم تر الخلائق احسن من المعراج ما رأیت المیت حین یشق بصرہ طالعاً الی السماء فان ذالک عجبہ بالمعراج فصعدت انا وجبریل فاستفتح باب السماء فاذا انا بآدم تعرض علیہ ارواح ذریۃ المؤمنین فیقول روح طیبۃ ونفس طیبۃ اجعلوھا فی علیین ثم تعرض علیہ ارواح ذریۃ الفجار فیقول روح خبیثۃ ونفس خبیثۃ اجعلوھا فی سجین (الحاوی للفتاوی ص ۳۶۲ ج ۲) یعنی میرے پاس وہ سیڑھی لائی گئی جس پر بنی آدم کی روحیں چڑھتی ہیں اس سیڑھی سے بڑھکر مخلوق میں کوئی حسین نہیں جب میت کی آنکھ پھٹتی ہے آسمان کی طرف لگ جاتی ہے تو اسی سیڑھی پر چڑھتی ہے۔ پھر میں اور جبریلؑ اوپر کو چڑھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا تو سامنے آدم علیہ السلام بیٹھے نظر آئے جس پر ان کی مومن اولاد کی ارواح پیش ہو رہی تھیں پھر انہیں دیکھ کر فرماتے ہیں پاک روح پاکیزہ نفس ہے اسے علیین میں لے جاؤ۔ پھر ان کی فاسق و فاجر اولاد بھی ان پر پیش ہوتی ہے انہیں دیکھ کر آپ فرماتے ہیں گندی روح اور گندہ نفس ہے جاؤ اسے سجین میں لے جاؤ۔

حدیث ۲۹ دال بر عالمِ مثال

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ترفع ارواح المؤمنین الی جبرئیل فیقال انت ولی ھٰذہٖ الی یوم القیامۃ ..... (بشری الکئیب ص۱۰۲) یعنی مومنین کی روحیں جبریل کی طرف اٹھائی جاتی ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ روز قیامت تک یہ سب ارواح آپ کی زیر سرپرستی ہیں۔

حدیث ۳۰ دال بر عالمِ مثال

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھا طیور خضر تسیر فی الجنۃ (طبرانی) مومنین کی ارواح سبز لباس میں ملبوس اڑنے والے طیور ہوتے ہیں جو جنت میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔

حدیث ۳۱ دال بر عالمِ مثال

ابن ماجہ اور ابن عساکر نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بیوی ام بشر رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھا طیر تسیر فی الجنۃ ایتما شاءت کہ مومنین کی ارواح اڑتی ہوئی جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی رہتی ہیں جنت میں۔

حدیث ۳۲ دال بر عالمِ مثال

طبرانی نے کہا: حدثنا ابو زرعۃ الدمشقی قال حدثنا عبد اللہ بن صالح عن ضمرۃ بن حبیب قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فی طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت قالوا یا رسول اللہ ارواح الکفار؟ قال محبوسۃ فی السجین (کتاب الروح ص۱۵۹، والحاوی للفتاوی ص۳۶۲) وقال ہذا حدیث مرسل، یعنی ضمرۃ بن حبیب سے مرسل طریق سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارواحِ مومنین کے بارے سوال کیا گیا کہ مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا کہاں ہوتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سبز لباس سے اڑنے والے قالبوں میں رہ کر جنت میں گھومتی پھرتی رہتی ہیں جہاں جہاں بھی ان کو چاہت ہوتی ہے۔ پھر حاضرین مجلس نے

عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کافروں کی رُوحیں کہاں رہتی ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کفار کی روحیں سجین میں محبوس یعنی قید و بند میں رہتی ہیں۔

حدیث ۳۳ دال بر عالمِ مثال

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ان اول قطرۃ تقطر من دم الشہید یغفر لہ بہا ما تقدم من ذنبہ ثم یبعث اللہ ملکین یریحان من الجنۃ و ریطۃ من الجنۃ و ملئ ارجاء السماء ملائکۃ یقولون سبحان اللہ قد جاء من الارض ریح طیبۃ و نسمۃ طیبۃ فلا یمر بباب الا فتح لہ و لا یمر بملک الا صلی علیہ ثم یامر بہ الی الشہداء فیجدہم فی ریاض خضر و ثیاب من حریر الدر المنثور ص۱۵۵ ج۱) یعنی شہید کے خون کا پہلا قطرہ جو گرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے اگلے گناہ سب بخش دیئے جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو جنت کی خوشبو اور جنت کی چادر دے کر بھیجتا ہے اور ادھر آسمان کے تمام کناروں پر فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں اور یہ کہہ رہے ہوتے ہیں سبحان اللہ! سچ زمین کی طرف سے ابھی ابھی پاکیزہ خوشبو اور پاک جان آئی ہے پھر وہ روح جس دروازے سے گزرتی ہے فوراً ہی وہ کھلتا چلا جاتا ہے اور وہ رُوح جس فرشتے کے پاس سے گزرتی ہے وہی اس رُوح کے حق میں استغفار کرتا ہے۔ پھر اس کو شہیدوں کی طرف جانے کا حکم ہوتا ہے تو وہ رُوح وہاں پہنچ کر ان شہیدوں کو سرسبز باغوں .... اور ریشمیں گنبدوں میں رہتے ہوئے پائیگی۔

حدیث ۳۴ دال بر عالمِ مثال

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارواح الشہداء طیر خضر (بعض) شہیدوں کی ارواح سبز لباس میں اڑتے ہیں۔

حدیث ۳۵ دال بر عالمِ مثال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فی صورۃ ابیض (بعض) شہیدوں کی ارواح سفید لباس میں ہوں گے (روح المعانی ص۱۴۸ ج۱۵)

حدیث ۳۶ دال بر عالم مثال

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارواح الشہداء فی طیر خضر ترعیٰ فی ریاض الجنۃ ثم یکون ماؤھا الی قنادیل معلقۃ بالعرش فیقول اترب ھل تعلمون کرامۃ اکرم من کرامۃ اکرمتموھا فیقولون لا۔ الا انا وددنا انک اعدت ارواحنا فی اجسادنا حتی نقاتل فنقتل مرۃ اخری فی سبیلک (در منثور ص ۱۵۵) شہیدوں کی ارواح سبز لباس میں اڑنے والے قالبوں میں رہ کر جنت کے باغوں میں کھاتے پیتے ہیں پھر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں کی طرف جا لٹکتی ہیں پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنا عزت و احترام آپ کے ساتھ ہوا ہے اس سے زیادہ عزت و احترام آپ کے علم و تصور میں آسکتا ہے؟ تو سب بولتے ہیں نہیں جناب۔ لیکن ہماری ایک خواہش ہے کہ یا رب آپ ہماری روحیں ہمارے پہلے عنصری جسموں میں واپس ڈال دیں تاکہ ہم پھر اللہ کی راہ میں لڑ کر دوبارہ شہید ہوں۔

حدیث ۳۷ دال بر عالم مثال

حضرت مکحولؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ذراری المومنین ارواحھم فی عصافیر شجر الجنۃ ای انھا تکون فی ابدان علی تلک الصور ویؤید ذالک روایۃ ابن ماجۃ عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ ارواح الشہداء عند اللہ کطیر خضر (روح المعانی ص ۱۴۸/۱۵)

یعنی مومنین کی اولاد کی روحیں جنت کے درختوں میں چڑیوں کی طرح اڑتی پھرتی ہیں یعنی وہ ان صورتوں برزخی بدنوں میں رہتی ہیں اور اس کی تائید میں ابن ماجہؒ کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہیدوں کی ارواح اللہ کے ہاں (جنت میں) ایسی اڑتی پھرتی ہیں جیسے سبز پرندے ہوں۔

حدیث ۳۸ دال بر عالم مثال

حضرت عکرمہؒ (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) اللہ تعالیٰ کے فرمان ولا تقولوا

لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ کی تفسیر میں فرماتے تھے ارواح الشہداء فی طیر خضر فی الجنۃ (تفسیر ابن جریر ص ۲۴/۲) یعنی شہیدوں کی روحیں جنت میں سبز لباس والے اڑنے والے قالبوں میں رہتے ہیں)۔

۴۔ تشریح ربیع رح

حضرت الربیعؒ (مفسر قرآن تابعی) نے بل احیاء کی تفسیر میں فرمایا فی صور طیر خضر یطیرون فی الجنۃ حیث شاءوا منہا یأکلون من حیث شاءوا۔ (ابن جریر ص ۲۴/۲) یعنی سبز لباس والے پرندوں کی طرح جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے (پیتے) ہیں۔

۵۔ تشریح ابو العالیہ رح

حضرت ابو العالیہ رح (تابعی مفسر قرآن) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یقول ھم احیاء فی صور طیر خضر یطیرون فی الجنۃ حیث شاءوا ویا کلون من حیث شاءوا۔ (در منثور ص ۱۵۵/۱) یعنی اللہ تعالیٰ کا مطلب اس عبارت سے یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے سبز پرندوں کی طرح جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے (پیتے) ہیں۔

۶۔ تشریح ابن عربی رح

شیخ ابن عربی نے الفتوحات المکیہ ص ۴۰/۱ میں لکھا فتعلمان اللہ اذا قبض الارواح من ھذہ الاجساد الطیبۃ حیث کانت او العنصریۃ اودعھا صورا جسدیۃ حیث ان پاک یا عنصری جسموں سے اللہ تعالیٰ ارواح کو بھینچ نکالتا ہے تو دوسرے جسموں کے ڈھانچوں میں بطور امانت رکھ دیتا ہے۔

۷۔ تشریح حسن بصری رح

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ان الشھداء احیاء عند اللہ تعرض ارزاقھم علی ارواحھم ویصل الیھم الروح والریحان والفرح کما

تعرض النار علیٰ ارواح آل فرعون غدوۃ وعشیۃ فیصل الیھم الالم والوجع (تفسیر خازن ومدارک ص۹۵) اللہ تعالےٰ کے ہاں شہدا سب زندہ ہیں ان ارواح پران کے رزق پیش ہوتے ہیں، ان کو آرام، خوشبو اور خوشی پہنچتی ہے جیسے فرعون اور فرعونیوں کی روحوں پر صبح وشام آگ پیش ہوتی رہتی ہے اس لیے ان تک دکھ درد پہنچتا ہے۔

۸۔ تشریح امام ثوریؒ

حضرت امام ثوری رح نے بھی حضرت ابو قبیس سے فرعونیوں کی روحوں کی بابت اسی طرح روایت کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

۹۔ تشریح ہذیلؒ

حضرت ہذیل بن شرحبیل رحمہ اللہ نے فرمایا ارواح آل فرعون فی اجواف طیر سود تغدو وتروح علی النار وذالک عرضھا (ابن جریر ص۴۶ ج۲۶ وروح المعانی ص۶۵ ج۲۴) یعنی فرعون اور فرعونیوں کی روحیں سیاہ لباس میں اڑنے والے قالبوں میں رہتے ہیں صبح وشام آگ پر پہنچتے ہیں۔ یہی ہے وہ عرض جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

حدیث ۲۹ دال بر عالم مثال

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما نسمۃ المومن طائر یعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ الی جسدہ یوم یبعثہ ھذا حدیث صحیح اخرجہ الامام احمد فی مسندہ عن الشافعی عن مالک والنسائی وغیرہ (الحاوی للفتاوی ص۳۶۱ ج۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی جان جنت میں اڑتی پھرتی رہتی ہے جنت کے درختوں کے ساتھ لٹکتی پھرتی ہے یہاں تک کہ جس دن اللہ تعالےٰ بعث فرمائیں گے اس دن اس کے پہلے جسد عنصری کی طرف لوٹائیں گے۔ یہ حدیث صحیح ہے امام احمدؒ نے امام مالکؒ بواسطہ امام شافعی رح کے اور نسائی اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کو اپنی اپنی

تصنیفات میں ذکر فرمایا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کعبؒ اور ہذیل وغیرہ تو تابعی ہیں ان کو کیسے علم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پندرہ ۱۵ اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے ان کی مرسل بھی مسند کے حکم میں ہے کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا علم وحی کے سوا عقل ورائے سے نہیں ہو سکتا اسی واسطے مسامرہ ص ۲۶۵/۲۶۶ میں ہے وکعب وھذیل تابعیان فلقولھما ھذا حکم المرسل لانہ مثلہ لایقال من جھۃ الرأی کعب اور ہذیل وغیرہ تابعی ہیں ان کی بات حدیث مرسل کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس قسم کی بات عقل ورائے سے نہیں کہی جا سکتی۔

حدیث ۴۰ دال بر عالم مثال

فرعونیوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ یعنی ارواحھم علی النار غدوًّا وعشیًّا یعنی فی ھذین الوقتین (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹) یعنی خدائے تعالیٰ کا مطلب النار یعرضون سے (یہ نہیں کہ ان کے عنصری ڈھانچوں پر آگ پیش کی جاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آگ ان کی روحوں پر صبح وشام یعنی دونوں وقتوں میں پیش ہوتی رہتی ہے۔

حدیث ۴۱ دال بر عالم مثال

ابن مندہ نے ام کبشہؓ بنت المعرور سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ وان ارواح الکفار فی حواصل طیر سود تاکل من النار وتشرب من النار یقولون ربنا لاتلحق بنا اخواننا ولا تؤتنا ما وعدتنا (مسامرہ ص ۲۶۴) کافروں کی روحیں سیاہ لباس والے لڑتے ہوئے قالبوں میں رہتی ہیں دوزخ ہی میں سے کھاتی ہیں اور دوزخ ہی میں سے پیتی ہیں تو جب یہ حال ان پر گزرتا ہے تو دنیا کے کافر

دوستوں کا ان کو خیال آتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان بھائیوں کو ہمارے ساتھ نہ ملانا اور جس مصیبت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہمیں نہ دینا۔

حدیث ۴۲ دال بر عالم مثال

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وان ارواح آل فرعون فی اجواف طیر سود تغدو علی جہنم وتروح وذلک عرضہا (اکلیل ص ۳۵۱) فرعون اور فرعونیوں کی روحیں سیاہ لباس والے اڑتے جانوروں کے قالبوں میں صبح و شام جہنم پر پیش ہوتی رہتی ہیں۔

حدیث ۴۳: دال بر عالم مثال

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح روایت بیان فرمائی ہے (احکام القرآن للجصاص الحنفی ج ۲ ص ۵۲)

(اور جامع ترمذی ص ۱۳۰)

حدیث ۴۴: دال بر عالم مثال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم نے حضرت جابر رضہ کو فرمایا اے جابرؓ میں تجھے خوشیاں نہ سناؤں حضرت جابرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو خوشیاں ہی سناتا رہے مجھے ضرور خوشی کی بات سناؤ آپؐ نے فرمایا شعرت بان اللہ تعالیٰ احیی اباک فقال تمن علی عبدی ماشئت اعطک، مجھے معلوم ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو ایک بہت بڑے شان والی مخصوص برزخی زندگی عطا فرمائی، پھر فرمایا اے میرے بندے جو تیرا جی چاہے اپنی تمنا کا اظہار کر دے وہ سب کچھ میں تجھے دوں گا) قال یا رب تحییینی فاقتل فیک ثانیۃ (تیرے باپ نے عرض کی اے میرے رب مجھے دوبارہ دنیوی حیات عطا فرما پھر میں دوبارہ جا کر دنیا میں تیرا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں قال الرب تبارک وتعالیٰ انہ قد سبق منی انہم لا یرجعون (ابن کثیر ص ۲۹۲ ج ۴ وجامع ترمذی ص ۱۳۰) تو رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میری پہلی بات ہو چکی کہ جو یہاں

عالمِ برزخ میں آجاتے ہیں وہ دوبارہ عالمِ دنیا میں لوٹ نہیں سکتے۔

حدیث ۴۵ دال بر عالمِ مثال

عبدالرزاق اور ابن حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی کہ یہ" اڑنے والے قالب دراصل ان کے اعمال صالحہ ہی ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان کی خاطر صورتیں بنا دیتا ہے وھذا الطیر صورۃ تخلق لھم صور اعمالھم (روح المعانی ص۶۵ ج۲۴ وجامع ترمذی ج۲ ص۱۳۰ و ۱۳۱)

تشریح شیخ عزالدین رح

شرح الصدور ص۹۷ طبع مصر قدیم میں ہے فاختار شیخ عزالدین بن عبد السلام فی ارواح الشھداء انھا کائنۃ فی طیر لا ان نفسھا طائر ویویدہ ما تقدم من ابن عمر رضی اللہ عنھما وانما ترکب فی جسد اخر یعنی شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے ارواح شہداء کے بارے اس رائے کو اختیار فرمایا ہے کہ شہیدوں کی روحیں پرندوں میں رہتی ہیں نہ یہ کہ وہ خود پرندے بن جاتی ہیں۔ اور میری اس رائے کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ وہ ایک دوسرے جسم کو اپنا مرکب بنا لیتی ہیں پھر فرمایا وھو ان کان موقوفا فلہ حکم المرفوع لان مثلہ لا یقال من قبل الرأی یعنی اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات کو رائے سے نہیں کہا جا سکتا۔ ضرور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر بیان کیا ہے پھر فرمایا وقد رأیت لہ شاھدا مرفوعا واخرجہ ھھنا ابن السری فی کتاب الزھد اور اس حدیث کا شاہد ایک مرفوع حدیث بھی میری نظر سے گزری ہے جس کو کتاب الزہد میں ابن السری نے بیان کیا ہے۔

تشریح ابن دحیہ رح

شرح الصدور ص۹۷ میں ہے کہ ابن دحیہ نے اپنی کتاب تنویر میں لکھا ہے کہ:

روح الشھید الذی کان فی جوف جسدہ فی الدنیا یجعل فی جوف جسد

اخر کانہ صورۃ طائر فیکون فی ھذا الجسد الاخر کما کان فی الاول و ذٰلک مدۃ البرزخ الی ان یعیدہ اللہ یوم القیامۃ کما خلقہ یعنی شہید کی روح جو پہلے دنیا میں اپنے عنصری جسم کے اندر تھی اب شہادت حاصل ہونے کے بعد ایک دوسرے (برزخی و مثالی) جسم میں ڈال دی جاتی ہے جو اڑنے والے پرندے کی طرح لگتا ہے سو پھر یہ روح اسی دوسرے برزخی جسم میں اسی طرح رہتی ہے جس طرح اس پہلے عنصری جسم میں رہتی تھی اور یہ اس دوسرے جسم میں روح کا رہنا برزخ کی مدت میں ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ اس روح کو اس جسم عنصری میں لوٹائیگا جس طرح اس کو پیدا فرمایا تھا۔

تشریح وہب بن منبہؒ

شرح الصدور ص۳۵ میں وہب بن منبہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

ان النفس تخرج من الانسان قدر کل شیئ من ارکانہ واما الجسد فانہ مثل القمیص یخلعہ الانسان منہ فان کان القمیص یجد مس شیئ فان الجسد علیٰ قدر ذٰلک ولکن النفس التی تجد الراحۃ والبلاء یعنی روح جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے تو وہ انسان کے اجزاء کے اندازہ پر ہوتی ہے اور یہ عنصری جسم تو انسان کے لیے قمیص کی طرح ہے جسے انسان اتار پھینکتا ہے جتنی قمیص ہوتی ہے جسم بھی اتنا ہی ہوتا ہے اسے کوئی چیز مس کرے تو روح کو دکھ درد محسوس ہوتا ہے۔

تشریح علامہ تفتازانیؒ

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے فرمایا وان ارواح الشہداء اعنی نفوسہم التی بہا الادراک والتمیز تحل ابدان الطیور الخضر المنعمۃ فی الجنۃ فتلتذ بذالک او تتمثل طیورا خضرا ۱۲ (اکلیل ص۸۲) شہیدوں کی روحیں یعنی جانیں جن کے ذریعے سمجھ بوجھ، ادراک اور تمیز حاصل ہوتی ہے ہرے ہرے پرندوں کے بدنوں میں حلول کر جاتی ہیں جو جنت کی نعمتوں میں رہتی ہیں اس ذریعے سے ان شہیدوں

کی روحوں یعنی جانوں کو لذت محسوس ہوتی ہے یا ایسا ہوتا ہے کہ خود وہ ارواح ہرے پرندوں کے ہم مثل ہو جاتے ہیں (مگر یہ قول ضعیف ہے)

اسی صفحہ پر ابوالحاکم بن مرجان کا قول نقل ہے کہ حیاۃ الشہداء عند ربھم کاملۃ بالاضافۃ لحیاتھم بالدنیا مخلصۃ من الاجساد الدنیویۃ و ظلماتھا مطھرۃ من ارجاسھا سالمۃ من الاضداد متصلۃ بالحیاۃ الاخرویۃ اتصالاً صحیحاً لکنھا انما تتم بوجودھا فی اجسادھا یوم بعثھا۔

شہیدوں کے لیے رب کے ہاں ان کی وہ برزخی زندگی بہ نسبت دنیوی زندگی کامل ہوتی ہے دنیوی اجسام کے خبث اور ظلمات سے چھوٹ جاتی ہے۔ دنیوی گندگی سے پاک ہوتی ہے اضداد سے صحیح سالم ہوتی ہے اخروی زندگی کے ساتھ اس کا صحیح اتصال ہوتا ہے لیکن تام حیات بعث ہی کے دن ہوگی جس دن کہ ان ارواح کا وجود پھر سے ان عنصری اجسام میں ہو جائے گا۔

تفسیر قاسمی

تفسیر قاسمی ص۳۲۳/۲ میں ارواحھم فی جوف طیر حضر کی تشریح طیبیؒ سے نقل فرمائی ہے کہ ان محسوس بدنوں سے جب روحیں جدا ہوتی ہیں تو ان کے بجائے ان کی روحوں کی خاطر اسی ہیئت پر ڈھانچے پیدا کر دیئے جاتے ہیں جو ان محسوس ابدان کے نائب اور قائم مقام ہوتے ہیں اور اب ان ارواح کا تعلق ان نئے پیدا کیے ہوئے ڈھانچوں کے ساتھ ہو جاتا ہے اب ان نئے ڈھانچوں کے ذریعے حسی لذتیں حاصل کرتے ہیں ای یخلق لارواحھم بعد ما فارقت ابدانھم ھیاکل علی تلک الھیئۃ تتعلق بھا وتکون خلفا عن ابدانھم فیتوسلون بھا الی نیل ما یشتھون من اللذات الحسیۃ۔

تشریح ملا علی قاریؒ

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ ص۳۱/۴ میں فرمایا رکب للارواح ابدان لطیفۃ عاریۃ بدلا عن اجسادھم الکثیفۃ مدۃ البرزخ لتمتع الارواح باللذات الحسیۃ من الاکل والشرب وغیرھما لیقع النعیم علی الوجہ الاکمل۔

یعنی جتنی مدت برزخ میں رہنے کی ہے اتنی مدت میں ان ارواح کی خاطر ان کے ان کثیف عنصری اجساد کے بدلے لطیف قسم کے خالی ابدان جوڑ دیئے جاتے ہیں تاکہ یہ روح ان ابدانِ لطیفہ کے ذریعے کھانے پینے وغیرہ حسی لذتوں کے ساتھ متمتع اور محظوظ ہو سکیں یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ نعیم وغیرہ علی الوجہ الاکمل ہو۔

تشریح سعید بن جبیرؓ

حضرت سعید بن جبیرؓ (تابعی مفسر قرآن) نے فرمایا ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الآیہ کی بابت فرمایا کہ یہ خوشی اس وقت ہوتی ہے لما دخلوا الجنۃ وَرَأَوْا ما فیھا من الکرامۃ للشھداء الخ جب وہ جنت میں جاتے ہیں اور شہیدوں کی عزت واحترام کا جو سامان جنت میں مہیا موجود ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

نوٹ: یہ جو احادیث نبویہ وآثار صحابہؓ وتابعینؒ واقوال مفسرینؒ ومحدثینؒ ومتکلمینؒ وصوفیاء کرامؒ میں دخول جنت کا لفظ صراحت کے ساتھ آتا ہے اس میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ روح کا دخول جب جنت میں ہوگیا، جسد عنصری سے نکلنے کے بعد، اور اسی طرح پھر قبل الحشر اس روح کا جنت سے نکلنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور بغیر ثبوت کے جنت سے روح نکلتے اور پھر جسد عنصری میں اس کے داخل ہونے کا قول کرنا رجماً بالغیب ہے بلکہ شرع کے حکم سے تعدی ہے۔

اگر کہو کہ روح جنت میں بھی داخل ہے اور جسد عنصری میں بھی داخل ہے تو یہ قول عقل ونقل کے خلاف ہے کیونکہ دخول کے معنی فقہاء کرام نے لکھے ہیں انفصال من الخارج الی الداخل (ہدایہ اولین ص۴۸۴ کتاب الایمان باب الیمین فی الدخول والسکنیٰ) یعنی دخول کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر سے منفصل اور جدا ہو کر اندر کی طرف منتقل ہو جانا) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ روح جب تک جسم عنصری میں تھی جنت سے باہر تھی، پھر جب بدن عنصری سے منفصل ہوگئی اس کے بعد فرشتوں نے اسے ایک ایک آسمان سے گزارتے گزارتے ساتوں آسمانوں سے اوپر برزخی جنت میں داخل کر دیا

اس وقت وہ ارواح جسم عنصری میں نہیں ہو سکتیں جب تک وہ جنت برزخی میں ہیں اور اگر بقولِ شما وہ ارواح جسدِ عنصری میں داخل ہو گئی ہیں تو جنتِ برزخی سے جدا ہو کر ہی جسدِ عنصری میں داخل ہو سکتی ہیں ورنہ دخول کی تعریف صادق نہیں آسکتی۔

اب یہ کہنا کہ یہ قبر (گڑھا) ہی اس کی جنت ہے۔ یہ خود اختراع کیا ہوا مسئلہ ہے۔ جس کی تائید نہ قرآن کی کسی آیت سے ہے نہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے نہ یہ بات صحابہ کرامؓ نے سمجھی ہے اور نہ کسی تابعی و تبع تابعی نے سمجھی ہے اور نہ کسی مجتہد نے سمجھی۔

ہمارے ذمے فرض ہے کہ وہی عقیدہ رکھیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو بطریق تواتر پہنچا ہے یا صحابہ کرامؓ یا مجتہدین نے ہم کو سمجھایا ہے۔ جو بات ان کے خلاف ان کے بعد آنے والے علماء ہمیں بتائیں گے ہم ماننے سے معذور ہیں اور ان علماء کا فہم ہمارے لیے حجت نہیں۔

تشریح امام الہندؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "الخیر الکثیر" کے الخزانۃ الرابعہ ص۵۵ میں لکھا ہے "فاذا مات العبد لحق النفس بالبدن الغیر المحسوس ولزمت بہا فلا یکون ھناک ادراک الا بحسب المدرکات الباطنۃ الحس المشترک والوھم والادراک واذا اقامت القیامۃ تعلقت بالابدان المحسوسۃ بسبب بعض الاسباب المعدۃ من الکون والفساد واذا جاء یوم الحساب اسبغت بالروح فنشأ من صلبہا بدن فرضت البدن العنصری ثم یدخل اما فی الجنۃ واما فی النار۔ یعنی جب بندہ مرجاتا ہے تو اس کی روح ایک غیر محسوس بدن سے لگ جاتی ہے اور اسی کے ساتھ چمٹی رہتی ہے تو وہاں حس مشترک، وہم وغیرہ باطنی مدرکات ہی کے لحاظ سے ادراک ہوتا ہے اور جب قیامت قائم ہو جائے گی تو کون و فساد جیسے بعض معدہ اسباب کی وجہ سے پھر انہیں محسوس ظاہری ابدان کے ساتھ ان ارواح کا تعلق قائم ہو جائے گا اور جب حساب کتاب کا

روز آئے گا تو پھر روح کے ساتھ ان ابدان کو کامل کر کے ان کی صلب سے بدن پیدا ہوگا جیسے بدن عنصری کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا پھر وہ جنت میں جائے گا (اگر صالح ہوا) یا آگ میں جائے گا (اگر غیر صالح ہوا)

امام عبدالعزیز رح

تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:
"بدن حقیقی اور روح ہوائی است، و روح ہوائی را تعلق مے کنند، بدنے دیگر از عالم مثال"

تفسیر نیشاپوری رح

مفسر نیشاپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے ص ۱۳۸/۴ میں لکھا ہے ذھب کثیر من المحققین الی انھم احیاء فی الحال لکن بحیاۃ روحانیۃ وان ارواحھم ترکع وتسجد کل لیلۃ تحت العرش الی یوم القیامۃ یعنی محقق علماء کی کثیر تعداد اس طرف گئی ہے کہ شہید لوگ اس وقت بھی زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی روحانی ہے عنصری نہیں اور ان شہیدوں کی روحیں عرش کے نیچے ہر رات خدا کے آگے رکوع سجود کرتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا اسکے بعد آپ نے لکھا:
ثم ذالک الشیئ المغایر لھذا البدن المحسوس سواء کان جسمًا مخصوصًا سارًیا او جوھرًا مجردًا لا یبعد ان ینفصل بعد موت البدن حیًا او اماتہ اللہ فیعیدہ حیًا وبھذا یثبت عذاب القبر وثوابہ وتنزل الشبھات،
یعنی وہ چیز جو اس محسوس بدن کے مغایر ہے وہ کچھ بھی ہو خواہ کوئی مخصوص جسم ہو جس میں روح سرایت کرے یا جوہر مجرد ہو جس کی جدائی زندہ رہنے کی صورت میں اس بدن عنصری کے مرنے کے بعد کوئی بعید نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کو مار کر پھر دوبارہ زندہ کر دے اور اس طریق سے ثواب و عذاب قبر کا بھی ثبوت ہو سکتا ہے اور تمام شبہات بھی دور ہو سکتے ہیں۔

تفسیر خازن

مفسر خازن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے ص ۹۵/۱ میں لکھا ہے: قلت معناہ لا تقولوا اموات بمنزلۃ غیرھم من الاموات بل ھم احیاء تصل ارواحھم الی الجنان کما ورد ان ارواح الشھداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ فھم احیاء من ھٰذہ الجھۃ وان کانوا امواتا من جھۃ خروج الروح من اجسادھم یعنی لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مردوں کی طرح ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ بایں طور زندہ ہیں کہ ان کی ارواح جنت میں جاتی ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں رہ کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں، سو وہ شہید اس جہت سے زندہ ہیں، اگرچہ وہ اس اعتبار سے کہ ان کے بدنوں سے روحیں خارج ہو چکی ہیں، وہ مردہ ہیں اور دوبارہ ان کے مردہ جسموں میں روح نہیں آئی۔

تشریح عبدالوہاب شعرانی رح

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے الیواقیت والجواہر ص ۱۳۸/۲ میں لکھا ہے:

ان اللہ اذا قبض الارواح من ھٰذہ الاجساد اودعھا صورا جسدیۃ فی مجموع ھٰذا القرن النوری فجمیع ما یدرکہ الانسان بعد الموت فی البرزخ من الامور انما یدرکہ بعین الصورۃ التی ھو فی القرن بنورھا یدرکھا فھو ادراک حقیقی یعنی جب اللہ تعالیٰ ان عنصری جسموں میں سے ارواح کو کھینچ نکالتا ہے تو ان ارواح کو دوسرے جسمانی ڈھانچوں میں امانتاً رکھ چھوڑتا ہے جو اس نوری قرن میں جمع ہیں۔ پس مرنے کے بعد اس عالم برزخ میں جن جن امور کا انسان ادراک کرتا ہے تو وہ اسی صورت کی آنکھ وغیرہ کے نور کے ساتھ ادراک کرتا ہے جو اس نوری قرن میں ہے۔ تو حقیقی ادراک بھی ہوتا ہے۔

ایک مشہور سوال کا جواب علامہ سندھی رح کے قلم سے

علامہ سندھی رحمہ اللہ نے مسلم حاشیہ ص۷۰ میں لکھا ہے: ولعل سبب السوال ان بقاء الروح مشترک بین تمام الاموات وبقاء الجسد غیر موجود فی احد فما بال تخصیص الشہداء بکونہم احیاء وحاصل الدفع ان ارواحہم فی اجواف یتنعمون نعیم الجنۃ بخلاف سائر الاموات فحصل الفرق بین الشہداء وغیرہم وبہ خصت الشہداء بانہم احیاء

یعنی سوال یہ تھا کہ روحیں تو تمام اموات کی زندہ ہیں اور جسم کسی ایک کا موجود نہیں تو خاص شہداء کے بارے میں کیسے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحیں دوسرے قالبوں میں رہ کر جنت کی نعمتوں میں مزے کرتے ہیں اور دوسرے اموات کے ساتھ یہ بات نہیں ہوتی یہ فرق اس طرح ہوا اور خاص شہیدوں کے حق میں اسی واسطے کہا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔

قاشانی رح

شرح فصوص الحکم ص۲۶۵ میں علامہ قاشانی رحمہ اللہ کا فرمان منقول ہے احیاہم اللہ بالحیوۃ الاخرویۃ فہم الذین فازوا بلقاء اللہ تعالیٰ علی الاطلاق یعنی اللہ تعالیٰ نے ان شہیدوں کو اخرویہ زندگی کے ساتھ زندہ فرما دیا ہے اب وہ ہستیاں وہی ہیں جو علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے ساتھ فائز ہیں۔

تشریح نسفی رح

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے بحر الکلام ص۸۶ میں فرمایا کہ ارواح کی چار قسمیں ہیں ایک تو ہیں ارواح انبیاء کرام علیہم السلام جو اپنے اس جسد عنصری سے نکل کر ان کی صورتیں مشک و کافور کی معطر ہوتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آکر بسیرا کرتی ہیں اور دوسری قسم ارواح شہداء کی ہے جو

اپنے ان اجسادِ عنصریہ سے نکل کر سبز پرندوں کے پیٹ میں رہ کر جنت میں کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آ بسیرا کرتی ہیں اور تیسری قسم مطیع مومنین کی ارواح ہیں جو جنت کے باغات میں رہ کر انتظار کر رہی ہیں کھاتی پیتی نہیں الیٰ آخرہ الارواح علیٰ اربعۃ اوجہ ۱ ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا وتصیر صورتھا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقۃ بالعرش وارواح الشھداء تخرج من جسدھا وتکون فی اجواف طیر خضر فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقۃ بالعرش وارواح المطیعین من المومنین تتربص بالجنۃ لاتاکل ولاتشرب ولاتتمتع ولکن تنظر الی الجنۃ الخ (قرطبی ج ۲ ص ۲۲۴ ومظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴ وتفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور امام ربانیؒ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے فرمایا: قلت وما ذکر فی ارواح الانبیاء انھا تصیر فی مثل صورتھا المسک والکافور یعنی ان لھا اجسادا کاجساد الانسان وعبرھا بالمسک لتطیب ریحھا وعبر المجدد الامام الربانی مجدد الالف الثانی عن تلک الاجساد بالجسم الموھب ویکون ذلک للانبیاء ولکمل اتباعھم الصدیقین قبل الموت (مظہری ص ۲۲۴ ج ۱۰) یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ ارواحِ انبیاء کی صورتیں مشک وکافور کی طرح ہوتی ہیں سو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجساد بالکل انسان کے اجساد کی طرح ہی ہوں گے چونکہ وہ خوشبودار اور معطر ہوں گے اس لیے ان کو مبالغۃً مشک وکافور کے ساتھ تعبیر کر دیا اور حضرت امام ربانی مجدد الف الف ثانی رحمہ اللہ نے ان اجساد کو جسم موہب کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور یہ جسم موہب صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہے اور نیز ان صدیقین کے لیے جو موت سے قبل

انبیاء کے کامل متبع رہے ہیں۔

تفسیر رازی رح

امام فخر الملۃ والدین امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے:

ان ثواب القبر وعذابہ اما ان یصل الی ھٰذہ البنیہ او الی اجزاء من اجزاءھا؟ والاول مکابرۃ لانا نجد ھٰذہ البنیۃ متفرقۃ متمزقۃ فکیف یمکن القول بوصول الثواب والعقاب الیھا و اذا جاز ذلک فلم لا یجوز ان یقال الانسان ھو الروح فانہ لا یعرض لہ التفرق والتمزق فلا جرم یصل الیہ الالم واللذۃ ثم انہ سبحانہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیٰمۃ الکبریٰ حتی ینضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الروحانیۃ یعنی قبر کے عذاب و ثواب کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس سارے پنجرے کو پہنچتا ہے یا اس پنجرے کی کسی جزء کے ساتھ لیکن پہلی صورت تو محض مکابرہ ہے کیونکہ اس قالب کو تو پھوٹا پھٹا ہوا پاتے ہیں اب اس کو ثواب و عذاب پہنچنے کی بات کس طرح کہی جا سکتی ہے اور جب یہ ہو سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ روح ہی دراصل انسان ہے کیونکہ روح پھوٹتا پھٹتا نہیں تو دکھ سکھ بھی لازماً روح کو پہنچتا ہے پھر قیامت کبریٰ کے دن اللہ تعالیٰ اسی عنصری بدن کی طرف روح لوٹا دے گا حتیٰ کہ جسمانی احوال روحانی احوال کے ساتھ جڑ جائیں گے۔

تفسیر بیضاوی رح

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ولکن لا تشعرون تنبیہ علیٰ ان حیاتھم لیست بالجسد ولا من جنس ما یحس بہ من الحیوانات وانما ھی امر لا یدرک بالعقل بل بالوحی وعن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ ان الشھداء احیاء عند ربھم تعرض ارزاقھم علیٰ ارواحھم فیصل الیھم الروح والفرح کما تعرض النار علی ارواح آل فرعون غدوًا وعشیا فیصل الیھم الوجع اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ شہداء کی حیات نہ تو اس جسد عنصری کے ساتھ ہے اور نہ حیوانات کی اس حیات کی جنس میں سے ہے جسے محسوس کیا جا سکے وہ تو کوئی ایسی

چیز ہے جو عقل کے ادراک سے بالاتر ہے صرف وحی سے اس کا علم ہو سکتا ہے اور وہ حسن بصری رحمہ اللہ کی زبانی (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مرسلاً) معلوم ہوا ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں اس طرح زندہ ہیں کہ ان کے ارواح پر رزق پیش ہوتے ہیں تو اس طرح ان کو جنت کی خوشبو اور خوشی پہنچتی ہے جس طرح فرعونیوں پر صبح و شام آگ پیش ہوتی ہے پھر انہیں دکھ پہنچتا ہے۔

اجماع سلف صالحین صحابہؓ و تابعینؒ

اس کے بعد لکھتے ہیں وفیھا دلالۃ علی ان الارواح جواھر قائمۃ بانفسھا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن تبقی بعد الموت دراکۃ وعلیہ جمھور الصحابۃ و التابعین وبہ نطقت الآیات والسنن یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارواح ایسی ذات ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں اپنے ہونے میں جسم وغیرہ کے محتاج نہیں ہیں اور وہ ایسی ذات ہیں جو اس محسوس بدن سے مغایر ہے اور مرنے (یعنی جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی باقاعدہ علم و فہم اور ادراک سے متصف رہتی ہیں اور جمہور صحابہ و تابعین اسی مذہب پر ہیں اور قرآنی آیتیں اور احادیث نبویہ کا یہی بیان ہے۔ انتہیٰ کلام البیضاویؒ

شیخ زادہؒ کی تشریح

حضرت شیخ زادہ رحمہ اللہ تعالےٰ علامہ بیضاوی کی اس تفسیر کی مزید تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ محصول ما روی عنہ رح انہ لا شک ان حیاۃ الشھداء لیست بھذا الجسد بالضرورۃ لانعدامہ وتلاشیہ واضمحلالہ فلا بد ان تکون حیاتھم بوجہ آخر روحانی ولھذا قال ولکن لا تشعرون لان شعورھم لیس الا بالحیوۃ بھذا الجسد۔ والحیاۃ لیست بھذا الجسد بل ھی حیوۃ معنویۃ روحانیۃ فان الانسان ان کان محسنا کان روحہ متنعما الی یوم القیامۃ وان کان مسیئا کان معذبا الی یوم القیامۃ والی ھذا ذھب جماعۃ الصحابۃ والتابعین واصحاب الحدیث ولم یخالف فی ذلک الا جماعۃ من المعتزلۃ جعلوا الارواح اعراضا لاقوام لھا بانفسھا بل تحتاج الی جسم تقوم بہ ومھما فارقت الاجسام تلاشت

وبطلت ۔ یعنی خلاصہ روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اس بات میں تو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں اور بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ شہیدوں کی زندگی.... اس عنصری جسم کے ساتھ ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ جسم محسوس عنصری تو معدوم لاشے اور نیست ونابود ہو چکا ہے اس لیے لازمی امر ہے کہ ان شہداء کی زندگی کسی اور طرح کی ہو جو روحانی ہے اسلیے اللہ تعالےٰ نے ولکن لاتشعرون فرمایا کیونکہ ان دنیا کے رہنے والوں کو تو اسی حیاۃ کا شعور ہو سکتا ہے جو اس عنصری محسوس جسم کے ساتھ ہو اور یہ جو شہداء کی حیات ہے وہ اس جسم عنصری محسوس کے ساتھ تو ہے نہیں بلکہ وہ شہداء کی حیاۃ معنوی اور روحانی ہے کیونکہ انسان دنیا میں اگر نیکی کرتا رہا ہے تو (عالم قبر میں) روز قیامت تک اس کا روح آسودہ حال اور عیش وخوشی میں رہے گا اور اگر دنیا میں انسان برے کام کرتا رہا تو عالم برزخ میں، روز قیامت تک اس کا روح دکھی اور مار کھاتا رہے گا اور صحابہ، تابعین اور تمام محدثین کا یہی مذہب ہے اور اس مسئلہ میں ؎

وہ معتزلہ ہیں جو عذاب ارواح کے منکر ہیں

؎ معتزلہ کی ایک جماعت کے سوا کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں کیونکہ معتزلہ کی اس ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ ارواح ذات نہیں بلکہ صفت ہیں جو اپنے وجود میں جسم موصوف کے ساتھ قائم رہنے کے محتاج ہیں اور جسم سے جونہی الگ ہوئے لاشی اور باطل اور نیست ونابود ہو گئے (مگر یہ قول ان کا خود باطل ہے۔)

مواہب الرحمٰن

قولہ تعالیٰ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ف ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ زندگی فقط روح کو ہے جسم کو نہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس وقت ان کی روحیں اس طرح مثل ستاروں کے زندہ ہیں اور حشر میں سب کے سب زندہ ہوں گے تو ان کے جسم (عنصری) بھی زندہ ہوں گے۔ امتیاز یہ ہے کہ ان کی روحیں ابھی سے جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور باقیوں کی روحیں حشر کے حساب سے بعد جاویں گی (لیکن انبیاء وصدیقین کا ان پہ

قیاس نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کا مرتبہ شہیدوں سے بڑھا ہوا ہے اور جمہور کے نزدیک ان کی زندگی تحقیقی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مثالی ہے اور یہ غلط ہے.... اور صحیح یہ ہے کہ یہ رزق حقیقی ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے ثنائے جمیل ہے اور یہ بدعتی ملحد کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن پ ۴ ص ۱۰۵)

مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی

ولکن لا تشعرون وھو تنبیہ علی ان حیاتھم لیست بالجسد العنصری ولا من جنس حیاۃ الحیوان لانھا بصحۃ البنیۃ واعتدال المزاج (عبدالحکیم بر بیضاوی ص ۲۰۱)

یعنی ولکن لا تشعرون میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس جسد عنصری کے ساتھ حیاۃ نہیں نہ حیوانی حیات کی جنس سے۔

سید انور شاہ صاحب

ثم ھذہ الابدان عنصریۃ مثالیۃ لانھا ارواح مجردۃ ولعلہ عجل لھم ارزاقھم قبل الحشر واما سائر الناس فقد اخر انتفاعھم بھا الی یوم القیامۃ۔

(فیض الباری ص ــــ)

مولانا نانوتویؒ

ارواح شہداء کا ان اجسام سے جدا کر کے اجواف طیر خضر میں داخل کر دینا جو ایک قسم کا تناسخ ہے بشہادت احادیث صحیحہ اسپر شاہد ہے اور نیز لفظ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو کلام اللہ میں واقع ہے اس جانب مشیر ہے (آب حیات ص ۱۳) بعد از مرگ جسد مردہ من جملہ جمادات ہو جاتا ہے (آب حیات ص ۲۶) شہداء و دیگر مومنین.... اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتے ہیں۔ (جمال قاسمی ص ۱۴) حیات شہداء ہو تو یوں ہو کہ اس حجاب کو رفع کر کے چاہیں تو یونہی رکھیں، چاہیں کسی اور بدن کے ساتھ چھوڑ دیں اور بظاہر شہداء کے لیے یہی ہوتا ہے چنانچہ احادیث مشعرہ ادخال اجواف طیر خضر اور لفظ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو آیت لَا تَحْسَبَنَّ

اَلَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا میں واقع ہے اس پر دال بھی ہیں ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ اول انفعال مذکور بھی زائل ہو جائے پھر نئے سر سے ایجاد و انفعال کے بعد ابدانِ طیبہ خضر کے ساتھ علاقہ لگائیں اور یہی تعلق (ابدان طیبہ خضر کے ساتھ) حیات شہداء کے لیے کافی ہے اور اس امر کے تسلیم سے تو چارہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تعلق مابین ارواحِ شہداء و اجسادِ شہداء منقطع ہو جائے۔ گو علاقہ فیما بین روح نبوی صلعم و ارواحِ شہداء جو سرمایہ حیات شہداء ہے بحالِ خود باقی رہے اور اس وجہ سے حیاتِ روحانی تو زائل نہ ہو پر حیاتِ جسمانی شہداء منقطع ہو جائے۔ یعنی شہداء میں وجود حیاتِ روحانی وقتِ موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہ رہے اور اس وجہ سے حرمتِ ازواج اور سلامتِ اجساد اور عدم میراث لازم نہ آئے لیکن ہر چہ باداباد، بعدِ موت نہ ارواحِ شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے اور نہ ارواحِ مومنین کو۔ ... بہرحال ابدانِ دنیا سے دونوں (شہداء و مومنین) کو کچھ تعلق نہیں رہتا (آب حیات ص۱۶۵) سو جب روح کو اس جسم سے تعلق ہی نہ رہا تو یہ ازواج و اموال رُوح کے حق میں بے کار محض ہو گئے اور دوسرے عالم کے اجسام سے اگر تعلق پیدا ہو گیا تو وہ اس باب میں (باب منافع دنیویہ میں) کچھ مفید نہیں کیونکہ اس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعۂ انتفاع ہو سکتا ہے تو وہیں کے ازواج و اموال کے انتفاع کا ذریعہ بن سکتا ہے (آب حیات ص۱۲) اور شہداء کی وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیاتِ ثانی ہے (۱۲)

نوٹ حضرت نانوتوی کی بے شمار عبارتیں اس طرح کی موجود ہیں سب کی سب نقل کریں تو کتاب بہت ضخیم بن جائے گی عقلمند خود سمجھ سکتا ہے۔ بے وقوف کے لیے دفتر بھی بے سود ہے۔

تشریح تھانوی

مولوی اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہو گا جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہو گا جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے

زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائیگا گو برزخ میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں ثواب و عذاب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۳۱۲، ۳۱۴)

خیر الحیاۃ

تحقیق اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے تو مفارق ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس جسم کو تو عذاب و ثواب، تکلیف و آرام کچھ نہیں ہوتا الخ (خیر الحیات و خیر الممات ص ۴۲، ۴۳) منقول از تسکین القلوب ص ۶۷)

سید سلیمان ندوی رح

بعض ایسی روحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی۔ اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رؤیائے صادقہ پہلے گزر چکا ہے (سیرۃ النبی میں) جن جسمانی قالبوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہدار کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے وہ قالب اور جسم نہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہو گئے یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہو گئے اور ذرے ہوا میں اڑ کر منتشر ہو گئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بدن بن گئے (سیرۃ النبی للسید سلیمان ندوی ص ۶۷۱)

پھر جاننا چاہیے کہ گروہ معتزلہ کے نزدیک روح ایک عرض ہے کہ بدون بدن کے اس کا قیام نہیں ہو سکتا جب بدن سے نکلی نیست و نابود ہو گئی اور یہ بڑی جہالت ہے بلکہ کفر ہے۔ اگر تاویل نہ کی جائے۔ اور میرے گمان میں شاید

معتزلہ ایسا نہ کہتے ہوں۔

بالجملہ کوئی فرقہ کہے۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اسے رد کر دیا کہ ان نصوص میں دلیل ہے کہ روحیں سب جوہر ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں، جسموں پر موقوف نہیں اور یہ بدن جو محسوس ہوتا ہے اس سے غیر ہیں اور بعد موت کے بھی ان کو ادراک رہتا ہے یعنی دُکھ درد، خوشی و نعمت، جو حال ان کو پہنچے اس کا ادراک ہوتا ہے اور وجہ رد یہ ہے کہ روح کے لیے حیات ثابت کر دی جائے کہ جو عرض ہے۔ پس اگر روح جوہر نہ ہو اور عرض ہو تو عرض کے ساتھ عرض کا قائم ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے کہ قیام العرض بالعرض کا بطلان اپنے موقع پر ثابت ہو لیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: شیخ الاسلام نے فرمایا جامع البرکات میں "تحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ روح باقی است و اورا علم وشعور بہ زائران و احوالِ ایشاں ثابت است وامرے است مقرر در دین" یعنی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ اور زائرین اور ان کے احوال کا علم وشعور بھی روح کے لیے ثابت ہے اور یہ امر دین میں مقرر اور محقق ہے۔

جواب: روح کی بقا جسدِ عنصری کے اندر سے نکلنے کے بعد واقعی قرآن وسنت سے ثابت ہے اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہے اور جو لوگ روح کے فنا ہو جانے کے قائل ہیں ان کا قول باطل عاطل مردود، مطرود ہے کیونکہ کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ لیکن روح کا زندہ و باقی رہنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اہل دنیا کی باتیں بھی سُنا کرے بلکہ وفات کے بعد اور روح کا جسدِ عنصری سے جدا ہونے کے بعد ہر ایک طرح سے حق تعالےٰ کی طرف متوجہ اور مشغول ہو کر اس طرف سے (دنیا کی طرف سے) بالکل غافل اور بے خبر ہوتی ہے اور خود ہمارے اکابر میں سے امام شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ بھی اس طرف سے

کم توجہی اور اُدھر بے حد متوجہ ہونا تسلیم کرتے ہیں اور دین میں یعنی قرآن مجید کی چند آیات سے اہل قبور کا نہ سننا ثابت ہو چکا ہے۔ پس قرآن کے خلاف بھلا اور کیا چیز دین ہو سکتی ہے۔ خود حضرت امام اعظمؒ اور جمہور فقہائے حنفیہ اہلِ قبور کی سماعت کے منکر ہیں، ان حضرات سے الگ، دین کس چیز کا نام ہو سکتا ہے اور رُوح کا باقی رہنا اہلِ دنیا کے کلام کو سننے کا مستلزم کس قاعدہ سے ہے۔ روح کا قبر عرفی میں ہر وقت موجود رہنا کس دلیل سے ثابت ہوا جب تک دلیل کے اجزاء ثابت نہ ہوں اس وقت تک دعوے کے ثبوت کا کیا ذکر ہے۔

پیرِ طریقت مولانا حسین علیؒ

اور تحقیق بَلْ اَحْیَاءٌ کی مختصر یہ ہے کہ اَحْیَاءٌ سے مراد یہ بالکل نہیں کہ اس جسم کے ساتھ زندہ ہیں، باقی رُوح خود زندہ ہوتے ہیں مع النفس یا بدون النفس اور نفس اور رُوح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے۔ باقی خاص ان کو اس معنیٰ کے ساتھ زندہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ یہ زیادہ عیش و خوشی میں ہوتے ہیں۔۔۔

(بلغۃ الحیران من امالی حسین علیؒ)

وقیل ان المعذب والمنعم من الارواح والاجساد جزءٌ من الجسد تبقی فیہ الروح وھو الذی یتألم ویتلذذ فغیر مستحیل ان یصوّر اللہ تعالیٰ ذلک الجزء طائرًا او یجعل فی جوف طیر فتسرح فی الجنۃ (تحریرات حدیث من حسین علیؒ) قلت ھٰذا المعبر بالجزء الباقی من البدن ھو النفس وھی شبیھۃ بالروح ممازجۃ تلازمہ لھا کالدخان للنار فھی المتألمۃ المتلذذۃ (تحریرات ص۲۰۹)

تشریح شہرستانیؒ

وقد قال الشہرستانیؒ فی نہایۃ الاقدام ص۲۶۹)

(عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ)

تفسیر موضح القرآن

شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک طرح کی زندگی ہے کہ اور مُردوں کو نہیں، کھانا پینا اور عیش اور خوشی ان کو پوری ہے اور دوں کو قیامت کے بعد ہو گی۔ (موضح القرآن ص۹۰)

سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ

سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بلکہ تحقیق آن ست کہ معنی حیات تعلق روح ببدن در قبر اصلاً تعلق روح ببدن نیست بلکہ بقائے شعور وادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودند (حل مشکلات القرآن ص۱۳) (پس صاحب تسکین کی ہیرا پھیری معلوم ہو گئی)

اس ساری بحث کا ماحصل اور نتیجہ

بہر حال یہ امر تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ جسدِ عنصری کے ساتھ خورد و نوش شعور و ادراک کا مخصوص ہونا صحیح نہیں ہے جیسے صاحبِ تسکین نے بغیر کسی تائیدی حوالہ کے دعوای کر دیا۔

کیا اس قدر احادیث نبویہ صحیحہ کثیرہ متواترہ اور آثار صحابہ کرام رضؓ و خیر القرون و سلف صالحین و علمائے مجتہدین و صوفیائے کرام و شیوخ امت کے براہین و دلائل ساطعہ سے ہٹ کر علیحدہ راہ اختیار کرنا اور عوام کے مجالس و محافل میں اپنی جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنا اور دوسرے پہ اعتزال کا بہتان لگانا محترم مولانا جیسے قائدین و زعمائے ملت کو زیب دیتا ہے؟ کیا موت یاد نہیں، خوفِ خدا نہیں، خدا کے سامنے کس منہ سے پیش ہوں گے، کیا کذب بیانی، دھوکہ دہی، اتہام گناہ کبیرہ نہیں، کیا قرآن و سنت میں تاویل اور ہیرا پھیری چند ٹکوں کی خاطر یہود کی سی چال نہیں ہے؟

عالمِ مثال کا مُشاہدہ

نبی اکرمؐ نے اپنی معصوم آنکھوں سے معراج میں عالمِ مثال ملاحظہ فرمایا

فتاویٰ عزیزی میں معراج کے بیان میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ناگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ایک بوڑھی عورت پر پڑی کہ راستہ کے کنارہ پر تھی اور بلاتی تھی۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ دنیا ہے آپؐ کو اپنی طرف بلاتی ہے۔ پھر راستہ کے داہنے طرف یہود کا داعی ملاحظہ فرمایا اور راستہ کے بائیں جانب نصاریٰ کا داعی ملاحظہ فرمایا پھر ناگاہ ملاحظہ فرمایا کہ ایک شیخ ہے کہ راستہ سے پھیرتا ہے اور بلاتا ہے کہ ادھر آیئے ادھر آیئے تو حضرت جبرائیل نے کہا کہ یہ شیطان ہے پھر تین بزرگوں کو ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضرت جبرائیل نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ہیں اور اور ان حضرات نے کہا یا آخر یا حاشر یا اول، اور یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ اپنی قبر میں کثیب احمر کے پاس راستے سے داہنی طرف نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ ناگاہ آنحضرت ایسے مقام میں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ ہیں کہ ہر روز غلہ بوتے ہیں اور کاٹتے ہیں مگر ان کی زراعت کم نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ایک طور پر برابر رہتی ہے اور وہ لوگ مجاہدین تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں وہ نیکی کرتے ہیں تو اس کا ثواب سات سو درجہ زیادہ کر دیا جاتا ہے پھر آنحضرتؐ چند لوگوں کے پاس گزرے کہ ان کا سر پتھر کے ساتھ توڑا جاتا تھا اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ فرض نماز پڑھنا ان پر بار گزرتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ وہ لوگ جانوروں کی طرح چرتے تھے اور سیج اور سنقر کھاتے تھے اور دوزخ میں پتھر گرم کر کے اس سے ان کو داغا جاتا تھا اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ پھر آنحضرت ایسے

لوگوں کے پاس گزرے کہ ان کے سامنے دیگوں میں پاکیزہ گوشت پکایا ہوا موجود تھا مگر وہ نہیں کھاتے تھے، اور دوسری دیگوں میں خبیث سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا وہ کھاتے تھے اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ اپنی حلال بیویوں کی طرف التفات نہیں کرتے اور حرام کی خواہش کرتے ہیں۔ پھر ایک شخص کے پاس گزرے کہ بڑا گٹھڑ یعنی بوجھ لکڑی کا اپنے اوپر لیے ہوئے تھا اور اٹھا نہ سکتا تھا اور اس پر اور زیادہ انبار کیے جاتا تھا اور وہ خائن تھا کہ لوگوں کی امانت اپنے پاس رکھتا تھا اور اس کو ضائع کیا کرتا تھا اور پھر چاہتا تھا کہ اس کے پاس اور بھی امانت رکھی جائے۔ پھر آنحضرتؐ ایسے لوگوں کے پاس گزرے کہ وہ لوگ اپنی زبان اور اپنا ہونٹ لوہے کی مقراض سے کاٹتے تھے اور فوراً پھر بجنسہٖ درست ہو جایا کرتا تھا اور وہ لوگ مفسدین خطیب تھے۔ پھر آنحضرتؐ کا گزر ایک ایسے مقام میں ہوا کہ وہاں چھوٹا بل تھا یعنی زمین میں سوراخ تھا ایک بڑا اژدہا نکلا اور وہ چاہتا تھا کہ پھر اس میں چلا جاوے مگر نہ جا سکتا تھا اور وہ صورت اس شخص کی تھی کہ وہ کوئی کلمۂ عظیمہ کہہ دیتا ہے اور پھر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے، اور اس کے بارے میں جواب نہیں دے سکتا۔ پھر آنحضرتؐ ایک پاکیزہ وادی کے پاس گذرے کہ وہاں عمدہ خوشبو معلوم ہوتی تھی اور بہتر آواز سنائی دیتی تھی، وہ بہشت کی آواز تھی۔ اللہ تعالےٰ سے التجا کرتی تھی اس امر کے لیے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے حق میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا فرما دے پھر آنحضرتؐ ایک ایسی وادی سے گزرے کہ یہ وادی سابق وادی سے خلاف تھا اور وہ جگہ جہنم تھا۔ پھر آنحضرتؐ کچھ ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کا شکم گھڑے کی مانند بڑا تھا اس میں سانپ تھے کہ وہ باہر سے نظر آتے تھے اور ان میں سے ہر ایک سانپ دوسرے کو کاٹتا تھا اور وہ لوگ سود خوار تھے۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کا ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کے مانند تھا وہ لوگ آگ کا انگارہ نگلتے تھے اور وہ ان کے نیچے سے نکلا کرتا تھا وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ کچھ عورتوں کی طرف گزرے کہ ان کا ہاتھ بندھا تھا اور سرنگوں منہ لٹکائے ہوئے تھیں۔

اور وہ زانیہ عورتیں تھیں، پھر ایسے لوگوں کی طرف گزر ہے کہ ان کا پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور وہ لوگ اپنے دانتوں سے کچلتے تھے وہ لوگ چغلخور تھے۔

پھر بیت المقدس کے پاس پہنچے۔ آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح موجود کی گئیں۔

شرح الصدور

شرح الصدور ص میں ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز صبح
۲۱ سے فارغ ہو کر فرمایا کہ رات میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور میرے دونوں بازو پکڑ کر آسمان پر لے گئے یہاں ایک فرشتہ کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری پتھر ہے اور ایک آدمی کے سر پر وہ پتھر مارتا ہے ایسی سخت مار کہ اس کا دماغ اور دونوں طرف کا کلہ دور جا گرتا ہے جب فرشتہ پتھر اٹھانے جاتا ہے تب تک اس کا دماغ اور کلہ درست ہو جاتا ہے اور پھر پتھر مارتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھ والے فرشتوں سے
۲۲ پوچھا یہ کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا آگے چلیے۔ میں آگے بڑھا تو ایک فرشتہ کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں لوہے کی سیخ ہے جس کا سر ٹیڑھا بنا ہے ایک آدمی اس کے سامنے ہے اس کے منہ میں ڈال کر کان تک پھاڑتا ہے پھر بائیں طرف جاتا ہے اور سیخ منہ میں ڈال کر کان تک پھاڑتا ہے۔ اتنے عرصہ میں داہنا منہ درست ہو جاتا ہے میں نے
۲۲ فرشتوں سے پوچھا یہ کیسا آدمی ہے کہا آگے چلیے میں آگے بڑھا ایک نہر خون کی دیکھی وہ ایسے جوش و خروش سے جاری ہے جیسے دیگ چولہے پر جوش مارتی ہو اس نہر میں آدمیوں کی ایک جماعت ہے جو ننگے بدن ہے اور نہر کے کنارے فرشتے ہیں
۲۷ ان کے ہاتھ میں پتھر ہیں، جب وہ جماعت تیرتی ہوئی کنارے آتی ہے فرشتے پتھر مارتے ہیں وہ پتھر ان کے منہ میں گھس جاتا ہے اور پتھر کے صدمہ سے لوگ نہر میں نیچے اور بہت دور جا رہتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کیسے ہیں؟ کہا آگے چلیے۔ میں آگے بڑھا
۲۰ آگے ایک مکان کو دیکھا جس کے نیچے کا حصہ کشادہ اور اوپر کا حصہ تنگ ہے مثل تنور

۲۵ کے اور آگ سے بھرا ہوا ہے اس میں ایک جماعت آدمیوں کی ننگی ہے اور بے ستر
اور شور و فریاد کرتی ہے ان سے سخت بدبو آتی ہے میں نے پوچھا یہ کیسے لوگ ہیں؟ کہا
آگے چلیئے۔ میں آگے بڑھا ایک سیاہ ٹیلہ دیکھا اس پر ایسے آدمی ہیں جن کے نیچے سے
آگ بھڑکتی ہے اور ان کے منہ اور ناک اور کان اور آنکھ سے آگ کا شعلہ نکلتا ہے میں نے
پوچھا یہ کیسے لوگ ہیں؟ کہا آگے چلیئے میں آگے بڑھا دیکھا کہ یہاں آگ دور تک جلتی ہے
۲۶ اس پر ایک فرشتہ خوفناک مقرر ہے جب کوئی شعلہ اڑ کر باہر جاتا ہے وہ فوراً جمع کرتا
۲۷ ہے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا آگے چلیئے میں آگے بڑھا ایک باغ نہایت سرسبز
۲۸ دیکھا طرح طرح کے پھول کھلے ہیں اس میں نہایت خوبصورت ایک بوڑھے آدمی بیٹھے
ہیں، ایسا خوبصورت کوئی نہیں ہو سکتا ان کے آس پاس بہت سے لڑکے بیٹھے
ہیں۔ اس باغ میں ایک درخت ہے اس کے پتے بڑے بڑے ہاتھی کے کان کے
مثل ہیں میں اوپر گیا جہاں تک اللہ نے چاہا وہاں میں نے مکانات دیکھے اچھے اچھے
عمدہ خوبصورت جو موتی اور زبرجد سبز اور یاقوت سرخ کے بنے تھے۔ پوچھا یہ کیسے مکانات
۲۹ ہیں؟ کہا آگے چلیئے جب آگے بڑھا تو ایک نہر ملی اس پر دو پل سونے اور چاندی کے
تھے اور دونوں کناروں پر اچھے اچھے محل تھے ان سے اچھا محل کوئی نہیں ہو سکتا، موتی
اور زبرجد اور یاقوت سرخ کے بنے تھے کناروں پر پیالے اور لوٹے رکھے تھے میں نے
پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا اس میں جا کر دیکھیئے میں اس کے کنارہ پر گیا اور ایک پیالہ نہر سے
پانی نکالا اور پیا شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا اور مکھن سے زیادہ
ملائم اور پاکیزہ تھا۔ اب میں نے فرشتوں سے کہا آج کے جو عجائبات ہم نے دیکھے ہیں
اس کو بیان کرو۔

۲۱ انہوں نے کہا جن کے سر کچلے جاتے تھے اور دماغ اور گلے دور جا گرتے تھے یہ وہ
لوگ ہیں جو عشا کی نماز نہ پڑھتے تھے اور باقی نمازوں کو بے وقت پڑھتے تھے یہ عذاب
ان پر قیامت تک کرتے رہیں گے۔

اور جس کا منہ سیخ سے پھاڑتے تھے یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے درمیان چغلخوری کرتے تھے

اور جھوٹ اور غیبت سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے اور فساد کرتے تھے۔ یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۳ اور جو خون کی نہر میں غوطہ لگاتے تھے اور ان کے منہ میں پتھر بھرتے تھے یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے۔ یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۴ اور جو مرد عورتیں ننگی آگ کے تنور میں تھے یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرتے تھے یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۵ اور جو سیاہ ٹیلہ پر ہیں اور ان کے منہ اور ناک اور کان اور آنکھ سے آگ کا شعلہ نکلتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو عمل قوم لوط کا کرتے تھے، یہ عذاب ان کو قیامت تک کرتے رہیں گے۔

۲۶ اور جو آگ دوزخ تک جلتی ہے وہ جہنم ہے اور جو باغ سرسبز ہے وہ جنت عدن ہے

۲۷ اور بوڑھے آدمی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور جو لڑکے ان کے گرد ہیں وہ مسلمانوں

۲۸ کے بچے ہیں جو بچپن میں مر گئے اور وہ درخت، درخت سدرۃ المنتہیٰ ہے اور نہر کے کنارے

۲۹ جو محل ہیں وہ انبیاء و صدیقین و شہداء و صلحاء کے محل ہیں اور وہ نہر حوض کوثر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے اور وہ محل، آپ کا محل ہے اور آپ کے اہلبیت کا۔

فائدہ: علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث عذاب قبر پر دال ہے ہر بد شخص کو اپنے عمل کے موافق عذاب قبر کا مزہ چکھنا ہے اس لیے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حق ہے اور آپ نے فرمایا کہ یہ عذاب قیامت تک ان پر کیا جائیگا۔

نیز روایت ہے ابوامامہ سے کہ متوجہ ہوئے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف بعد از نماز صبح اور فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے یہ سچا ہے اسے سمجھو اور یاد رکھو۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کے چلا۔ راستہ میں بہت اونچا ایک پہاڑ ملا۔ مجھ سے کہا اس پر چڑھیے میں نے کہا میں نہیں چڑھ سکتا۔ کہا آپ کے واسطے میں پہاڑ کو نرم کر دیتا ہوں پھر جب نرم کر دیا تو میں نہایت آسانی سے اوپر چڑھ گیا میں نے

۳۰ دیکھا کہ یہاں مرد اور عورتیں ہیں جن کے منہ دونوں طرف سے کان تک پھاڑے گئے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سوراخ سے لوگوں کے گھروں میں

جھانکتے تھے اور جو بات سننے کی نہ تھی اس کو کان لگا کر سنتے تھے، ہم آگے بڑھے دیکھا
۳۲ کہ عورتوں کو پیر باندھ کر اوندھے منہ لٹکاتے ہیں اور ان کے سینہ میں اژدھے کاٹتے
ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو بھوکا رکھتی تھیں
۳۳ اور دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ آگے بڑھے دیکھا کہ مردوں اور عورتوں کے پاؤں باندھ کر
اوندھے منہ لٹکائے گئے ہیں یہ لوگ کالا کیچڑ اور گندا پانی چاٹتے ہیں میں نے پوچھا یہ
۳۴ کون لوگ ہیں کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ روزے رکھتے اور وقت سے پہلے افطار کرتے تھے۔
آگے بڑھے ایک جماعت مردوں اور عورتوں کی دیکھی جو نہایت بدشکل تھی ان کا لباس
بہت بدتر تھا، ان سے ایسی بدبو آتی تھی جیسے بخار کے بعد پسینہ کی بدبو ہوتی ہے میں نے
۳۵ پوچھا یہ کون لوگ ہیں، کہا یہ زانی مرد و زن ہیں۔ آگے بڑھے کچھ مردوں کو دیکھا ان کے بدن
اور کل اعضا پھولے ہیں اور بہت گندی بدبو آتی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا
۳۶ یہ کافروں کی لاشیں ہیں۔ آگے بڑھے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے ہیں
۳۷ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ مسلمانوں کی لاشیں ہیں۔ آگے بڑھے دیکھا کہ دو نہریں
جاری ہیں اس میں لڑکے اور لڑکیاں کھیلتی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ
۳۸ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ آگے بڑھے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے چہرے روشن چمکتے اور
صاف ستھرے کپڑے پہنے اور خوشبو سے معطر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں کہا
یہ لوگ صدیقین و شہداء و صالحین ہیں۔

عبدالرحمن بن سمرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے پاس
تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے آج کی رات عجیب خواب دیکھا ہے کہ اپنی امت
۳۹ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاس ملک الموت روح قبض کرنے آئے تو اس
وقت اس کا احسان جو اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا تھا آیا اور ملک الموت کو رخصت کیا
۴۰ اور ایک امتی کو دیکھا کہ جب اس کو دفن کر کے واپس ہوئے تو اس پر عذاب قبر آنے
۴۱ لگا اس کے وضو نے اسے آکر بچا لیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ جان کنی کی حالت میں
شیاطین نے اس کو رنج و مشقت میں ڈالا ہے پس ذکر اللہ نے آکر اسے

۴۲ .... شیاطین سے نجات دلائی اور ایک امتی کو دیکھا کہ ملائکۃ العذاب نے اسے مغموم و خوفزدہ
۴۳ کر دیا پس اس کی نماز آئی اور بچا لیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ مارے پیاس کے زبان نکالے
ہوئے ہے جب پانی پینا چاہتا ہے روک دیا جاتا ہے پس روزہ اس کا آیا اور پانی پلا دیا
اور سیراب کیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس سے کچھ دور انبیاء حلقہ کیے ہوئے بیٹھے تھے
جب وہ ان کے پاس آنے کا قصد کرتا ہے تو منع کیا جاتا ہے پس اس کا غسل جنابت آیا
۴۴ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پہلو میں بٹھا دیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے چاروں طرف
نہایت اندھیرا ہے وہ پریشان ہے کہ کدھر جاؤں کیا تدبیر کروں پس اس کا حج آیا اور
۴۵ عمرہ آیا اور اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لایا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے
۴۶ باتیں کرتا ہے مگر وہ اس کی بات نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں پس اس کا سلوک جو قرابت
۴۷ داروں کے ساتھ کیا تھا آیا اور پکار کر کہا اے مومنو! اس سے گفتگو کرو پس سب نے گفتگو کی اور
ایک امتی کو دیکھا کہ دوزخ کے شعلہ اور گرمی سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھے
۴۸ ہے پس اس کا صدقہ آیا اور دیوار بن کر اس کو گرمی سے بچایا اور اس پر سایہ کر لیا۔ اور ایک امتی
۴۹ کو دیکھا کہ ملائکۃ العذاب نے ہر طرف سے گھیرا ہے پس اس نے دنیا میں جو نیکی کرنے کا حکم
اور برائی سے بچنے کا حکم لوگوں کو سنایا تھا وہ آیا اور فرشتوں سے چھڑا لیا اور ملائکہ رحمت
۵۰ کے حوالے کیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ گھٹنوں کے بل اللہ کے دربار میں جاتا ہے لیکن درمیان
میں ایک پردہ پڑا ہے پس اس کی اچھی خصلت آئی اور ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں
۵۱ پہنچا دیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کا نامۂ اعمال بائیں طرف سے آیا پس اللہ تعالیٰ کا خوف
جو دنیا میں اس کے دل میں تھا وہ آیا اور اس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا۔ اور
۵۲ ایک امتی کو دیکھا کہ حساب کتاب کے وقت اس کی نیکی کا وزن ہلکا ہو گیا اس کا فرط
آیا اور وزن کو بھاری کر دیا۔ فرط ان بچوں کو کہتے ہیں جو بچپن میں مر گئے اور ماں باپ
۵۳ نے ثواب کی امید سے ان پر صبر کیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ جہنم کے کنارہ پر کھڑا ہے پس
اس کا خوف جو اللہ سے دنیا میں رکھتا تھا آیا اور اس کو نجات دی اور ایک امتی کو دیکھا
۵۴ کہ جہنم میں گر جانے کے قریب ہو گیا ہے پس اس کا آنسو جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے

۵۵ خوف سے رویا کرتا تھا آیا اور اسے جہنم سے بچا لیا۔ ایک امتی کو دیکھا کہ پلصراط پر کھڑا
خوف سے کانپتا تھرتھراتا ہے پس اس کا گمان جو اللہ کے ساتھ رکھتا تھا آیا اور خوف
۵۶ نکل گیا اور پل صراط سے پار اتر گیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی گھٹنوں کے بل
چلتا ہے اور کبھی سرین کے بل پس اس کی نماز آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ وہ
۵۷ پل صراط سے گزر گیا۔ اور ایک امتی کو دیکھا کہ جنت کے دروازہ تک پہنچتا تھا کہ دروازہ
بند ہو گیا پس اسکا کلمہ شہادت آیا اور دروازہ کھولکر اسکو جنت میں داخل کیا اسکے بعد میں نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی زبان
۵۸ اوپر کو کھینچی ہے اور لوگ لٹکتے ہیں میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ مومن مرد اور مومن عورتوں
۵۹ کو جھوٹی تہمت لگاتے ہیں زنا کی اور میں نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ان کے دونوں لب قینچی سے کاٹتے ہیں پوچھا
اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ مسلمانوں میں چغل خوری کرتے تھے۔

صحیح بخاری

صحیح بخاری میں حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
جب فجر کی نماز پڑھ چکتے تھے تو ہماری طرف منہ کر لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم میں سے
کسی نے اگر آج رات کوئی خواب دیکھا ہے تو بیان کرے۔ سمرہ کہتے ہیں اگر کسی نے کوئی
خواب دیکھا ہوتا تو وہ اسے بیان کر دیتا پھر جو کچھ اللہ چاہتا آپ اس کی تعبیر بیان فرماتے
پس اسی دستور کے موافق ایک دن آپؐ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی
خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا مگر میں نے آج رات دو مردوں کو
خواب میں دیکھا کہ وہ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے ایک مقدس زمین میں لے
۶۰ گئے یکایک میں وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی بیٹھا ہے اور دوسرا آدمی کھڑا ہوا
ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک آنکڑا ہے وہ اسے اس بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ
میں داخل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی گدی تک پہنچ جاتا ہے پھر اس سے ایک طرف
کا جبڑا پھاڑ دیتا ہے پھر دوسرے جبڑے کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے اور اس کا وہ جبڑا
مندمل ہو جاتا ہے پھر دوبارہ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے ان
۶۱ دونوں مردوں نے مجھے جواب دیا کہ آگے چلیے یہاں تک کہ ہم ایک شخص کے پاس پہنچے

۶۱ کہ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور ایک مرد اس کے سرہانے ایک پتھر لیے ہوئے کھڑا تھا پس وہ
اس پتھر سے اس لیٹے ہوئے آدمی کے سر کو توڑتا تھا جب اسے پتھر مارتا تھا اور پتھر
لڑھک جاتا تھا تو جا کر اسے اٹھا لیتا اور جب تک اس لیٹے ہوئے آدمی کے پاس لوٹ کر
آئے اس وقت تک اس کا سر اچھا ہو چکتا تھا اور جو حالت اس کی پہلی تھی وہی ہو جاتی تھی،
۶۲ پھر وہ دوبارہ اسے مارتا تھا میں نے کہا یہ کیا ہے ان دونوں مردوں نے مجھ سے کہا کہ آگے چلیے
چنانچہ ہم چلے ایک گڑھے کی طرف ہمارا گزر ہوا وہ مثل تنور کے تھا منہ اس کا تنگ تھا اور
پیندا اس کا چوڑا تھا اس گڑھے میں آگ جل رہی تھی اس کے اندر کچھ برہنہ مرد اور عورتیں تھیں
جب آگ بہت بھڑک اٹھتی تھی تو وہ لوگ اٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے
۶۳ تھے تو میں نے کہا کہ یہ کیا ہے ان دونوں مردوں نے مجھ سے کہا کہ آگے چلیے چنانچہ ہم چلے۔
یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے اسکے بیچ میں ایک آدمی تھا اس کے سامنے کچھ پتھر کے ڈھیر
تھے اور وہ اس شخص کے سامنے کھڑا ہوا تھا پس جب وہ اس نہر سے باہر نکلنا چاہتا تھا تو یہ شخص
ایک پتھر اسکے منہ میں کھینچ مارتا تھا تو وہ جہاں تھا وہیں واپس ہو جاتا تھا میں نے کہا یہ کیا ہے؟
۶۴ تو ان دونوں مردوں نے مجھ سے کہا آگے چلیے چنانچہ ہم چلے یہاں تک کہ ایک نہایت شاداب اور
سرسبز باغیچہ میں پہنچے اس میں ایک بڑا سا درخت لگا ہوا تھا اس کی جڑ کے پاس ایک بوڑھے
آدمی اور کچھ بچے بیٹھے ہوئے تھے اور یکایک میں کیا دیکھتا ہوں کہ درخت کے قریب ایک آدمی
ہے اس کے سامنے کچھ آگ ہے وہ اسے روشن کر رہا ہے پھر وہ دونوں مرد مجھے اس درخت
پر چڑھا لے گئے اور اس درخت کے اندر ایک گھر تھا اس میں مجھے داخل کیا میں نے کبھی اس
سے عمدہ اور شاندار مکان نہیں دیکھا اس گھر میں کچھ بوڑھے اور کچھ جوان مرد اور کچھ عورتیں اور
کچھ بچے تھے پھر وہ دونوں مرد مجھے اس گھر سے نکال لائے اور درخت کی دوسری شاخ پر
مجھے چڑھایا اس میں بھی ایک گھر تھا اس میں مجھے داخل کیا۔ یہ گھر بھی نہایت عمدہ اور شاندار
تھا اس میں بھی کچھ بوڑھے اور جوان مرد تھے جب میں یہ سب کچھ دیکھ چکا تو میں نے ان دونوں
سے کہا کہ تم نے مجھے رات بھر گشت کرایا اب بتاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی اصل
۶۰ حقیقت کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہم بتاتے ہیں وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا

کہ اس کا جبڑا پھاڑا جا رہا ہے وہ جھوٹ بولنے والا ہے دنیا میں جھوٹی باتیں کیا کرتا
تھا اور اس سے نقل کی جاتی تھیں یہاں تک کہ تمام اطراف عالم میں پہنچ جاتی تھیں لہٰذا اس کے
۶۲ ساتھ روز قیامت تک ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا اور وہ لوگ جنہیں آپ نے گڑھے میں دیکھا
۶۳ وہ زنا کار لوگ ہیں اور وہ شخص جس کو آپ نے نہر میں دیکھا سود خوار ہے۔ اور وہ بوڑھے مرد جو
۶۴ درخت کی جڑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام تھے اور چھوٹے بچے جو ان کے گرد
تھے وہ لوگوں کے بچے ہیں جو قبل از بلوغ مر گئے ہیں اور وہ شخص جو آگ روشن کر رہے تھے،
مالک تھے جو دوزخ کے داروغہ ہیں اور وہ پہلا مکان جس میں آپ تشریف لے گئے تھے عام
مسلمانوں کا گھر ہے اور یہ گھر شہیدوں کا ہے اور میں جبریل ہوں اور یہ شخص جو میرے ساتھ
ہیں میکائیل ہیں اب آپ اپنا سر اٹھائیے میں نے سر اٹھایا تو یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے
اوپر ابر کے مانند کوئی چیز ہے انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کا مقام ہے میں نے کہا مجھے اپنے
مقام میں داخل ہونے دو۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ابھی کچھ تھوڑی عمر آپ کی باقی ہے جسے
آپ نے پورا نہیں کیا۔ اگر آپ اسے پورا کر چکے ہوتے تو اپنے مقام میں جا سکتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵)

مولوی عبدالحق حقانیؒ

حقانی صاحبؒ مقدمہ تفسیر ص ۴۵ عالم مثال کو خوب سمجھاتے ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:
یہ بات بھی فطری الیقین ہے کہ ہر چیز پر بالخصوص انسان کے ہر ہر فعل ارادی پر ایک خاص
اثر مرتب ہوتا ہے کہ جس کو جزا کہتے ہیں۔ آگ کی صورت نوعیہ کا مقتضی گرمی اور پانی کی صورت
کا اثر خشکی ہے۔ جو شخص کہ سینکھیا کھاوے گا ضروری ہے اس کو حرارت و یبوست بافراط
عارض ہوگی نمک کھانے کے بعد زبان پر نمکینی اور مٹھاس کے بعد شیرینی ضرور پیدا ہوگی
اسی طرح انسان کے عمل کا ایک اثر خاص ہے، ہر نیک یا بد کام کرنے کے بعد اس کا
رنگ انسان کی روح پر جمتا ہے (چنانچہ اس حدیث میں کہ جب انسان بدی کرتا ہے تو
ایک نقطہ اس کے دل پر ہو جاتا ہے پھر وہ تمام دل کو گھیر لیتا ہے الحدیث اسی طرف
اشارہ ہے) کہ جب کوئی صدقہ دیتا ہے تو اس کو خدا اس طرح پالتا ہے کہ جس طرح کوئی

اونٹ یا گھوڑے کے بچہ کو پالتا ہے پھر قیامت کو احد پہاڑ کی مانند بنا کے لادے گا (رواہ البخاری) اور مال وغیرہ کا قیامت میں سانپ اَنَا کَنْزُکَ اَنَا مَالُکَ کہنا کما فی صحیح البخاری اسی طرف اشارہ کرتا ہے) اور قیامت اور بعد اس کے جو کچھ صورتیں بنا کے وہ عمل ظاہر ہوگا وہ سب باتیں اس عمل میں بالقوہ اس وقت موجود ہوتی ہیں جس طرح کہ درخت کے تخم میں پھول و پھل پتے، شاخیں تمام بالقوہ موجود ہوتی ہیں اور آناً فاناً وہ سب ظاہر ہوتی ہیں۔ جس طرح کہ درخت کے وہ حالات جو کہ اس تخم کے برآمد ہونے میں خیالی نہیں اسی طرح اعمال کا اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہونا بھی خیالی باتیں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اول ہر چیز کی اصل عالم مثال میں پیدا ہو جاتی ہے پھر اس عالم حس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اسی کا ظل اور اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مؤثر اور متاثر میں مناسبت ہونی چاہیے پس باری تعالیٰ کا اثر اولی سلسلہ موجودات ہے اور اسی جگہ سے اہل تحقیق نے تنزلات ستہ قرار دیئے ہیں کہ اول مرتبہ ذات بحت پھر مرتبہ صفات الی ان ینتہی الی المحسوسات (حتیٰ کہ محسوس چیزوں تک پہنچ جاتا ہے)

الغرض یہ محسوس چیزیں وہیں کے اظلال (سائے) و آثار ہیں اور اسی لیے جو بات کہ عالم ظہور میں آنے والی ہوتی ہے کبھی ظاہر ہونے سے پہلے خواب میں یا کبھی اصحاب نفوس قدسیہ کو حالت بیداری میں اصلی صورت میں دکھائی دی جاتی ہے اور کبھی عالم بیہوشی یا غشی یا نزع روح کے وقت جب کہ روح کی توجہ جسم سے کم ہوتی ہے اور اس عالم کی طرف رجوع کرتی ہے تو وہاں کی چیزیں اس کے آئینہ دل پر منعکس ہو جاتی ہیں، عمل مسمریزم اور مراقبہ اہل تصوف میں بھی اسی لیے انکشاف مغیبات ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوا ایک اور عالم (عالم مثال) ہے کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہا اشیاء اپنی مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں پیشتر اشیاء موجود ہو چکتی ہے۔ تب اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم کی یہاں سے نقل کر جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا کہ قیامت کے روز سورۂ بقرہ اور آلِ عمران بادل کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے قاری کے حق میں شفاعت کریں گی۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال حاضر کیے جاویں گے۔ نماز پھر زکوٰۃ، پھر روزے آویں گے۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا بڑھیا عورت کی شکل میں لاویں گے۔ اور فرمایا کہ شبِ معراج میں مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو ظاہر میں دو باطن میں جاری تھیں پس میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا تو بتلایا کہ یہ باطن کی دو نہریں جنت میں بہتی ہیں اور یہ ظاہری دو نہریں نیل اور فرات ہیں۔ اور حدیث صلوٰۃ کسوف میں یہ آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا دوزخ اور جنت مجھ کو دکھائی گئیں۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ مصلّٰی اور محراب کے درمیان جنت دکھائی دی اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا خوشہ لیں، اور فرمایا کہ قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر لوگوں کے روبرو ذبح کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کہ جبرائیلؑ حضرت مریمؑ کو آدمی کی صورت میں نظر آئے اور حدیث میں ہے کہ حضرت جبرائیل حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی دیتے تھے اور آپؐ سے کلام کرتے تھے مگر وہ اور کسی کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اور فرمایا کہ موت کے وقت ہر شخص کو ملائکہ نظر آتے ہیں ان کے ہاتھ میں حریر یا ٹاٹ ہوتا ہے۔ اور قبر میں میت کو ملائکہ بُری شکل میں دکھائی دیتے اور سوال کرتے ہیں اور انسان کے اعمال اچھی یا بُری صورتوں میں آ کر دکھائی دیتے ہیں علاوہ ان کے اور بے شمار صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہیں، چنانچہ کتب صحاح ستہ وغیرہا ان امور کے ذکر سے مالامال ہیں، پس جب یہ ثابت ہو چکا تو انسان کی جزا اور سزا اخروی کی یہ صورت ہے کہ جب انسان لباس جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بُری صورتوں میں آ کر دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۂ قدس میں روح اعظم کی طرف اس طرح کھنچ کر جاتا ہے کہ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اور اس حظیرۂ قدس کو علیین بھی کہتے ہیں پس وہاں اس کو ملائکہ مقربین اور ارواح طیبین سے ملاقات ہوتی ہے اور اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال و ادراکات و اخلاص نہایت عمدہ صورتوں میں اس کو دکھائے جاتے ہیں، جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں

اس کو آتی ہیں اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لیے متشکل ہو جاتی ہیں اور جو بد شکل ہے تو اس کے اعمال منکر نکیر نہایت بری شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں اس کا بخل اور شہوت اور دیگر اخلاق رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر ڈستے ہیں اس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقہ ظلماتی میں کہ جس کو سجین کہتے ہیں اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں نازیبا باتوں سے رنج اٹھاتا رہتا ہے اور سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔

عذاب وثواب قبر سمجھنے کے لیے خواب کی نظیر

اگر آپ کو قبر کے ثواب و عذاب کا سر اچھی طرح معلوم نہ ہوا ہو تو آپ کے لیے میں اس عالم کی خواب کی نظیر پیش کرتا ہوں، صفراوی المزاج خواب میں گرمی اور آگ دیکھتا ہے اور گویا آگ اس کو جلاتی ہے اور وہ اس عالم میں بڑی تکلیف پاتا ہے بلکہ بعض کی چیخ نکل جاتی ہے اور رونے کا اثر آنکھوں میں اتر پاتا ہے اور بیداری میں بھی بدن کانپتا رہتا ہے اور اسی طرح بلغمی المزاج دریا اور ہوا سرد دیکھتا ہے اور اس سے تکلیف پاتا ہے اور درندہ سیرت خواب میں درندے کو دیکھتا ہے، المختصر اس کی کیفیات متشکل ہو کر خواب میں دکھائی دیتی ہیں اور اس خواب میں وہ چیزیں اصلی طور پر اثر پہنچاتی ہیں۔ ہاں ان کو خیالی باتیں جو ہم کہتے ہیں تو اس حالت بیداری میں کہتے ہیں۔ اگر عالم بیداری نہ ہوتا تو یہ راز نہ کھلتا۔ نہ کبھی ان کو خیالی باتیں کہا جاتا۔ پس اس طرح عالم مثال ہے کہ یہ کیفیات وہاں متمثل ہوتی ہیں، وہ بھی گویا ایک عالم خواب ہے، صرف یہ فرق ہے کہ اس سے حشر تک بیداری نہیں ہوتی۔

دوم وہاں اس قدر جسمانی تعلق باقی نہیں رہتا۔ گو کسی قدر جسم کا اثر کچھ مدت تک باقی رہتا ہے، اس عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف حال ہیں اکثر ان لوگوں کو کہ جن کا جسم سے نہایت تعلق ہے اور وہ جسم اور روح کو ایک ہی سمجھتے ہیں جسم کا کوئی عضو کٹنا اپنا عضو کٹنا سمجھتے ہیں، تو یہی صورت پیش آتی ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کی قوت بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں لیکن ملکیہ میں بہیمیہ کا اثر نہیں پہنچتا اور ان میں ملائکہ سافلہ سے مل جانے کی بڑی قابلیت ہوتی ہے تو وہ بعد مردن ملائکہ سافلہ میں جا ملتے ہیں اور انہیں کے سے کام کرتے ہیں

اور ایک نوع سے دوسرے نوع میں منتقل ہو جانا اس عالم جسم میں بھی مشاہد ہے۔ پانی کے کیڑے کا چھلکا اتار کر مچھر بن جانا بہت بار تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کو قوی بہیمیہ مغلوب اور قوت ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے وہ ملائکہ عالیہ میں جا ملتے ہیں اور یہ حدیث کہ جس میں آنحضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے دیکھا اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بعض اہل بصیرت کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصحابہ کرام کو بعض مواقع میں تشریف لاتے دیکھنا اسی سے مطلع کرتا ہے اور جن کی روح ہوائی (جو روح حقیقی کا مرکب ہے) نہایت قوی ہوتی ہے تو وہ مرنے کے بعد مقتضی صورت نوعیہ کے بموجب طعام لذیذ اور بعض لذات و شہوات کی خواہش بھی کرتے ہیں تو ان کی خواہش پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

اور بعض لوگ کہ جن کی نورانیت نہایت غالب ہوتی ہے ان کا اس عالم سے نہایت تعلق رہتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام، بلکہ وہ نورانیت ان کے جسم اطہر پر سرایت کر جاتی ہے اسلیے وہ گلنا سڑنا نہیں۔ اور اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں نے موسیٰ کو نماز پڑھتے اور یونس کو لبیک کہتے دیکھا۔ اسی لحاظ سے انبیاء کے لیے بعد موت کے حیات ثابت کی جاتی ہے اور حیوۃ النبی مشہور بین الجمہور ہے (پس معنی حیات کا جسم کا نہ گلنا سڑنا)

اور بعض کہ جن کی قوت بہیمیہ نہایت غالب ہے اور ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے تو وہ بعد موت کے اپنی قابلیت اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین میں جا ملتے ہیں۔

الغرض ایک مدت تک عالم برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور ہر شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے لیکن جب یہ تمام عالم سمی فنا ہو جائے گا یعنی کثافت کی چادر اتار کر لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو عالم حشر یا روز قیامت کہتے ہیں تب ان متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے۔

جسمِ مثالی کا اقرار

از مفتی صاحب "بینات" کراچی

"بینات کراچی" ۲۱ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ میں تحت عنوان "معجزہ و کرامت اور ڈاکٹر عثمانی" ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب معین مفتی کا دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ کراچی سے ایک فتوای شائع ہوا ہے جس میں جسم مثالی کو احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت بتایا گیا ہے چنانچہ ان کی عبارت ذیل میں من وعن درج کی جاتی ہے:

"نیز مذکورہ واقعہ کا تعلق جسم مثالی سے ہے اور جسم مثالی کا ثبوت احادیث صحیحہ مشہورہ سے ہے جیسا کہ "معراج النبی" میں انبیاء کرام کے اجسام مثالی سے ملاقات و کلام کا تذکرہ موجود ہے۔ دیکھو بخاری و مسلم و تفسیر ابن کثیر و دیگر کتب احادیث و تفسیر۔ نیز جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت و کلام و مصافحہ وغیرہ۔ جسم مثالی سے ہوتا ہے اسی طرح عالم بیداری میں جسم مثالی سے کلام و مصافحہ وغیرہ ہو سکتا ہے اور اس میں کچھ بعد نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج و اسراء میں انبیاء کے اجسام مثالی سے کلام وغیرہ تو عالم بیداری میں ثابت ہے یہ کلام وغیرہ انبیاء کے اجسام مثالی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا معجزہ میں سے ہے الخ۔

بحمد اللہ اس سائنسی دور میں اس کی حسی نظیر بھی موجود ہے کہ جسم مثالی عکس ہے جسم اصلی کا، نظیر اس کی ٹیلی ویژن ہے اس میں جس کا فوٹو و عکس ہے وہ کہاں ہوتا ہے اور اس کے تمام حرکات و سکنات و کلام تک بعینہ حالت میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح عالم مثال میں جسم مثالی کی حقیقت ہے۔ ٹیلی ویژن میں آنے والا عکس دو ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ایک آئینہ اور دوسرے بجلی کے کرنٹ سے، ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو، تو ٹی۔ وی میں عکس نہیں آسکتا، اسی طرح جب آدمی کا قلب آئینہ کی طرح چمک جاتا ہے اس کا تزکیہ باطن ہو جاتا ہے اس کے قلب پر کوئی داغ نہیں رہتا اور تعلق مع اللہ اور محبت و عشق محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنٹ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو بھی عالم بیداری میں نگاہ باطن سے

جسم مثالی نظر آنے لگتا ہے۔

افسوس صد افسوس ہے عقل خام پر اگر آج ٹی وی کا رواج نہ ہوتا تو جسم اصلی کے اس موجود و عکس کا کوئی قائل نہ ہوتا۔ لیکن لوگ اس کے عینی مشاہدہ کی وجہ سے قائل ہیں حالانکہ نگاہوں کو دھوکہ ہو سکتا ہے قرب و بعد کی وجہ سے آنکھوں میں کسی بیماری یا جالے وغیرہ ہونے سے یا دیگر عوارض کے آنے سے۔

لیکن جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کسی حالت میں سر مو فرق نہیں آسکتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ اسراء و معراج کے واقعہ میں کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی اور ان کے ساتھ کلام ہونا آپ نے بیان فرمایا جو احادیث مبارکہ میں مفصل موجود ہے۔ حالانکہ اس وقت وہ انبیاء وفات پا چکے تھے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ اور وفات شدہ انبیاء علیہم السلام سے کلام و زیارت در حقیقت ان کے اجسام مثالی سے تھا، جسم اصلی تو قبور میں موجود تھا۔

اس شرعی مسئلہ "جسم مثالی" کے متعلق الامین الصادق المصدوق کے فرمان کا پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے ..... کتبہ محمد عطاء اللہ عفا اللہ عنہ دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵۔ الجواب صحیح (حضرت مفتی) ولی حسن (دامت برکاتہم العالیہ) رئیس دار الافتاء جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری

مولانا تھانوی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عالم مثال ایک عالم ہے جو عالم شہادت و عالم غیب کے درمیان ہے اس کو برزخ بھی کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے اشارات سے اور اہل کشف کی تصریحات سے اس کا وجود ثابت ہے۔ بعد مرگ تا قیامت اسی میں رہنا ہوتا ہے اور خواب میں وہی منکشف ہوتا ہے انتہیٰ بقدر الحاجۃ (التکشف ص ۵۵)

اور فرماتے ہیں مومنین کا یہی مکان ہے (برزخ) جو آسمان پر ہے مسمّٰی بہ علیین جیسا کہ برزخ کفار کا ارض سفلیٰ میں ہے مسمّٰی بہ سجین (التکشف ص ۵۵) دیکھو ص ۴۴ حوالہ جات اشرف الجواب وغیرہ۔

اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کر کے حواصل طیور خضر میں سوار ہوں گی۔ آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے؟

اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے نص ساکت ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔ گو برزخ میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۱۴، ۳۱۳)

تعجب ہے!

تعجب ہے کہ صاحب تسکین سوال نکیرین و تعذیب و تنعیم کے لیے جسد عنصری کہتے ہیں، حالانکہ علمائے سلف و خلف میں سے کسی نے جسد کے ساتھ عنصری کا لفظ نہیں بڑھایا، اور تسکین الصدور میں جتنی کتابوں کے حوالے درج ہیں کسی میں جسد و بدن کے ساتھ عنصری کا لفظ نہیں۔

اور شہرستانی رح کا جو حوالہ دیا گیا ہے ان کی کتاب "نہایۃ الاقدام" میں صاف مرقوم ہے کہ سوال نکیرین صرف ان اجزاء انسانی سے ہوتا ہے جو سمجھتے ہیں اور ناطق ہیں،

واما وجہ ذلک (سوال القبر) علی الطریقۃ المرضیۃ لیس ذلک للروح المجرد خاصۃ ولا للبدن علی ھذہ الھیئۃ المشاھدۃ حتی یلزم علیہ ما یناقض الحس ولو کان الخطاب اعنی خطاب الملکین خطابا بالاعتقاد للمجرد لکان التزام الاعتقاد علی الروح المجرد ولو کان الخطاب بالاعتقاد والقول والعمل جمیعا لکان یشترط فیہ حشر الجسد علی الصورۃ المخصوصۃ لکنہ خطاب یقتضی عقدا وجوابا من حیث القول من ربک ومن دینک ومن نبیک فہ کان الرجل حیا وتوجہ الیہ ھذا الخطاب استدعی منہ فہما للخطاب وجوابا والاجزاء الفاھمۃ من الانسان والناطقۃ اجزاء مخصوصۃ وتلک الاجزاء

مستقلۃ بالجواب وان کان الشخص من حیث ھو شخص غیر مستشعر بذلک کالنائم مثلا او کالسکران فیجوز ان یحیی اللہ تلک الاجزاء ویکون السؤال متوجھا علیھا من حیث انھا فاھمۃ وناطقۃ ثم یکون الحشر بعدہ للشخص بصورتہ اذا السوال متوجہ علیہ حتی یخرج عن عھدۃ العقد والقول والعمل۔

اس مندرجہ بالا تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صاحب تسکین کی یہ توجیہ صحیح نہیں کہ مردہ کے بدن عنصری کو تو عذاب و ثواب محسوس ہو اور دیکھنے والے کو محسوس نہ ہو۔

یہ تو دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان کو بچھو کاٹتا ہے جس کا درد صرف اسی کو محسوس ہوتا ہے جس کو بچھو نے کاٹا ہے دوسرے آدمی کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اسی طرح بخار سر دردی وغیرہ خود بیمار ہی کو محسوس ہوتی ہے دوسروں کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

اور حضرت نانوتوی رح نے بھی انسان اور بدن عنصری کے درمیان خوب وضاحت سے مثالیں دے کر اپنی کتاب آب حیات ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰ میں فرق بیان فرمایا ہے۔ نور اللہ مرقدہ

صاحب تسکین کی دو عبارتوں کا تعارض

تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۴۷ میں لکھا: جب تک مادی اور عنصری بدن قائم ہے روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے۔ لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتی حیثیت سے اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے۔ یہ دیکھ لیا! اب آگے (اس کے برخلاف) صرف ایک صفحہ کے بعد دیکھیں...

تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۴۸ میں لکھ دیا: قبر کی راحت و عذاب کے سلسلہ میں روح کا بدن مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں۔

یا للعجب! سچ کہتے ہیں لَیْسَ لِلْبَاطِلِ اَسَاسٌ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے نیز کسی نے محاورہ کہا ہے۔ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔

جسد کے معنے !

صاحب تسکین نے یُعَادُ رُوحُہٗ فِی جَسَدِہٖ والی حدیث لکھ کر اس کی صحت پر زور دیا پھر جسد کے لفظ سے عنصری مراد لیا وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ :

جب مطلق جسد بولا جائے تو اس سے مراد جسد عنصری ہی ہوتا ہے۔ یہی متبادر الی الفہم ہے اور ایک طرف فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے جسد حی کی ضرورت ہے کھانے پینے ادراک شعور کے لیے روح کا جسد عنصری سے تعلق ضروری ہے (تسکین الصدور ص ۱۲۰ وغیرہ)

جواب : ناظرین ہماری تحقیق ماتقدم سمجھ گئے ہوں گے کہ صاحب تسکین کا یہ فقرہ غیر تحقیقی ہے کیونکہ اگر ادراک و شعور کے لیے جسد عنصری کی ضرورت مانیں تو روز میثاق کے عہد کو غلط کہنا پڑے گا۔ کیونکہ اس روز جسد عنصری نہیں تھا۔ پھر ادراک کیسے تھا؟ اگر ادراک نہ مانو تو غیر ذی شعور کو خطاب خداوندی کیسے؟ پھر غیر ذی شعور کا بے سوچے جواب دینا کیسے؟ پھر انسان کو یہ واقعہ سنانا بھی بے معنی بن جاتا ہے۔

ایک معترض کا اعتراض

جسد سے متبادر جسد عنصری سمجھا جاتا ہے اور تبادر فہم حقیقۃ کی امارات میں سے ہے لہٰذا یہاں بھی جسد عنصری ہی مراد ہے۔

سو اس معترض کو چاہیے کہ توضیح تلویح حاشیہ کافزی ج ۱ ص ۳۶۷ کا مطالعہ کرے جس کے الفاظ ہیں لان موضوع لہٗ وکون التبادر امارۃ الحقیقۃ لا یستلزم الحقیقۃ۔ یعنی یہ لفظ اس معنی کے لیے موضوع نہیں رہا یہ کہ تبادر معنی حقیقت کی امارت ہوتی ہے تو امارت ہی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جہاں امارت ہو وہاں خواہ مخواہ لازمی اور وجوبی طور پر حقیقت بھی ہو۔ اور یہ مسئلہ تو اصول فقہ میں بصراحت مذکور ہے جہاں علت، سبب، شرط، مانع اور امارت کے فروق ذکر ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس چیز سے عہد الست لیا گیا تھا ایفائے عہد کا سوال بھی اسی سے ہو گا یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ وعدہ تو کسی سے لیا جائے اور اس کے پورا کرنے نہ کرنے

کا سوال کسی اور سے کیا جائے۔

وعدہ کے وقت یہ جسدِ عنصری نہ تھا پھر اس جسدِ عنصری سے نکیرین کے سوال کرنے کا کیا مطلب؟

دوسرے جب یہ آیت اتری لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا تو صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوا، حضورؐ سے سوال کیا، تو حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس آیت کی تفسیر سمجھائی جو تواتر سے ثابت ہے کہ اس آیت میں حیاتِ شہداء بجسدِ عنصری مراد نہیں بلکہ طیور خضر تعلق اشجار الجنۃ فرمایا۔ یہ صریح ہے اس امر میں کہ جسد سے مراد جسدِ عنصری نہیں بلکہ وہ جسم عالمِ برزخ کا ہے۔

اور یاد رہے کہ یہ تفسیر آیت قرآنی کی حدیث مرفوع کے ساتھ ہے اور یہی مذہب ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا۔

معتزلہ کا مذہب

لیکن معتزلی یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآنی آیت کی تفسیر حدیث سے کی جائے چنانچہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے اطبقت المعتزلۃ انہ لایجوز تفسیر الآیۃ بالحدیث

(حاشیہ تہ ابوداؤد ص ۲۹۵ ج ۲)

اسی طرح ارواحِ مومنین کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اور ارواحِ کفار کے متعلق بھی دوسرے اجساد کے ساتھ ارواح کا تعلق بیان فرمایا۔

اور یہ قاعدہ صاحب تسکین کو بھی مسلم ہے جیسے تبرید النواظر ص ۱۷ میں نقل فرمایا کہ:

"قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر جب بسندِ صحیح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو اس کے مقابلہ میں اگر کوئی بڑے سے بڑا مفسر بھی کچھ کہے تو اس کی بات مردود ہو گی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہی قابلِ اخذ ہو گی جب کہ اس کی سند بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو۔"

اب ما نحن فیہ آیت کی نبوی تفسیر اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے خبرِ واحد و مشہور سے بڑھ کر تواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے جس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور نہ

اس کا انکار کیا جا سکتا ہے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس کو سن کر تسلیم کرے اور اس میں کسی قسم کی تاویل نہ کرے، ہیرا پھیری نہ کرے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "واصل این حدیث تواتر است (فتح العزیز صـ۱۷۱ پ۲) چنانچہ مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔

ابن مسعودؓ، ہذیلؓ، ابن عباسؓ، ابو قبیسؓ، کعبؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، عائشہؓ، ابی بن کعبؓ انسؓ، عباسؓ بن عبدالمطلب، ام بشرؓ، ابوالدرداءؓ، ابوسعید خدریؓ، عبداللہ بن عمروؓ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور مندرجہ ذیل مفسرین بھی یہی تفسیر کرتے ہیں:

مجاہدؒ، قتادہؒ، مکحولؒ، ضمرہؒ، حبان بن جبلہؒ، وہب بن منبہؒ، عکرمہ، ربیعؒ، حسن بصریؒ ابن مبارکؒ، ابوالعالیہؒ، ابن بشار الاسلمیؒ، سعید بن جبیرؒ اور مقاتل، سدیؒ، کلبی حمزہ بن حبیبؒ، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ابن جریرؒ، رازیؒ، ابن کثیرؒ، بغویؒ، صاحب مدارکؒ، بیضاویؒ، خازنؒ، شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ، شیخ ابراہیم کورانیؒ، صاحب روح المعانیؒ، ابوالسعودؒ، نیشاپوریؒ، ابن دحیہؒ، جصاصؒ، خضیبؒ، قرطبیؒ، صاحب تفسیر مظہری، صاحب الکلیلؒ، صاحب مواہب الرحمٰن صاحب کتاب الارشادؒ، شیخزادہؒ، صاحب منتقیؒ، تفتازانیؒ، قاشانیؒ، صاحب تنویر المقیاس ابوالحکم بن مرجانؒ، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ محمد اسحاقؒ، محمد قاسم نانوتویؒ، اشرف علیؒ تھانوی، حسین علیؒ، محمد انور شاہ، صاحب تفسیر قاسمیؒ، عبدالحقؒ، سلیمان ندویؒ، صاحب قرۃ العینؒ، صاحب تفسیر فتح البیانؒ، صاحب تفسیر فتح القدیرؒ، عبدالحکیمؒ وغیرہ، اور مندرجہ ذیل اولیاءؒ و شارحین حدیث بھی یہی فرماتے ہیں۔

ابن عربیؒ، عبدالوہاب شعرانیؒ، امام غزالیؒ، مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ملا علی قاریؒ، عینیؒ، ابن حجرؒ، قسطلانیؒ، صاحب خیر الحیات والممات رمضان آفندیؒ مرعشیؒ، احمد حنبلؒ، شبیر احمد عثمانیؒ رحمہم اللہ

مولینا محمد شفیع صاحبؒ

معارف القرآن ج ۱ ص ۳۹۷: بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو

حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام... شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیاتِ برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں۔ مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ آثار جو ظاہری احکام پر پڑتے ہیں ان سے حیاۃ جسد عنصری پر استدلال کرنا خام لوگوں کا کام ہے، آثار کا ظہور اور چیز ہے اور نفس حیاۃ جسد عنصری اور چیز ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ابلتی ہوئی ہنڈیا چولہے پر سے اتار دیتے ہیں نیچے رکھے ہوئے بھی بغیر آگ کے ابلتی رہتی ہے، اسی طرح جب خاوند فوت ہو جاتا ہے تو نفس موت کے ساتھ نکاح تو جاتا رہا، مگر اس نکاح کے آثار ابھی باقی ہیں کہ مرد کے مال میں سے اس بیوہ کے لیے نفقہ و سکنیٰ واجب ہے اور چار ماہ دس دن تک جیسے وہ نفقہ سکنیٰ کی مستحق ہے ایسے ہی اس کو نکاح والی بیوی کی طرح دوسری جگہ نکاح کرنا بھی حرام ہے، یہ سب احکام نکاح کے ہی آثار ہیں۔ مگر آثار کے ظہور کے یہ معنی نہیں کہ موت نکاح کے منافی نہیں یا موت کے ساتھ نکاح قائم رہتا ہے۔

قبر کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کا اصل منشاء

صاحب تسکین کو بنی نجار کے باغ کے قبور والی حدیث سے لغزش ہوئی۔ ص ۲۴ طبع اول دیکھیں فرماتے ہیں کہ:

بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں اور جن کے گزرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا تھا وہ مستی قبریں تھیں۔ سجین کا وہ برزخی مقام نہ تھا جو ارواح کفار کا مستقر ہے کیونکہ خچر وہاں نہیں گیا تھا بلکہ بنو نجار کے باغ میں جو قبریں تھیں ان کے پاس سے گزرا تھا اور انہی قبروں کی نشاندہی ایک انصاری نے کی تھی۔

جناب من! واقعی یہ واقعہ حدیث کا ٹھیک ہے برحق ہے اور ہمارے سر آنکھوں پر مگر آپ نے عقاید الاسلام نہیں دیکھی جس میں ہے:

"خلاصہ عقیدۂ اسلامی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب انسان اس منزل فانی کو چھوڑتا ہے تو وہ دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ اس عالم غیر محسوس میں نیکوں کا مقام عالم بالا یعنی علیین ہے اور بدوں کا سجین۔ جن کی روحیں کثافت اور ظلمت کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکتیں وہ اس ناپاک جگہ میں ڈالے جاتے ہیں قبر عرف شرعی میں اسی عالم کا نام ہے۔ حشر کے بعد ارواح کو ان کے ابدان (عنصریہ) سے پھر متعلق کیا جائے گا۔ کبھی مرنے کے بعد جسم (عنصری) پر بھی عذاب و ثواب کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں، بندوں کی عبرت اور رغبت کے لیے اور کاملین کی روحوں کا عالم عنصری میں کبھی تصرف بھی نمایاں ہو جاتا ہے (عقاید الاسلام ص ۱۷۱)

دیکھا جناب! یوں ہے اصل بات، اور شرح الصدور میں اس قسم کے جتنے واقعات درج ہیں سب کا محمل یہی ہے۔ فَافْهَمْ!

خلاصۃ الامر، ایسے خرق عادت، معجزات اور کرامت سے حجت پکڑنا صحیح نہیں، ایسے واقعات پیش کرنا اپنی کم فہمی کی دلیل ہے۔ کاش اگر آپ اپنے شیخ مولینا حسین علیؒ کا رسالہ "الجرید تین" کا مطالعہ فرما لیتے تو یہ حدیث استدلال میں پیش نہ کرتے نیز یہ فرمائیں کہ وہ حدیث تو صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ اس عذاب کی آواز جن و دواب کے سوا سب ہی سنتے ہیں، تو وہ آواز تو دنیا کی ہر خوفناک سے خوفناک آواز سے زیادہ ہیبتناک ہے لیکن مع ہذا دنیا کی ایک بندوق چھوڑنے سے تو مارے ڈر کے سب پرندے اڑ جاتے ہیں پر قبرستان میں پرندے بڑے پریم سے چہچہاتے رہتے ہیں اور اس ہیبت ناک آواز اور گرزوں کی آواز سے کیوں نہیں اڑتے، چاہیے تو یوں تھا کہ قبرستان میں کوئی پرند چرند کبھی نہ دکھتا۔ یا پھر یہ کہو کہ ہمارے زمانے میں سب قبرستان والے بخشے ہوئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی کے ساتھ عذاب قبر مختص تھا۔ معلوم ہوا خچر کا واقعہ محض بندوں کی عبرت کے لیے دکھایا گیا تھا۔

لطیفۃ القدس فی تفسیر آیۃ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ

ہمارے اس طویل عریض بیان سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ روح انسانی اس جسد عنصری

کو داغ مفارقت دینے کے بعد دوسرے جسم میں اپنی رہائش اختیار کر لیتی ہے اور قیامت تک اسی دوسرے جسم میں رہتی ہے اور جب قیامت کو صور پھونکی جائے گی تو وہی روح اپنے اس دیرینہ جسد عنصری کی طرف واپس لوٹ آئے گی، اس سے پہلے روح اپنے جسد عنصری کی طرف نہیں لوٹتی۔

اس بات کی دلیل ہمارے پاس قرآن مجید، احادیث نبویہ صحیحہ، اقوال علماء و مسائل فقہ ہیں، قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی لوگوں کے مرتے وقت اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں ان کی روحیں بھی ان کے سوتے وقت خدا کے ہاں بلائی جاتی ہیں، تو جن کی نسبت خدا موت کا حکم صادر فرما چکا ہے ان کو اپنے ہاں روکے رکھتا ہے اور باقی سونے والوں کو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیج دیتا ہے۔

مرزا حیرت نے ص ۶۰۷، اس آیت کے تحت یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور خواب کے وقت بھی مگر موت کی قبض کی ہوئی روحوں کو روک لیتا ہے کہ پھر وہ بدن میں نہیں جاتیں اور خواب کی قبض کی ہوئی روحوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ موت میں قبض کلی ہو جاتا ہے اور بدن سے بالکل تعلق باقی نہیں رہتا اور خواب میں قطع تعلق کلیتہً نہیں ہوتا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح

تفسیر مظہری اردو ج ۱۰ ص ۱۷۷: یتوفی الانفس یعنی بدنوں سے لیکر قبضے میں کر لیتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں (۱) بدنوں سے جانوں کا تعلق بالکل منقطع کر دیتا ہے، بدن پر جان کا نہ بیرونی تصرف باقی رہتا ہے نہ اندرونی، ایسا مرنے اور بدن سے بالکل جان کھنچ جانے کے بعد ہوتا ہے (۲) جانوں پر مکمل نہیں بلکہ کسی قدر قبضہ کر لیتا ہے۔ بدن پر جان کا بیرونی تصرف ختم ہو جاتا ہے، نہ بدن میں بیرونی حس باقی رہتی ہے نہ حرکت ارادیہ، اس عالم ظاہر سے روح کا علاقہ باقی نہیں رہتا۔ اللہ اس کو عالم مثال (عالم اشباہ) کے مطالعہ

کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ باہر کے تعلق سے رُوح خالی ہو جاتی ہے۔ اس کا رُخ عالمِ مثال کی طرف ہو جاتا ہے (عالمِ مثال میں گذشتہ اور آئندہ واقعات واحوال کی صورتیں بالفعل حاضر ہیں۔ رُوح ان کا مطالعہ کرتی ہے۔ کبھی اس کو پچھلے واقعات دکھائی دیتے ہیں، کبھی آگے آنے والے احوال کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں) ایسا سونے کی حالت میں ہوتا ہے، توفی کے دونوں معنی ہیں (۱) اول معنی وفات دینا پورا پورا قبضہ کر لینا اور بدن سے بالکل نکال لینا، حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ یہاں عموم مجاز کے طور پر مطلق قبض مراد ہے خواہ صرف بیرونی قبضہ ہو (یعنی روح کو بیرونی تصرفات سے روک دیا جائے بدن کی ظاہری حس معطل اور اعضا کی ارادی حرکت ختم ہو جائے۔ یا بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے تصرف سے روک دیا جائے (روح کا تعلق بالکل ہی منقطع کر دیا جائے، نہ اندرونی نظامِ زندگی باقی رہے نہ بیرونی احساس وحرکت یعنی موت آجائے اور بدن سے رُوح نکل جائے۔

یا اَلَّتِیْ لَمْ تَمُتْ سے پہلے دوسرا فعل محذوف قرار دیا جائے اور پورا کلام اس طرح مانا جائے کہ اللہ مرنے کے وقت جانوں پر پورا پورا قبضہ کر لیتا ہے (بدن کو بالکل بے جان بنا دیتا ہے) اور جو جانیں مرتی نہیں ان پر صرف خواب میں قبضہ کر لیتا ہے۔ (بیرونی احساس وحرکت سے ان کو محروم کر دیتا ہے۔

فیمسك التی قضیٰ علیها الموت پھر ان جانوں کو روک لیتا ہے جن کی موت کا حکم دے چکا ہے یعنی نفخۂ قیامت تک ان جانوں کو بدنوں کی طرف نہیں لوٹاتا۔

وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کر دیتا ہے یعنی سونے والوں کی جانوں کو ہوش اور احساس (بیرونی) کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ الیٰ اجل مسمی یعنی اس وقت تک کے لیے رہا کر دیتا ہے جو مرنے کا مقرر ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ یعنی روحوں پر قبضہ کرنے پھر بعض کو روک رکھنے اور بعض کو رہا کر دینے میں۔۔ لَاٰیٰتٍ بیشک بکثرت نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرتِ کاملہ حکمتِ دقیقہ اور رحمتِ عامہ پر دلالت کر رہی ہیں۔ لقوم یتفکرون ان لوگوں کے لیے جو غور کرنے اور سوچنے کے عادی ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ روحوں کا اجسام سے تعلق کیسے ہوا اور کیسا ہے؟

پھر کس طرح مرنے کے وقت بدنوں سے ان کا تعلق بالکل کٹ جاتا ہے اور کس طرح ان کو روک لیا جاتا ہے یا واپس کر دیا جاتا ہے اور بدن کے فنا ہو جانے کے بعد ان کا بقاء کیسے رہتا ہے، پھر ان کی سعادت و شقاوت کے احوال کیسے مختلف ہیں اور کیوں ہیں اور کیا حکمت ہے کہ ان کو کچھ دیر کے لیے ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے کہ کچھ وقت کے لیے حس و شعور سے یہ معطل ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو وقتاً فوقتاً قبض کرنے اور رہا کرنے کا سلسلہ وقت موت تک جاری رہتا ہے جو ان امور پر غور کرتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ جو ذات ان تمام امور پر قادر ہے وہی قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے (تفسیر مظہری کا ترجمہ)

شبیر احمد عثمانی

تفسیر عثمانی ص ۶۰۰ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر واپس بھیجتا ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے۔ اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی وہ ہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو ظاہری ہوش کہتے ہیں اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھنچتی (موضح القرآن)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عبدالماجد دریابادی رح

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمہ فرماتے: نفس کا مفہوم بہت وسیع ہے وہ روح کے مرادف ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں یا نفس حیاتی (یا فزیکل لائف) دوسرے

نفس شعوری (یا سائیکیکل لائف) ولکل انسان نفسان احدھما نفس الحیاۃ وھی التی تفارقہ عند الموت فتزول بزوالھا النفس والاخری نفس التمییز وھی التی تفارقہ اذا نام وھو بعد النوم یتنفس (معالم، مدارک)
ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک تو نفس حیاتی جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے اور دوسرا نفس ادراک وہ نیند کے وقت اس سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد واپس آجاتا ہے یتوفی ..... موتھا یہ سلب روح من کل الوجوہ ہوتا ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے نہ شعور نہ ادراک۔ والتی .... مناھا یہ سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے جس سے حیات جسمانی جوں کی توں باقی رہتی ہے لیکن شعور و ادراک باقی نہیں رہتا۔ نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے [۵۴]

سو وہ معطل روحیں جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں فیمسک ..... الموت سو یہ روحیں پھر تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں، حضرت علی رضؓ سے روایت ہے یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہ فی الجسد فبذالک یری الرؤیا فاذا انتبہ من النوم عاد الروح الی جسدہ بامر ما من لحظتہ (معالم، مدارک) اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے اور سونا والا انسان اسی جزئی تعلق کی بنا پر خواب دیکھتا رہتا ہے پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آجاتی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:
کہ فی ابن آدم نفس وروح بینھما شعاع مثل شعاع الشمس فالنفس ھی التی بھا العقل والتمییز والروح ھی التی بھا النفس والتحرک فاذا نام العبد قبض اللہ نفسہ ولم یقبض روحہ (مدارک) ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی اور دونوں کا ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے۔ پس نفس تو وہ ہے جو

ادراک و شعور کا مبدا ہے اور روح وہ ہے جس سے تنفس و حرکت قائم ہے اور انسان جب سوتا ہے تو خدا تعالےٰ اسکے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو۔

نعیم الدین مراد آبادی

پھر جس پر موت کا حکم فرمادیا اسے روک رکھتا ہے (یعنی اس جان کو اس کے جسم کی طرف واپس نہیں کرتا۔

سبحان الہند رح

حضرت سبحان الہند مولانا احمد سعید صاحب رح کشف الرحمٰن ص ۲۳۸ میں فرماتے ہیں خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم میں نفس ایک روح ہے ان دونوں کے درمیان ایسا ہی تعلق ہے جیسا آفتاب کا تعلق شعاع سے پس نفس تو وہ ہے کہ بسبب اس کے عقل و تمیز ہے اور روح وہ ہے کہ بسبب اس کے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے پس جب سو جاتا ہے بندہ، تو قبض کرتا ہے اللہ تعالےٰ نفس اس کا اور نہیں قبض کرتا روح اس کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں نکل جاتی ہے روح (یعنی ہوش ۱۲) اور اور باقی رہتی ہے شعاع اسکی بدن میں، پس ساتھ اس کے خواب دیکھتا ہے پس جب جاگنے لگتا ہے نیند سے پھر آتی ہے روح (ہوش ۱۲) اس کے بدن کی طرف جلد تر پلک مارنے سے۔ بہر حال یہ تو ظاہر ہے کہ نیند موت کی بہن ہے نیند میں بھی کوئی چیز قبض ضرور ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا هُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آدمی رات کو سویا اور سویا کا سویا رہ گیا۔ جیسا کہ پچھلے دنوں انگلستان کا بادشاہ سویا کا سویا رہ گیا تھا اور لاکھوں مخلوق رات کو سو کر صبح اٹھ بیٹھتی ہے۔ اگر من کل الوجوہ موت نہیں آتی تو من بعض الوجوہ حیات رہتی ہے اور اسی حیات کو صحابہ رض نے شعاع سے تعبیر کیا ہے۔ سوتے میں جو تصرف ہوتا رہتا ہے وہ شعاؤں کا اثر ہوتا ہے اور من کل الوجوہ موت وہ ہے جس میں حیات کا کوئی اثر نہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت فرمایا کرتے تھے بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِاسْمِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ

نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ الصَّالِحِیْنَ یعنی تیرے ہی نام کے ساتھ اے پروردگار اپنا پہلو رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ اس کو اٹھاتا ہوں۔ اگر آپ میرے نفس کو روک لیں تو اس پر رحم فرمائیں اور اگر اس کو چھوڑ دیں تو پھر نفس کی ان باتوں سے حفاظت کریں جن باتوں سے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتے ہو۔

محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن میں اس آیت کا ترجمہ و مطلب اس طرح بیان فرمایا ہے "اللہ ہی قبض یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جن کا وقت موت آگیا ہے ان کی موت کے وقت (مکمل طور پر کہ زندگی بالکل ختم ہو جائے) اور ان جانوں کو بھی جن کو موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (یہ تعطیل بالکلیہ نہیں ہوتا۔ ایک حیثیت حیات کی باقی رہ جاتی ہے مگر ادراک نہیں رہتا اور موت کی صورت میں نہ ادراک رہتا ہے نہ حیات) پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو (بدن کی طرف عود کرنے سے) روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو، جو نیند کی وجہ سے معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین (یعنی مدت تک کے لیے آزاد کر دیتا ہے کہ پھر واپس جا کر بدن میں بدستور سابق تصرفات کرنے لگے) اس (مجموعہ تصرفات الٰہیہ) میں ان لوگوں کے لیے جو سوچنے کے عادی ہیں (خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بلا شرکت غیرے تمام عالم کے انتظامات کرنے پر دلائل ہیں (جن سے اللہ کی توحید پر استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد ص ۵۶۲ پر معارف و مسائل کے تحت فرماتے ہیں۔

موت اور نیند کے وقت قبض روح اور دونوں میں فرق کی تفصیل۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا توفی کے لفظی معنے لینے اور قبض کر لینے کے ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں وہ جب چاہے

ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرف خداوندی کا مظاہرہ ہر جاندار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی پھر واپس نہ ملے گی۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے کے ہیں، کبھی یہ ظاہراً و باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے اسی کا نام موت ہے۔ اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے، باطناً باقی رہتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامت زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح انسانی کو عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پا سکے اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکورہ میں لفظ توفی بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنوں پر حاوی ہے موت اور نیند۔ دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر ذکر کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطۂ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔

پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی طرف واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رؤیائے صادقہ نہیں رہتا۔ اور آخر فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روح انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آجاتی ہے۔

شیخ زادہ

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا ای یقبضہا عن الابدان بان یقطع تعلقہا عنہا وتصرفہا فیہا امّا ظاہرًا او باطنًا وذالک عند الموت او ظاہرًا لا باطنًا وھو فی النوم فیمسک التی قضیٰ علیہا الموت ولا یردّھا الی البدن (بیضاوی) فنقول انہ فی وقت الموت ینقطع تعلقہ عن ظاہر ھٰذا البدن و عن باطنہ حیث لا یتصرف فی ظاہر البدن فقط حیث تتعطل حواسہ الظاہرۃ باسرھا لا عن باطنہ لان النّائم حیّ متنفس کما فی حال یقظتہ۔ فالموت والنوم جنس واحد بھٰذا الاعتبار لکن الموت انقطاع تام کامل والنوم انقطاع ناقص

اس سے پہلے لکھا فالنفس المائتۃ والنّائمۃ یشترکان فی ان لکل واحد منہما مقبوضۃ للّٰہ تعالیٰ بمعنی انہ تعالیٰ یقطع تعلقہا عن الابدان وتصرفہا فیہا ویفترقان من حیث ان النفوس النّائمہ یرسلہا ولا یردھا الی یوم البعث (شیخ زادہ)

مولانا تھانوی رح

اللہ ہی قبض یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جن کا وقت موت آگیا ہے ان کی موت کے وقت (من کل الوجوہ) اور جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (من بعض الوجوہ) کہ حیات رہتی ہے ادراک نہیں رہتا اور موت میں دونوں چیزیں بدن میں نہیں رہتیں، پھر اس معطل کرنے کے بعد تو ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو نوم میں معطل ہو گئی تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین یعنی مدت عمر تک کے لیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں (بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۳)

صفدری خیانت

عبارت بالکل واضح ہے جس کی تشریح کی کچھ ضرورت نہیں علم سے معمولی تعلق رکھنے والا بھی بآسانی وسہولت مطلب سمجھ لیتا ہے کہ موت کے وقت من کل الوجوہ تعطل ہو جاتا ہے کہ نہ تو حیات رہتی ہے اور نہ ادراک رہتا ہے یعنی جو مر گیا وہ ہٹ کے پھر عالم دنیا میں نہیں آتا اور نہ عالم دنیا کے لوگوں کا ادراک کر سکتا ہے نہ انہیں جان پہچان سکتا ہے نہ ان کی باتیں سن سکتا ہے۔

مگر مولینا نے پہلی عبارت جو ان کے خیال کی صحیح تردید کرتی تھی بالکل ہضم کر لی، کہ اس میں ہیرا پھیری نہیں ہو سکتی تھی، پھر جس عبارت میں ہیرا پھیری کر سکتے تھے وہ عبارت تسکین طبع دوم ص ۲۷۵ میں لکھ کر ہیرا پھیری کر کے جمہور کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔ پھر کہا روح پر تو موت ہی وارد نہیں ہوتی (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۷۵ سطر ۱۰)

صفدری جہالت

مخدوما! حق چھپانا حرام ہے۔ آپ نے کتاب الروح ص ۲۳۶ میں نہیں پڑھا؟ الروح توصف بالوفاۃ والقبض والامساک والارسال (وفاۃ، قبض، امساک، ارسال روح کی صفتیں ہیں) کیا روح المعانی ص ۴ ج ۱۵ میں آپ نے نہیں پڑھا الصواب ان یقال موت الروح ھی المفارقۃ عن الجسد (صحیح بات یہی ہے، جسد عنصری سے روح کا جدا ہونا ہی روح کی موت ہے۔

فرمان سیوطی رح

شرح الصدور ص ۱۰۱ میں سیوطی رح کا قول آپ نے نہیں پڑھا جو فرماتے ہیں۔

قلت وھو المراد بما اخرجہ ابن السنی عن ابن مسعود رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل المقابر قال السلام علیکم ایتھا الارواح الفانیۃ والابدان البالیۃ والعظام النخرۃ التی خرجت من الدنیا۔

ھی باللہ مومنۃ اللھم ادخل معھم روحا منک وسلاما منا موول۔

یان المرا دبفناء ھذہ الارواح ذھا بھا من الاجساد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں داخل ہوتے وقت فرماتے تھے اے فنا ہونے والی روحو! اے بوسیدہ ہونے والے بدنو! اے گل سڑ کر کھوکھلی ہو جانے والی ہڈیو! جو عالم دنیا سے نکل گئی ہو اور اللہ پر ایمان رکھتی تھیں تم پر سلامتی ہو ....

اس کا مطلب یہ ہے کہ روحوں کے فنا ہونے سے مراد ارواح کا اجسادِ عنصریہ سے نکل جانا۔

امام عبدالعزیزؒ

تفسیر فتح العزیز پارہ عم ص ۱۰۶ بھی آپ نے ضرور پڑھا ہوگا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

رُوح کی موت کا مفہوم

رُوح را بدو معنی موت لاحق شود یکے از باز ماندن از ترقی، دوم از بعضے تمتعات و تلذذات مثل اکل و شرب و سیر و دور باز ماند .... موت روح بایں ہر دو معنی مر غیر شہیدان راہ خدا است۔ اما شہیدان راہ خدا را در حقیقت ایں ہر دو معنی موت ہم نیست غایت فنائے او آن است کہ مفارقت بدن نماید و باز نیز محفوظ و مصئون است در دست موکلان ارواح (فتح العزیز پ عم ص ۱۰۶)

رُوح کو دو معنوں سے موت آتی ہے ایک اس معنی سے کہ جسم سے نکلنے کے بعد ترقی کرنے سے رہ جاتی ہے۔ دوسرے اس معنی سے کہ کھانے پینے سیر کرنے اور دور کرنے جیسے منافع حاصل کرنے سے رہ جاتا ہے لیکن جو خدا کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں درحقیقت ان کی روحوں کو ان دونوں معنوں کے اعتبار سے موت نہیں ....

ہاں زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ اس معنی سے روح کا فنا ہونا ہے کہ بدن عنصری سے روح کی مفارقت رہتی ہے۔ پھر بھی موکلانِ ارواح کے ہاتھوں سے

محفوظ و مصون رہتی ہے۔

عربی تفسیروں کے حوالجات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (الارواح) یقبضھا حین فناء اکلھا وانقضاء اجالھا) حین موتھا (موت اجسادھا) وَ (یتوفی الانفس) الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ (التی یکون بھا العقل والتمیز) فِیْ مَنَامِھَا (تشبیھاً للنائمین بالموتی حیث لا یمیزون ولا یتصرفون کما ان الموتی کذالک ومنہ قولہ تعالیٰ وھو الذی یتوفکم باللیل (مدارک ص۵۷ ج۴) فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت (الحقیقی) فلا یردھا الی الجسد) ویرسل الاخریٰ (التی لم یقض علیھا الموت الی الجسد) اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی (ای الی ان یاتی وقت موتہ. (خازن ص۵۷ ج۴ وفی البیضاوی لا یردھا الی البدن ص۳۱۹ پ۲۴) یعنی اللہ کھینچتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا، اور جو نہیں مریں، ان کی نیند میں، پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے وعدے تک یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے، پھر بھیجتا ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے جیسے موت میں، اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی وہی موت ہے، مگر یہ جان وہ ہے جس کو "ہوش" کہتے ہیں اور ایک جان جس سے دم چلتا ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھنچتی۔

فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ولا یردھا الی ابد انما بل یبقیھا علیٰ ما کانت علیہ وینضم الی ذالک قطع تعلق التصرف باطنا وعبر عن ذلک بالامساک لیناسب التوفی (روح پ۲۴ ص۷) ثم کتب تحت قولہ تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ، یتفکرون فی کیفیۃ تعلق الانفس بالابدان وتوفیھا عنھا تارۃ بالکلیۃ عند الموت وامساکھا باقیۃ لا تفنی بفنائھا الی ان یعید اللہ تعالیٰ الخلق الخ (پ۲۴ ص۹ روح)

قال ابن عباس یمسک انفس الاموات ویرسل انفس الاحیاء ولا یغلط

(ابن کثیر پ۲۴، ص۲۴۸)

ان سب کا خلاصہ مطلب وہی ہے جو اردو تفسیروں میں پڑھ چکے ہو۔

آیت نمبر ۲

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ، اور جب جیوں کے جوڑ بندھیں۔

تفسیر بغوی ج۴ ص ۲۱۵ میں حضرت عکرمہؓ سے یہ معنی روایت کیے ہیں: ردت الارواح الی الاجساد وذالک یوم البعث یعنی جس وقت روحیں ان اجساد عنصریہ کی طرف واپس کردی جائیں گی، اور یہ واپسی اسی دن ہوگی جو یوم البعث کہلاتا ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۳۹ میں لکھا کہ وَاِذَا النفوس زُوِّجَتْ کے کئی معنی ہیں جن میں سے ایک معنی یہ ہیں قرنت الارواح بالاجساد یعنی روحوں کو ان عنصری بدنوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔

امام ابو السعود نے بھی اپنی تفسیر ج ۸ ص ۳۹۴ میں یہی لکھا ہے ای قُرِنَتْ باجسادھا یعنی روحیں اپنے جسموں کے ساتھ جوڑ دی جائیں گی۔

علامہ سید محمود آلوسی رح نے روح المعانی پ۳۰ ص۵۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر نقل فرمائی ترسل الارواح فتزوج الاجساد وقد ذالک قول اللہ تعالیٰ وَاِذَا النفوس زُوِّجت یعنی روحوں کو چھوڑ دیا جائے گا اپنے اپنے مقاموں سے پھر ان کو ان اجساد عنصریہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور وَاِذَا النفوس زوجت جو فرمان الٰہی ہے اس کا یہی مفہوم ہے اور ضحاک نے بھی یہی مفہوم بتایا ہے۔

تفسیر ابن کثیر پ۳۰ ص ۱۲۴ میں ہے کہ یہی معنی ابو العالیہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، شعبی اور حسن بصری نے بھی کیے ہیں ای زُوِّجَتْ بالابدان یعنی ابدان عنصریہ کے ساتھ ان روحوں کو جوڑ دیا جائے گا۔

اسی طرح علامہ مفسر ابن جریر رح نے اپنی تفسیر میں اسانید کے ساتھ ص ۴۵ پ۳۰

میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح علامہ نیشاپوری رحمہ نے پ ۳ ص ۳۳ میں بتایا کہ تزویج النفوس اقترانہا الارواح بالاجساد یعنی تزویج نفوس کے معنی یہ ہیں کہ روحیں اجساد عنصری کے ساتھ مقترن و مقارن ہو جائیں گی۔

اور حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ فتح الرحمن میں ترجمہ اس طرح فرمایا: "وقتیکہ ارواح را با جساد جمع کردہ شود"۔ یعنی جس وقت کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

الغرض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و عکرمہؒ و ضحاکؒ و ابوالعالیہؒ و سعید بن جبیرؒ و شعبیؒ و حسن بصریؒ رحمہم اللہ تعالےٰ سب نے یہی تفسیر فرمائی ہے کہ قیامت کے روز ہی ارواح اپنے اپنے عنصری بدنوں کی طرف واپس لوٹائے جائیں گے اس سے پہلے کوئی روح بدن عنصری کی طرف نہیں لوٹے گی۔

وَاِذَا النفوس زوجت کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اسی طرح حضرت ابو العالیہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، شعبی اور حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے جیسے روح المعانی پ ۳۰ ص ۴۷۷ میں صراحتہً موجود ہے ثم ترسل الارواح فتزوجت الاجساد فذالک قولہ تعم وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ای زوجت بالابدان۔

تفسیر مرادیہ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ میں ہے: پھر حضرت اسرافیلؑ بہت خوش آوازی سے دوسرا صور دم کریں گے اور اس آواز میں کہیں گے اے ارواح! تم سب اپنے اپنے بدنوں میں داخل ہو جاؤ، سب ارواحیں صور میں سے ٹڈی کی طرح سے اڑ کر اپنے اپنے بدنوں میں داخل ہو جائیں گی۔ ترتیب سے اول آخر کے سب مردے جی اٹھیں گے حشر کا دن ظاہر ہو جائے گا۔ قیامت قائم ہو جائے گی اس حقیقت کو اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا و اذا النفوس زوجت جس وقت روحیں بدنوں کے ساتھ ملائی جائینگی سب آدمی زندہ ہوں گے۔ جی اٹھیں گے۔ پھر اچھے لوگوں کو اچھوں کے ساتھ جمع کریں گے۔ برے لوگوں کو بروں کے ساتھ جمع کریں گے، مومنوں کو مومنوں کے ساتھ، کافروں کو کافروں

کے ساتھ، اسی طرح ہر جنس کو ہر جنس کے ساتھ ملائیں گے، سچوں کو سچوں کے ساتھ، دوستوں کو دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کو دشمنوں کے ساتھ، جھوٹوں کو جھوٹوں کے ساتھ، شاہوں کو شاہوں کے ساتھ، چوروں کو چوروں کے ساتھ، جیسوں کو نیسوں کے ساتھ جمع کریں گے۔ سب کی جمع تفریق ہو جائے گی۔

جواہر القرآن پ ۳۰ ص ۱۳۴۸ میں ۳ مکھا وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ یہاں تک کہ وہ چھ احوال مذکور ہوئے جو نفخۂ اولیٰ کے بعد ظاہر ہوں گے، آگے ان احوال کا بیان ہے جو نفخۂ ثانیہ کے بعد ظہور پذیر ہوں گے وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ اور جب روحیں بدنوں سے ملا دی جائیں گی اور تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کے احوال میں سے پہلا حال ہے۔

آیت نمبر ۳

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ (اے جی چین پکڑے! پھر چل اپنے رب کی طرف)

بغوی ج ۴ ص ۲۲۳ و خازن ج ۴ ص ۳۷۹ و ابو سعود ج ۸ ص ۴۲۶ میں حضرت عکرمہؒ، عطاؒ اور ضحاکؒ سے اور بغوی ج ۴ ص ۴۰۰ میں بروایت عوفیؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہ مفہوم نقل کیا گیا ہے کہ اے روح! واپس اپنے صاحب یعنی اپنے جسدِ عنصری کی طرف جا۔ پھر اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم فرمائے گا کہ اپنے اجسادِ عنصریہ کی طرف واپس لوٹ جائیں۔ رہا یہ کہ یہ ارشاد اللہ کا کب ہوگا سو اس وقت ہوگا جب سب کتاب کے لیے مکلف لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائیگا

ای الی صاحبك وجسدك ویامر الله الارواح ان ترجع الی الاجساد انما یقال ذالك عند البعث۔

خازن ج ۴ ص ۳۷۸ میں ہے کہ بعض نے کہا کہ یہاں نفس سے روح مراد ہے اور فادخلی فی عبادی کا مطلب فادخلی فی اجساد عبادی یعنی میرے بندوں

کے اجسادِ عنصریہ میں داخل ہو جا جن سے تو جدا ہوئی تھی اور یہ بات بعث کے وقت روح کو کہی جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم فرمائے گا کہ اپنے عنصری اجساد کی طرف واپس لوٹ جائیں وقیل المراد بالنفس الروح والمعنی فادخلی فی اجساد عبادی التی فارقتِ عنہا۔ انما یقال ذٰلک لہا عند البعث فیامر اللہ الارواح ان ترجع الیٰ اجسادہا۔

روح المعانی پ۳۰ ص ۱۳۲ میں ہے کہ بعض نے یہ معنی کیے ہیں ارجعی الیٰ ربک موت کے وقت کہا جائے گا کہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف واپس جا اور رب تعالیٰ کی طرف جانے کا مطلب ہے روح کا عالمِ دنیا سے نکل کر عالمِ برزخ کی طرف جانا، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تب رُوح کو کہا جائے گا کہ اب میرے بندوں کے اجسادِ عنصریہ میں واپس جا پھر میری جنت میں داخل ہو ھٰذا عند الموت ورجوعہا الیٰ ربہا خروجہا من الدنیا فاذا کان یوم القیامۃ قیل لہا ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

ابن جریرؒ نے کہا مُراد یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جائے۔

ابن عباس رضؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ قیامت کے روز ارواح اپنے اجسام میں واپس کی جائیں گی اور جو ثواب جمیل ہوگا اس سے راضی اور خوش ہوں گے۔

یہ اقوال جو بیان ہوئے ہیں ان میں کچھ اختلاف نہیں، سب کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قیامت کے روز ہی ارواح اپنے اپنے اجسادِ عنصریہ میں داخل ہوں گے اس سے پہلے نہیں۔

معارف القرآن پ۳۰ ص ۴۴۷ میں ہے یعنی لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف، لوٹنے کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پہلا مقام بھی رب کے پاس تھا اب وہیں سے واپس جانے کا حکم ہو رہا ہے، اس سے اس روایت کی تقویت ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ... مؤمنین کی ارواح ان کے اعمالنامول کے ساتھ علیین میں رہیں گی اور علیین ساتویں آسمان پر عرش الرحمٰن کے سائے میں وہی مقام ہے۔ کل ارواح انسان کا اصلی مستقر وہی ہے وہیں

سے روح لاکر انسان کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور پھر موت کے بعد وہیں واپس جاتی ہے۔

آیت نمبر ۴

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ط (حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں)

قوم نے اس سے دشمنی کی کہ مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں قوم کی خیر خواہی رہی کہ اگر معلوم کریں میرا حال تو سب ایمان لاویں۔

ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کو ارشاد ہوا کہ جنت میں جا داخل ہو۔

سبحان الہند فرماتے ہیں (اس مقام پر علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ شہید کر دیا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ زندہ اُٹھا لیا گیا) اگر وہ شہید کر دیا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ دخولِ جنت سے مراد، شہداء کا وہ مقام ہوگا جو جنت سے متصل ہے اور اگر زندہ اُٹھا لیا گیا تو جنت ہی مراد ہوگی اور وہ اس وقت تک زندہ رہے گا جب عالمِ روحانیت کے باشندوں کو موت آئے اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہو کر جنت میں داخل کیا جائے۔

فرمایا کہ زندہ اُٹھائے جانے کا قول حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے کسی نے یونہی حسن بصری کی طرف منسوب کر دیا۔

مدارک و خازن ج ۴ ص ۶ میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ آدمی شہادت پا چکنے کے بعد ایسا ہوا کہ اس کی روح جنت میں داخل ہو گئی اور اس کا جسم انطاکیہ شہر میں دفن تھا۔

تفسیر ابن عباس میں بھی یہی ہے کہ اس کی روح کو حکم ہوا کہ جا جنت میں۔ پھر جنت میں جا چکنے کے بعد اپنی قوم کے بارے آرزو کرنے لگا۔ (تفسیر تنویر المقباس ج ۳ ص ۲۰۳)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ نے قیل ادخل الجنۃ کے ف میں لکھا یعنی فوراً بہشت کا پرواناہ مل گیا۔ آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی سے شہید کر ڈالا۔ ادھر شہادت واقع ہوئی اُدھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا۔ جیسے کہ ارواحِ شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل

ہوتی ہیں۔ اگلے ف میں فرمایا "قوم نے اس کی دشمنی کی کر مار ڈالا۔ اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام خدا تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کر لیں تو سب ایمان لے آئیں۔

جواہر القرآن پ ۲۳ ص ۹۸۳ میں تفسیر مظہری ج ۸ ص ۷۹ کے حوالہ سے لکھا ہے، حبیب نجار چونکہ شہید تھا اس لیے دیگر شہداء کی طرح اس کی روح کو پرندے کے قالب میں جنت میں داخل کر دیا گیا۔ فادخلہ اللہ الجنۃ وھو حی فیھا یرزق یعنی حیاۃ الشھداء

دخول کا مفہوم

دخول کے معنی اس سے پہلے ہدایہ کے حوالہ سے گزر چکے ہیں انفصال من الخارج الی الداخل تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ حبیب نجار جب جنت میں داخل ہو گیا تو جنت سے باہر نہیں، اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری جنت میں نہیں بلکہ انطاکیہ میں مدفون ہے۔ اور انطاکیہ اس زمین میں ہے جنت میں نہیں اور حبیب نجار کی روح جنت میں داخل ہوئی ہے۔ وہیں عیش و عشرت میں رہتی ہے۔

تبادر ان آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب موت کے وقت روح جسد عنصری کے تفس کو چھوڑ کر پرواز کر جاتی ہے تو واپس اس جسد عنصری میں یوم حشر تک نہیں آتی۔ یوم حشر میں دوبارہ روح اس جسد عنصری میں ڈالی جائے گی۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ ۔ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ (فی البرزخ) اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ ۔

آیت نمبر ۵

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ۔

بولے اے رب ہمارے! تو موت دے چکا ہم کو دو بار، اور زندگی دے چکا دو بار

حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رح حاشیہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں:

پہلے مٹی تھے یا نطفہ، تو مُردے ہی تھے، پھر جان پڑی تو جی پایا پھر مرے پھر جیے، یہ ہوئیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم جو حیاتِ ثانیہ کا انکار کیا کرتے تھے اور اسی کے انکار سے کفر و شرک و جمیع معاصی پر دلیر تھے۔ اب ہم کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ چنانچہ ہم نے دیکھ لیا کہ آپ نے ہم کو دو بار مُردہ رکھا (ایک بار قبل تولد جبکہ حالتِ جمادیت میں تھے جس میں جان متعارف نہیں ہوتی اور دوسری جس کو سب موت کہتے ہیں، اور دو بار زندگی دی (ایک دنیا کی زندگی دوسری آخرت کی۔

(بیان القرآن ص ۳۲، ۱۰)

اسی طرح عبداللہؓ بن مسعود، عبداللہؓ بن عباس، ابو العالیہ، حسنؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ابو صالحؒ ضحاکؒ، عطاء خراسانی وغیرہ مفسرین سے مروی ہے۔ قال سفیان الثوری عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن ابن مسعودؓ قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا قال ھی التی فی البقرۃ وکنتم امواتا فاحیاکم وقال ابن جریج عن ابن عباس کنتم امواتا فاحیاکم اموات فی اصلاب آبائکم لم تکونوا شیئا حتی خلقکم ثم یمیتکم موتۃ الحق ثم یحییکم حین یبعثکم قال وھی مثل قولہ تعالیٰ امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین وقال الضحاک عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین قال کنتم ترابا قبل ان یخلقکم فھذہ میتۃ ثم احیاکم فخلقکم فھذہ حیاۃ ثم یمیتکم فترجعون الی القبور فھذہ میتۃ اخریٰ ثم یبعثکم یوم القیامۃ فھذہ حیاۃ اُخریٰ فھذہ میتتان و حیاتان فھو کقولہ تعالیٰ کیف تکفرون باللہ وکنتم اَمْوَاتًا فاحیاکم ثم یمیتکم ثُمَّ یحییکم ثم الیہ ترجعون وھکذا روی عن السدی بسندہ عن ابی مالک وعن ابی صالح عن ابن عباس وعن مرۃ عن ابن مسعود وعن ناس من الصحابۃ وعن ابی العالیۃ والحسن ومجاھد وقتادۃ و

ابی صالح والضحاک وعطاء الخراسانی نحو ذالک ثم قال **وھو الصحیح** وھو کقولہ تعالیٰ قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ الی یوم القیامۃ الآیۃ۔ کما قال تعالیٰ فی الاصنام اموات غیر احیاء وما یشعرون الآیۃ۔ وقال وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ (ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۲) واما قول اھل النار ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فتفسیر ھٰذہ الآیۃ التی ھی فی البقرۃ وھی قولہ تعالیٰ کیف تکفرون باللّٰہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون فکانوا امواتا وھم نُطَفٌ فی اصلاب آبائھم وفی ارحام امھاتھم ثم احیاھم بعد ذالک ثم اماتھم ثم یحییھم یوم النشور ولیس فی ذالک اماتۃ ارواحھم قبل یوم القیامۃ (کتاب الروح ص ۵۲)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اس آیت کا ترجمہ مولینا محمد شفیع صاحب نے یہ کیا:

معارف القرآن ج ۷ ص ۵۸۶ میں ہے۔ وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم جو دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا کرتے تھے اب ہم کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی چنانچہ دیکھ لیا کہ آپ نے ہم کو دو مرتبہ مردہ رکھا (ایک مرتبہ پیدائش سے پہلے کہ ہم بے جان مادہ کی صورت میں تھے اور دوسری مرتبہ اس عالم میں آنے اور زندہ ہونے کے بعد متعارف موت سے مردہ ہوئے) اور دو مرتبہ زندگی دی (ایک دنیا کی زندگی اور دوسری آخرت کی زندگی۔ یہ چار حالتیں ہیں جن میں سے انکار تو صرف ایک یعنی آخرت کی زندگی کا تھا، مگر باقی تین حالتوں کا ذکر اس لیے کر دیا کہ وہ یقینی تھیں اور اس اقرار کا مقصد یہ تھا کہ اب چوتھی قسم بھی پہلی تین کی طرح یقینی ہوگئی)

مفسر رازیؒ کا بیان

ثم انہ سبحانہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیامۃ الکبریٰ

حتی تنضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الرّوحانیۃ (رازی ج ۲ ص ۳۷)
روز قیامت ہی میں اللہ تعالےٰ اس روح کو بدن کی طرف واپس کرے گا حتیٰ کہ جسمانی احوال روحانی احوال کی طرف آ جڑیں گے۔ منضم ہوں گے۔

سیّد آلوسی رح کا بیان

الارواح فی غایۃ اللطافۃ وفیہا قوۃ التجسد.... واما القول بحیاۃ ھٰذا الجسد الرّمیم معھدم بنیتہ وتفرق اجزاءہ وذھاب ھیئتہ وان لم یکن ذلک بعید اعن قدرۃ مَنْ بدأ الخلق ثم یعیدہ لکن لیس الیہ کثیر حاجۃ ولا فیہ مزید فضل ولا عظیم منۃ بل لیس فیہ سوی ایقاع ضعفۃ المومنین بالشکوک والاوھام وتکلیفھم من غیر حاجۃ بالایمان بما یعدّون قائلہ من سقمۃ الاحلام الخ ص ۱۹/۲ روح المعانی)

صوفی خازنؒ کا بیان

فان قلت نحن نراھم موتیٰ فما معنی قولہ بل احیاء وما وجہ النھی فی قولہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات قلت معناہ لا تقولوا اموات بمنزلۃ غیرھم من الاموات بل ھم احیاء تصل ارواحھم الی الجنان کما ورد ان ارواح الشھداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ فھم احیاء من ھٰذہ الجھۃ وان کانوا امواتا من جھۃ الخروج من اجسادھم (خازن ص ۹۵)
اس اعتبار سے ان کی روحیں جنت کا سیر کرتی ہیں، زندہ ہیں اور اس اعتبار سے کہ جسد عنصری سے روح خارج ہے وہ مُردے ہیں۔

بہرحال قرآنی آیات، جمہور صحابہؓ و تابعینؒ وکثیر من المحققینؒ اسی طرف ہیں کہ اس جسد عنصری کی طرف دوبارہ قیامت کبریٰ سے پہلے روح نہیں لوٹتی اور وہ حیات روحانی اور جزائی ہے۔ نہ ابتدائی اور نہ اعادی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باسانید صحیحہ ثابت ہے بلکہ اصح الاسانید سے۔

مفسّر ابنِ کثیرؒ

حضرت مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ج ۲ ص ۲۸۴ میں لکھتے ہیں:

ارادوا بالاماتۃ الاولیٰ اموا تا وبالثانیۃ اماتتھم عند انقضاء اجالھم وبالحیوۃ الاولیٰ احیاءتھم بنفخۃ الروح فیھم وھم فی الارحام وبالثانیۃ احیاءتھم باعادۃ ارواحھم الی ابدانھم للبعث روی عن ابن عباس و ابن مسعود وعبد بن حمید وقتادۃ والضحاک وابی مالک وجعلوا ذٰلک نظیر وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم وھذا ھو الصواب الذی لاشک فیہ ولا مریۃ (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۴)

مولٰنا عثمانیؒ

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں پہلے مٹی تھے یا سوئے ہوئے تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے۔ پھر مرے۔ پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں، قال کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون وقیل غیر ذالک وھو الاظھر ھذا (حاشیہ شبیر ص ۶۰۶)

اور بقاعدہ صفدریہ نقل تصحیح ہے۔ حضرت عثمانی رح نے شاہ صاحبؒ کے قول کی تصویب فرمائی۔

الحاصل

اب دیکھئے صحابہ، تابعین، مجتہدین و مفسرین کی جماعت کثیرہ ہم غفیر، ضحاک سدی ابوالعالیہ حسن، مجاہد، قتادہ، ابوصالح، عطاء خراسانی، عبد بن حمید، ابومالک، ثوری وغیرہ سب یہی کہتے ہیں کہ ثم یحییکم سے وہی حیات مراد ہے جو قیامت کو ہوگی

اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، یعنی دوسرے اقوال غلط ہیں اور غلط کیوں نہ ہوں جب اس کا راوی سدی ہے، جس کے متعلق خود صاحب "تسکین" "ازالۃ الریب"، ص ۳۲۴ میں لکھتے ہیں "یہ سند کمزور ہے اور ضعیف ہے اس قابل نہیں کہ اس سے احتجاج کیا جا سکے۔ پھر سدی کبیر کے متعلق جوزجانی سے کذاب شتام کے الفاظ طبری سے لایحتج بحدیثہ کے الفاظ نقل فرمائے اور سدی صغیر کے متعلق محمد طاہر کی کتاب تذکرۃ الموضوعات ص ۹۰ کے حوالے سے کذاب لکھا۔ پھر ص ۳۲۷ میں جریر بن عبدالحمید کے حوالے سے بھی کذاب لکھا۔ نسائی، ابو حاتم، بیہقی، ابن کثیر کے حوالے سے متروک الحدیث لکھا، صالح بن محمد کے حوالے سے کان یضع لکھا (ص ۳۲۷)

اور ظاہر ہے کہ غلط احتمال صحیح احتمال کی قطعیت کے لیے کیسے آڑ بن سکتا ہے؟ لہٰذا حق یہی ہے کہ جسد عنصری سے روح نکل کر برزخ میں خوش عیشی یا عذاب میں رہتی ہے۔ قیامت سے پہلے اس جسد عنصری میں واپس نہیں آتی۔

احادیثِ نبویؐ در تائید آیاتِ ربّی

ارواح المؤمنین فی الجنۃ احادیث متواترہ

(۱) شرح الصدور میں بحوالہ بزار و طبرانی حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ سے حضرت خدیجہؓ کے بارے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اس کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے ساحل پر ایک عالی شان مکان میں دیکھا ہے جو جنت کے سرکنڈوں سے بنا ہوا ہے بڑے چین سے ہے نہ وہاں بیہودہ گوئی ہے نہ تھکن۔

(۲) حضرت فاطمہؓ نے نبیؐ سے پوچھا ہماری اماں جان خدیجہؓ کہاں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جنتی یاقوت و قصب سے تیار کیے ہوئے عالیشان مکان میں ہیں۔

(۳) حضرت ثوبانؓ نے فرمایا جس کی روح جسم سے الگ ہو جائے اور تکبر، حرام خوری اور قرض سے بری ہو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۴) ایک آدمی نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ نبی پاکؐ کی روح قبض ہوئی، اب کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ جنت میں!

(۵) ہذیل نے فرمایا: فرعونیوں کی ارواح کالے پرندوں کے پوروں میں رہ کر صبح شام آگ پر پیش ہوتے ہیں اور شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوروں میں، اور مسلمانوں کے نابالغ بچے جنت کی چڑیوں میں رہ کر چہچہاتی اور سیر کرتی ہیں۔

(۶) حضرت عمرؓ نے فرمایا مومنین کی روحیں عرش کے سایہ میں سفید پرندوں کی صورتوں میں اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں رہتی ہیں۔

(۷) ابن عمرؓ فرماتے ہیں مومنوں کی ارواح جنت کا پھل کھاتی ہیں۔

(۸) حضرت کعبؓ نے فرمایا جنت الماوی میں سبز پرندے چرتے ہیں ارواح مومنین و شہداء ان میں رہ کر جنت میں سیر کرتی ہیں اور فرعونیوں کی ارواح سیاہ پرندوں کے قالب میں رہ کر صبح و شام آگ پر جاتے ہیں اور مومنین کے نابالغ بچوں کی

ارواح جنتی چڑیوں میں رہتی ہیں۔

(۹) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا جسم سولی پر لٹکا ہوا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو تسلی دینے گئے کہ غم نہ کرو کیونکہ ارواح تو اللہ کے پاس آسمان میں (خوش عیش) ہیں۔ یہ تو نرا دھڑ ہے اسے کیا تکلیف۔

(۱۰) حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں ارواح مومنین جبریلؑ کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔

(۱۱) ام کبشہ کے پاس حضورؐ آئے ارواح کے بارے سوال ہوا... پھر فرمایا: ارواح مومنین سبز پرندوں کے قالب میں رہ کر جنت میں کھاتی پیتی ہیں وہاں کے پھل کھاتی ہیں وہاں کا پانی پیتی ہیں، عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں لٹکتی ہیں۔ اور کفار کی ارواح سیاہ پرندوں کے قالب میں رہ کر دوزخ سے کھاتی پیتی ہیں اور دوزخی چٹان پر لٹکتی ہیں۔

(۱۲) خالد بن معدان نے فرمایا جنت میں طوبیٰ نام کا ایک درخت ہے اس کے تھن ہیں اہل جنت کے بچے ان تھنوں کا دودھ پیتے ہیں اور مسلم عورت کا ناتمام بچہ بھی جنت کی نہر میں قیامت تک اپنا تیراکی کرتا ہے پھر ۴۰ سالہ ہو کر اٹھے گا۔

(۱۳) ضمرہ بن حبیبؒ نے فرمایا آپؐ سے ارواح مومنین کے بارے سوال ہوا آپؐ نے فرمایا سبز پرندوں کے قالب میں رہ کر جہاں چاہتے ہیں جنت کی سیر کرتے ہیں۔ پھر سوال ہوا ارواح کفار کے بارے آپ نے فرمایا وہ سجین میں بند ہیں۔

(۱۴) کعب بن مالک فوت ہونے لگے تو ام بشرؓ نے آکر کہا فلاں شخص سے تمہاری ملاقات ہو گئی تو اس کو میرا سلام کہہ دینا۔ کعب نے فرمایا وہاں ہمیں کہاں فرصت؟ ام بشر نے کہا کیا تم نے یہ سنا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ مومن کی نسمہ جہاں چاہتی ہے جنت میں سیر کرتی رہتی ہے اور کافر کی نسمہ سجین میں رہتی ہے تو حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ تو میں نے آپ سے سن رکھا ہے تو ام بشرؓ بولیں بس تو یہی بات ہے۔

(۱۵) حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت حارثہ رضؓ شہید ہو گئے تو ان کی اماں نے پوچھا وہ کہاں ہیں اگر جنت میں ہیں تو مجھے صبر آجائے گا۔ ورنہ تو ... آپؐ نے فرمایا کہ باغات تو بہت ہیں مگر تیرا بیٹا سب سے عالی باغ فردوس اعلیٰ میں ہے۔

(۱۶) کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ مومن کی نسمہ پرندہ کی طرح اڑتی ہوئی جنت کے درختوں میں سے کھاتی رہتی ہے یہاں تک کہ بروزِ قیامت اس کے جسد کی طرف واپس کر دے گا۔

(۱۷) حضرت ام ہانی نے حضورؐ سے پوچھا کہ جب ہم مر جائیں گے تو باہمی زیارتیں ہماری ہوں گی اور ہم ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ تو آپ نے فرمایا نسمے پرندوں کی طرح جنت کے درختوں سے کھاتے رہتے ہیں (باہم ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ جب روزِ قیامت ہوگا تو ہر نفس اپنے اپنے جسد میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۸) حضرت ابوالدرداء سے سوال ہوا شہداء کے بارے، تو فرمایا کہ وہ سبز پرندوں کی طرح عرش کے نیچے قندیلوں میں معلق ہوتی ہیں اور جہاں چاہیں جنت کے باغات میں سیر کرتی ہیں۔

(۱۹) حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں جنت کے کھلے میدان میں باغات ہیں ان میں گنبدوں والی کوٹھیوں میں شہید رہتے ہیں۔

(۲۰) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے لپٹیں مارتی ہوئی جہنم دیکھی اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا۔

(۲۱) حضرت مسور بن مخرمہ کو بیہوشی سے افاقہ ہوا تو کلمۂ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رفیقِ اعلیٰ میں ہیں اور عبدالملک اور حجاج دونوں دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہے ہیں۔

(۲۲) ایک اعرابی اونٹ سے گر کر فوت ہو گیا حضورؐ نے فرمایا۔ میرا گمان ہے کہ بھوکا مرا کیونکہ میں نے اس کی دو بیویاں حور عین دیکھی ہیں جو جنت کے پھل اس کے منہ میں دے رہی ہیں۔

(۲۳) حضرت قاسم بن محمدؐ کی وفات پر حضرت خدیجہؓ کو رونا آگیا۔۔۔ آپؐ نے فرمایا قاسم کو دودھ پلانے والی دائی جنت میں اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے اس کی آواز سنا دوں جو جنت میں کر رہا ہے، عرض کی میں اللہ و رسولؐ کی تصدیق کرتی ہوں مجھے اس کی آواز سننے کی ضرورت نہیں کہیں ایمان بالغیب کا ثواب ہی نہ ملے۔

(۲۴) نعمان بن قوقل جنگِ احد میں شہید ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اسکو جنت میں دیکھا ہے

(۲۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمنہ زانیہ عورت کو جنت میں دیکھا اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

(۲۶) مظاہر حق ج ۴ ص ۴۵۴: معنی یہ ہیں کہ روحیں انبیاءؑ کی روبرو لائی گئیں جو بشکل ان صورتوں کے تھیں دنیا میں پس ناگہاں دیکھا میں نے کہ موسیٰؑ مرد کم گوشت دبلے ہیں ——— گویا وہ مردوں شنوٗہ کے سے ہیں کہ نام ایک قبیلہ مشہورہ کا ہے یمن میں کہ وہ دبلے ہوتے ہیں۔

(۲۷) مشکوٰۃ ص ۴۴۳: حضورؐ نے فرمایا تم سے پہلے ایک آدمی ہوا۔ اس کی جان قبض کرنے کے لیے اس کے پاس فرشتہ آیا۔ اس سے پوچھا گیا تجھے اپنے کسی نیک عمل کا کچھ علم ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ پھر اس سے کہا گیا سوچ لے! اس نے سوچ کر کہا اور تو میں نہیں جانتا، ہاں اتنا ہے کہ دنیا میں میں لوگوں کے ساتھ لین دین رکھتا تھا اور تقاضا کے وقت میں ان کے ساتھ احسان کرتا تھا کہ غنی کو مہلت دیتا تھا اور مفلس کا سارا یا بعض حق معاف کر دیتا تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔ یہاں یہ نہیں ہے کہ جب وارثوں نے اسے قبر میں رکھا تب قبر اس کے لیے جنت بن گئی۔

(۲۸) باب فضل من شہد بدرًا حدثنی۔۔۔ سمعت انسا رضی اللہ عنہ یقول اصیب حارثۃ یوم بدر وھو غلام فجاءت امہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ قد عرفت منزلۃ حارثۃ منی فان

یکن فی الجنۃ اصبر واحتسب وان تکن الاخریٰ ترما اصنع فقال ویحک اوھبلت اَوجنۃ واحدۃ ھی ؟ انھا جنان کثیرۃ وانہ فی جنۃ الفردوس

(بخاری ج ۲ ص ۵۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حارثہ ابن سراقہ جنگ بدر کے دن شہید ہو گئے اور وہ ابھی نوجوان تھے، ان کی ماں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ میرے لیے کیا تھا۔ اب اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور ثواب سمجھوں گی اور اگر کسی دوسری جگہ ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں ہو کیا گیا ہے کیا تم سمجھتی ہو کہ جنت ایک ہی ہے جنتیں تو تعداد میں زیادہ ہیں اور تمہارا بیٹا (حارثہ بن سراقہ) تو سب سے اعلیٰ جنت الفردوس میں ہے۔

(۲۹) روی الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالک عن الزھری عن عبد الرحمٰن بن مالک عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسمۃ المومن طائر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ الی جسدہ یوم یبعثہ (مؤطا امام مالک ص۸۴، ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۲)

(۳۰) روی کعب بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما نسمۃ المومن طائر فی شجر الجنۃ حتی یبعثہ اللہ الی جسدہ یوم القیامۃ (ابن ماجہ)

(۳۱) عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرض علی احدکم اذا مات مقعدہ من الغداۃ والعشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار یقال ھذا ... مقعدک حتی یبعثک اللہ الی یوم القیامۃ ص ۲۸۰ مصنف)

اور احادیث کثیر تعداد میں پہلے گزر چکی ہیں۔

مشکوٰۃ ص ۴۱۹ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلت الجنۃ فسمعت فیھا قراءۃ فقلت من ھذا ؟ قالوا

حارثۃ بن النعمان .... وکان ابرّ الناس بامّہ یعنی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا یہ حارثہ بن النعمانؓ ہیں۔ یہ اپنی امی جان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے

حضرت بتول فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے ابا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرماتی ہیں یا ابتاہ اجاب ربًّا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ اے میرے ابا جان! آپؐ کے رب نے اپنے حضور میں آپ کو بلایا اس کی دعوت قبول کر کے چلے گئے اے میرے ابا جان! اے وہ شخص جس کا ٹھکانا اب جنت الفردوس ہے۔ اے میرے ابا جان! جبرائیل کی طرف ہم اس کی موت کی خبر پہنچاتے ہیں (مشکوٰۃ ص ۵۴۷) اجاب ربا دعاہ کے نیچے بین السطور ای الی الجنۃ کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

قال رجل لابن مسعودؓ قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این ھو؟ قال فی الجنۃ (شرح الصدور ص ۹۸)

اخرج سعید بن منصور فی سننہ عن ابن عمر انہ عزّی اسماء بابنہا عبد اللہ بن الزبیر وجثتہ مصلوبۃ فقال لا تحزنی فان الارواح عند اللہ فی السماء وانما ھذہ جثۃ (شرح الصدور ص ۹۳)

بریلویوں کے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا اعتراف حق

سوال: مردہ کی روح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے؟

جواب: مومنین کی روح افلاک سبعہ کے اوپر مقام علیین میں اور کفار کی روح اسفل السافلین میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ صرف جواب دہی کے لیے بدن عنصری کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے[1] جس کا اثر دگرگونہ حیات ہے نہ یہ حیات دنیوی، جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا ہے۔ اصل مقصودی فقرہ ۱۲

---

[1] نیلوی کو اس پر اعتراض ہے ۱۲

نوٹ: دنیا میں رُوحِ حقیقی جو قل الروح من امر ربی سے مراد ہے روح ہوائی کے ساتھ راکب اور مرکب کا تعلق رکھتا ہے، بعد الموت روح ہوائی بعنوان دیگر بخار لطیف مع جسم عنصری کے فنا ہو جاتے ہیں اور روح حقیقی کو بجائے روح ہوائی کے ایک اور روح برزخی سواری کے لیے ملتا ہے جو عالم مثال میں سے ہے، دنیا میں بھی اور بعد الممات عالم مثال میں بھی۔ یہ مرکب جسے نسمۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (فتاوٰی مہریہ ج ۱ ص ۹۶ طبع اول ۱۹۶۲ء)

قبر سے صرف گڑھا مراد لینے کی خرابیاں

اس گڑھے میں انسان مع روح وجسد کے زندہ موجود ہوتا ہے اہل دنیا کو گھات میں بیٹھا دیکھتا رہتا ہے ان کے تمام جسم کو سر سے لیکر پاؤں تک نظر ڈالتا ہے ان کی ہر بات سنتا ہے ان کو جانتا پہچانتا ہے یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے کئی لوگ اس نظریہ تک پہنچ گئے ہیں کہ:

جاہلیت کے ورثا کفن میں عہد نامہ رکھتے ہیں جیسے عہد جاہلیت میں مصری قبر میں عہد نامہ رکھ دیتے تھے۔

قبر پر حافظ بٹھا دیتے ہیں تاکہ یہ قرآن پڑھیں گے میت سُن کر خوش ہوگا جیسے مسیحی قبر پر بیٹھ کر انجیل پڑھتے ہیں) اور عذاب کے فرشتے بھی عذاب چھوڑ کر قرآن پاک سننے لگ جائیں گے۔ قبر پر پھول چڑھاتے ہیں (جیسے ہندوؤں میں رسم ہے) تاکہ میت پھولوں کی خوشبو سونگھ کر مسرور ہو۔ ہری ٹہنی رکھتے ہیں تاکہ اس کی تسبیح سُن سُن کر خوش ہوتا رہے، اور یہ بھی ہے کہ جب اس قبر (گڑھے) میں منکر نکیر سوال کرنے آتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبر (گڑھے) میں آجاتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں۔

(دنیا کے گوشے گوشے میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مرتے ہیں بیک وقت ہر ایک کی قبر میں بہ نفس نفیس پہنچنا سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر آپ دنیا میں جب دھرتی کے اوپر بستے تھے اس وقت جو لوگ مرتے تھے ان کی قبروں میں بھی حضور پاک تشریف لے جایا

کرتے تھے یا اپنی عمر ۶۳ سال پورا کرنے کے بعد آپ کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے اگر دھرتی کے اوپر بسنے کی مدت میں بھی قبور میں حاضری دینے کی ڈیوٹی آپ کی تھی تو عموماً آپ مکہ مدینہ سے غائب رہتے ہوں گے اور یا ہر جگہ حاضر رہتے ہوں گے دھرتی کے اوپر بھی اور دھرتی کے اندر قبروں اور گڑھوں اور سمندروں میں بھی اور هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ کی صفت آپ کی تھی؟

اور رسالہ "کرامات غوث پاک" میں ہے کہ ایک میت سے فرشتے سوال کرنے لگے تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے، تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ مُردہ جو کچھ نہ جانتا تھا "یا پیر دستگیر یا غوث اعظم" چلانے لگا تو پیر صاحب قبر میں تشریف لے آئے اور مردے کو فرشتوں کے سوال سے بچا لیا۔ خدا ستیاناس کرے ایسے غلو کا، شیطان بھی کیسے بہکاتا ہے۔

یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مردہ اندر سے سنتا دیکھتا ہے تو قبور اولیاء و صوفیاء عظام پر جب غیر شرع کام ہوتا ہے تو اسے چپ سادھ دیکھتے سنتے رہتے ہیں اور انہیں صرف سلام کا جواب تو دیتے ہیں اور ان کی فریادیں بھی سنتے ہیں اور ان کی حاجتیں مرادیں پوری کرتے ہیں یا خدا سے کروا دیتے ہیں لیکن ان غیر شرع کاموں سے منع نہیں کرتے۔ حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ جو بھی تم میں سے کوئی نائبی غیر شرع کام دیکھے تو اسے بدل دے۔

جس طرح وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا انفسهم الآیۃ میں کوئی قید فی الحیات کی مذکور نہیں اور یہ حکم فی الحیاۃ و بعد الممات دونوں کو شامل ہے اسی طرح مَنْ رأی منکم منکرًا فلیغیرہ میں بھی "فی الحیات" کی کوئی قید نہیں اس لیے اس حکم میں بھی دونوں حالتیں شامل ہیں، اگر نہیں تو وہ قرینہ ہونا چاہیے جو پہلے حکم کی تعمیم (فی الحیاۃ و بعد الممات) بتائے اور دوسرے حکم کی فی الحیات کی تخصیص بتائے۔

بظاہر الاہم فالاہم کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل دنیا کے استغفار کی بجائے انہیں غیر شرع اور مشرکانہ کاموں سے روکنا چاہیے تھا۔ کیونکہ جلب منفعت سے دفع مضرت

بہت زیادہ اہم ہے

بجائے اس کے الٹا مشرکین کی حاجتیں مرادیں، ان کے (قبور اولیاء پر) مشرکانہ کام کرنے کے باوجود پوری ہو جاتی ہیں اور ان مشرکین کا عقیدۂ شرکیہ اور پختہ ہوتا ہے پھر وہ قبور اولیاء پر پہلے سے زیادہ شرک کرنے لگتے ہیں، مگر وہ اولیاء کرام باوجودیکہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! تو فلاں کی مراد پوری کر (اور فتاویٰ عزیزی و فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے محترم جناب مولانا صاحب بھی اس کے جواز پر زور دیتے ہیں) یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! اس مشرک بے ایمان کی مراد پوری نہ کر۔ اگر تو اس کی مراد پوری کرے گا تو پہلے سے زیادہ پختہ مشرک بن جائے گا بلکہ داعی الی الشرک بن جائے گا اور لوگوں سے کہے گا کہ آؤ فلاں بزرگ کی قبر پر وہاں اس بزرگ کو کہو وہ خدا تعالیٰ سے عرض معروض کر کے تمہاری مراد پوری کرا دے گا۔ پھر جب ان کی مراد بھی پوری ہو جائے گی وہ آگے اوروں کو شرک کی دعوت دیں گے بلکہ یہ عقیدہ کر لیں گے کہ وہ بزرگ خود حاجتیں مرادیں پوری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں جس طرح خلیفہ کے ماتحت سلطان ہوتے ہیں انہیں خلیفہ کی طرف سے اختیارات ملے ہوئے ہوتے ہیں، اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے ان اولیاء کرام کو اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ یہ خدا کے سلاطین ہیں جیسے سلطان باہو، سلطان سخی سلطان بری۔

تو اہم کام کی طرف توجہ نہ کرنا اور غیر اہم پر نظر رکھنا عقلاً نقلاً بعید ہے۔

برزخ والوں کا دنیا والوں کے ساتھ تعلق

حقیقت یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق اہل دنیا کے ساتھ نہیں، اہل برزخ کے ساتھ ہو جاتا ہے اس کی زندگی برزخی ہوتی ہے اس کا ادراک شعور برزخی، سننا دیکھنا برزخی اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا برزخی سب کچھ برزخی۔ وہ مکلف زندگی سے جو دنیوی تھی نکل گیا اب جہاں گیا وہاں خدا کے حکموں کا مکلف نہیں تو اہل دنیا کی حاجتیں مرادیں پوری کرنے کرانے کا مکلف کیسے؟ اہل دنیا کے سلام کا جواب دینے کا مکلف کیسے؟

نہ اہلِ برزخ اہلِ دنیا کو دیکھتے ہیں اور نہ اہلِ دُنیا اہلِ برزخ کو!

مشکوٰۃ ص ۲۳۰: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے چلے بڑے سکون سے اور لوگوں کو بھی سکون کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ البتہ وادی محسر میں اونٹنی کو تیز چلایا اور لوگوں کو حکم فرمایا چنے چنے کے برابر کنکریاں لے کر ڈھیریوں کو مارو، پھر فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھوں یعنی میں انتقال کروں گا، ابھی سے دین اور حج کے احکام مجھ سے معلوم کر لو۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ اہلِ قبور اہلِ زمین کو نہیں دیکھتے۔

مشکوٰۃ ص ۵۵۰ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا تم پر ایک ایسا دن آئیگا کہ تم میں سے کوئی مجھ کو نہ دیکھے گا پھر تمہارا مجھے دیکھنا بہت دوست رکھا گیا ہے اہلِ مال سے۔

نیلوی کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہلِ زمین بھی اہلِ قبور کو نہیں دیکھ سکتے ہاں مکاشفہ اور خواب اس سے الگ ہیں جیسے ابراہیمؑ و موسیٰؑ و یونسؑ اور دجال کا دیکھنا حدیثوں میں وارد ہے۔

وفات کے بعد اس جسدِ عنصری کے ساتھ حج نہیں ہوتا

مشکوٰۃ ص ۲۳۰ میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے افعالِ حج مجھ سے سیکھ لو کیونکہ مجھے خبر نہیں شاید اس حج کے بعد میں حج نہ کر سکوں اس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد جسدِ عنصری کے ساتھ انبیاء کرام حج نہیں کرتے اور جن احادیث میں حضرت موسیٰؑ و حضرت یونسؑ کے حج اور تلبیہ کا ذکر آیا ہے وہ اجسادِ مثالیہ تھے نہ اجسادِ عنصریہ۔

دُنیوی زندگی میں پیش پردہ دیکھ پہچان نہیں ہو سکتی تو مرنے کے بعد کیسے؟

مشکوٰۃ ص ۱۷۱: حضرت زینبؓ زوجہ ابن مسعودؓ نے فرمایا، حضورؐ نے فرمایا صدقہ کرو اے عورتوں کے گروہ! اگرچہ تم زیور کاٹ کر دو۔ زینبؓ نے گھر آ کر شوہر کو کہا کہ حضورؐ سے جا پوچھو کہ میں شوہر اور شوہر کی اولاد کو بھی صدقہ دے سکتی ہوں یا نہ؟ ابن مسعودؓ نے کہا

تو خود جا پوچھ، کہتی ہیں میں خود گئی، ایک انصاری عورت حضورؐ کے دروازہ پر یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے مجھ سے پہلے کھڑی تھی، حضورؐ کا بڑا رعب تھا۔ آخر کار بلالؓ نکلے ہم نے کہا حضورؐ کو جا کر کہو کہ دروازہ پر کھڑی دو عورتیں یہ مسئلہ پوچھ رہی ہیں اور یہ نہ بتانا کہ وہ کون کونسی عورتیں ہیں (تاکہ شائبہ ریا کا نہ ہونے پائے) بلالؓ نے جا کر عرض کی، حضرتؐ نے پوچھ لیا کہ وہ دو کون کونسی عورتیں ہیں۔ بلالؓ نے بتایا کہ ایک انصاری عورت ہے، دوسری زینبؓ ہے۔ پوچھا کونسی زینب؟ کہا ابن مسعودؓ کی بیوی، آپؐ نے فرمایا دوہرا ثواب ملے گا، قرابت کا اور صدقہ دینے کا۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی میں آپؐ نے باہر دروازے کھڑی ہوئی عورتوں کو نہ دیکھا نہ پہچانا اور نہ حضرت بلالؓ کے ساتھ ان کی گفتگو سنی۔ اب بعد از وفات سات پردوں سے پرے ہٹ کر کھڑے ہونے والوں کو آپ کیسے دیکھ پہچان سکتے ہیں اور ان کی آواز کیسے سن سکتے ہیں، پھر مختلطہ آوازوں کے امتیاز کا مسئلہ الگ ہے۔

مشکوٰۃ ص ۲۵۲: کعب بن مالک نے ابن ابی حدرد سے اپنے دین کا تقاضا حضورؐ کے عہد میں مسجد کے اندر کیا اس گفتگو میں ان دونوں کی آوازیں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حضورؐ نے بھی اپنے گھر بیٹھے ہوئے سن لیں تو آپؐ نے گھر سے نکل کر ان کے پاس آنے کا ارادہ فرمایا یہاں تک کہ اپنے حجرہ شریفہ کا پردہ ہٹایا اور کعبؓ کو آواز دی یا کعبؓ! کعبؓ نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ پس حضورؐ نے اپنے ہاتھ مبارک کے اشارہ سے سمجھایا کہ اپنے دین میں سے آدھا موقوف کر دے۔ کعبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے کر دیا۔ پھر حضورؐ نے ابن ابی حدرد رضؓ کو فرمایا کھڑا ہو اور باقی آدھا ادا کر۔

اس حدیث سے جس طرح اور مسائل مستنبط ہوتے ہیں مثلاً مسجد میں دین کے تقاضا کا جواز، صاحب حق سے سفارش کرنے کا جواز، دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کروا دینے کی افضلیت اور غیر معصیت میں سفارش قبول کر لینے کا جواز، اسی طرح یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنے گھر میں تھے۔ مسجد میں دو باتیں کرنے والوں کی آواز

آپؐ نے نہیں سُنی۔ حتیٰ کہ جب گفتگو بڑھی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تب جا کر حضورؐ کے کانوں نے سُنا (حتیٰ سمعہا رسول اللہ ص کا لفظ اس مطلب کے لیے صریح ہے) جب یہ بات صحیح ہے تو بعد از وفات سات پردوں سے پرے ہٹ کر ہم جیسے نااہلوں کی آواز حضورؐ تک نہیں پہنچ سکتی،

پھر کہتے ہیں اِسْمَاع کی نفی ہے سماع کی نہیں کیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں؟

قبر کی زمین اور ہے اور اہلِ دُنیا کی زمین اور ہے

مشکوٰۃ صـ ۲۰۶ میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں پڑا ہوا مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے ڈوبتے والا فریاد کرنے والا کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے، منتظر رہتا ہے دُعا کا جو باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے اسے پہنچے اور جب اس کو دُعا پہنچ جاتی ہے تو دنیا و مافیہا سے اسے زیادہ پیاری لگتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی طرف سے قبر والوں کو پہاڑوں جتنا ثواب اور رحمت پہنچاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر اور زمین دو الگ الگ مقام ہیں۔

ارض کے معنے

صاحب تسکین نے جس طرح قبر سے گڑھا مراد لیا ہے اور جسد سے جسد عنصری، اسی طرح ارض کے لفظ سے بھی متبادر معنی (خاکی زمین) مراد لی ہے اور قبر کے تنگ و وسیع ہونے سے بھی اسی محسوس خاکی زمین کا تنگ و وسیع ہونا مراد لیا ہے حالانکہ اس خاکی زمین مراد لینے سے ماقبل عبارت کے ساتھ تعلق نہیں رہتا۔ کیونکہ اصل عبارت کا معنیٰ یہ بنتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدہ الی الارض فانی منہا خلقتہم وفیہا اعیدہم ومنہا اخرجہم تارۃً اُخریٰ فتعاد روحہ فی جسدہ۔ اس کے معنی ظاہر ہیں کہ دفتر

علیین میں روح کو لے جا کر اس کا نام وہاں درج کرایا گیا، پھر اس روح کے متعلق فرشتوں کو کہا جا رہا ہے کہ اسے زمین کی طرف واپس بھیجو کیونکہ میں نے اس روح کو زمین سے بنایا اور ظاہر ہے کہ روح کی پیدائش تو زمین سے ہوئی نہیں ہے۔ روح خاکی نہیں بلکہ نورانی جسم لطیف ہے پھر اس کو یوں کہہ کر واپس زمین کی طرف بھیجنا کہ میں نے زمین سے اس کو بنایا ہے یہ خلاف واقع امر ہے جو کسی طرح حضور ﷺ سے صادر نہیں ہو سکتا۔ اور سنداً بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو پھر ارض سے مراد یہ خاکی زمین نہیں ہو سکتی بلکہ مراد مستقر ہے یعنی ارض برزخیہ جسے جنت برزخیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے۔ قرآن پاک میں بھی جنت پر ارض کا اطلاق آیا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ قیامت کو جب مومنین جنت میں پہنچ جائیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں (یریدون المکان الذی استقروا فیہ علی الاستعارۃ۔ ابوالسعود) اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ پاک کا ارشاد ہے: اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں ارض سے جنت مراد لی ہے۔

نیز اسی حدیث میں کافر کے حق میں آیا ہے الارض السفلی اور بعض روایات میں الارض السابعۃ اور بعض میں السجین وھی الارض السفلی کے لفظ ہیں، حاشیہ مسامرہ ص ۲۶۳ اور بحر الکلام ص ۸۷ میں ہے والسجین تحت الارض السابعۃ سجین ساتویں زمین سے نیچے ہے۔

تو یہ الفاظ صریح قرینہ ہیں اس امر کے کہ حدیث میں الارض سے مراد ارض عنصریہ خاکی نہیں بلکہ مستقر مراد ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مستقر ارواح کونسی جگہ ہے؟ سو اس کی تشریح و تفسیر واضح

طور پر احادیث میں مذکور ہے جس میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں۔

پس ارض بمعنی مستقر ہے نہ بمعنی ارض عنصریہ خاکی گڑھا جس میں مردے کی لاش کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی ارض (مستقر ارواح) کو قبر کہتے ہیں۔ وہی عالم برزخ ہے جو قبر کے معنی اصطلاح شرع میں مراد ہیں یعنی وہ عالم جو اہل دنیا کی آنکھوں سے مستور ہے۔ اسی لیے حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں:

"تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے (اشرف الجواب ص ۳۴۵/۳)

مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۳۴۷/۳)

"وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے.... وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (")

قبر کی وسعت اور تنگی

ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ خاکی عنصری زمین ہی اہل قبور پر تنگ یا وسیع ہوتی ہے حالانکہ حضرت تھانویؒ نے کیسے صاف صاف بتایا کہ یہ زمین مراد نہیں، دوسرے یہ کہ اصل معاملہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے جو نسمہ مع الروح کا نام ہے (تحقیق سابق) اس دھڑ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں جیسے حضرت نانوتویؒ نے صاف صاف فرمایا:

"بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان (عنصریہ) کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح مومنین کو، بہرحال ابدان دنیا سے دونوں (شہداء و مومنین) کو کچھ تعلق نہیں رہتا" (آب حیات ص ۱۶۶، ۱۶۸)

اب فرمایئے کہ ان اکابر کی بات مانیں یا صاحب تسکین کی، کیا صاحب تسکین کا ہمنوا ایک بھی اکابر میں سے ہے جو کہے کہ تھانویؒ اور نانوتویؒ کی بات کو رد کر کے

صاحب تسکین کی بات پر صاد کرتے ہوئے کہے کہ یہی گڑھا سوالات اور عذاب و ثواب جسد خاکی کا مقام ہے۔ اسی گڑھے میں اسی خاکی جسد عنصری کو عذاب و ثواب ہوتا ہے دوسرا جسد مثالی جو مراد لیتا ہے وہ جھوٹا کذاب اور مفتری ہے۔ جسد عنصری ہی اٹھایا بٹھایا جاتا ہے وہی کھاتا پیتا ہے وہی چلتا پھرتا، نماز پڑھتا اور حج کو چلا جاتا ہے اور اس کی اونٹنی بھی جی جاتی ہے جس پر سوار ہوتا ہے۔ ہم اکابر کی بات کریں تو مجرم! اگر آپ اکابر کے تبرو آزما بھی ہوں تو تابع و فرمانبردار! سبحان اللہ ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

قرآن پاک میں اللہ پاک فرماتے ہیں: وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ یہاں ضیق الارض کا لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والا اہل دنیا پر استعمال کیا گیا ہے جس میں مفسرین مجازی معنی مراد لے رہے ہیں والمعنی لم تجدوا موضعا لفراركم عن اعدائكم فانها ضاقت عليكم (مدارک پ ۱۰ ص ۱۰۲) لا تجدون فيها مقرا تطمئن فيه نفوسكم من شدة الرعب (بیضاوی پ ۱۰ ص ۱۰۲) والمعنى انكم لشدة ما لحقكم من الرعب لم تجدوا فى الارض ذات الطول والعرض موضعا يصلح لهربكم اليه وكانها ضاقت عليكم (نیسابوری برابن جریر پ ۱۰ ص ۵۹) وقس عليه اب يقال للارض التى سے تنگی روح کیوں مراد لینا منع ہے جب کہ عرف میں مستعمل ہے، پھر اختلاف اضلاع بھی ایک عام محاورہ عرب ہے قال حماد بن زيد رأيت ثابتا (ابن اسلم البنانى البصرى) يبكى حتى تخلف اضلاعه (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۰)

سوال: قبر بمعنی برزخ قرآن مجید سے دکھاؤ۔

جواب (۱) اگر قبر کے معنی قرآن مجید میں برزخ کے نہیں آئے تو برزخ کے معنی قبر کے آپ قرآن سے دکھائیں۔

(۲) اصطلاحات شرعیہ (فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ، حرام، حد، بیع

وغیرہ) کے معنے قرآن مجید میں تم دکھاؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن شریف عربی لغت میں اترا ہے اس میں الفاظ انہیں عرب کے عرف کے مطابق استعمال ہوئے ہیں، شرعی تعریفیں مجتہدین کی اصطلاحیں ہیں جنہیں منقول شرعی کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مجتہدین صحابہؓ تابعینؒ، تبع تابعینؒ قرآن کریم کی آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا اور مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا سے عذاب قبر ثابت کرتے ہیں، حالانکہ جن کے حق میں یہ آیتیں اتری ہیں یعنی فرعونی اور نوح کی غرق شدہ قوم، ان میں سے کسی کی لغوی یا عرفی قبریں نہیں بنائی گئیں، سب کے سب سمندروں جوہڑوں میں مرے پڑے رہے وہیں گل سڑ گئے، پھر کسی مفسر نے یوں نہیں کہا کہ ان کی قبریں خدا نے بنادی تھیں یا وہی پانی ان کے لیے بمنزلہ قبر کے ہو گیا۔ بلکہ سب مفسرین جو عذاب قبر ان آیات سے ثابت کرتے ہیں وہ حضورؐ کی تفسیر پیش کرتے ہیں کہ ارواحهم طیور سود تعرض علی النار غدوًا وعشیًا۔ اور نہ کسی مفسر نے یوں کہا کہ ان ارواح کا ان کے اجسادِ عنصریہ کے ساتھ تعلق قائم کر دیا گیا۔ اس طرح ان کے روح مع الجسد کو معًا عذاب ہو رہا ہے اگر بالفرض والتقدیر کسی نے یوں کہا بھی ہو تو لابعیا یہ ہے کیونکہ حدیث نبیؐ اس مفہوم سے بالکلیہ خالی ہے اپنی طرف سے اس پر زیادتی کرنا تفسیر بالرای ہے جس کی وعید احادیث پر ہیں۔

قرآن کریم میں جس عذاب قبر یا تنعیم قبر کا ذکر ہے اس کی تفسیر تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے یہ الفاظ ارواحهم طیور سود، یا ارواحهم طیور خضر، وارد ہے۔ ان گڑھوں میں عذاب و ثواب ہونے کا کہیں بھی قرآن پاک میں ذکر نہیں،

وَمَنِ ادَّعٰی فعلیہ البیان

حضرت سید محمد انور شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر فرمائی قولہ غدوًا وعشیًا وھذا فی القبور (فیض الباری ص ۴۹۲ ج ۲ (حالانکہ غرق شدہ ہزاروں فرعونیوں کو گڑھوں میں)

قال الآلوسی فَاُدْخِلُوْا نَارًا ھِیَ نار البرزخ والمراد عذاب القبر (روح المعانی پ ۲۹ ص ۷۹) فانہ یعرض علیھم النار فی القبور بکرۃ وعشیا (جامع البیان پ ۲۹ ص ۴۸۹)

اکتفی فی القبر بایصال العذاب فی ھذین الوقتین (نیشاپوری ص۴۷۲)
یستدل بھذہ الآیۃ علی اثبات عذاب القبر (کشاف ص۳۷۳) ھذہ الآیۃ
تدل علی عذاب القبر (احکام القرآن للجصاص ص۴۷۳) النار یعرضون علیھا الخ
وفی ھذہ الآیۃ اثبات عذاب القبر وان الروح لا تفنی بفناء الجسد
لان العرض لا یقع الا علی حی (فتح الباری ص۱۸۹) فناء جسد سے روح فنا نہیں اور
آگ زندہ پر پیش ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۴۳ میں صحیح حدیث مذکور ہے۔ ایک کاتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم والعیاذ باللہ مرتد ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطلاع فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضؓ کو بتایا کہ زمین اس کے مرنے کے بعد اس کو (اس کی لاش کو) قبول نہیں کرے گی چنانچہ وہ مرتد مر گیا۔ لوگوں نے اسے دفن کیا۔ دوسرے دن دیکھتے ہیں کہ قبر سے باہر زمین کے اوپر اس کی لاش نکلی پڑی ہے۔ اسی طرح کئی بار لوگوں نے اس کی لاش کو دفن کیا مگر ہر بار اس کی لاش قبر سے باہر زمین کے اوپر نکلی پڑی ہوتی ہے ایک دن ایک صحابیؓ کی گزر اس مقام پر سے ہوئی اور دیکھا کہ ایک مردہ کی لاش قبر سے باہر زمین کے اوپر پڑی ہے۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے ان گاؤں والوں کو جا کر کہا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اپنے مردہ کو دفن نہیں کرتے لوگوں نے کہا ہمارا کچھ قصور نہیں ہے ہم نے اس کی لاش کو کئی دفعہ دفن کیا ہے پھر جب ہم یہاں سے گزرتے ہیں تو اس لاش کو پھر سے قبر سے باہر زمین کے اوپر نکلا ہوا ہی پاتے ہیں۔ زمین اس کی لاش کو قبول نہیں کرتی (مسلم و بخاری) عن انسؓ و بیہقی عن اسامہؓ بن زیدؓ

اگر عذاب قبر اس گڑھے میں مانا جائے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے تو اس مرتد کی بابت کہنا پڑے گا کہ وہ عذاب قبر سے محفوظ ہے اور ضغطۂ قبر بھی اس کے لیے نہیں بلکہ قبر اس کو باہر پھینکتی ہے کہ تو عذاب قبر کا اہل نہیں ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص بدتر تھا اصلی کافر سے بھی مرتد زیادہ پلید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو اسی پر لیس نہیں کی گئی کہ اس کے روح کو صرف اجزاء

اصلیہ کے ساتھ ملا کر عالم قبر (عالم برزخ) میں عذاب دیا جائے۔ بلکہ اس کی عنصری لاش کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر کے قبر سے باہر پھینک دیا تاکہ لوگ بھی اس مرتد کی حالت کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے نکلی ہوئی بات کو حق سمجھیں اور ایمان لائیں اور کفر و شرک سے باز آکر اپنے تینوں جہانوں میں سعادتمندی حاصل کریں۔ بہرحال اس مرتد کی لاش کو قبر کا باہر پھینک دینا، اس کی انتہا درجہ کی تذلیل و تحقیر ہے اور عالم قبر (عالم برزخ) میں جو گت اس کی ہو رہی ہو گی وہ اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ اللّٰھم انا نعوذ بک من عذاب القبر۔

عذاب قبر برحق ہے، شیعہ، سُنی اور معتزلہ سب متفق ہیں

ہم تمام اہل السنۃ والجماعۃ بلکہ سوائے دو متقدمین معتزلہ کے تمام متقدمین معتزلہ اور روافض اہل التشیع بھی اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد برزخی زندگی میں سزا و جزا ہے۔ بشر مریسی اور ضرار کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں۔ مگر حضرت سیدی محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ اپنی تقریر حدیث میں فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک اپنی آنکھوں سے ان کی عبارتیں دیکھ نہ لوں ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں یا قائل۔ ممکن ہے انہوں نے کچھ کہا ہو اور سمجھنے والوں نے کچھ اور ہی سمجھا ہو۔

بہرحال بعد از موت قبل از بعث و حشر و نشر جزا و سزا کے جیسے اہل السنۃ والجماعۃ قائل ہیں ایسے ہی معتزلہ و اہل التشیع روافض بھی قائل ہیں۔ البتہ متاخرین معتزلہ میں سے بعض منکر ہیں جیسے علم عقائد کے ماہرین نے لکھا ہے۔

اور انکار کرنے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی جب کہ قرآن پاک کی واضح آیات، عذاب و ثواب، بعد از موت قبل از بعث کو صریح عبارات کے ساتھ بیان فرماتی ہیں۔ جیسے سورۂ نوح میں نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا مما خطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارا یعنی اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کیے گئے طوفان میں پھر فوراً اسی وقت بلا مہلت آگ میں

داخل کیے گئے۔ یعنی پانی کے بھنور سے نکال کر فوراً ہی آگ میں منتقل کر دیئے گئے۔
وہ آگ برزخیہ ہے تمسك اصحابنا فی اثبات عذاب القبر (تفسیر کبیر) عذاب قبر کے اثبات میں ہمارے اہلسنت کے نزدیک یہ آیت بھی ایک دلیل ہے اور آخرت کا عذاب یہاں سے مراد نہیں ہو سکتا (جیسے منکرین عذاب قبر سمجھے ہیں) کیونکہ ف کا مفہوم ضائع ہو جاتا ہے تدل علی انہ حصلت تلك الحالة عقیب الاغراق فلا یمکن حملها علی عذاب الآخرة والا بطلت دلالة هذه الفاء (تفسیر کبیر) والفاء للایذان بهم بانهم عذبوا بالاحراق عقیب الاغراق فیکون دلیلا علی عذاب القبر (مدارک) کشف الرحمٰن ضمیمہ ص۹۱۵ میں ہے یعنی نوح کی بدکردار قوم اپنے گناہوں کے سبب آخر کار پانی میں غرق کی گئی اور برزخی نار میں داخل کر دی گئی الرحمانی ص۱۸ میں اس قرآنی آیت کے بعد فرمایا وجه الاستدلال ان الفاء للتعقیب من غیر تراخ یعنی ف بتا رہی ہے کہ غرق کے متصل بعد آگ میں چلے گئے۔ قرہ کمال میں ہے: یعنی ان الفاء یدل علی ان ادخال النار عقیب الاغراق متحقق بلا مهلة.... فقد ثبت عذاب بعد الموت قبل عذاب القیامة وهو المراد بعذاب القبر یعنی ف بتاتی ہے کہ پانی میں غرق ہونے کے فوراً بعد بلا مہلت آگ میں داخل کیے گئے۔ پس مرنے کے بعد قیامت سے پہلے عذاب کا ثبوت ہو گیا اور عذاب قبر سے یہی عذاب مراد ہے (اس حسی گڑھے میں خواہ مخواہ عذاب ہونے کا نام عذاب قبر نہیں۔ جیسے قوم نوح کی قبر کسی نے نہیں کھودی۔ اور عصام الدین اسفرائنی نے بھی یہی فرمایا لان عذاب القبر هو العذاب بعد الموت وقبل البعث (ص۳۰۷ عصام) عبدالحکیم نے بھی اپنے حاشیہ ص۳۱۱ میں یہی فرمایا کہ فقد ثبت عذاب بعد الموت قبل یوم القیامة وهو المراد بعذاب القبر، نیز عبدالحکیمؒ وغیرہ کا لفظ ادخال النار صاف بتا رہا ہے کہ پانی سے نکل گئے۔ پھر آگ میں فوراً داخل کیے گئے جیسے بعض نے سمجھ رکھا ہے کہ پانی ہی میں ان کے بدن غرق ہوئے اور اسی پانی ہی میں آگ انہیں محسوس ہو رہی ہے۔ یعنی یہی پانی ان کے لیے آگ ہے۔

لیکن یہ مفہوم غلط ہے اس لیے کہ قرآن پاک میں فرمان ہے فَاُدْخِلُوْا نَارًا اور ادخال دخول سے ہے اور دخول کے معنی ہیں انفصال من خارج الی داخل باہر سے الگ ہو کر اندر کی طرف کو ہو جانا تو جب تک اس پانی سے الگ نہ ہوں گے جس میں وہ غرق ہوئے ہیں اس وقت تک دخول فی النار کا لفظ صادق نہیں آسکتا اور قرآن پاک عرف عرب میں نازل ہوا ہے تو اس عرف میں یہی معنی ہیں دخول کے تو مطلب یہ ہوا کہ جب ان کے ابدان پر پانی غالب آگیا تو ابدان پانی میں پڑے اور ان کے ارواح ان ابدان کو چھوڑ کر نکلے اور فوراً برزخ کی آگ میں داخل ہو گئے۔

نیز فَاُدْخِلُوْا ماضی کا صیغہ ہے جس طرح اُغْرِقُوْا ماضی کا صیغہ ہے تو جس طرح غرق اس قوم کا عہد نوحؑ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب ہونے سے ہزاروں سال پہلے کا ہو چکا ہے اور اب تک برزخی آگ میں جل رہے ہیں اور بعث تک اسی برزخی آگ میں جلتے رہیں گے۔ تو اسی آیت سے عذاب قبر پر استدلال دوسرے طریق سے بھی ہوا۔ اور اس طرز استدلال کو سامنے رکھیں تو اگر بالفرض فَ کی جگہ وَ بھی ہوتی، عذاب قبر اس آیت سے پھر بھی ثابت ہو جاتا۔ اب فَ کی صورت میں عذاب قبر کا اثبات زیادہ پر زور طریق سے ثابت ہو گیا وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

اسی طرح عذاب قبر کا ثبوت سورۂ مومن کی آیت النار یعرضون علیھا غدوًا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب سے ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں وہ (برزخی) آگ ایسی ہے کہ ان فرعونیوں کو اب بھی صبح و شام اس آگ کے سامنے لایا جاتا ہے اور جس دن کہ قیامت قائم ہو گی اس دن تو خدا کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ فرعونیوں کو نہایت ہی سخت عذاب میں داخل کر دو۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: یہ عالم قبر کا حال ہے کافر کو اس کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے اور قیامت کو اس میں بیٹھے گا اور مومن کو بہشت۔ کشف الرحمن ص۷۵۳ میں ہے "عالم برزخ کی مختلف کیفیات کا ذکر ہے۔ کافر کی روح صبح و شام دوزخ پر حاضر کی جاتی ہے جب تک کہ دنیا قائم ہے۔ حضرت قتادہؒ

مقاتل، کلبی اور سدی کا یہی قول ہے جصاص نے احکام القرآن ج ۳ ص میں فرمایا دل علی ان المراد النار یعرضون علیہا قبل القیامۃ یعنی یہ آیت بتا رہی ہے کہ قبل القیامت جو آگ ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے وہی یہاں مراد ہے۔ نیز کہا ہٰذہ الایۃ تدل علی عذاب القبر، یہ آیت عذاب القبر کی دلیل ہے (معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے ہونے والے عذاب کا نام عذاب قبر ہے) مدارک ص۳۵۶ میں ہے ہٰذہ الایۃ دلیل علی عذاب القبر۔ تفسیر احمدی ص۶۴۸ میں ہے ھٰذہ الایۃ تمسک بہا اھل السنۃ فی اثبات عذاب القبر صرح بذلک فی علم الکلام وکتب التفاسیر جمیعًا اثبات عذاب قبر میں یہ آیت بہ تصریح علماء عقائد و تفسیر کے اہل سنۃ کی دلیل ہے تفسیر کبیر ص۳۱۷ میں ہے احتج اصحابنا بہذہ الآیۃ علی اثبات عذاب القبر نیز کہا۔ ذٰلک یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق ھٰؤلاء واذا ثبت فی حقھم ثبت فی حق غیرھم لانہ لا قائل بالفرق یعنی فرعونیوں کے عذاب قبر کے بارے میں جب یہ آیت دلیل ہوئی تو دوسرے کافروں کے بارے میں بھی عذاب قبر ثابت ہو گیا کیونکہ ایسا کوئی نہیں جو فرعونیوں کے عذاب قبر کا قائل ہو اور دوسرے کافروں کے عذاب قبر کا قائل نہ ہو۔ قرطبی نے کہا یہ کفار کا آگ کے سامنے پیش ہونا عالم برزخ میں ہے ... عند الجمہور والجمہور علی ان ہذا العذاب فی البرزخ۔ بیضاوی ص۳۵۶ نے کہا ہے وفیہ دلیل علی بقاء النفس وعذاب البرزخ یعنی اس آیت میں دلیل اس امر کی ہے کہ نفس (جسد عنصری سے نکل جانے کے بعد بھی) باقی رہتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ نیز عذاب برزخ پر بھی دلیل ہے۔ ابن کثیر ص۱۹۹ نے لکھا ہے ھٰذہ الایۃ اصل کبیر فی استدلال اھل السنۃ علی عذاب البرزخ فی القبور، یہ آیت بڑی دلیل ہے اہل السنۃ کی کہ قبروں میں عذاب برزخ ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قبر سے یہ کسیوں سے کھودے ہوئے گڑھے مراد نہیں کیونکہ فرعونیوں کی قبریں کسی نے نہیں کھودیں۔ دیکھو خود فرعون جو اس قوم کا سرغنہ تھا، اس کی قبر نہیں ہے بلکہ وہ یورپ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کے بارے نص صریح موجود ہے۔ جیسے مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمہ اللہ نے ذیل آیت اثبات قبر و وجود برزخ میں ایک نص صریح ہے۔

اور اس آیت سے پہلے ہے وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ (آلِ فرعون کو موذی عذاب نے گھیر لیا یہ بھی بصیغۂ ماضی ذکر فرمایا جو صریح دلیل اس امر کی ہے کہ آنحضور کے ساتھ خطاب سے ہزاروں سال پہلے ہی سے فرعونی موذی عذاب میں گھرے ہوئے ہیں اور اب تک گھرے ہوئے ہیں اور بعثت تک گھرے رہیں گے کیونکہ یُعْرَضُوْنَ مضارع ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور غُدُوًّا وَّعَشِیًّا سے مراد جن علماء نے کنایۃً دوام لیا ہے وہ بھی اسی کے مؤید ہے۔ جیسے مجاہدؒ اور عکرمہؒ نے معنیٰ کیے مادامت الدنیا یعنی رہتی دنیا تک یہ برزخی عذاب ان کو مسلسل ہوتا رہیگا۔

اور عرض علی النار کی تشریح بزبان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و ہذیل بن شرحبیلؒ و کعبؒ و عبداللہ بن عباسؓ و ام کبشہ بنت معرور رضؓ ابو قبیسؒ وغیرہ یہی ہے کہ ان کی ارواح سیاہ رنگ کے پرندوں کے قالب میں رکھ کر آگ میں پیش کرتے رہتے ہیں (اکلیل ص ۳۵۱ و روح المعانی پ ۲۴ ص ۶۵۔ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ و ابن جریر پ ۲۶ ص ۴۶ و مسامرہ ص ۲۶۴ و ابن کثیر ص ۳۰۱ و الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۶۲)

تفسیر ابن کثیر پ ۲۴ ص ۲۹۹ میں ہے سوء العذاب وھو الغرق فی الیم۔ ثم انقلبۃ الی الجحیم یعنی سوء العذاب سے مراد غرق ہے اور غرق کے بعد دوزخ (برزخی) کی طرف منتقل ہونا اور جس چیز سے انتقال ہوتا ہے دوسری چیز کی طرف تو اس پہلی چیز میں وہ چیز منتقل ہونے والی نہیں رہتی جیسے محیل کے ذمے سے دین منتقل ہو کر محتال علیہ کے ذمہ پر چڑھ جاتا ہے تو وہ قرض محیل کے ذمے نہیں رہتا۔ جیسے ہمارے حنفیہ کا مسلک صاحب ہدایہ نے ص ۱۱۳ ج ۳ میں بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی جسم تو غرق ہونے کے بعد گو سمندر میں رہا مگر روح جسم سے نکل کر برزخی دوزخ کی طرف منتقل ہو گئی اگر جسم میں روح رہے تو نقلہ کا اطلاق درست نہیں رہتا (متی انتقل من الذمۃ لا یبقی فیہا

یعنی قرضہ جب ایک ذمہ سے منتقل ہوا تو اس ذمہ میں باقی نہیں رہے گا۔

جامع البیان ص ۴۰۶ قولہ النار یعرضون علیہا الخ وہذہ الآیۃ اصل فی استدلال عذاب القبر نیشاپوری ص ۴۸ پ ۲۴ وفی الآیۃ دلالۃ علی اثبات عذاب القبر وفی تفسیر الخازن ص ۴۵۶ ویستدل بہذہ الآیۃ علی اثبات عذاب القبر ص ۱۸۳ باب عذاب القبر وقولہ وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون الآیۃ وفی شرح عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹ قال مقاتل تعرض روح کل کافر علی منازلہم فی النار کل یوم مرتین، مقاتل نے کہا ہر کافر کی روح دن میں دو بار جہنم کی آگ پر پیش کی جاتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر ۱۹۹ ج ۷ میں ہے فان ارواحہم تعرض علی النار صباحا و مساء الی قیام الساعۃ فاذا کان یوم القیامۃ اجتمعت ارواحہم واجسادہم فی النار ولہذا قال ادخلوا آل فرعون اشد العذاب ای اشد الما وعظمہ فکالا آل فرعون کے ارواح صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں تا قیام قیامت، قیامت کے دن بدن اور روح جمع ہو کر معذب ہوں گے۔ یہی اشد العذاب ہے۔

فتح القدیر للشوکانی رح ص ۴۸۱ استدل بہ من قال ان ارواح الکفار بعد مفارقۃ البدن مقرہا النار۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ارواح کفار بعد از مرگ آگ میں چلے جاتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور اس کے ساتھ لکھا۔

وفی العجائب للکرمانی رح فی ہذہ الآیۃ ادل دلیل علی عذاب القبر عجائب کرمانی میں ہے کہ اس آیت میں عذاب قبر پر بڑی دلیل ہے۔

وفی الفتح الربانی ص ۹۳ وذہب الجمہور الی ان ہذا العرض ہو فی البرزخ وقال الامام مالک رح بلغنی ان الارواح مرسلۃ فی البرزخ من الارض تذہب حیث شاءت وہو قول سلمان الفارسی رض والبرزخ ہو الحاجز بین الشیئین فکانہ اراد فی ارض بین الدنیا والآخرۃ وہو قول قوی فانہا فارقۃ الدنیا ولم تلج الآخرۃ (جمہور کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں جو عرض ارواح آیا ہے وہ برزخ میں ہوتا ہے۔ امام مالک رح نے فرمایا کہ ارواح برزخ میں پھرتی رہتی ہیں ...

برزخ اصل میں پردہ کا نام ہے جو دنیا اور آخرت میں حائل ہے۔ روح دنیا سے تو چلی گئی اور ابھی آخرت میں نہیں گئی، درمیان میں ہے جو برزخ ہے اور یہی قول قوی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم ص ۲۵ میں لکھا "سب سے پہلے جو مشکل پیش آئی وہ یہ امر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لوگوں کے دلوں میں کئی تشویشیں پھیل گئیں، بعض خیال کرنے لگے کہ یہ موت نہیں بلکہ ایک حالت ہے جو وحی کے وقت آپؐ پر طاری ہوتی ہے۔ بعض نے خیال کیا کہ موت مرتبۂ نبوت کے منافی ہے۔ اور جو لوگ نفاق پیشہ تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ دین اسلام کو درہم برہم کر دیں۔ حضرت صدیقؓ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے چہرۂ مبارک سے چادر اٹھا کر معلوم کیا کہ آپؐ نے اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا اس کے بعد حضرت صدیقؓ کلمات جان فزا مثل وا نبیاہ واخلیلاہ واصفیاہ وغیرہ کہتے ہوئے مسجد میں آئے اور ایک بلیغ خطبہ کہا"۔

اسی طرح قرآن کریم کی دیگر آیات سے بھی عذاب وثواب کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد بعث سے پہلے ہوتا ہے جیسے بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ اور قیل ادْخُلِ الْجَنَّةَ، وقیل ادخلوا النار، قال ادخلوا فی امم .... فی النار

اسی متواتر احادیث سے قبر کا عذاب وثواب ہے، کثرت سے صحابہؓ اس کو بیان کرتے ہیں، مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، امام عمرؓ، امام علیؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابوبکرہؓ، مسلم بن ابی بکرہؓ، زید بن ارقمؓ، ابو العلاء السائب، ابو مسعودؓ، انسؓ بن مالکؓ، ابوہریرہؓ، عبادہ بن صامتؓ، خالد بن عرفطہ، سلیمان بن صردؓ، براء بن عازبؓ، ابوسعید خدریؓ، فضالہ بن عبید، عقبہ بن عامرؓ، ابو برزہؓ، ابو امامہؓ، زید بن خالدؓ (کل پچیس) وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تمام صحابہ تابعین وتبع تابعین کا اس پر اجماع ہے۔ جبھی بہت سے علماء نے بعد الموت عذاب وثواب کے منکر پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ مگر مع ہذا معتزلہ کو کسی نے کافر نہیں کہا، معلوم ہوا

کہ معتزلہ بعد الموت عذاب وثواب کے منکر نہیں ہیں اسی لیے سید محمد انور شاہ صاحب نے جھجک کر بشیر مریسی وضرار بن عمر کے بارے کہا کہ جب تک ان کی عبارت نہ پڑھوں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ہاں اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ عذاب وثواب قبر کہاں ہوتا ہے، سو اس بات کو سمجھنے کے لیے روح کا مقام معلوم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جماد کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ (غیر حی) (بے جان) کو عذاب ہونے کے قول کو علمائے عقائد نے مفسطہ کہا ہے کیونکہ جماد کو حس نہیں ہوتی۔ بعض نے کہا روح جسد عنصری میں لوٹ آتی ہے، بعض نے کہا جسد وکفن کے درمیان رکھی جاتی ہے۔ بعض نے کہا فناء قبر پر رہتی ہے، بعض نے کہا مقام روح علیین ہے یا سجین، یہی قول احق واسلم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کے لیے "الافراح فی مقام الارواح" کا مطالعہ کریں۔

براء بن عازب رضی کی حدیث جو یُعَادُ رُوحُہٗ فی جسدہٖ کے معارض ہے

براء بن عازب رضی سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم فرزند رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ان کے لیے ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۴)

نیلوی کہتا ہے کہ اصولی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم قبر عرفی میں نہیں ہیں بلکہ جیسے مرضعہ (دودھ پلانے والی دائی) جنت میں ہے ایسے ہی حضرت ابراہیم بھی جنت میں ہیں، کیونکہ دودھ پلانا اصولی قاعدہ کے مطابق فعل متعدی ہے اور فعل متعدی ہو۔ تو مفعول کا ظرف کے مصداق میں ہونا ضروری ہے۔

یہ روایت بھی براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس طرح ردِّ روح کی روایت کے معنی علی تقدیر صحۃ الحدیث ایسے کریں گے جو اس مرکزی حدیث کے خلاف نہ ہوں۔

اور اس حدیث میں حضرت براء رضی کے تلمیذ عدی بن ثابت سے جو غالی شیعہ ہے

مگر یہ حدیث اس لیے مقبول ہے کہ اس سے اس کے مذہب کی تائید کسی طرح نہیں ملتی۔

اصولی قاعدہ

اصول شاشی ص ۶۱ میں نفی کی بحث میں اصولی قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ علماء حنفیہ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی فعل پر قسم کھائی اور اس فعل کو زمان یا مکان کی طرف مضاف کیا تو وہ فعل اگر ایسا ہے کہ اس کا اثر فاعل پر تمام ہو جاتا ہے تو اس زمان و مکان میں فاعل کا ہونا شرط ہے اور اگر فعل متعدی ہے یعنی اس کا اثر مفعول کی طرف پہنچتا ہے تو اس مفعول کا اس زمان و مکان میں ہونا شرط ہے۔ کیونکہ فعل اپنے اثر سے پایا جاتا ہے اور اس کا اثر محل (مفعول) میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اثر میں اختلاف پیدا ہو جانے سے فعل کا نام بدل جاتا ہے۔ مثلاً اینٹ مارنے سے کسی کو صدمہ پہنچے تو اس اثر کی وجہ سے یہ فعل چوٹ کہلائے گا۔ اور اگر اینٹ سے زخم پیدا ہو جائے تو اس اثر کی وجہ سے وہ فعل گھاؤ کہلائے گا اور اینٹ لگنے سے دم نکل جائے تو وہ فعل قتل کہلائے گا اور جب کہ اثر میں اختلاف کی وجہ سے ایک فعل مختلف ہو گیا تو ہم نے سمجھ لیا کہ فعل کا نام اس معنی کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے جو محل سے مختص ہوتا ہے اسی زمان و مکان کی رعایت، محل (مفعول) کے حق میں کی جاتی ہے۔

فعل لازم کی مثال یہ ہے کہ کسی نے دوسرے کو کہا کہ اگر میں تجھے مسجد میں گالی دوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ اس صورت میں اگر مسجد میں داخل ہو کر گالی دی اور جس کو گالی دی وہ مسجد سے باہر ہو تو حانث ہو جائیگا اور گالی دینے والے کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر گالی دینے والا مسجد سے باہر ہے اور جس کو گالی دی وہ مسجد کے اندر ہے تو گالی دینے والا حانث نہ ہوگا اور اس کا غلام آزاد نہ ہوگا۔

فعل متعدی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے دوسرے کو کہا کہ اگر میں تجھے مسجد میں نہ ماروں یا تیرا سر زخمی نہ کروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ تو اس صورت میں مضروب و مشجوع (یعنی جس کو مارا گیا ہے یا جس کا سر زخمی کیا ہے اس کا مسجد میں ہونا حانث ہونے کیلئے شرط ہے۔ مارنے

والے اور سر زخمی کرنے والے کا مسجد میں ہونا شرط نہیں۔ اب اگر مضروب و مشجوع مسجد میں تھا تو ضارب و شاج کا غلام آزاد ہو جائے گا خواہ ضارب و شاج مسجد میں ہو خواہ مسجد سے باہر اور اگر مضروب و مشجوع مسجد سے باہر تھا تو ضارب و شاج کا غلام آزاد نہ ہوگا۔

اب اس قاعدۂ اصولیہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت میں تشریف فرما ہیں، تبھی جنت کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) جنت میں ہی آپ کو دودھ پلا رہی ہیں، کیونکہ دودھ پلانا فعل متعدی ہے جس کا اثر محل (مفعول) پر پڑتا ہے کہ وہ دودھ پیتے ہیں اور دودھ پینے کا اثر ان میں ہوتا ہے، پس حضرت ابراہیمؑ کی رُوح مبارک کا جنت میں ہونا مع اجزاء اصلیہ کے ضروری ہوا۔ گو غیر ضروری غیر اصلی اجزاء جنت میں نہ ہوں بلکہ معروف قبر میں ہوں۔

ایک فقہی مسئلہ

اس جسدِ عنصری میں بعد از دفن دوبارہ رُوح کا آنا اور میت کا قبر میں زندہ ہو جانا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی، حالانکہ خصم کو مسلم ہے کہ دفنِ میت کے فوراً بعد روح واپس اس جسدِ عنصری میں داخل کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موافق حدیث خفق نعال کے میت، واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور یہ بھی سب جانتے اور مانتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نہیں پڑھی جاتی بلکہ اگر کسی کے پاؤں کی طرف سے رُوح نکل چکی ہے اور گلے میں رُوح آکر اٹک گئی ہے، باقی سارا بدن بے حس و حرکت ہو چکا ہے تو اس کا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اسی طرح مرض سکتہ والے کو میت سمجھ کر نہلا دیا گیا ہو اور اس کو کفن بھی دیا جا چکا ہو۔ اب نمازِ جنازہ کی تیاری کی جا رہی ہو، اچانک اس سکتہ کے مریض میں حرکت محسوس ہوئی ہو تو جنازہ پڑھنا روک دیا جائے گا کیونکہ اس میں رُوح ہے یہ زندہ ہے اور نمازِ جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے۔ مزید برآں اب اگر تسلیم کر لیا جائے کہ بعد از دفن جسد عنصری میں رُوح واپس آجاتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر نمازِ جنازہ ادا نہ

فرماتے کیونکہ واپس آنے کی وجہ سے اب وہ زندہ ہو چکا ہے اور زندہ کا جنازہ نہیں ہوتا

دوسری دلیل یہ ہے کہ فقہ کی ہر کتاب میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جس میت کو نماز جنازہ پڑھنے کے بغیر ہی دفن کر دیا گیا ہو تو جب تک احتمال اس کے پھٹنے کا نہ ہو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے اور اگر غالب گمان ہے کہ میت کا جسم پھٹ رہا ہو گا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

اگر اس جسد عنصری میں عودِ روح کا مسئلہ صحیح ہوتا تو فقہاء جواز نماز جنازہ کے لیے عدم تفسخ کی شرط نہ لگاتے بلکہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیتے۔ کیونکہ دفن کے بعد جسم عنصری میں روح واپس آجاتی ہے جس کی وجہ سے میت میت نہیں رہتا بلکہ زندہ ہو جاتا ہے اور نمازِ جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نہیں پڑھی جاتی لہٰذا دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

لیکن سب فقہاء کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جس میت کو نماز جنازہ پڑھنے کے بغیر دفن کیا گیا ہو تو قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے بشرطیکہ میت پھٹا نہ ہو اور پھٹ جانے کے بعد نماز جنازہ قبر پر نہ پڑھی جائے۔ معلوم ہوا کہ اس جسدِ عنصری میں رُوح واپس نہیں آتی اور جن علماء نے عودِ رُوح لکھا ہے اس سے سارا جسم مراد نہیں بلکہ علیٰ سبیل المجاز بعض حصہ جسم کا مراد ہے جس طرح یجعلون اصابعھم فی اذانھم میں اصابع بول کر انامل مراد لیے گئے ہیں اسی طرح یہاں جسد بولکر اس کی وہ اجزاء اصلیہ مراد لیے گئے ہیں جو عالمِ ارواح میں تھے اور ان میں عقل و شعور اور فہم مکمل تھا، زبان کان وغیرہ تھے۔

آیۂ قرآن سے اشارہ کہ قبر میں بغیر روح کے محض مردہ جسم ہوتا ہے

اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝ قبروں سے انسان اُٹھائے جائیں گے (جو ذوی العقول ہیں، ما کا لفظ کیوں لایا؟ ج: ابو السعودؒ نے کہا کہ (انسان) عاقل تو دنیاوی زندگی تک تھا اور قبر میں فقط مردہ جسم ہے اس لیے ما سے تعبیر کیا

شہداء کی ارواح بھی ان کے اجسادِ عنصریہ کی طرف نہیں لوٹتیں

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سالوں کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی یہی مسلک علماء حنفیہ کا ہے اور شوافع جو شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں ان کو ہمارے علمائے حنفیہ کی طرف سے یہی جواب دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ زندہ پر۔ اگر جسد عنصری میں روح واپس آنے کا مسئلہ صحیح ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں پر نماز پڑھی؟ ہرگز نہیں! ۔ دنیا کے اعتبار سے شہداء اموات میں داخل ہیں، اسی لیے ان پر نماز جنازہ عندالاحناف پڑھی جاتی ہے، لحد بنا کر ان کو دفن کیا جاتا ہے قبر کو مسنم بنایا جاتا ہے اس پر پانی چھڑکا جاتا ہے اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان کی بیویاں عدتِ وفات بیٹھتی ہیں۔ مضی عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔

بلکہ انبیاء کرامؑ کی ارواحِ طیبہ بھی ان کے اجسادِ عنصریہ کی طرف نہیں لوٹتیں

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا، تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیال نبیؑ کی نعش مبارک ملی جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی، کسی عضو کی ہیئت و صورت میں فرق نہیں آیا تھا اور ..... ابوموسیٰؓ نے بھی ان کی نسبت حضرت عمرؓ کو خط لکھا، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر نماز پڑھ کر دفن کر دو، ابوموسیٰ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل و کفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کی نہر کے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کرا دیا، تاکہ لوگ ان کو پھر نہ نکالیں، جیسے حضرت سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "حیات خضر" کے صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے۔

یہ ہیں حضرت خلیفہ ثانی امامنا و امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جن کے متعلق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ جعل الحق علیٰ لسان عمر رض اور متعدد آیات ان کی رائے حالی کے موافق نازل ہوئی تھیں، اس ہستی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو بیر کے پتوں اور خوشبودار پانی سے غسل دیا جاتا ہے اسی طرح اس پیغمبر خدا علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غسل دو اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے اسی طرح اس پیغمبر خدا علیہ السلام کو کفن دو اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح پیغمبر خدا علیہ السلام پر بھی نماز پڑھو جس طرح میت کے لیے زمین میں لحد کھود کر دفن کیا جاتا ہے اسی طرح پیغمبر خدا علیہ السلام کے لیے زمین میں لحد کھود کر دفن کر دو۔

اگر یہ بات صحیح ہو کہ تمام انبیاء علیہم السلام قبض روح کے بعد دوبارہ زندہ کر دیئے جاتے ہیں اور ان کے اجساد عنصریہ میں باقاعدہ روح واپس لاکر دنیا کی طرح زندگی عطا فرمائی جاتی ہے۔ تو اتنے بڑے اولوالعزم دین سے باخبر مجتہد اعظم امام عمر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صریح صاف اور صحیح اور متواتر حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے ایک پیغمبر خدا علیہ السلام کے ساتھ اموات والا معاملہ کرتے (نہلانے، کفنانے، دفن کرنے) کا حکم کیونکر دیا؟ پھر جس کو حکم دیا وہ سپہ سالار بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے دوبارہ استفسار نہیں فرمایا کہ اے امیر المومنین! دانیال علیہ السلام تو پیغمبر خدا ہیں اور پیغمبروں کی روح جب قبض ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی روح مبارک کو واپس جسد عنصری میں لوٹا کر زندہ کر دیا کرتا ہے وہ تو زندہ ہیں اگرچہ ہماری حس اس کا ادراک نہیں کر سکتی، آپ نے ان کے بارے غسل، کفن اور دفن کا حکم کیسے فرما دیا۔ پھر اس فوج میں ہزاروں نہیں، تو سینکڑوں کی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ ان میں سے ایک صحابی رض نے بھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی بلکہ سب نے اس حکم کی تعمیل کی اور سب نے خیر و برکت کے اس کام میں شمولیت فرمائی۔

تو اس طرز عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات تو تسلیم کرتے تھے، مگر دنیوی حیات کے قائل

نہ تھے بلکہ دنیا کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام کو اموات ہی میں داخل سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے غسل، کفن، دفن میں دانیال پیغمبر کے ساتھ اموات والا برتاؤ کیا۔ نیز یہ بھی سمجھا دیا کہ رد روح کا یہ مفہوم نہیں کہ جسد عنصری میں دوبارہ روح واپس کر دی جاتی ہے۔

حضرت نوری رح کی تقریظ پر ردِ روح کے بارے ایک نظر

تسکین ص ۲۴ میں کہا روح کے تعلق اجساد سے پانچ قسم کے ہیں، فی حالۃ الجنین بعد الولادۃ فی الدنیا (اور اس کی دو صورتیں ہیں، حالت نوم اور حالت یقظہ) بعد الموت فی البرزخ، بعد البعث فی المحشر۔ ضعیف ترین اول و رابع ہے قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی الخ: پیٹ میں بچہ نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا نہ بولتا نہ سمجھتا ہے کیونکہ روح کا تعلق ضعیف ترین ہے اور بعد الموت فی البرزخ بھی روح کا تعلق ضعیف ترین ہو جاتا ہے اب وہ کس طرح سنتا دیکھتا بولتا سمجھتا ہے جب کہ متوسط تعلق والا دنیوی زندگی والا پس پردہ دیکھ نہیں سکتا اور زیر زمین بیٹھ کر زمین سے اوپر والے کی آواز نہیں سن سکتا۔ اگر استدلال حدیثوں سے ہے تو حدیثوں کی رو سے اضعفیتِ تعلق کا قول ترک کر دو پھر یہ اضعفیتِ تعلق سب کے لیے ہے یا انبیاء و شہداء مستثنیٰ ہیں، اگر مستثنیٰ ہیں تو ان کا ذکر ضروری تھا، خصوصاً افحام خصم کے لیے ورنہ کہنا پڑے گا کہ آپ بھی بعد الموت برزخ میں انبیاء و شہداء کے ارواح کا تعلق ضعیف مانتے ہیں۔

پیرِ طریقت رح کی تحقیق انیق

ہمارے پیر و مرشد سیدی سندی مفسر و محدث محقق و مدقق منذر الناس فی الاحقاف حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ کافیۃ وافیۃ نے اپنی تحریرات میں عود روح کے بارے صاف طور پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے قول کی صریح تردید فرمائی وما فی المرقاۃ فلیس بشیء ولم یقلہ احد ولم یعتد بہ

یعنی عودِ روح وغیرہ کے متعلق جو تقریر ملا علی قاری رح کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں موجود ہے وہ کچھ نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے اور نہ یہ معتبر ہے اور اس سے پہلے لکھا واما العود الی الجسد فھو امامن الرواۃ او المعنی العود الی جزءٍ من الجسد الذی ھو النفس کما قالہ صاحب الخازن کما فی قوت المغتذی علی جامع الترمذی یعنی یہ کہنا کہ قبر میں رُوح واپس جسم کی طرف آجاتی ہے یا تو راویوں کی طرف سے ان کے فہم کے مطابق اپنا تصرف ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جسم انسان کا وہ جزو جس کو نفس کہتے ہیں اس کی طرف رُوحِ انسانی عود کرتی ہے جیسے خازن والے نے کہا ہے چنانچہ جامع ترمذی کی شرح قوت المغتذی میں ایسا ہی ہے۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں فالقول الثابت ان اجزاء البدن من المیت لاسماع لھا ولاشعور والفرح والسرور فی البرزخ نعم قد یری اشیاء من القبور ویسمع الاصوات علی خرق العادات (تحریرات الحدیث ص ۲۱۰) پس پختہ بات یہی ہے کہ میت کے بدن کے اجزاء کا نہ سماع ہے اور نہ ہی ان کو کسی طرح کا شعور ہے۔ اور خوشی اور سرور تو برزخ میں اس کی روح کو حاصل ہوتی ہے۔ ہاں کبھی کبھی جو چیزیں کہ قبروں میں نظر آجاتی ہیں یا وہاں سے آوازیں سُنائی دیتی ہیں وہ سب خرقِ عادت کے طور پر ہوتی ہیں جن پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

جسدِ عنصری کی طرف رُوح کا عود تواتر سے ثابت ہے؟

پھر تواتر تو کیا ہو جب کہ عودِ روح کی حدیث ہی صحیح نہیں ورنہ یہ علماء اس مسئلہ میں تردد نہ کرتے چنانچہ جذب القلوب ص ۱۸۶ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے فرمایا: "بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادۂ روح تردد کردہ اند و تلازم روح وحیات را منع نمودہ"

قرۃ العین ص ۵۹۵ میں ہے ومنع کثیر من الاشاعرۃ والحنفیۃ اعادۃ الروح الیہ وقالوا لاتلازم بین الروح والحیوۃ الاتی لعادۃ۔

روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۴۷ میں ہے جب تک اللہ کو منظور ہوگا جسد سے روح جدا رہے گی پھر قیامت کو جسد کی طرف واپس آئے گی پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آرام میں یا عذاب میں جسد کے ساتھ ہی رہے گی۔

دکھ سکھ روح کو اور جسد کے ایک جزو کو ہوتا ہے جس میں روح رہتی ہے اور یہ کوئی محال نہیں کہ اس جزو کو خدا پرندہ بنا دے یا پرندے کے قالب میں رکھ دے اس میں جنت کی سیر کرے اور قنادیل تک لٹکا نا پکڑے۔

حدیث عودِ روح کو متواتر کہنا غلط ہے

تسکین الصدور طبع اول ص ۵۵ میں ابن تیمیہؒ و صدیق حسن خانؒ کے حوالہ سے عود روح کی حدیث کو متواتر کہا اور دلیل میں بزار ابن عازبؓ کی حدیث ذکر فرمائی اس کی تصحیح پر زور لگایا، پھر تین شواہد بھی ذکر فرمائے ایک ابن عباسؓ سے دوسرا ابو ہریرہؓ سے تیسرا جابرؓ سے۔

الجواب

قطع نظر اس کے کہ سنداً یہ حدیثیں کیسی ہیں اور قطع نظر اس کے کہ یہ احادیث ایک دوسری کی مؤید ہیں یا معارض، اور قطع نظر اس کے کہ آیاتِ قرآنیہ کے موافق ہیں یا مخالف علمائے اسلام کا اس میں بہت اختلاف ہے

مذہب نمبر ۱: بعض علماء فرماتے ہیں کہ سوال کے وقت (سوال نکیرین کے وقت) روح جسم کی طرف واپس آجاتی ہے اور اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں الاحادیث متواترۃ علیٰ عود الروح الی البدن وقت السؤال (شرح صدور ص ۵۷)

یہی قول ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، سیوطیؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ کا

مذہب نمبر ۲: بعض علماء بالکل اس کے برعکس لکھتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ملتی کہ نکیرین کے سوال کے وقت روحیں مُردوں کے اجساد عنصریہ کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں ثُمَّ یَاتِ قَطُّ عَنْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خبر صحیح ان ارواح الموتی ترد الی اجسادھم عند المسالۃ (کتاب الروح ص ۶۵) یہی قول ہے ابن حزم ظاہریؒ، ابن عقیلؒ، ابن جوزیؒ، ابن میسرہ کا اور ابن قیمؒ کی بعض روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو شرح الصدور۔

یاد رہے کہ ابن حزم ظاہریؒ اہل بدعت سے نہیں جیسے آج کے بعض علماء یہ سمجھے ہوئے ہیں، آج تک کسی نے ان کو اہل بدعت نہیں لکھا۔ حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ قلمی ورق ۳۹۰ کے دوسرے صفحہ میں ابن حزمؒ کو علمائے اہلسنت میں سے شمار فرمایا ہے۔ نیز دیکھو فیض الباری ص ۴۹۲

نیز کتاب الروح کی عبارت بالا سے ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ اس گروہ کا قول عود روح کا انکار نہیں بلکہ اختلاف یہ ہے کہ سوال بدن سے ہوتا ہے دوسرا کہتا ہے کہ سوال روح سے ہوتا ہے اعادۂ روح پر تو اتر بہر حال موجود ہے۔ وہ لوگ عبارت میں غور فرمائیں جو اپنے مطلب میں واضح ہے۔ نیز جو لوگ کہتے ہیں کہ سوال صرف بدن سے ہوتا ہے وہ علیحدہ گروہ ہے چنانچہ شرح الصدور ص ۵۷ میں ہے کہ

مذہب نمبر ۳: ابن زاغونی، ابن جریر طبری، اور فرقہ کرامیہ اسی بات کے قائل ہیں کہ بغیر اعادہ روح کے صرف بدن سے سوال ہوتا ہے۔

مذہب نمبر ۴: حضرت ابن عبدالبرؒ کا خیال ہے کہ ارواح ان اجساد عنصریہ کے اندر داخل نہیں ہوتیں بلکہ قبور کے گرد رہتی ہیں (کتاب الروح) لیکن اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوال روح سے ہوتا ہے جسم سے علیحدہ

طرد اللباب، غیر مسلموں کا عقیدہ بھی سن لیں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ والے مکتوبات طیبات المعروف بہ مہر چشتیہ ص ۷ میں لکھتے ہیں "بعض اہل ہنود کا مذہب یہ ہے کہ مردہ کی روح وفات کے بعد دنیا میں اپنے جسم عنصری کے اوپر پرواز کرتی رہتی ہے"

مذہب نمبر ۵: ہندو لوگ مردہ کو جلا دیتے ہیں اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مردہ کا جسم جل چکنے کے بعد بھی راکھ ہو کر جسم عنصری ہی ہے۔ جیسے آج کے علماء خاک و راکھ

یا جزء بدن آکل ہو جانے کے بعد بھی جسم عنصری بدستور باقی ہونے کے قائل ہیں اگر ہندو لوگ مردہ کے جسم کو نہ جلاتے بلکہ دفن کرتے تو شاید وہ بھی ابن عبدالبرؒ کی طرح کہتے کہ مُردہ کی رُوح مُردہ کی قبر کے اردگرد رہتی ہے۔

مذہب نمبر ۶: اور ایک ہے مذہب منصور جو مذہب ہے صحابہ کرام رض تابعین رح، خیر القرون، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، اور ان کے متبعین کا کہ ارواح کو ان کے اجسادِ عنصریہ کے ساتھ ماسوائے تعلقِ محبت کے کچھ تعلق نہیں رہتا۔

اس بدن عنصری میں تو قیامت کبریٰ ہی میں روح واپس آئے گی نہ اس سے پہلے چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ج ۲ ص ۳۴ میں فرمایا ثم ان سبحنہ و تعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیامۃ الکبریٰ حتی ینضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الروحانیۃ یعنی پھر اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت روح کو بدن کی طرف واپس لوٹائیں گے حتیٰ کہ جسمانی احوال روحانی احوال کے ساتھ ضم ہو جائیں گے۔

مذہب نمبر ۷: ساتواں مسلک ایک اور بھی ہے جیسے صاحب تسکین نے طبع اول کے ص ۸۶ میں تفسیر مظہری کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ بعض الاحادیث الصحاح تدل علی ان ارواح المومنین حتی الانبیاء وارواح الکفار کلھا فی القبور۔ بعض صحیح احادیث تمام ارواح کے قبروں میں ہونے پر دال ہیں خواہ مومنین و انبیاء کرامؑ کی ہوں، خواہ کفار کی ہوں۔

نوٹ: انبیلوی کہتا ہے کہ جب یہ حدیثیں صحیح ہیں تو اس قول کو غلط کہنا چاہیئے جو فتح الملہم وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تو علیین میں ہے مگر اس کا تعلق جسدِ عنصری سے ہے۔

اور قبروں کے اندر ارواح ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو بدن کے اندر کلاً یا بعضاً حلول کیے ہوئے ہیں یا بدن اور کفن کے درمیان روح رکھ دی جاتی ہے اور اس عبارت سے بظاہر تبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں حلول نہیں ہے البتہ قبر کے اندر ہے یعنی، بدن اور کفن کے درمیان جیسے بعض کا قول ہے اور ایسا کہنے والا تا حال نہیں ملا کہ قبر کے

اندر ہو اور کفن سے باہر۔

الحاصل مذہب کو چھوڑ کر جتنے مذاہب اوپر مذکور ہیں ان میں سے اہلسنت کے علماء بھی ہیں چنانچہ اوپر کچھ اشارہ کیا جا چکا ہے اور کرامیہ کا جو مسلک ہے وہ بھی نرا بدمذہبوں کا نہیں بلکہ ابن جریر طبری مشہور مفسر اہلسنت کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے غلطی لگ سکتی ہے مگر ہمارا مقصد اس بیان مذاہب سے ان کی تصویب کرنا یا تغلیط کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تسکین الصدور، شرح الصدور اور کتاب الروح میں ابن حزم کا یا ابن تیمیہ وغیرہ کا تواتر کا دعوٰی کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب خود اہلسنت کے علماء میں چھ قول پائے جاتے ہیں تو ایک قول پر سب اہلسنت کا اتفاق کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس بات کو جاہل بھی سمجھتے ہیں۔

ازالۂ وہم

جب مندرجہ بالا بات ناظرین سمجھ گئے۔ اب یہ کہنا کہ ابن عقیل اور ابن جوزی کا قول جہاں لکھا ہے وہاں وھو غلط کہہ کے اس کی تردید بھی کی گئی ہے جیسے صاحب ندائے حق صفحۂ قرطاس سے چاٹ گیا ہے۔ یہ محض الزام ہے کیونکہ غلط کا لفظ نہ لکھنے سے اس کی تصویب نہیں ہوتی، ورنہ لازم آئے گا کہ جن لوگوں نے ابن تیمیہؒ اور ابن حزم کے دو متضاد قول نقل کیے ہیں اور وہاں وھو غلطٌ کا لفظ کسی ایک کے ساتھ بھی نہیں لکھا تو ان دونوں مذہبوں کو صحیح مان کر اجتماع نقیضین کو جو بالاتفاق محال ہے ممکن اور جائز ماننا ہوگا۔

ں یہ ہے کہ مذہب منصور بیان کرنا ہی خود تردید ہے باقی مذاہب کی جیسے بلغۃ الحیران ص ۱۵۷ میں معتزلہ کا مذہب بیان کیا اور ان کی توجیہ آیات بھی اور دلائل بھی بیان کیے اور اس کے بعد مذہب اہلسنت کا بتا کر ان کی توجیہ مختصراً بیان فرما دی۔ اسی طرح بلغۃ ص ۲۵۹ و ۲۶۰ میں معتزلہ کا مذہب بتانے کے بعد اہل سنت کا مذہب بتا دیا۔ اس سے مذہب معتزلہ کا بتا دینا اور اہلسنت کا بعد میں ذکر کرنا ہی معتزلہ کے مذہب کی تردید ہے جیسے کہ صاحب ہدایہ کی عادت مبارک ہے کہ مفتی بہ مسلک کو

اخیر میں ذکر فرماتے ہیں۔ لیکن یہ بریلویہ فرقہ اسے اعتراض کی شکل میں ہمیشہ سے پیش کرتے آرہے ہیں اور عوام کے ذہن میں یہ بات بٹھاتے ہیں کہ اگر یہ مذہب معتزلہ ان کے نزدیک غلط تھا تو اس کی تردید کرنا ضروری تھا، تو تردید نہ کرنا اس کے حق سمجھنے کی دلیل ہے حالانکہ ایک مقام پر تردید نہ کرنا اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے مصنفین کئی مقامات پر ایسا کرتے رہتے ہیں جیسے پڑھنے پڑھانے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

الحاصل

بہرحال اگر اس اعادۂ روح الی الجسد العنصری پر تواتر ہوتا تو اس قدر اہلسنت کے مابین اختلاف نہ ہوتا۔

نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس مسئلہ عود روح میں توقف نہ فرماتے اور نہ اشاعرہ وحنفیہ کو اس مسئلہ میں کوئی تردد ہوتا جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جذب القلوب ص۱۸۶ میں فرماتے ہیں "بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادہ (ای اعادۂ روح بسوئے جسد عنصری) تردد کردہ اند وتلازم روح وحیات را منع نمودہ"۔ یعنی روح کا جسد عنصری کی طرف واپس لوٹائے جانے میں بہت سے اشاعرہ (یعنی اہل سنت وجماعت کی دو اہم جماعتیں ماتریدیہ تلامذۂ ابومنصور ماتریدیؒ اور اشعریہ تلامذہ ابوالحسن اشعریؒ) اور حنفی علماء کو تردد ہے اور روح اور حیات کو باہم لازم وملزوم ہونے کو بھی نہیں مانتے یعنی کہتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جہاں روح نہ ہو وہاں حیات بھی نہ ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جہاں حیات ہو تو وہاں ضرور روح بھی ہو۔ ورنہ تسلسل لازم آئیگا کہ روح کی روح ہو اور پھر روح الروح کی روح ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔

حوالہ صاحب قرۃ العین

نیز قرۃ العین ص۵۹۵ میں سوال وجواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں:

سئل فی المیت اذا سئل بعد الموت تعود الیہ روحہ وتلابسہ ملابسۃ

حقیقیة حتی یرد الجواب کما فی کتب التوحید واعتقاد اهل السنة او تکون مجردة مماسة صوریة افتونا؟ اجاب اتفق اهل السنة علی اعادة الحیاة للمیت فی القبر (ای البرزخ) خلافا للکرامیة ومن وافقهم (فانهم قالوا بتعذیب الجماد) واختلفوا فی هذه الحیاة فقال بعضهم یخلق له حیوة کاملة کما قبل الموت وقال بعضهم حیاة برزخیه یفهم بها الخطاب ویقدر علی رد الجواب ویدرک الالم وهذا هو الظاهر لان الضرورة تندفع به ومنع کثیر من الاشاعرة والحنفیة اعادة الروح الیه وقالوا لا تلازم بین الروح والحیوة الا فی العادة - ومن الحنفیة من قال تومتح فیه الروح الیه - لکن هل تعود الی جمیع بدنه؟ قیل نعم! وقال ابن حجر وظاهر الخبر تدل علی انها تحل فی نصف المیت الاعلی فیسئال البدن وفیه الروح وهو مذهب الجمهور -

صاحب کشف المغالطات کا مغالطہ

مؤلف کشف المغالطات حوالوں کی کثرت دیکھ کر مرعوب ہو گئے انہوں نے مندرجہ ذیل سوال جواب لکھا:

سوال: نکیرین کے سوال کے وقت مرنے کے بعد اس میت کی طرف اس کی روح کیا واپس کر دی جاتی ہے جس کا بدن کے ساتھ سچ مچ کا ملاپ ہوتا کہ میت نکیرین کے سوالات کا جواب دے سکے جیسے توحید کی کتابوں اور اہلسنت کے عقاید میں یہ بات ملتی ہے، یا کہ روح ایک مجرد چیز ہے جس کا صوری مس ہوتا ہے بدن کے ساتھ، بتاؤ!

جواب: تمام اہل السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ قبر یعنی عالم برزخ میں میت کی طرف حیات اور زندگی واپس آجاتی ہے۔ کرامیہ اور ان کے موافقین اس بارے میں مذہب اہلسنت والجماعۃ کے مخالف ہیں (کیونکہ وہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بے جان کو عذاب ہو سکتا ہے) اور اہل السنۃ والجماعۃ جو میت میں زندگی کے واپس

ہونے کے قائل ہیں، ان کا آپس میں اندرون خانہ اختلاف ہے بعض تو صاف کہتے ہیں کہ جیسے مرنے سے پہلے انسان زندہ تھا اسی طرح اب اس کو حیات کاملہ مل جائے گی گویا اس کی خلقت دنیا کی خلقت کی طرح دوبارہ ہوگی۔ اور بعض دوسرے کہتے ہیں کہ دنیا کی طرح تو وہ زندگی نہ ہوگی البتہ وہ برزخی حیات ہے جو صرف اسی قدر ہوگی جس سے وہ فرشتوں کی بات سمجھ سکے اور اس کا جواب دے سکے اور دکھ درد عذاب برزخی کا محسوس کر سکے اور ظاہر بھی یہی ہے۔ کیونکہ صرف اس قدر حیات آجانے سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور دنیا والوں اور زائرین کا کلام وسلام سننا اور ان کو دیکھنا اور جاننا پہچاننا زائد از ضرورت ہے اور اشاعرہ (ماتریدیہ واشعریہ) اور حنفی علماء کی کثیر جماعت روح کا جسد کی طرف واپس آجانے کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ روح اور حیات کا باہم کوئی تلازم نہیں ہے، ہاں دنیاوی حیوٰۃ میں عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ روح ہو تو حیوٰۃ ہوتی ہے۔ روح چلی جائے تو حیوٰۃ بھی نہیں رہتی۔ اور کچھ حنفی علماء وہ بھی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ میت کی طرف دوبارہ روح لوٹا کر اس میں رکھ دی جاتی ہے۔ لیکن اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آیا تمام بدن میں روح لوٹ آتی ہے؟ تو بعض نے یہی کہا کہ ہاں تمام بدن کے اندر روح لوٹ آتی ہے۔ لیکن ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے نصف اعلیٰ میں روح حلول کرتی ہے تب بدن سے سوال ہوتا ہے۔ پھر ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

مغالطہ کا منشا

قرۃ العین اور کشف المغالطات والوں کو جو مغالطہ ہوا اس کی اصل وجہ مندرجہ ذیل فقہاء کرام کی توجیہات اور تاویلات ہیں،

(۱) فتح القدیر باب الجنائز میں ہے: واشکل علیہم ما فی صحیح مسلم ان المیت یسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا اللہم الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسؤال: یعنی شبہ کیا گیا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حالت ابتداءً ہی قبر میں رکھنے

کے بعد نکیرین کے سوال کے لیے ہوتی ہے یعنی اس کے بعد پھر اصلاً مردہ کچھ نہیں سنتا۔

(۲) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۲۲۴ ج۳ میں علامہ عینیؒ نے کہا التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمرؓ محمول علی ان مخاطبۃ اھل القلیب کانت وقت المسئلۃ ووقتھا وقت اعادۃ الروح الی الجسد وان حدیث عائشۃؓ محمول علی غیر وقت المسئلۃ فھذا یتفق الخبران یعنی دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ قلیب بدر والے مشرک مقتولوں سے اس وقت گفتگو ہوئی جب سوال نکیرین کا وقت تھا اور وہ وہی وقت ہے جب روح جسم کی طرف نکیرین کے سوال کے لیے لوٹائی جاتی ہے اور حضرت ام المومنینؓ کا مطلب ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت کے ماسوا دوسرے اوقات میں میت نہیں سنتا۔ پس اس طرح ان دونوں حدیثوں کی باہم تطبیق ہوگئی۔

(۳) علامہ سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بھی حاشیہ درمختار یعنی ردالمحتار میں اس طرح لکھا ہے جس طرح امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے۔

(۴) علامہ فاضل لاہوری عبدالحکیم سیالکوٹی نے شرح عقاید جلالی کے حاشیہ میں فرمایا:

اما احیاء القبر تاحیاء ناقص لمجرد السؤال یعنی قبر میں جو زندہ کیا جاتا ہے سو وہ ناقص قسم کا ہے وہ بھی صرف سوال نکیرین کے واسطے اور بس۔

(۵) علامہ محقق دوانی حنفی[۵] بھی یہی سوال نکیرین کے بعد دوبارہ مرجانے کے قائل ہیں،
(شرح عقاید عضدیہ ص۹۳)

(۶) حضرت میر سید سند جرجانی بھی سوال نکیرین کے بعد دوبارہ مرجانے کے قائل ہیں
(شرح مواقف ص۱۱۰)

(۷) علامہ ابوالسعود مفسر محقق حنفی بھی قبر میں نکیرین کے سوال کے بعد مرجانے کو بہت انسب قول فرماتے ہیں ص۴۴۸ ج۲

---

[۵] نیلوی کہتا ہے کہ علامہ دوانی حنفی نہ تھے شافعی تھے۔ دیکھو کتب طبقات ۱۲ اور یہ حضرت عضدالدین حنفی ہیں

(۸) علامہ تفتازانی رحمہ نے بھی شرح مقاصد ص ۱۶۳/۲ بحث ۶ سوال قبر میں فرمایا الاماتتان فی الدنیا وفی القبر دو موتوں سے مراد ہے ایک دفعہ دنیا میں مرنا اور دوسری دفعہ قبر میں زندہ ہو کر مر جانا (اس قول کے خلاف اقوال مفسرین پہلے گزر چکے ہیں)

(۹) تفسیر کبیر ص ۴۶۲/۵ احتج اکثر العلماء بھذہ الآیۃ فی اثبات عذاب القبر وتقریر الدلیل انھم اثبتوا لانفسھم موتتین فاحد الموتتین مشاھد فی الدنیا فلا بد من اثبات حیاۃ اخریٰ فی القبر حتی یصیر الموت الذی یحصل عقیبھا موتاً ثانیاً یعنی اکثر علماء نے اس آیت سے قبر کے عذاب کو ثابت کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر لوگ اپنے لیے دو موتیں تسلیم کرتے ہیں پس ایک موت تو دنیا کی سب کو نظر آتی ہے۔ اب ضروری بات ہے کہ قبر میں جا کر زندہ کیے جائیں پھر اس کے بعد یعنی سوال منکر نکیر کے بعد قبر میں مر جانا دوبارہ کی موت ہوگا۔

(۱۰) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ص ۳۴۰ میں ہے قالوا یعنی الکفار فی النار ربنا امتنا اثنتین مرتین مرۃ بقبض ارواحنا ومرۃ بعد ما سألنا منکر ونکیر فی القبور واحییتنا اثنتین مرۃ قبل ان سألنا منکر ونکیر فی القبور ومرۃ للبعث یعنی کافر دوزخ میں کہیں گے کہ اے اللہ تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی ایک دفعہ دنیا میں جب ہماری عمر پوری ہوئی۔ دوسری دفعہ جب موت دی جب کہ منکر نکیر قبر میں ہم سے سوال کر چکے اور دو ہی دفعہ جلایا ایک قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت، دوسری دفعہ قیامت میں۔ پس اس آیت کا صاف مطلب ہے کہ قبر والا سوال کے وقت زندہ ہوتا ہے پھر سوال کے بعد مر جاتا ہے اب زندہ پر مردہ کو قیاس کرنا کیسا لغو ہے۔

(۱۱) بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا: پہلا مارنا اس وقت کا جب انسان کی عمر پوری ہو جاتی ہے اور دوسرا مارنا منکر نکیر کا قبر میں سوال ہو چکنے کے بعد۔

(۱۲) شیخ زادہ ص ۲۲۵/۳ میں لکھتے ہیں قبر میں سوال نکیرین ہو چکنے کے بعد دوبارہ نفخ صور تک مر کر پڑے رہیں گے۔ اور بھی بہت سی تفسیروں میں لکھا ہے چنانچہ:

(۱۳) سدی نے کہا ہے کہ پہلی بار موت تو دنیوی زندگی کے خاتمہ پر ہوئی، پھر سوال جواب کے لیے قبر میں مردہ کر دیا۔

مغالطہ کا منشا نمبر ۲

میر سید سند رحمہ اللہ نے شرح المواقف ص ۱۱۱ میں فرمایا ہے ھذا ھو الشائع المستفیض بین اصحاب التفسیر۔ اہل تفسیر میں اس آیت کی یہی تفسیر مشہور اور مستفیض ہے۔

حتیٰ کہ جن لوگوں نے دوسری تفسیر فرمائی ہے کہ پہلی موت سے نطفہ کا مردہ ہونا اور دوسری موت سے دنیا کی موت مراد لینا اس کو معتزلہ کا مذہب بتایا ہے اور کہتے ہیں کہ زمخشری نے جو تفسیر کی ہے وہ اسی کے اپنے مذہب اعتزال پر مبنی ہے کیونکہ وہ حیات فی القبر اور منکر نکیر کے سوال کا منکر ہے۔ اسی لیے اہلسنت کے خلاف، لغت عرب کے خلاف اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ اور بعض اہل سنت مفسرین بھی اسی کی اتباع میں یہ کشاف کی بیان کردہ تفسیر ہی بیان کر جاتے ہیں، مگر محققین مفسرین اور علماء متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ نے زمخشری اور اس کے ہم خیال لوگوں کی خوب تحقیق سے تردید کر دی ہے اور کہتے ہیں کہ بعض مفسرین نے زمخشری کے خیال کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جو بالکل غلط اور غیر ثابت ہے اور کہتے ہیں کہ پہلی موت سے مردہ نطفہ مراد لینا شاذ قول ہے اور معتبر و معتمد قول وہ ہے جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں

اب ان علماء مفسرین و متکلمین و فقہاء کے فرمان کے مطابق مطلب حدیث خفق نعال والی کا یہ ہوگا کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو منکر نکیر میت سے سوال کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میت میں روح ڈال دیتا ہے اس وقت وہ جوتوں کی آواز سنتا ہے اور پھر منکر نکیر کے سوالوں کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھر جواب دیتا ہے۔ جب امتحان ہو چکتا ہے پھر اس پر موت آجاتی ہے پھر اس موت کے بعد کسی اہل دنیا کے کلام سننے کا اہل نہیں رہتا اور نہ ہی اہل دنیا کے ساتھ بات

کر سکتا ہے اور نہ ہی اہلِ دنیا کو دیکھ پہچان سکتا ہے اور سوالِ منکر نکیر کے وقت اس کی حالت کو سنبھالنے والی حالت سمجھو۔ نیز حقق تعال والی حدیث عبدالاعلیٰ سے بخاری نے روایت کی ہے۔

ضروری نوٹ: اصول کافی مطبع نولکشور ص۶۶ میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام موجود ہے۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن محمد بن خالد والحسین بن سعید جمیعاً عن النضر بن سوید عن یحیی بن عمران الحلبی عن عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام عن ابی عبداللہ قال ان البیت اذا کان فیہ المسلم یتلو القرآن یتراءاہ اھل السماء کما یتراءا اھل الدنیا الکواکب الدری فی السماء

فقہاء کرام کا یہ قول ہمارے دوسرے مدعا کی تائید ہے

کیونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصل جزا سزا مرنے کے بعد جسدِ عنصری کو نہیں ہوتا جو اربعہ عناصر سے مرکب ہے۔

دلیل اس امر کی کہ جزا و سزا اجزاء اصلیہ کو ہوتی ہے نہ اجزاء زائدہ کو، فقہاء کرام کا یہ قول ہے کہ سوال نکیرین کے موقع پر مادہ روح کر دیا جاتا ہے۔ پھر فراغت کے بعد جسدِ عنصری سے پھر روح کا تعلق نہیں رہتا۔ حالانکہ یہ تمام فقہاء حنفیہ تعذیب و تنعیم میت کے قائل ہیں اور یہ امر واقع ہے کہ بے جان اجساد کی تعذیب و تنعیم سفسطہ (باطل) ہے پس روح کا تعلق اجزاء اصلیہ ہی کے ساتھ مانا جائے تب تعذیب و تنعیم میت ہوگی۔

مع ہٰذا فقہاء کے اس تاویل میں بحث ہے

اس طور پر فقہاء کے قول کو ہم نے بچایا ہے اس اعتراض سے جو بظاہر ان پر وارد ہوتا ہے کہ شاید یہ توجیہ کرنے والے عذاب و ثواب قبر کے منکر ہوں جو اہلسنت والجماعت کے مسلک کے سراسر خلاف ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن سچ پوچھو کہ جس قدر علماء نے فرمایا ہے

یہ بحث منظور فیہ ہے اگرچہ اس طرف کثرت سے علماء کرام گئے ہیں اور خود ان کو بھی اس اشکال کے حل صحیح اور تام نہ ہونے اور ضعیف ہونے کا اعتراف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے سوال کو استشکل کے عنوان سے بیان فرمایا اور اس اشکال کے جواب کو اللھم الا کے لفظ سے شروع فرمایا اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ شراح وغیرہ اسی موقع پر اللھم الا کے عنوان کے ساتھ جواب شروع کرتے ہیں جہاں جواب کے ضعف اور ناتمام ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے ایک دو مقام بطور نمونہ پیش خدمت ہیں (غلام یحییٰ نے حاشیہ زاہدیہ پر رسالہ قطبیہ ص۶۵ کے اللھم الا کے عنوان کے ساتھ جواب دینے میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ جواب ناتمام ہے۔ اسی طرح سلم العلوم کی شرح ص۷۱ میں ملا حسن نے ایک سوال کا جواب اللھم الا کے ساتھ دیا۔ محشی نے ص۱۲ میں کہا قولہ، اللھم الا اشارہ الی الضعف۔ اسی طرح مختصر المعانی ص۶۹ میں علامہ تفتازانیؒ نے ایک سوال کا جواب اللھم الا کے ساتھ شروع کیا علامہ یعقوب البنانیؒ نے تجرید البنانی ص۶ میں فرمایا قد جرت العادہ باستعمال ہذا اللفظ فی ما فی ثبوتہ ضعف وکانہ یستعان فی اثباتہ باللہ تعالیٰ۔ یعنی علماء کرام کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جس چیز کے ثبوت میں ضعف ہو وہاں اللھم الا کا لفظ استعمال فرماتے ہیں، ان کا مطلب گویا یہ ہوتا ہے کہ اس جواب کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کی اعانت کی اشد ضرورت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اثنتا اثنتین کی تفسیر میں جو اماتۃ فی القبر کہا گیا ہے اس کو علامہ بیضاویؒ نے ص۳۶ میں کلمہ تمریض "قیل" کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح تفسیر خازن ص۶۸ اور مدارک ص۶۷ میں بھی ہے۔

حیات ضروریہ

نیز علی سبیل التسلیم قبر میں جو حیات ملتی ہے وہ تو محض اس ضرورت کو ملتی ہے تاکہ منکر نکیر کے سوال سن سمجھ سکے اور پھر ان کے سوالوں کا جواب دے سکے نہ کہ اہل دنیا کے جوتوں کی آواز سننے سنانے کے لیے میت کو زندگی ملتی ہے کیونکہ اہل دنیا کے جوتوں کی آواز سننے کی نہ تو میت کو ضرورت ہے نہ کوئی فائدہ اور اصول فقہ کا مسلم

قاعدہ ہے الضرورۃ تبیح بقدر الضرورۃ اور ظاہر ہے کہ خرق نعال ضرورت سے نا مامور ہے

احتمال ہے کہ لَیُسْمَعُ ہو

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ انہ لَیَسْمَعُ خرق نعالہم بصورت بناء للفاعل لَیَسْمَعُ (مضارع معلوم) نہ ہو بلکہ مبنی للمفعول لَیُسْمَعُ (مضارع مجہول) ہو۔

سدّی کا خیال اور تفسیر غلط ہے

اب رہی وہ آیت کریمہ سو اس میں جو مراد اماتتین سے سدی وغیرہ علماء نے لیا ہے (۱) دنیوی زندگی کے خاتمہ پر اور (۲) نکیرین کے سوال کے بعد والی موت، یہ قول اس خیال پر مبنی ہے کہ اماتت سے پہلے حیات ہونا ضروری ہے اور نطفہ کی حالت میں حیات نہیں ہوتی، حیات کا آغاز تو رحم مادر سے ہوتا ہے۔

سدی وغیرہ علماء کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ اماتت کا معنی زندہ کو مردہ بنانا نہیں ہے بلکہ کسی کو بے جان بنانا ہے خواہ ابتداء ہی میں اس کو بے جان بنایا گیا ہو یا زندگی دینے کے بعد اس کی زندگی سلب کر لی گئی ہو جیسے مقولہ ہے سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے مچھر کو چھوٹا بنایا اور ہاتھی کو بڑا بنایا۔ اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ پہلے مچھر بڑا تھا اور ہاتھی چھوٹا تھا، پھر مچھر کو چھوٹا اور ہاتھی کو بڑا بنا دیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء ہی سے اللہ تعالیٰ نے مچھر کو چھوٹا اور ہاتھی کو ابتداء ہی سے بڑا بنایا۔ اور اسی طرح عرب کنواں کھودنے والے کو کہتے ہیں ضیق فم الرکیۃ یعنی کنواں کھودتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا کہ کنوئیں کا منہ تنگ اور چھوٹا رہے۔ یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو کنوئیں کا منہ کھلا وسیع اور چوڑا تھا اور پھر اس کو تنگ اور چھوٹا کر دینا۔

سوال جواب کے لیے زندگی برزخی ہے نہ دنیوی

اب رہی سوال وجواب کے لیے قبر کی زندگی تو وہ دنیوی زندگی کی طرح نہیں ہے

وہ تو برزخی زندگی ہے۔ اور اگر سوال کے لیے جسمانی زندگی ہونا ضروری مانا جائے (جس سے اہل دنیا کی جوتیوں کی آواز سنائی دے) تو پھر عذاب قبر کے لیے بھی عنصری زندگی کی ضرورت لازم ہے اور جب منکر نکیر کے سوال کے بعد عنصری زندگی ختم ہو جائے اور اماتت فی القبر تسلیم کی جائے تو لازم آئے گا کہ کافروں پر عذاب قبر نہ ہو اور مومنوں کو تنعیم قبر نہ ہو اور یہ عقیدہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ حدیث مبارک میں تو کافروں پر عذاب قبر ہونا اور نیکوں کو تنعیم قبر ہونا بڑی صراحت اور وضاحت سے مذکور ہے۔

مفسرین کا بیان کہ جسد عنصری کے ساتھ دو ہی زندگیاں ہیں

ابن کثیرؒ نے لکھا کہ یہاں کی آیات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ واپسی کی درخواست میں ایک تمہید بیان کریں گے اور اقرار کریں گے کہ اے رب تیری قدرت بہت بڑی ہے کہ پہلے ہم لوگ مردہ تھے پھر تو نے ہم کو زندہ فرمایا اور پیدا کیا، پھر تو نے ہمکو موت دی پھر اب قیامت میں تو نے زندہ فرمایا، پس تیری قدرت بہت ہے جو کچھ تو چاہے وہ کرے اب ہم نے اقرار کر لیا کہ ہم لوگ گنہگار اور ظالم تھے، ہمارے نفوس نے خود ہم پر ظلم کیا پس اب یہاں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ یعنی بھلا ہماری یہ درخواست قبول ہوگی کہ ہم دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں۔

ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ سفیان ثوریؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مثل آیت کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون کے ہے۔ یعنی پہلے نطفہ مردہ تھے، پھر دنیا میں زندگی دی، پھر موت دے کر قبر میں ڈالا۔ پھر قیامت میں زندہ کیا۔ پس دو دفعہ موت ثابت ہوئی اور دو دفعہ حیات ثابت ہوئی اور یہی قول ابن عباسؓ، ضحاک، قتادہ اور ابو مالک رحمہم اللہ کا ہے اور یہی قول ٹھیک اور صحیح ہے۔ اور سید امیر علی صاحبؒ نے مواہب الرحمن صفحہ ۱۰۱ میں فرمایا۔ اور یہی حضرت ابن مسعود اور ایک جماعت صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم

سے روایت ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کنتم امواتا میں امواتا سے مراد عناصر، غذائیں، اخلاط اور نطفے خون بستہ، گوشت کے ٹکڑے اور جسم بلا روح ہے (کیونکہ جان پڑنے سے پہلے آدمی انہی اشیا میں سے کوئی شے ہوگا) پھر فرمایا انسان دس چیزوں سے مرکب ہے پانچ عالم خلق سے یعنی چار تو عناصر (آگ، پانی، مٹی، ہوا) اور پانچواں نفس حیوانی جو اربعہ عناصر سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پانچ عالم امر سے قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور فرمایا کہ فاحیاکم کا مطلب یہ ہے پھر اسی نے تم میں جان ڈالی یعنی پھر تمہیں عالم امر کے عناصر خمسہ مذکورہ کے ساتھ ترکیب دے کر زندہ کیا۔ ثم یمیتکم پھر تمہیں مدت عمر دنیوی گزرنے اور ختم ہونے کے بعد مارتا ہے۔ ثم یحییکم یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا تو پھر تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قبر میں حیات نہ ہوگی، کیونکہ حیات دس اجزاء مذکورہ کی ترکیب کا نام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قبر میں یہ اجزاء مجتمع نہ ہوں گے اس لیے وہاں زندگی متصور نہیں ہو سکتی۔ رہی یہ بات کہ جب قبر میں حیات نہ ہوگی تو ثواب و عذاب کیسے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے خاصتہً اس حیات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ثواب و عذاب اجزاء بسیطہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ الخ

معنیٰ کی رو سے سدی کا قول غلط ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلوی نے تفسیر عزیزی ص۱۳۱ میں یہی معنی لکھ کر ص۱۳۲ میں ان لوگوں کا قول نقل فرما کر جواب دیتے ہیں جو ثم یحییکم سے احیاء فی القبر اور ثم الیہ ترجعون سے احیاء بعث روز حشر و نشر مراد لیتے ہیں۔ جواب بایں طور دیا کہ یہ توجیہ بعض مفسرین کی لفظی طور پر محتمل ہے مگر معنی کی رو سے چسپاں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قبر کی زندگی اگر حقیقی مانیں تو قیامت کے روز اس قبری حقیقی زندگی پر دوسری حقیقی زندگی کی کچھ صورت ہی نہیں بن سکتی کیونکہ زندہ کو زندہ کرنا

بے معنی سی بات ہے، اس لیے لازماً دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنا ہوگی، یا تو یوں کہنا ہوگا کہ قبر میں (منکر نکیر کے سوال اور ان کا جواب دے چکنے کے بعد) دوسری موت ہے تو یہ کہنا ایک تو اجماع کے خلاف ہے دوسرے اسلوب کلام کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں عبارت یوں ہونی چاہیے تھی ثم یحییکم ثم یمیتکم ثم الیہ ترجعون اور یا یوں کہنا ہوگا کہ قیامت کے روز جو زندگی ہوگی وہ مجازی زندگی ہوگی اور حقیقی زندگی نہ ہوگی اور یہ کہنا صریح باطل اور غلط ہے آگے فرمایا۔

تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی ہیں رُوح کا بدن کے ساتھ تعلق۔ اور قبر میں روح کا بدن کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں ہے بلکہ اہل شریعت کی اصطلاح ہے کہ بدن سے رُوح جدا ہونے کے بعد جو روح کا ادراک اور شعور قائم اور باقی رہتا ہے اسی کو حیات سے تعبیر فرما دیتے ہیں۔ پس قبر کی حیات مجازی ہوئی نہ حقیقی، یعنی اس حیات کا تعلق اس بدنِ عنصری سے نہیں ہے بلکہ روح میں ادراک و شعور قائم رہنے کو مجازی طور پر حیات کہہ دیتے ہیں۔

بہر حال اس بدن عنصری میں حیات نہیں ہوتی جس میں سنتے سمجھنے اور دیکھنے پہچاننے کی صلاحیت ہو یہی وجہ ہے کہ جب ابی بن خلف جمحی نے ایک بوسیدہ ہڈی لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس ہڈی کو ہاتھ سے مل کر ہوا میں اُڑایا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم یقین کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کر کے مبعوث فرمائے گا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں۔ بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو بھی مارے گا پھر زندہ فرما دے گا پھر تجھ کو جہنم رسید کرے گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ الی آخر السورۃ۔ یعنی کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا سو اب وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگ گیا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا

اور اپنی خلقت کو بھول گیا کہتا ہے کہ ہڈیوں کو خاص طور پر جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا؟ اس اعتراض کے جواب میں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہڈی تو زندہ ہے تجھے شعور نہیں اور نہ خدا تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ یہ ہڈی اگرچہ بوسیدہ لگتی ہے مگر دراصل یہ زندہ ہے۔ تیرا سوال اور تیری اس حرکت کا اسے علم ہے اور اس کے علم و دانش اور حیات کا تجھے احساس نہیں ہے اور اس ہڈی کو اور جس انسان کی یہ ہڈی ہے اس کو تجھ سے یہ زیادہ احساس ہے، تیرے جوتوں کی آواز بھی سنتی ہے۔ تیرا یہ سلام مباحثہ سن رہی ہے۔

بلکہ خدا نے اس ملعون کے سوال و اعتراض کا جواب بایں طور دیا کہ قل یُحیِیْہَا الَّذِیْ اَنْشَاَھَا اَوَّلَ مَرَّۃٍ: یعنی اے نبی کریم ؐ آپ اس المعترض کا لاعلمی کو یوں جواب دیں کہ ان (بوسیدہ ہڈیوں) کو وہی ذات زندہ کرے گی جس نے پہلی بار ان کو زندگی عطا فرمائی تھی اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔ یعنی مخلوقات کی تفصیل اور کیفیت تخلیق کو خوب جانتا ہے وہ اجسام کے منتشر اور متفرق اجزاء کے اصول، مواقع اور امتیاز کے طریقوں اور سابق کے طرز پر ان کو باہم جوڑنے اور گذشتہ اعراض اور قوتوں کو لوٹا کر لانے یا از سر نو پیدا کرنے سے واقف ہے۔

آمدم بر سر مطلب

آمدم بر سر مطلب اس تمام تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ جن علماء کرام نے خفق نعال والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ دفن کے بعد میت کو سوال منکر نکیر کا سننے سمجھنے اور ان کے سوال کا جواب دینے کے لیے زندہ کر دیا جاتا ہے، اس لیے وہ میت، اس کو دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، پھر سوال جواب سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ قبر میں اس کو مار دیا جاتا ہے، اس قول میں بہت سی خرابیاں مستور ہیں، عذاب قبر کا انکار اجماع کا خلاف، واقعہ کا خلاف، شرع کا خلاف، قول بلا دلیل، تحصیل حاصل یا مجاز کا ارتکاب وغیرہ وغیرہ۔

مزید برآں یہ سوال اُٹھے گا کہ سوال نکیرین صرف مقبور کے لیے مخصوص ہے، یا سب کے لیے ہے؟ ہم حنفیہ کے اصول کے مطابق تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ مفہوم شرط و مفہوم مخالف، ہمارے ہاں دلیل نہیں، لیکن دوسرے کیا جواب دیں گے، نیز جس میت کا سر کاٹ کر کوئی لے گیا، باقی دھڑ کو جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا تو فرشتے سوال سر سے کریں گے یا دھڑ سے؟ اگر کہو کہ سر اور دھڑ دونوں کا باہم کنیکشن ملا لیتے ہیں، اور رابطہ قائم کر کے سوال جواب کر لیتے ہیں تو جہاں سر ہے وہاں کے لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنے گا، یا جہاں دھڑ ہے وہاں کے لوگوں کے جوتوں کی آواز سُنے گا یا دونوں جگہوں کے جوتوں کی آواز سُنے گا، اور اگر دونوں جگہوں کے باشندوں کے جوتوں کی آواز سُنے گا تو اگر سر اور دھڑ کے مابین مثلاً دس ہزار میل کا فصل ہو تو درمیان میں جتنا علاقہ ہے اس ربط یا ہمی کی وجہ سے سب کی آواز سُنے گا یا نہیں، ہر بات کے لیے شرعی جواب ملنا چاہیئے۔ نیز یہ بات بھی کتب میں لکھی ہے کہ جب تک میت دفن نہ کیا جائے فرشتے نہیں آتے، تو جن کو مسالہ لگا کر رکھا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے، اس کے پاس فرشتے نہ آتے ہوں گے۔ اس طرح معتزلہ کا قول ماننا ہوگا اور اہل سنت کے عقیدہ کو خیرباد کہنا ہوگا۔

نیز جس طرح فرماتے ہو نماز پڑھنا جسم کی صفت ہے، دفن جسم کا ہوتا ہے، پسلیاں جسم کی ہوتی ہیں وہی ادھر کی ادھر ہوتی ہیں، تو اسی طرح فرشتوں کا اُٹھانا بیٹھانا بھی برحق ہے، یہ بھی جسم عنصری کی صفت ہے تو جس جسم عنصری کو جانور کھا گئے ہیں ان کا اُٹھانا بیٹھانا کیسے ہوگا۔ اس کے کان تو ختم ہو گئے وہ سُنے گا کیسے۔ اگر کہو یہ سب کچھ ممکن ہے تو بے جان دھڑ کو سُنانا کیونکر ناممکن ہے اور اس کو سفسطہ کس بنا پر کہا جاتا ہے لا مانع من انطاق اللہ الجسد بغیر روح (لامع الدراری)

ایک حدیث سے پیدا ہونے والے مشہور سوال کا جواب

فرماتے ہیں کہ خدا کی قدرت پر ایمان لانا فرض ہے اور حدیث پیش کرتے ہیں، بخاریؒ، مسلمؒ اور احمدؒ کی کہ حضرت حذیفہ رضؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے یوں فرماتے ہوئے سُنا کہ اگلے زمانہ میں ایک شخص تھا یعنی اپنے عقیدہ میں مسلمان تھا مگر تھا کفن چور، مُردوں کی قبریں خفیہ کھود کر کفن نکال لیا کرتا تھا۔ پھر جب اس کی موت کا وقت آیا اور وہ اس زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے اہل وعیال اور بیٹوں کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے واسطے بہت بڑا انبار لکڑیوں کا جمع کیجیو پھر اس میں آگ لگا دیجیو حتیٰ کہ آتشی کرہ ہو جائے اور مجھ کو اس میں ڈال کر جلائیو یہاں تک کہ جب وہ میرا گوشت و پوست کھا جائے اور ہڈیوں تک پہنچے یہاں تک کہ ہڈیاں جل کر کوئلہ ہو جائیں تو میری ہڈیوں کو لے کر کوٹ کر خوب باریک پیس ڈالیو۔ پھر جب میدا ہو جائے تو آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں ایسے دن اُڑا دیجیو جس دن تند ہوا چلتی ہو۔ پھر جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی پس اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم کیا تو اس نے اس شخص کی راکھ کے ذرات جہاں تک کہ اس میں بہہ گئے تھے سب جمع کئے اور ادھر خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی اس شخص کے تمام ذرات جمع کیے پھر حق تعالےٰ عزوجل نے اس کو فرمایا کہ ہو جا یعنی زندہ ہو جا تو وہ زندہ موجود ہو گیا، پھر حق تعالےٰ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کس وجہ سے کی؟ اس نے عرض کیا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے خوف کی وجہ سے یہ حرکت کی تھی اور میں جانتا ہوں کہ تو ہر بات پر قادر ہے پس حق تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے۔

الجواب

ہم مسلمان ہیں بفضلہ تبارک وتعالیٰ اور اہل السنۃ والجماعت میں سے ہیں اور اس بات کو من وعن تسلیم کرتے ہیں، بلکہ ہر وہ شخص جو معرفت الٰہی سے سرفراز ہو اور نور توفیق سے اس کی آنکھیں روشن ہوں تو وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کو اس سے بھی بڑھ کر بے انتہا اور برتر جانتا ہے کہ وہ چاہے تو وہ ہزار بار زندہ کرے اور ہزار بار موت

دے وہ چاہے تو ان پراگندہ اجزا کو جمع کر کے جزا سزا دے تب بھی دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان پراگندہ اجزا کو جمع کیے بغیر جزا دے سکتا ہے تو وہ اگر چاہے جسدِ عنصری میں رُوح ڈال کر جزا سزا دے اور چاہے تو بغیر روح کے محض جسم کو جزا دے سزا دے، یا سُنوا دے یا گویا کر دے۔ قدرتِ الٰہیہ میں کسی اہلسنت مسلمان کو ذرا شک نہیں اور اگر شک کرے تو اسلام کے دائرے سے نکل کر فوراً کفر کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ مگر اس سے قاعدہ کلیہ سمجھ لینا آپ جیسوں کا کام ہے۔

اَصَحُّ الْاَقْوَالِ

شرح حدیث خفق نعال

حدیث خفقِ نعال کا اصل جواب

بات ہے صل عاملہ کی تحقیق عند اہل السنۃ والجماعۃ حنفیۃ، اور خفق نعال کی حدیث کا صحیح جواب جس پر اعتراض بھی وارد نہ ہو اور حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے اور قرآن شریف کا ظاہر بھی اپنے مقام پر رہے اور اس میں کسی طرح کی تاویل نہ کرنی پڑے سو اس کا حل حضرت قطب العالم شیخ شیخنا مولٰنا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے جو بیان فرمایا ہے وہ بالکل بجا ہے۔

(۱) الکوکب الدری ص ۳۱۹ میں فرمایا کہ خفق نعال کا مطلب یہ ہے کہ دفن کے بعد فرشتے فوراً آجاتے ہیں، حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(۲) تقریر جنجوہی ص ۶۳ علی صحیح مسلم میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے قرع نعال والی حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب لوگ دفن کر کے اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ اگر کوئی زندہ قبر کے پاس ہو تو ابھی ان جانے والوں کے جوتوں کی آواز اس کو سنائی دے رہی ہو

بس اتنے میں فرشتے آجاتے ہیں۔

(۳) تحریر اس حدیث میں ص۲۰۷ حضرت پیر حسین علی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مطلب اس حدیث کا حنفی علما نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اتنے دور کو رہ جاتا ہے کہ وہاں سے جوتوں کی آواز سنی جا سکتی ہے کہ اتنے میں اس میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں اور حدیث میں تغیر اور اختصار راویانِ حدیث کی طرف سے ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو علماء حنفیہؒ نے بیان فرمایا ہے۔

(۴) لامع الدراری ص۳۵۲ قال القاریؒ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ یسمع قرع نعالھم قیل ای یسمع صوتھا لو کان حیا فان جسدہ قیل ان یاتیہ الملک فیقعدہ میت لا یحس بشیئ وھو ضعیف اذ ثبت بالاحادیث ان المیت یعلم من یکفنہ ومن یصلی علیہ ومن یحملہ ومن یدفنہ وقال ابن الملک ای صوت دقھا وفیہ دلالۃ علی حیاۃ المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاۃ ممتنع عادۃ واختلفوا فی ذلک فقال بعضھم یکون باعادۃ الروح وتوقف ابوحنیفۃ ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ یتعلق بجزء البدن او بکلہ اھ

یعنی انہ یسمع قرع نعالہ کے متعلق بعض کی توجیہ ملا علی قاری نے یہ بتائی کہ آدمی میت کو دفنا کر اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ اگر وہ میت زندہ ہوتا تو ان کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہی ہوتا کہ اتنے میں دو فرشتے آجاتے ہیں۔ اور یہ تاویل کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ فرشتے کے آنے پر میت کو اٹھا بٹھانے سے پہلے پہلے اس میت کا جسم بے جان ہو جاتا ہے جو کچھ بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ ان بعض کی تاویل بیان کرنے کے بعد ملا علی قاریؒ نے بایں طریق تضعیف فرمائی ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ میت اس کو بھی پہچانتا ہے جو اسے کفن دیتا ہے اور ان کو بھی جو اس پر نماز پڑھتے ہیں اور ان کو بھی جو اس کی چارپائی اٹھاتے ہیں اور ان کو بھی جو اس کو دفن کرتے ہیں پھر شاید یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے کہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز میت قبر کے

اندر سے سچ مچ سنتا ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں جیسے بعض نے تاویل کی ہے۔ ابن ملکؒ کا قول اپنی تائید میں پیش کیا ہے کہ ابن ملکؒ قرع نعالھم سے مراد ای صوت دفنھا (جوتوں کے دب دب کی آواز) بتا کر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قبر کے اندر میت کی حیات کی دلیل ہے، وہ دلیل اس طرح بنتی ہے کہ میت کو جو قبر کے اندر ہے، باہر جوتوں کی آواز کا احساس ہوتا ہے تو بغیر حیاۃ کے احساس نہیں ہو سکتا کیونکہ عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے۔

لیکن ہر ذی عقل سے یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ ملا علی قاریؒ نے ابن ملکؒ کا قول جو اپنی تائید میں پیش کیا ہے وہ ان کو مضر ہے کیونکہ جب ان کے نزدیک دفن سے پہلے بھی احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے کفنانے، دفنانے، اٹھانے اور نماز پڑھنے والے کو جانتے ہیں تو اس میں دفن سے پہلے ہی حیات آگئی اور روح لوٹ آئی تو پھر دفن اس ذی روح یعنی زندہ کو کر رہے ہیں جو خلاف شرع ہے۔ نیز براء بن عازبؓ کی حدیث کے بھی خلاف پڑتا ہے جس میں قبر کے اندر دفن ہونے کے بعد اعادۂ روح کا ذکر ہے۔ نیز علم کا ذریعہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ اسباب علم حواس خمسہ مع العقل ہیں اور میت کی آنکھیں اور منہ تو روح نکلنے کے بعد موافق حکم شرع کے بند کر دیا جاتا ہے اور قبلہ رخ لٹا دیا جاتا ہے تو وہ دیکھنا کس طرح ہے اور بولنا کس طرح ہے اور سب نمازیوں کو پہچاننا کس طرح ہے جب کہ زندہ آدمی بھی اگر آنکھیں بند کر لے تو اسے کچھ نظر نہیں آتا اور منہ بند کر لے تو کچھ بول نہیں سکتا اور قبلہ رخ ہو کر مشرق کی طرف پیٹھ کر لے تو مشرق میں صفوں کی تعداد اور ان کی شناخت نہیں کر سکتا اور چارپائی پر مریض کو اٹھا کر لے جائیں اور نگاہ ایک طرف ہو تو دوسری طرف والوں کو نہیں پہچان سکتا۔ تو جان نکلنے کے بعد میت میں یہ تمام حواس کیسے کام کرتے ہیں جب کہ قائلین صاف صاف کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حیات ناقصہ ہوتی ہے کاملہ نہیں ہوتی اور کہتے ہیں کہ روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ ابصار و اسماع تھا۔ روح کا جسم سے تعلق اگرچہ ضعیف ہے مگر ہے ضرور۔ (تسکین الصدور ص ۲۶۹ طبع دوم)

پھر ابن ملکؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ حیات کے بغیر احساس عادۃً محال ہے اس پر ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ زیر زمین دفن ہونے والے کا بر سر گور سلام سننا کیا عادت کے موافق ہے؟ اگر حیاتِ ناقصہ والا عادۃً سن سکتا ہے تو حیاتِ کاملہ والا عادۃً کیوں نہیں سن سکتا؟

پھر ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ عودِ روح والا مختلف فیہ ہے۔ بعض عودِ روح کے قائل ہیں۔ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں توقف ہے۔ دیکھو صاف فرما رہے ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے پھر آپ ابن تیمیہؒ کی تقلید میں کیسے زور دے رہے ہیں کہ یہ مسئلہ مجمع علیہا ہے اور اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں۔

لامع الدراری ص۱۲۰ میں ہے استدل بہ علیٰ ان کلام المیت یسمعہ کل حیوان ناطق وغیر ناطق لکن قال ابن بطال ھو عام اریدبہ التخصیص وان المعنی یسمعہ من لہ عقل کالملائکۃ والجن والانس لان المتکلم روح وانما یسمع الروح من ھو روح مثلہ، وتعقب بمنع الملازمۃ اذ لا ضرورۃ الی التخصیص بل لا یستثنیٰ الانسان کما ھو ظاھر الخبر وانما اختص الانسان بذٰلک ابقاء علیہ وبانہ لا مانع من انطاق اللہ الجسد بغیر روح اھ میرا مقصد صرف اخیر فقرہ کے ساتھ ہے جس کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر روح ڈالے جسم کو گویا کر دیوے تو اس سے کوئی مانع نہیں ہے اللہ تعالےٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔

ردّ سہو ناسخ ═══ اس کا جواب

نیلوی نے لکھا تھا کہ خیالی پر عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیہ میں سہو کاتب سے قرہ گئی ہے۔ پھر نبراس کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کیا، اس پر حضرت محترم نے خیالی کے دوسرے نسخے پیش فرما دیئے کہ ان میں بھی اسی طرح لکھا ہے لہٰذا یہی صحیح ہے اور نبراس میں غلط ہے۔ یہ مولٰینا عبدالعزیز صاحب پرہاروی رح کا وہم ہے (تسکین الصدور ط۲ ص۱۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ علماء مدرسین اور طلباء مطالعہ بین خوب واقف ہیں اور وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ خیالی کے نسخوں میں بے شمار غلطیاں ہیں اگر خوف تطویل نہ ہوتا تو آپ کے سامنے غلطیوں کی فہرست رکھ دیتا، اور کاتبوں کا تو یہ حال ہے کہ نقل کرتے جاتے ہیں صحیح غلط کا امتیاز نہیں کرتے۔ اگر اتفاق سے پہلے نسخے میں غلطی ہو گئی تو کاتب وہی لکھ دے گا پھر مصحح کی باری آئی تو وہ دیکھے گا کہ نقل منقول عنہ کے مطابق ہے یا نہ، اگر منقول عنہ کے مطابق ہوگا تو اس کو برقرار رکھے گا اگرچہ واقعہ کے مطابق نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا صاحب نے کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا صرف خیالی کے دوسرے نسخے کو اپنی تائید میں پیش فرما دیا جو کسی طرح سود مند نہیں ہے اور نبراس والے کا بغیر کسی دلیل کے وہم بتا دیا۔ اور نیلوی نے جو خیالی کے نسخہ کو غلط کہا ہے اس پر نیلوی نے ایک نہیں بلکہ دو شاہد پیش کیے تھے اور شرع شریف میں دو شاہدوں سے دعوی ثابت ہو جاتا ہے۔ ایک شاہد تو تھا نبراس ص ۳۲۲ سے اور دوسرا شاہد تھا نظم الفرائد حاشیہ شرح عقاید نسفیہ ص ۱۷۴ سے۔ حضرت مولانا صاحب نے میرے ایک شاہد پر بغیر کسی وجہ کے جرح کر دی اور دوسرے شاہد کی جرح سے سکوت فرمایا۔ تنقید کے مقام پر تنقید سے سکوت اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پر تنقید نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایک شاہد ہے گو دوسرا شاہد بھی باقرار حضرت مولانا صاحب " بڑے ذہین، وسیع النظر اور مصنف عالم" قابل رد تو نہ تھے، مع ہذا ایک تیسرا شاہد ان دو شاہدوں سے بہت اعلیٰ فائق اور معتبر ترین ہے، پیش کیا جا رہا ہے دیکھو حضرت میر سید سند صاحب رحمہ اللہ کی کتاب شرح مواقف مطبوعہ نولکشور ص ۷۱۶ اس میں بھی یہی عبارت ہے و اما ما ذهب اليه الصالحي من المعتزلة وابن جرير الطبري وطائفة من الكرامية من تجويز ذلك التعذيب على الموتى من غير احياء فخروج عن المعقول لان الجماد لا حس له (صالحی معتزلی اور ابن جریر طبری اور کرامیہ کا ایک طائفہ بے جان مردوں کی الخ

اب فرمایئے کیا حضرت میر سید سند صاحب کو وہم ہو گیا ہے، پرہاروی صاحب

کو بھی وہم ہو گیا ہے اور صاحب نظم الفرائد کو بھی وہم ہو گیا ہے۔ اگر وہم نہیں ہوا تو صرف کاتب حاشیۂ خیالی کو نہیں ہوا، جاہل کاتب خوشنویس من ذا سلم من الوھم کا مصداق قطعاً نہیں ہو سکتا، کیونکہ محترم جناب مولینا صاحب کے نظریہ کی تصدیق و تائید صرف حاشیۂ خیالی میں ہے اور وہ تینوں اگرچہ بے نظیر عالم فاضل ہیں مع ہٰذا محترم کے نظریہ کو ان کے قول سے ٹھیس لگتی ہے، بس قطعاً و یقیناً وہ تینوں وہم کا شکار ہیں لاریب فیہ ولا شک فیہ ومن شک فیہ.....

البتہ محترم نے اپنی تائید میں خود ابن جریر طبری کی تفسیر سے حوالے نقل کیے کہ وہ **اعادہ روح** کے قائل ہیں۔

بسا اوقات مفسر اپنے مسلک کے خلاف تفسیر فرما دیتے ہیں

مخدوما! یہ مسلّم ہے کہ ان کی تفسیر میں یہی ہے مگر ان کا مذہب وہ نہیں جو تفسیر میں درج ہے کیونکہ مفسرین بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف تفسیر کر جاتے ہیں، مثلاً امام سیوطی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام آباء و اجداد آدم علیہ السلام تک موحد ہوئے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد بھی موحد تھے اور جو قرآن پاک میں آیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اور جب حضرت ابراہیم نے اپنے والد آزر کو فرمایا، تو یہاں والد مراد نہیں بلکہ آزر چچا تھا ابراہیمؑ کا اور والد کا نام "تارخ" تھا اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مستقل رسالہ لکھا۔

مگر مع ہٰذا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آزر والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام تھا اور تارخ آزر ہی کا لقب تھا۔

مجازی معنی کا مؤید ۲

یسمع خفق نعالہ اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں اور نہ صحابہؓ نے اس کا حقیقی معنی سمجھا، ورنہ جب قلیب بدر کی حدیث پر حضرت عائشہؓ نے گفتگو فرمائی اور آپ نے قرآن پاک کی آیت سے جواب دیا تھا تو صحابہ کرامؓ آیت پاک سن کر خاموش ہو گئے تھے اور ان میں

سے کسی نے یہ حدیث خفق نعال والی پیش نہیں کی۔ اگر حقیقی معنے مراد ہوتے تو ضرور یہ حدیث مورد استدلال میں پیش ہوتی۔ نیز جب صحابہؓ نے استدلال میں اس حدیث کو پیش نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کو سماع موتیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں اور صحابہ کرامؓ سے بڑھکر اور سلف صالحین کون ہیں؟ اور آپ کے قول کے مطابق کہ حضرات سلف صالحین نے اس سے استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہے (دیکھو سماع موتےٰ ص ۳۱۲ عزیرؑ کے واقعہ سے عدم سماع موتیٰ ثابت کرنے پر رقمت) اگر واقعہ عزیرؑ عدم سماع موتےٰ کی دلیل صرف اس لیے نہیں بن سکتا کہ سلف صالحین میں سے کسی نے اس واقعہ کو عدم سماع موتےٰ پر دلیل میں پیش نہیں کیا اسی طرح خفق نعال والی حدیث، سلام علی القبور والی حدیث، معرفت میت والی حدیث تلقین میت والی حدیث وغیرہ اس موقعہ پر کسی صحابی نے پیش نہ کی، نہ ابوہریرہؓ، نہ ابن عباس رضؓ نہ سعد بن ابی وقاصؓ، نہ ابو رزینؓ نہ انس بن مالکؓ، نہ ابو امامہ رضؓ نے، یہ سب خاموش کیوں رہے؟ ان کی خموشی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثوں کا سماع موتےٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں

مجازی معنی کی نظیر

اب جب حقیقی معنے مراد نہ ہوا تو لازماً مجازی معنی مراد ہوگا اور اس کی نظیر قرآن پاک کی وہ آیت کریمہ ہے جس میں قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہے یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا یعنی وہ قیامت کا دن وہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے تو اس کی ہولناکی اس حد تک پہنچی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی نے بچہ کے منہ میں دودھ دے رکھا ہو تو دہشت کھا کر بچہ کے منہ سے چھاتی چھڑا کر بھول جائیگی اور اگر اس وقت کوئی عورت پیٹ سے ہو تو وہ مارے دہشت کے پیٹ ڈال دے گی اور قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تو کوئی عورت نہ پیٹ سے ہوگی اور نہ بچہ کو دودھ پلا رہی ہوگی۔ یہاں تو شدت خوف و شدت غم و اندوہ بتانا مقصود ہے۔ جیسے اردو محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ ڈر کے مارے فلاں کا پیشاب نکل گیا

یا اس نے پیمانہ پھر دیا، یا اس قدر غم ہوا کہ کمر ٹوٹ گئی یا بوڑھا ہو گیا یا دہشت سے اپنا بچہ بھول گئی یا پیٹ گر گیا تو قیامت میں دہشت اس طرح مجاز عقلی کے رنگ میں بیان کی گئی اور یہی مفہوم حضرت حسن بصریؒ نے بیان فرمایا اور شیخ ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا، اور یہی مطلب ان حدیثوں سے نکلتا ہے جنہیں امام احمد بن حنبلؒ، نسائیؒ و ترمذیؒ نے عمران بن حصینؓ سے مرفوعاً بیان کی اور ابن ابی حاتم نے انس بن مالکؓ سے اور ابن عباسؓ سے اور امام بخاریؒ نے ابو سعید خدریؓ سے اور امام احمد بن حنبلؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور بخاریؒ و مسلمؒ و احمدؒ نے عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور ان احادیث میں سے بعض میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس وقت میں بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ تو یہ کنایہ بلیغ ہے اس کی شدت ہول و دہشت سے، پس حقیقت مراد نہیں اور ساتھ والی عبارت وتری الناس سکاریٰ وما ھم بسکاریٰ الآیۃ اسی مجازی معنی کی مؤید ہے کہ تو لوگوں کو نشہ میں دیکھے گا اور حقیقت میں نشہ والے کو سکریٰ کہتے ہیں لیکن وما ھم بسکاریٰ وہ سچ مچ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

اور اس کی ایک اور نظیر بھی قرآن پاک میں ہے فکیف تتقون ان کفرتم یوماً یجعل الولدان شیبا، پھر کیونکر بچ سکو گے اگر کفر پر جم رہے اس دن سے جو دن بچوں کو بوڑھا بنا دے گا یعنی اس دن ایسے خوفناک حالات و واقعات رونما ہوں گے کہ اگر اس وقت بچہ ہو تو دہشت سے بوڑھا ہو جائے تو یہ کنایہ ہے اس روز کی سختی سے۔

اسی طرح یہاں بھی سمع خفق نعال سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے قرب بتانا مقصود ہے یعنی دفن میت کے بعد فرشتے دیر نہیں لگاتے فوراً آجاتے ہیں۔

فیض الجواد
فی شرح
مسئلۃ المبدأ والمعاد
نسمہ کیا چیز ہے؟

ندائے حق ص ۳۷ میں نسمہ کے معنی لکھے تھے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے برآمدہ عبارت سے مفہوم ہوتے تھے۔ مسند امام اعظم ص ۸ میں آپ کا ارشاد ہے الحمد للہ الذی انقذ بی نسمۃ من النار یعنی شکر اس خدا کا جس نے میرے سبب سے ایک ذی روح نفس کو بچالیا۔ محشی نے بین السطور میں نسمہ کے معنی لکھے ہیں ای نفسا ومخلوقا ذا روح۔ اور حضرت سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بارہا روح اور نسمہ میں فرق بیان فرمایا کہ حدیث میں کھانے پینے کی نسبت نسمہ کی طرف کی ہے نہ جسد اور بدن کی طرف کیونکہ بدن تو مٹی میں مدفون ہے اور نرے روح کا کام کھانا پینا نہیں جب تک وہ جسد مادی یا مثالی کے ساتھ متصل نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ روح اور نسمہ میں ڈبل فرق ہے۔ قال الشاہ ولی اللہ انفار النسمۃ الروح الھوائی و لیس بصحیح عندی (فیض الباری ص ۴۵۲ ج ۳) التوربشتی الحنفی لما مر علی حدیث النسمۃ لم یفسرہ بالروح بل وضع ھذا اللفظ بعینہ ففھمت منہ شیئی یغایر الروح عندہ ولذا لایضع لفظ الروح مکانہ ولا یترک ھذا اللفظ فکانہ حقیقۃ اخری فیخشی ان لا تتبدل تلک الحقیقۃ بترک لفظہ وقد مر علیہ الشاہ ولی اللہ فی "الطاف القدس" وقال ان النسمۃ جسم ھوائی سار فی بدن الانسان محفوظ من التلاشی وقال انہ یبقی کذالک

بعد الموت ایضاً ص۳۲۴/۳) ان الروح والنفس والنسمة والذر کلها اشیاء متغایرة ولیست حکایة عن معنی واحد ولذا ترجم ابن سینا الحیوان بجان والروح "روان" ففیهما فروق ولم یتکلم التوربشتی لتمامه علی شرح احادیث الذر الا بالذر ولم یغیر هذا اللفظ ولم یضع مکانه لفظاً آخر فتفهمت ان لا یترک هذا اللفظ لهذه الدقیقة والذر وان کان قریباً من الروح لکنه اطلق علی الجسد ایضاً (ص۳/۳) الروح لا یستند الیه الاکل والشرب ما لم یتصل بجسد مادی اومثالی ان الحدیث اسند الاکل والشرب الی النسمة دون البدن والجسد فانه فی التراب (فیض الباری ص۴۲۵/۳) قال الخطابی وغیره هی (النسمة) نفس الانسان (نووی ص۹۲/۱) النسمة تطلق علی ذات الانسان جسماً وروحاً وعلی الروح المفردة (مجمع البحار ص۱۶۵) کل دابة فیها روح فهی نسمة (مجمع البحار) ص۳۵۳/۳) النسمة هو الانسان کما قال علیه السلام من اعتق نسمة مؤمنة (کتاب الروح ص۱۸۰)

خلاصہ ترجمہ عبارت بالا کا

شاہ ولی اللہ رح نے ہوائی روح کو نسمہ فرمایا۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، تورپشتی رح نے نسمہ کی تفسیر روح سے نہیں کی۔ بلکہ نسمہ کا لفظ بعینہ برحال رکھا تو میں سمجھا کہ تورپشتی کے ہاں نسمہ روح سے الگ کوئی چیز ہے۔ تبھی تو نسمہ کی جگہ روح کا لفظ نہیں رکھا اور لفظ نسمہ کو ترک بھی نہیں کرتے۔ گویا نسمہ الگ حقیقت ہے تو ڈرتے ہیں کہ لفظ کی ترک سے وہ حقیقت کہیں نہ بدلے۔ شاہ ولی اللہ رح نے فرمایا نسمہ ایک ہوا کی طرح جسم ہے جو انسان کے جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے اور فنا سے محفوظ ہے اور مرنے کے بعد بھی محفوظ رہتا ہے۔ پھر فرمایا روح، نفس، نسمہ اور ذر یہ سب الگ الگ چیزیں ہیں نہ ایک شے۔ تبھی ابن سینا نے حیوان کا ترجمہ جان کیا اور روح کا ترجمہ روان تو ان میں کئی فرق ہیں اور تورپشتی رح نے ذر کی شرح کرتے ہوئے لفظ ذر بھی برحال رکھا اس کی جگہ

کوئی اور لفظ نہیں رکھا تو میں سمجھا کہ اسی باریک نکتہ کی وجہ سے ذر کا لفظ ترک نہیں کیا اور ذر کا معنی اگرچہ روح کے قریب ہے، مگر جسد پر بھی بول دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب تک روح کا اتصال جسد مادی یا مثالی کے ساتھ نہ ہو روح کی طرف کھانے پینے کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ حدیث میں کھانے پینے کی نسبت نسمہ کی طرف ہے نہ بدن اور جسد کی طرف کیونکہ بدن اور جسد تو مٹی میں ہے۔

خطابی نے فرمایا نسمہ انسان کے نفس کا نام ہے، محمد طاہر فتنی نے فرمایا نسمہ کا اطلاق ذات انسان یعنی جسم اور روح کے مجموعہ پر آتا ہے، اکیلے روح پر بھی آجاتا ہے، پھر فرمایا جس دابہ میں روح ہے وہ نسمہ ہے، ابن قیم نے فرمایا نسمہ ذات انسان ہے جیسے نبی پاک نے فرمایا جو مومن نسمہ کو آزاد کرے ..... یہی نسمہ ہے جس کا ذکر نسمة المؤمن طیر یعلق فی الجنة میں آیا ہے اسی نسمہ کا ذکر روز میثاق والی حدیثوں میں آیا ہے۔ روی عن ابن عباس رضہ انہ لما خلق اللہ آدم مسح ظہرہ فاخرج منہ کل نسمة ہو خالقہا الی یوم القیامة فقال الست بربکم (ابو السعود ص۴۶۰ ج۴ ابن جریر ص۷۵ ج۹) وقد ثبت وصح عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ آدم مسح ظہرہ فسقط من ظہرہ کل نسمة من ذریتہ الی یوم القیامة (احکام القرآن لابن عربی ص۸۹۰، رازی ص۴۵۸ ج۴ ابن کثیر ص۵۸۷ ج۹) قال الترمذی ص۱۳۸ ج۲ ھذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجہ عن ابی ہریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمۂ عبارت

ابو السعود، ابن جریر، ابن العربی، رازی، ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے ابن عباس رضہ و ابی ہریرہ رضہ سے روایت لکھی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو بنایا تو اپنی قدرت کا ہاتھ ان کی پیٹھ پر مل کر اس سے ہر وہ نسمہ نکالا جس کا بنانا اللہ کو منظور ہے قیامت تک پھر ان سب کو خطاب کر کے فرمایا الست بربکم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔

پھر اسی نسمہ کی تفسیر خود راس المفسرین حضرت ابن عباس رضہ کی زبانی سنیے! عن

عن ابن عباسؓ قال ان اللہ خلق آدم ثم اخرج ذریتہ من صلبہ مثل الذر (فی الصغر) فاَنطقھم وتکلموا وفی روایۃ امثال الخردل (ابن جریر ص۸۰ ج۹) قال عمرؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن ھذہ الآیۃ فقال علیہ السلام ان اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ خلق آدم ثم مسح ظھرہ فاستخرج ذریتہ فقال ھؤلاء للجنۃ الخ (ابن جریر ص۷۷ ج۹) وروی عن الامام مالک بن انس مثلہ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن (ابن کثیر ص۵۸۷ ج۹) عن ابیؓ بن کعبؓ فی قولہ تعالیٰ واذ اخذ ربک فجمعھم لہ یومئذ جمیعا ما ھو کائن منہ الی یوم القیامۃ فجعلھم فی صورھم ثم استنطقھم فتکلموا واخذ علیھم العھد والمیثاق واشھدھم علی انفسھم ص۵۸۸ ج۹ (ابن کثیر) قال مقاتل وغیرہ من اھل التفسیر ان اللہ مسح صفحۃ ظھر آدم الیمنی فاخرج منہ ذریتہ بیضاء کھیئۃ الذر یتحرکون (بغوی ص۵۸۵)

ابن جریر اور ابن کثیر اور بغوی نے ابن عباسؓ، عمرؓ، ابی بن کعبؓ، مقاتلؒ و دیگر مفسرین اور امام مالکؒ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ کی تشریح پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرما کر اپنی قدرت کا ہاتھ ان کی پیٹھ پر پھیرا تو آپ کی پیٹھ سے چیونٹیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ذرّیّۃ (اولاد) نکلی جو قیامت تک ہونے والی ہے، ان سب کو صورت بخشی وہ سب حرکت میں آئی ان کو گویائی اور سمجھ عطا فرمائی اور سب سے عہد و پیمان لیا ان کو اپنے آپ پر گواہ بنایا نیک پیٹھ کی دائیں طرف سے سفید منور ہونے کی حالت میں نکلے بد، بائیں طرف سے سیاہ مظلم ہونے کی حالت میں، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

الحاصل

ان تمام روایات سے ثابت ہوگیا کہ آدم کی معصوم پشت سے اللہ پاک نے قیامت تک ہونے والی جنتی، دوزخی سب اولاد کو ظاہر فرمایا تھا جو دیکھنے میں بہت

ہی باریک تھی، مگر ان کی باقاعدہ اپنی اپنی شکل وصورت تھی عقل رکھتی سنتی، سمجھتی، ہلتی، حرکت کرتی، باتیں کرتی چلتی پھرتی تھی، عہد و پیمان اور گواہ بننے کے اہل تھی اور باقاعدہ اپنا جسم رکھتی تھی۔

صاحب تسکین کا مایۂ ناز محقق عالم مولوی عبدالشکور سلمی، اپنی کتاب "التمہید فی بیان التوحید صہ ۱۱۱ میں لکھتے ہیں وقال اھل السنۃ والجماعۃ المیثاق علی الاجساد صحیح ثابت بدلیل قولہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی فاللہ تعالیٰ اخبر انہ اخذ المیثاق علی جمیع بنی اٰدم وھو خبر ماضٍ وکان علی الاجساد لان اللہ تعالیٰ قال "من بنی اٰدم" والاکثر واحد یدون الاجساد لیست من بنی اٰدم ولان اللہ تعالیٰ قال من ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ والذریۃ ھو الجسد مع الروح .... وقال بعض الفقہاء ان اللہ امر جبریل حتی یضع جناحیہ علی ظھر اٰدم فاخرج اولادہ وذریاتہ من اصلابھم من کان منھم الی یوم القیامۃ بروحھم وجسدھم عاقلین بالغین وخاطبھم بقولہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ انتھی

عبارت کا ترجمہ

اہل سنت والجماعۃ نے فرمایا کہ یہ عہد و پیمان آدمیوں کے اجساد سے لیا جانا صحیح اور ثابت ہے جس کی دلیل قرآنی آیت ہے واذ اخذ ربك من بنی اٰدم الآیۃ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ عہد و پیمان تمام بنی آدم سے لیا گیا، یہ گزشتہ زمانہ کی خبر ہے اور یہ عہد و پیمان اجساد اولاد آدم کے جسموں سے لیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صریح لفظوں میں من بنی آدم فرمایا اور جسد کے بغیر تنہا روح بنی آدم میں سے نہیں، نیز اللہ نے

عہ قال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وقال وجعلنا ذریتہ ھم الباقین وقال ومن ذریتہ داود وسلیمان وقال ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وقال ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ۔

لفظ ذریتہ کا لفظ کہا اور ذریۃ جسد مع الروح کا نام ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ اللہ نے جبرئیلؑ کو حکم دیا تو اس نے آدمؑ کی پیٹھ پر اپنے پر رکھے پھر ان کی اپنی اپنی پیٹھوں سے اپنی اپنی اولاد مع روح اور جسم کے نکالی جس جس نے قیامت تک ہونا ہے وہ سب عاقل بالغ تھے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا الست بربکم

و در حاشیہ عقائد النسفیہ آورده کہ میثاق از فرزندان آدم با ارواح و اجساد بود چنانچہ حدیث نبوی بدان ناطق است کہ حق تعالیٰ مسح کرد پشت آدمؑ بدست یمنیٰ و تیکہ از بہشت بیروں آمده بود فخرج منہ جمیع ما خلق اللہ الی یوم القیامۃ علی مثل ذرات علی ھیئۃ الرجال والنساء وقال الست بربکم الآیۃ بخلاف معتزلہ و روافض کہ نزد ایشاں میثاق از ارواح بود نہ از اجساد، کذا، نافع المسلمین ص۶۰ (شرح تحفہ فتاح)

شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ میں ہے کہ فرزندان آدم سے میثاق ان کے ارواح و اجساد کے ساتھ تھا جیسے حدیث نبویؐ میں مذکور ہے کہ ہر بچہ اپنی اپنی مردانہ اور زنانہ حالت میں تھا یہ مسلک اہلسنت کا ہے لیکن معتزلی اور رافضی شیعہ کے مذہب میں عہد و میثاق صرف ارواح سے لیا گیا اجساد سے عہد نہیں لیا گیا۔

شیعہ و معتزلہ کا مذہب

معلوم ہوا کہ معتزلہ اور شیعہ کا مذہب ہے کہ عہد صرف ارواح سے ہوا تھا، اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے، عاقل بالغ تھے مرد عورت کی الگ الگ ممتاز صورت تھی، سن، بول سمجھ سکتی تھی بعض خوبصورت تھیں بعض بدصورت، اسی نسمہ کو کہیں ذریتہ سے تعبیر کیا گیا اور کہیں اولاد سے وہی نسمہ مراد ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اس بدن عنصری میں آیا ہے وہی نسمہ ہے جو اپنے معہود اجل مسمیٰ کے وقت اس بدن عنصری کو چھوڑ کر علیین یا سجین میں موافق اعمال کے بدن میں رہے گا وہی کھائے گا وہی پیئے گا اسی کو سوال جواب کے لیے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے اسی سے پوچھ گچھ ہوگی من ربک و ما دینک وغیر ذلک اور یہ تواتر

سے ثابت ہے وھؤلاء ھم عالم النہ وھذا ھو الحق الذی لا ینبغی العدول عنہ ولا المصیر الی غیرہ لمثوبۃ مرفوعًا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وموقوفًا علی غیر واحد من الصحابۃ ولا ملجئ للمصیر الی المجاز .....
واختلفوا فی کیفیۃ الاستخراج علی اقوال لا مستند لھا والحق وجوب اعتقاد اخراجھا من ظھر آدم کما شاء اللہ کما ورد فی الصحیح قال العقیلی فی الایحاث ولا یبعد دعوۃ التواتر المعنوی فی الاحادیث والروایات الواردۃ فی ذالک (فتح ص ۱۴۷ جامع البیان)

اور یہی ہے عالم ذر یہی مذہب حق ہے جس کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ملتا ہے اس مسلک سے ہٹنا نامناسب ہے اور مجازی معنی لینے کے لیے مجبوری بھی نہیں۔ رہا یہ کہ آدم کی پیٹھ سے ذریت نکالنے کی کیفیت کیا تھی؟ سو یہ اختلافی مسئلہ ہے اور اختلاف کرنے والوں کے اقوال کی سند بھی کوئی نہیں حق یہی ہے کہ اجمالی عقیدہ رکھنا ضروری ہے، عقیلی نے الایحاث میں فرمایا ہے کہ بعید نہیں کہ ان روایات واحادیث کے تواتر معنوی کا دعوٰی کیا جائے۔ بہرحال نسمہ اور روح میں فرق ہے اور جن احادیث میں ارواح کا لفظ وارد ہے اس سے بھی نسمہ مراد ہے نہ روح مجرد کیونکہ انسان میں جزو اعظم روح ہی ہے نسمہ پر روح کا اطلاق ایسا ہے جیسا سارے التحیات پر تشہد کا اطلاق سمّی باسم جزءہ الاشرف ص ۸۵ حاشیہ مشکوٰۃ) اسی طرح نماز کا اطلاق فاتحہ پر اطلق الصلوٰۃ علی الفاتحۃ (مشکوٰۃ ص ۷۵) وقوف عرفہ پر حج کا اطلاق الحج عرفۃ، اور صلوٰۃ اللیل پر وتر کا اطلاق زبان نبوی سے ہوا۔

البرہان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۲۹ میں علامہ زرکشی نے کیا خوب فرمایا: ؎
علیک بالنفس فاستکمل فضائلھا ✿ فانت بالنفس لا بالجسم انسان
یعنی اپنے نفس کی اصلاح اپنے ذمے لے تو نفس کے فضائل کو کمال تک پہنچا کیونکہ تو نفس ہی کے اصلاح کے ساتھ انسان کہلا سکتا ہے نہ تیرے جسم کے اصلاح سے انسان نہیں کہلا سکتا۔

انسان اور بدن عنصری میں فرق

انسان اور بدن میں فرق ہے:

(۱) کیونکہ بدن میں فربہی اور لاغری کی وجہ سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے مگر انسانیت میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اسی لیے انسان کلی متواطی ہے نہ کلی مشکک

(۲) قرآن کریم میں شہدا کو زندہ کہا گیا ہے حالانکہ بدن ان کا مردہ ہے۔

(۳) نیز نصوص شرعیہ سے جن لوگوں کا مسخ ثابت ہے ان کی نسبت یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ حالتِ مسخ میں انسان رہے یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بحالتِ مسخ وہ انسان باقی نہیں رہا، تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ جس کو مسخ کیا گیا ہے وہ تو بالکل معدوم اور فنا ہو گیا اور یہ بندر اور سور جس کی صورت پر مسخ ہوا یہ حیوان از سر نو پردۂ عدم سے وجود میں لایا گیا اور یہ ظاہر البطلان ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مسخ ہونے کے بعد انسان تو وہی ہے جو پہلے تھا مگر ہیئت اور صورت بدل گئی، اصل حقیقت وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہے کہ انسان اس بدن اور اس ہیئت مخصوصہ کا نام نہیں۔

(۴) نیز انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراکِ عقلی مفقود ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ انسان بدن محسوس سے مغایر ہے اور اصل اور بالذات مُدرِک رُوح ہے۔

لیکن انسان فقط رُوح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں (۱) ایک اجزائے اصلیہ کہ جو اول عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور (۲) دوسرے اجزاء زائدہ۔ اور انسان کے اجزائے اصلیہ وہی ذرات ہیں کہ جو حضرت آدمؑ کی پشت سے ذرات کی شکل میں عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ

الست بربکم قالوا بلیٰ (اعراف) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے ذرات ہیئت و شکل پر نکالا اور عجیب نہیں کہ یہ ذرات چھوٹے ہونے کے اعتبار سے اجزاء لا تتجزیٰ ہوں اور صورت اور ہیئت کے اعتبار سے انسان ہوں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر "ذُرِّیَّتَہٗ" کا اطلاق فرمایا "ذَرَّات" کا لفظ نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ ذریت کا اطلاق جب ہی آتا ہے جب صورت بن چکی ہوں پس رُوح کا اصل تعلق انہیں اجزاء اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے اور وہ بالکل صحیح سالم رہتے ہیں ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور قبر (برزخ) میں سوال انہیں ذرات سے ہوگا اور انہیں میں روح اور حیات واپس کر دی جائے گی اور وہی سوال کا جواب دیں گے (جیسے روزِ میثاق میں انہیں ذرات سے سوال ہوا تھا اور انہیں ذرات نے سُنا سوچا سمجھا اور جواب بھی دیا تھا) روزِ میثاق میں نسمہ میں عقل تھی اور بدن عنصری نہ تھا اسی طرح بعد الموت سمجھ لیجیے۔

یہی مطلب ہے اس عبارت کا جو صاحب تسکین نے مسامرہ سے نقل فرمائی ہے جاز ان یحفظ اللہ من الاجزاء ما یتأتی بہ الادراک، نیز اعادۃ الحیاۃ الی الجزء الذی بہ فہم الخطاب ورد الجواب ..... واحیاء جزء یفہم الخطاب ویجیب ممکن اسی لیے فرمایا والانسان قبل موتہ لم یکن یفہم بجمیع بدنہ بل بجزء من باطن قلبہ اور ظاہر ہے (عبارات سابقہ کے مطالعہ کے بعد) کہ یہ انسانی جزء وہی نسمہ ہے جس کا مقام صاحب مسامرہ نے (قبل از موت) باطن قلب بتایا ہے اسی جزء کو ملک الموت محفوظ کر لیتے ہیں اور اسی میں حیات لوٹا کر اس سے سوال کرتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے فتح القدیر کی عبارت کا جسے صاحب تسکین نے بغیر تحقیق کے اپنی تائید میں نقل فرمایا جعلت الحیوٰۃ فی تلک الاجزاء التی لا یأخذہا البصر وان اللہ علیٰ ذٰلک لقدیر اور یہی مطلب ہے آلوسیؒ کا والجمہور علیٰ عود الروح الی الجسد او بعضہ، اور یہی مذہب ہے نوویؒ کی عبارت کا المعذب عند اہل السنۃ الجسد بعینہ او

بہ منہ بعد اعادۃ الروح الیہ او الی جزء منہ پہلی شق غیر محقق بات ہے اور دوسری شق تحقیقی امر ہے اور مراد بعض سے وہی عجب ہے۔ اور یہی مطلب ہے فتح الباری کے قول کا الجمہور قالوا تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث اور ابن قیم کا بھی ان ذلک (العذاب والتنعیم) یحصل لروحہ وبدنہ ای جزء بدنہ یعنی بدن کی اصلی جز باقی غیر متبدل۔

الغرض حسب تحقیق سابق نووی، سالمی، شعرانی، عبدالحق، رازی، بغوی، ابن جریر ابن کثیر، ابن العربی، متفانل ابوالسعود و صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین وغیرہم کی تشریح و مذہب اہل السنت والجماعۃ کا مسلک یہی ہے کہ نسمہ و انسان ایک ہی چیز ہے جو سدا ایک حال میں رہتا ہے۔ روح کا تعلق نسمہ سے رہتا ہے، عذاب و ثواب کی احادیث میں بدن، جسد یا جزء بدن سے یہی حقیقی انسان (اجزاء اصلیہ) مراد ہیں

معادِ جسمانی

علم الکلام ص۲۷۷ میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ فرماتے ہیں۔

تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ معادِ جسمانی حق ہے، کتاب اور سنت کی اور ناقابل تاویل نصوص سے یہ امر ثابت ہے کہ یہی بدن دوبارہ زندہ ہوں گے اور انہی میں روح ڈالی جائے گی۔ معاد، عود بمعنی رجوع سے مشتق ہے۔ معاد دوبارہ زندہ کرنے کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اجزائے بدن عدم کے بعد وجود کی طرف لوٹتے ہیں اور تفرق کے بعد اجتماع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور روح طویل مفارقت کے بعد پھر دوبارہ بدن کی طرف واپس آتی ہے اور جسم پھر موت سے حیات کی طرف رجوع کرتا ہے جس خداوند قدیر نے اس عالم جسمانی کو اول بار پردۂ عدم سے نکال کر وجود کا خلعت پہنایا اور نابود محض سے بود کیا وہ خدا دوبارہ اسی طرح زندہ کرنے اور وجود میں لانے پر قادر نہیں؟ کما قال تعالیٰ اَللّٰہُ یَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (الروم) اللہ تعالیٰ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا

اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ (الانبیاء) جس طرح پہلی بار پیدا کیا اسی طرح دوسری بار پیدا کریں گے، یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، ہم ضرور اس کو پورا کریں گے۔

کفار اس عالم کے فنا ہونے اور پھر دوبارہ پیدا ہونے کو محال اور خلاف عقل سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر بحث اسی مسئلہ پر رہتی تھی۔ اس بارہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ شمار سے باہر ہیں اور اس قدر صاف اور صریح ہیں کہ تاویل کی گنجائش نہیں۔ فلاسفہ بھی معادِ جسمانی کے منکر ہیں وہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کے قائل نہیں وہ ان کو ازلی اور ابدی سمجھتے ہیں۔ آسمانوں کے خرق اور انتیام یعنی ان کے پھٹ جانے کو محال سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ صریح کفر ہے اسلئے کہ یہ عقیدہ رکھنا نصوص قرآنیہ قطعیہ اور کل انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کا انکار ہے قال اللہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ ان آیات میں صراحتاً آسمانوں کا پھٹنا مذکور ہے اور اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں، یہ مسئلہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے ہے، جو شخص اس کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے محض کلمۂ شہادت کا اقرار اسلام کے لیے کافی نہیں جب تک دین کی تمام باتوں کو نہ مانے کما قال تعالیٰ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (البقرہ) کیا کتاب الٰہی کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض احکام کا انکار کرکے کافر ہوتے ہو۔؟

الحاصل فلاسفہ معادِ جسمانی کے منکر ہیں، معادِ روحانی کے قائل ہیں تفصیل کے لیے امام رازی رحمہ اللہ کی کتاب الاربعین کی مراجعت کریں۔

معادِ جسمانی پر بعض شکوک و شبہات اور ان کے جوابات

معادِ جسمانی کے منکرین نے جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سب سے زیادہ قوی اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ جب ایک انسان دوسرے کو کھا جائے اور وہ اس کا جزوِ بدن بن جائے اور دونوں مل کر ایک ہو جائے تو اگر بعثت کے وقت دونوں کو متحد الاجزاء ہو جانے

کی وجہ سے ایک جسم کے ساتھ زندہ کیا جائے تو دو روحوں کا ایک انسان کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور اگر آکل (کھانے والے) اور ماکول (جس کو کھایا گیا) کو علیحدہ علیحدہ زندہ کیا جائے اور حشر کے وقت آکل سے ماکول کے اجزاء علیحدہ کر لیے جائیں تو آکل کا بعینہٖ اور بجمیع اجزائہٖ حشر نہ ہوا، حالانکہ فرض یہ کیا گیا تھا کہ حشر بعینہٖ اور بجمیع اجزائہٖ ہے۔

اور ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ پرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزاء اکثر زمین میں مل جاتے ہیں اور پھر اس زمین پر کاشت کرتے ہیں اور جو غلہ ان اجزاء سے مل کر اس زمین میں پیدا ہوتا ہے وہ دوسروں کی غذا بنتا ہے۔ غرض اس طرح سے بہت لوگوں کے اجزاء متحد ہو گئے، لہٰذا ہر شخص کا اگر علیحدہ علیحدہ اعادہ کیا جائے تو چونکہ سب کی اصل اور مادہ ایک ہے، تو شے واحد کا مختلف اشکال اور مختلف صورتوں کے ساتھ مصوّر اور مشکّل ہونا لازم آتا ہے۔

اور ایک اعتراض یہ ہے کہ انسان نام صورت کا ہے، مادہ کا نہیں، کیونکہ اگر انسانی صورت باطل ہو جائے تو مادہ تو اربعہ عناصر کی طرف لوٹ جاتا ہے اور مادہ محلِ ثواب و عقاب نہیں اور نہ وہ مکلف ہے پس جب انسان کی وہ صورت ہی باقی نہ رہی تو اس انسان کو ثواب و عقاب نہ ہوا تو دوسرے انسان کو ثواب اور عقاب دینا لازم آتا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہیں ایک اجزائے اصلیہ کہ جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور دوسرے اجزاء زائدہ و عارضہ کہ جن میں تغیر اور تبدل کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ جیسے انسان، بچہ اور جوان اور بوڑھا ہوتا ہے اول عمر سے اخیر عمر تک زید ہی کہلاتا ہے، حالانکہ اس مدت میں اس کے جسم میں ہزاروں تغیر اور تبدل پیش آئے اور وقتاً فوقتاً جسم گھٹتا اور بڑھتا رہا۔ معلوم ہوا کہ زید کے اجزائے اصلیہ میں کوئی تغیر نہیں ہوا، صرف اجزائے زائدہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا پس حشر کے وقت ہر انسان کے اجزاء اصلیہ علیحدہ کر دیئے جاویں گے اور ہر شخص اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ اُٹھایا جائے گا اور یہ انسان ماکول یعنی کھایا ہوا انسان، انسانِ آکل یعنی کھانے والے کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں۔

آکل کے اجزاء اصلیہ وہ ہیں کہ جو اس انسان کے کھانے سے قبل اس میں موجود تھے لہٰذا ہر شخص کا حشر اپنے اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا۔ الحمد للہ اب کوئی اعتراض وارد ہوگا

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان اور بدن میں فرق ہے۔ کیونکہ بدن میں فربہی اور لاغری کی وجہ سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ مگر انسانیت میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں شہداء کو زندہ کہا گیا حالانکہ بدن ان کا مردہ ہے۔ نیز نصوص شرعیہ سے جن لوگوں کا مسخ ثابت ہے ان کی نسبت یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ حالت مسخ میں انسان رہے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ بحالت مسخ انسان باقی نہیں رہا تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ انسان جس کو مسخ کیا گیا وہ تو بالکل معدوم اور فنا ہو گیا اور یہ بندر اور سور جس کی صورت پر مسخ ہوا یہ حیوان از سر نو پردۂ عدم سے وجود میں لایا گیا اور یہ ظاہر البطلان ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ مسخ ہونے کے بعد انسان تو وہی ہے جو پہلے تھا مگر ہیئت وصورت بدل گئی۔ اصل حقیقت وہی ہے جو پہلے تھی تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہے کہ انسان اس بدن اور اس ہیئت مخصوصہ کا نام نہیں۔

نیز انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو، اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقلی مفقود ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ انسان، بدن کے مغایر ہے اور اصل اور بالذات مُدرِک رُوح ہے لیکن انسان فقط رُوح کا بھی نام نہیں، بلکہ انسان رُوح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں ایک اجزاء اصلیہ کہ اول عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا، اور دوسرے اجزائے زائدہ، اور اجزاء اصلیہ انسان کے وہی ذرات ہیں کہ جو

سلہ یہ تفصیل الیواقیت والجواہر اور رسالہ حمیدیہ سے لی گئی ہے حضرات اہل علم اگر حقائق اور معارف کے یواقیت اور جواہر چاہتے ہیں تو اصل کی مراجعت کریں سب کے سامنے ہی رکھے ہوئے ملیں گے۔ کوئی مشقت نہ ہو گی الا یہ کہ دیکھنے ہی میں مشقت محسوس کریں، منہ عفا اللہ عنہ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے کما قال تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی (اعراف) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے ذرات کی ہیئت اور شکل پر نکالا اور عجب نہیں کہ یہ ذرات چھوٹے ہونے کے اعتبار سے اجزاء لا تتجزّی ہوں اور صورت اور ہیئت کے اعتبار سے انسان ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر ذریّۃ کا اطلاق فرمایا، ذرّات کا لفظ نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ ذریّت کا اطلاق جب ہی آتا ہے کہ صورت بن چکی ہو۔

پس رُوح کا اصل تعلق انہی اجزائے اصلیہ اور ذرّات کے ساتھ ہے انہیں سے عہد الست لیا گیا اور پیدائش کے وقت بھی رُوح کا اصل تعلق ان اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اجزائے زائدہ ملا کر جسم کو مکمل کر دیا جاتا ہے اور اسی طرح نفخ صور کے بعد رُوح کا تعلق انہی اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوگا اور اجزائے زائدہ ملا کر شخص تام یعنی مکمل اور پورا انسان بنا دیا جائے گا۔ اور اسی طرح سے انسان کا دوبارہ زندہ کرنا بعینہٖ اعادہ سمجھا جائے گا۔

مرنے کے بعد انسان کے اجزاء کتنے ہی متفرق اور منتشر ہو جائیں مگر اللہ کے علم ازلی اور قدیم میں اجزاء اصلیہ اور اجزائے زائدہ سب علیحدہ علیحدہ محفوظ اور ممتاز ہیں۔ وہاں ذرہ برابر کوئی اختلاط اور انتشار نہیں،

ذرّہ کو ذر ہوا شد یا کہ ریخت از خزینہ قدرت تو کے گریخت

لہٰذا ممکن ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اجزاء اصلیہ بمشیّت ایزدی محفوظ رہیں اور جس وقت ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا جائے تو اجزائے اصلیہ اس کا جزو بننے سے محفوظ رہیں اور پہلے حیوان کے صرف اجزاء زائدہ دوسرے حیوان کا جزو بن جائیں اور در اصل اعتبار اجزاء اصلیہ ہی کا ہے، اجزاء زائدہ کا اعتبار نہیں جس طرح گھاسوں اور درختوں کے بیج کے اجزاء ریت میں ملے رہتے ہیں اور جب بارش ہوتی ہے تو مختلف قسم کی گھاس اور مختلف قسم کے درخت اس سے اُگ جاتے ہیں، پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا

مخاطب اور مکلف ہے۔ وہ رُوح اور ان اجزاء اصلیہ کے مجموعہ کا نام ہے

اسی طرح انسان سے قبر میں سوال ہوتا ہے اور یہی انسان بعینہٖ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اسی کو ثواب اور عقاب ہوگا۔ اس تقریر سے بحمد اللہ تعالےٰ تمام اشکالات دور ہو گئے۔ نہ دوسرے شخص کا ثواب اور عقاب لازم آیا اور نہ جسم واحد کے ساتھ دو روحوں کا متعلق ہونا لازم آیا اور نہ بہت سے انسانوں کے لیے ایک مادہ ہونا لازم آیا۔

پس اصل انسان روح اور ان ذرات کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ ذرات اس قدر لطیف اور باریک ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کا مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا، الّا یہ کہ جس کو اللہ تعالےٰ دوربین نگاہ عطا فرما دیں اس کے لیے مشاہدہ ممکن ہے اور کائنات میں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو اپنی لطافت کی وجہ سے حواس سے پوشیدہ ہیں جیسے گیس اور ایتھر وغیرہ اور عجیب نہیں کہ یہ اجزائے اصلیہ عجب الذنب میں پوشیدہ اور مخفی ہوں، اور یہ اجزائے اصلیہ ساری عمر باقی رہتے ہیں اور اجزائے زائدہ کم و بیش ہوتے رہتے ہیں اور انہی اجزائے اصلیہ کے ساتھ جب رُوح کا تعلق ہوتا ہے تو حیات آتی ہے اور جب تعلق منقطع ہوتا ہے تو موت آتی ہے۔

اس تقریر سے منکرین کا ایک شبہ یہ رفع ہو گیا جس کا کان اور ناک کٹ گئی ہو وہ شخص کس طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اگر اس کو ناک اور کان کے بغیر دوبارہ زندہ کیا جائے تو بعینہٖ حشر نہ ہوا اور اگر کان اور ناک کے ساتھ اُٹھایا جائے تو نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ ہونے والوں کے ناک اور کان سب سالم ہوں گے وَوُجُوہُ الاِشکالِ ظاہِرٌ اور اس قسم کے شبہات اور جوابات الیواقیت والجواہر میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ حضرات اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔

فلاسفہ معادِ جسمانی کے انکار پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ معادِ جسمانی میں اعادہ معدوم کا لازم آتا ہے اور اعادہ معدوم کا بعینہٖ محال ہے۔

جواب: یہ کہنا کہ اعادۂ معدوم محال ہے، محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں جس طرح ایجادِ معدوم کی ممکن بلکہ واقعہ ہے اسی طرح معدوم کی ایجادِ ثانی یعنی اعادہ

بھی ممکن ہوگا، وجود اور عدم موت اور حیات نفس ماہیت کے عوارض میں سے ہیں نہ عین ماہیت ہیں نہ لازم ماہیت جس طرح نوم اور یقظہ اور حرارت اور برودت کا ماہیت واحدہ پر توارد اور تعاقب جائز ہے اسی طرح وجود اور عدم کا توارد بھی ماہیت واحدہ پر جائز ہے، ایجاد اور اعدام، احیاء اور اماتت کا امکان کسی خاص زمانہ پر موقوف نہیں لہٰذا یہ کہنا کہ احیاء اول زمانۂ سابق میں ہونے کی وجہ سے ممکن ہے اور احیاء ثانی زمانۂ لاحق میں ہونے کی وجہ سے ممتنع ہے غیر معقول ہے اس لیے کہ زمانہ احیاء اور اماتت کے لیے ظرف ہے، شرط نہیں ہاں اگر اعادہ بشرط الزمان الاول مذہب ہوتا تب بیشک استحالہ لازم آتا۔ پس جس طرح معدوم کی ایجاد زمانۂ اول میں ممکن تھی بعینہا اسی طرح دوسرے زمانہ میں اس معدوم کی ایجاد ثانی بھی ممکن ہوگی۔ زمانہ کے بدلنے سے جو ایجاد ممکن تھی وہ محال نہ بن جائے گی تفصیل کے لیے شرح مواقف اور شرح مقاصد اور اتحاف شرح احیاء العلوم کی مراجعت کی جائے (ص ۴۰۳)

مولانا نجم الغنی صاحب رح

نے تہذیب العقائد ص ۴۲ میں لکھا ہے "فلاسفہ حشر اجساد کے منکر ہیں اسلیے کہ معدوم کا اعادہ بعینہٖ محال ہے جواب اس کا یہ ہے کہ حشر اجساد سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے تمام اجزاء اصلی کو جمع کر کے اس میں روح کو داخل کر دے گا۔ اب تم اس کا نام اعادۂ معدوم بعینہٖ رکھو یا نہ رکھو، اختیار ہے۔

اور ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کو کھالے اور وہ اس کا جزء بدن بالکل بن جائے تو حشر کو اجزاء کا یا تو ان دونوں میں اعادہ ہوگا یا صرف ایک میں؟ پہلی صورت محال ہے اور دوسری صورت میں لازم آئے گا کہ ایک کا اعادہ اس کے تمام اجزاء کے ساتھ نہیں ہوا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اعادہ ان اجزاء اصلیہ کا ہوگا جو ابتداء عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور کھائے ہوئے اجزاء فضلہ ہو جاتے ہیں اصلی نہیں ہوتے اور تناسخ یہاں اس لیے لازم نہیں آتا کہ جسم ثانی

جسم اول کے اجزاء اصلیہ سے بنتا ہے بخلاف تناسخ کے کہ اس میں روح پہلے جس جسم میں ہوتی ہے وہ اور ہوتا ہے اور جس جسم میں اعادہ کرتی ہے وہ اور، انتہیٰ کلامہ

مولوی رحیم بخش صاحب بریلوی

انسان کیا ہے؟

مولوی رحیم بخش صاحب نے اسلام کی گیارھویں کتاب صـ۲۱۲ میں لکھا ہے "سو واضح رہے کہ انسان یا عبارت ہے نفس سے یا بدن سے پس اگر نفس سے عبارت ہے جیسے مذہب حق یہی ہے تو جب کہ اس کا پہلی بار بدن سے متعلق ہونا جائز ہوا تو اس کا تعلق دوبارہ بھی بدن سے جائز ہوگا اور اگر انسان عبارت ہے بدن سے اگرچہ یہ قول خلافِ تحقیق ہے تو جس طرح پہلی بار اجزائے بدن نے ایک ہیکل مخصوص کے ساتھ تالیف حاصل کرلی ہے اسی طرح دوبارہ بھی حیات کا اس میں آنا ممکن ہے، درحقیقت انسان بھی ارواح ہی کا نام ہے

انسان کس چیز کا نام ہے؟

میں نے ندائے حق کے پہلے ایڈیشن میں یہی بات اہل تفاسیر سے نقل کی تھی جو پھر درج ذیل کر رہا ہوں۔

صاحب تسکین سے یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی کہ انسان اس گوشت پوشت، ہڈیوں، پٹھوں، خون وغیرہ کا نام نہیں ہے اور نہ اس ڈھانچہ کا نام ہے جو ہمیں نظر آتا ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں الانسان لیس عبارۃ عن ھذا الھیکل، رازی صـ۲۰۳ انسان تو آدمؑ اور اولاد آدم کا نام ہے جس کو ذریۃ اور نسمہ بھی کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے بشکل ذرات نکالا جو بالکل صحیح سالم قائم ہیں اور بعد از موت بھی قائم رہتے ہیں انہیں کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہے گا۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بل ھو (الانسان) عبارۃ عن

جسم نورانی سائر فی ھذا البدن (العنصری) (رازی ص۲۰۲) سریان الماء فی الورد والدھن فی الزیتون والنار فی الفحم لا یقبل التحلل والتبدل والتفرق والتمزق (ص۴۲۹) وکلنا یجد انہ شیئ واحد من اول عمرہ الی اٰخرہ والباقی مغایر للمتبدل لا یبعد ان ینفصل بعد موت البدن حیًا او اماتہ اللہ فیعیدہ حیًا وبھذا یثبت عذاب القبر وثوابہ وتزول الشبھات (نیشابوری ص۴۳۸) الانسان عبارۃ عن ذالک الذی ھو باق من اول عمرہ الی الاٰن فلم لا یجوز ان یقال انہ وان بقیت ھذہ الجثۃ فی العلم الا ان اللہ تعالیٰ نقل تلک الاجزاء الاصلیۃ التی ھی الانسان المعین عنھا الی النار والعذاب (رازی ص۲۳۰)، قال خواجہ زادہ الاجزاء الاصلیۃ التی ھی الانسان فی الحقیقۃ تقبضھا الملائکۃ بامر اللہ تعالیٰ عند حضور الموت فلا یتعلق بھا الاکل (ای اکل الارض) ولا تختلط بالتراب ولا یحصل منھا النبات والثمار والحبوب (تہافۃ الفلاسفہ ص۱۲۱) الفاعل المختار یجوز ان یحفظ الاجزاء الاصلیۃ عن التحلل (ص۹۳ تہافہ) وتلک الاجزاء قلیلۃ جدا وھی المسماۃ بالروح (ای مجازا کما فی الحج عرفۃ) فعند حضور الموت یامر اللہ الملائکۃ بقبض تلک الاجزاء التی ھی الانسان بالحقیقۃ من غیر ان یقع فیھا تفرق وتبدل وتغیر فی صفاتھا (تہافہ ص۱۲۰ والیواقیت ص۱۳۲) قال الامام عبد الوھاب الشعرانی رح ان الذرۃ التی تبقیھا عزرائیل من الارض اولا باقیۃ فی کل انسان لا تتبدل البتۃ وھی الجزء القائم منہ الذی اخذ علیہ المیثاق (ص۱۲ ج۲) ویتوجہ علیہ فی القبر (ای المستقر کما سیاتی تحقیقہ آنشر نیلوی) سوال الملکین ویتولی جوابھما برد الروح الیہ والحیاۃ لہ وسائر اجزاء بہ سمت صمت وھو الذی یتعلق بہ الروح عند النفخ فی الصور ثم ینضم الیہ سائر الاعضاء حیث کانت بقدرۃ اللہ حتی یقوم الشخص

تامًّا کما کان فی الدنیا (الیواقیت والجواہر ص۱۳۹)

نوٹ: ان عبارات کا ترجمہ اوپر کی دی ہوئی اردو عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے

سائنس اور اسلام

جو اشکالات بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے پر منکرین کی جانب سے ان پر وارد کیے گئے ہیں ان میں زیادہ تر مشہور یہ ہیں کہ انسان اپنے مادہ کی وجہ سے انسان نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے اور انسانی افعال اس سے صرف اس کی صورت ہی کے پائے جانے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں چنانچہ مادہ سے جب اس کی صورت باطل ہو جائے گی اور مادہ اپنے اصول یعنی عناصر کی جانب لوٹ آئے گا تو سرے سے وہ انسان ہی نابود ہو گا پھر جب اسی مادہ سے انسان کی جدید صورت بنائی جائے گی تو اس سے دوسرا انسان پیدا ہوگا نہ یہ کہ پہلا۔ کیونکہ دوسرے میں پہلے انسان کا صرف مادہ موجود ہے نہ اس کی صورت اور وہ قابل تعریف یا قابل مذمت اور مستحق ثواب یا عقاب اپنے مادہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے پس لازم آتا ہے کہ جس انسان کو ثواب یا عقاب دیا جائے گا وہ نیکوکار یا بدکار انسان نہ ہو بلکہ ایک دوسرا انسان ہو جو مادہ میں اس کا شریک رہے۔

اور نیز یہ اعتراض کہ جب کوئی انسان کسی انسان کو کھا جائے تو اس کی غذا بن جانے کی وجہ سے دونوں ایک ہو جائیں گے، پس بعثت کے وقت دو روح ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوں گے۔

اور نیز یہ اعتراض کہ اکثر روئے زمین پر پرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزاء ہیں اور ان میں بہت کچھ کاشتکاری کی گئی، درخت لگائے گئے اور ان سے لوگوں نے غذا حاصل کی اور یہ غذا گوشت اور خون بن کر ان کے بدن کا بھی جزء ہو گئی۔ پس ایک اصل اور ایک وہ، اتنے بہت سے آدمیوں کی صورتوں کے لیے کیونکر ہو سکے گا فقط

ان اشکالات کے مقابلہ میں پیروئ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفع کرنے کے

لیے اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور اس کی عظمتِ قدرت جن دونوں پر کہ اس کے مصنوعات کے عجائب اس کے اعمال کے غرائب و دقائق کے ذریعہ سے یقینی دلیل قائم ہو چکی ہے۔ ان دونوں کے لحاظ سے بعث کا ایسے طور پر ہو جانا جس سے وہ محالات جو ان اشکالات میں لازم کیے گئے ہیں، لازم نہ آئیں، ذرا بھی مستبعد نہیں ہے اور بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے ساتھ ایمان لانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کسی ایسے طریق پر واقع ہوگا جس سے کوئی محال لازم نہ آئے ہمارے لیے بالکل کافی ہے۔ اپنے ایمان کے صحیح کرنے کے لیے ہمیں یہ ضروری نہیں کہ ہم اس کی اس کیفیت کو بھی بیان کریں جسے اللہ تعالیٰ اس میں جاری کرے گا، ہمیں اس کا تفصیلی علم خدا کے حوالے کرنا چاہیے۔

لیکن عقل کی تفصیلی تسکین کے لیے اور کمزور دین والوں کے خیالات کو پریشانی سے بچانے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ جسم کے جو اجزاء لوٹائے جائیں گے وہ سب اصلی اجزاء ہوں گے یعنی وہ اجزاء جو اول عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں نہ زائد اجزاء، ایسا ہی اس شبہ کے جواب دینے کے لیے جو ایک انسان کے دوسرے انسان کو کھا جانے کی بنا پر کیا گیا ہے، جمع الجوامع اور اس کے حاشیۂ کمال سے نقل کر کے یواقیت میں اصلی اجزاء اور زائد اجزاء کا ماننا مذکور ہے اور اسی امر سے باقی شبہوں کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے جیسے کہ میں بھی اس کی تقریر کرتا ہوں۔

پس کون امر مانع ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ جس کا علم وسیع اور قدرت نہایت ہی عظیم ہے، انسان کے ان اصلی اجزاء کو متفرق ہونے اور اپنی صورت کے زائل کرنے سے محفوظ رکھے اور دوسرے حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں نہ داخل ہونے دے چاہے وہ زائد اجزاء کی ترکیب میں داخل ہو جائیں۔ اسی طرح پر اصلی اجزاء ان کے منتشر ہونے کے وقت ان سے جدا ہو جائیں گے، پھر بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت روح کا تعلق خدا تعالیٰ انہیں اصلی اجزاء کے ساتھ کر دے گا اور ان کے ساتھ کچھ زائد اجزاء بھی ملا دے گا۔ عام ہے کہ یہ بعینہ وہی اجزاء ہوں جو قبل موت کے ان اصلی اجزاء کے

ساتھ منضم تھے یا دوسرے ہوں اور نعمت و عذاب کا احساس صرف روح اور انہیں اجزائے اصلیہ کو ہوگا۔ اس کیفیت پر یہ امر بخوبی صادق آتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ کرنا ہے کیونکہ روح کا اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ تعلق پیدا کیا گیا ہے بعد اس کے کہ ان اجزاء سے روح کا تعلق جدا ہو گیا تھا اور انہیں اصلی اجزاء میں حیات لوٹائی گئی ہے اور ان کے ساتھ زائد اجزاء ملا دیئے گئے ہیں جن کے بعینہ اعادہ کرنے پر انسان کا اعادہ کرنا اور دوبارہ زندہ کیا جانا موقوف نہیں ہے پس اب نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس انسان کو نعمت یا عذاب دیا جائے گا وہ اس انسان کا غیر ہے جو قبل موت کے تھا اور نہ یہ کہ دو روحوں کا ایک بدن کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور یہ بھی کہ بہت سے آدمیوں کے لیے صرف ایک ہی مادہ ہوگا بلکہ اصلی اجزاء کے ساتھ کسی روح کے متعلق ہونے کی وجہ سے جیسے کہ قبل موت وہ کوئی انسان تھا اسی طرح بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت بھی اسی روح کا انہیں اصلی اجزاء کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے بعینہ وہی انسان رہے گا اور خدا کا علم اور اس کی قدرت اس کیفیت کو ایسے طور پر جاری کرنے کے لیے جس سے کوئی محال بھی لازم نہ آئے کافی ہے۔ چاہے یہ امر کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے انجام پائے یا بلا کسی قانون کے۔ اور ہمارا ان کو نہ دیکھنا ان کے واقع میں نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ہم صرف زائد اجزاء کو مشاہدہ کرتے ہوں اور اصلی اجزاء خواہ اپنے باریک اور چھوٹے ہونے یا اپنی لطافت کے باعث یا کسی اور وجہ سے ہمارے مشاہدہ میں نہ آ سکتے ہوں اور کائنات میں تو بہت سے عالم ایسے ہیں جو ہمارے حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہیں (جیسے گیس، ایتھر وغیرہ) تو ممکن ہے کہ یہ بھی اسی قبیل سے ہوں۔

خلاصہ: یہ کہ ہماری شریعت کے نصوص بعث اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے ساتھ ناطق ہیں اس لیے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امر ایسے طریق پر ہوگا جس سے کوئی محال لازم نہ آئے اور ہمارے ذمہ اس کی تفصیلی کیفیت کا بیان کرنا ضروری نہیں، اور اگر اس کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے خیال میں ایسی کیفیت جس کی ہم نے تقریر کی، عقلوں کو تسکین بخشنے اور اشکالات کے دفع کرنے کے لیے بالکل کافی و وافی

ہے۔ زیادہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اس مقام کی توجیہ اور توضیح ایسے طور پر ممکن ہے کہ جن شرعی نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں مدار ہے ان میں سے کسی کے بھی خلاف نہ پڑے اور اس مقام پر ضرورت ہے کہ میں امتِ محمدیہ کے علماء کا کچھ کلام اس کے پیشتر ذکر کر دوں تاکہ اس کے سمجھنے کے بعد یہ توجیہ اچھی طرح دل کو لگے۔

پس سنیئے کہ شریعتِ محمدیہ کے علماء اکابر میں سے جس شخص نے اس بات پر کہ اصلی انسان اس ڈھانچہ کے علاوہ ہے استدلال کیا ہے، امام رازیؒ ہیں، اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

"اس بات کا تو ہمیں بدیہی علم حاصل ہے کہ بدن کے اجزاء کمی اور زیادتی کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ فربہ اور لاغر ہوتے ہیں، اور یہ بات بھی بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ متبدل اور متغیر ہونے والی شے (بدن) ثابت اور باقی رہنے والی شے (انسان) کے مغایر ہے اور ان دونوں باتوں کے ملانے سے اس کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ اس مجموعی بدن کا نام انسان نہیں ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ انسان کبھی زندہ رہتا ہے باوجودیکہ بدن مردہ ہو جاتا ہے پس ضرور ہوا کہ انسان اس بدن کے مغایر ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے صحیح ہونے کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ یعنی، اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ خیال نہ کر بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ پس یہ نص اس بارے میں صریح ہے کہ یہ مقتول زندہ ہیں حالانکہ بذریعہ حسّ بدن مردہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان مرنے کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے انبیاء اللہ تعالیٰ لا یموتون ولکن ینقلون من دار الی دار یعنی خدا تعالیٰ کے نبی نہیں مرتے بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیے جاتے جاتے ہیں۔" علیٰ ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران یعنی قبر یا تو باغاتِ جنت میں سے ایک باغ ہے

یا آگ یعنی دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق"۔

پس یہ جملہ نصوص اس بات پر دال ہیں کہ انسان بدن کے مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے حالانکہ بداہت عقل اور فطرت دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ بدن مردہ ہے اور اگر ہم اس کا اسی حالت میں زندہ ہونا جائز رکھیں تو اس طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہوگی اور یہ نرا دھوکا ہے۔

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ انسان زندہ اور بدن مردہ ہے تو لازم آیا کہ انسان بدن نہیں ہوسکتا بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ شرعی نصوص سے جن لوگوں کا مسخ ہوجانا معلوم ہوا ہے ان کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ حالتِ مسخ میں وہ انسان باقی رہا یا نہیں، پس اگر نہیں باقی رہا تو یہ اس انسان کو مار ڈالنا اور اس حیوان کو جس کی جانب وہ مسخ ہوا تھا از سرِ نو پیدا کرنا ہوگا، حالانکہ مسخ اسے نہیں کہتے۔ اور اگر ہم کہیں کہ مسخ ہوجانے کی حالت میں بھی وہی انسان زندہ ہے تو اس تقدیر پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی انسان اور وہی بدن باقی ہے۔ البتہ وہ ہیکل اور شکل نہیں رہی، پس ضروری ہوا کہ انسان اس بدن کے مغایر کوئی شئی ہو۔

پھر انہوں نے کہا واجب ہے کہ انسان کے لیے صاحب ادراک عقلی ہونا ضروری ہے اور ادراک عقلی قلب میں حاصل ہوتا ہے، نہ کہ بدن میں، پس انسان کسی ایسی چیز کا نام ہونا چاہیئے جو قلب میں موجود ہو۔ اور جب یہ ثابت ہوا تو اس بات کا قائل ہونا کہ انسان اسی ہیکل اور اسی بدن کو کہتے ہیں باطل ہوگیا، اس کے بعد انہوں نے اس پر کہ انسان کو علم ہوتا ہے اور نیز اس پر کہ وہ قلب میں ہوا کرتا ہے استدلال کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

پھر جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف کی نصوص میں خدا کا یہ قول وارد ہوا ہے: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا جس کا ترجمہ یہ ہے اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے نفسوں پر انہی کو

شاہد بنا کر کہا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگے بیشک تو ہمارا پروردگار ہے) ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔" اور اس نص کی تفسیر حدیث میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے یہ وارد ہوئی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ذرہ کی ہیئت ان کی پشت سے نکالا۔"

پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء نے اس مقام پر کہا ہے (جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم کی اولاد ذرّہ کی مانند ان کی پشت سے نکالی، پھر ان ذرّوں سے جو آدمؑ کی پشت سے نکلے تھے ان کی اولاد کو ذرّوں کی مانند نکال لیا، پھر ان ذرّوں میں سے بھی ان کی اولاد کو ذروں کی مانند نکالا۔ پھر اسی طرح یہ سلسلہ نوعِ انسانی کی انتہا تک چلا گیا پھر ان سب میں عقل فہم حرکت اور گویائی کو پیدا کر کے انہیں اپنے قول الستُ بربکم کے ساتھ خطاب کیا اس کے جواب میں سب نے بلیٰ (بیشک) یعنی تو ہمارا رب ہے کہا۔ اس کے بعد سب کو آدمؑ کی پشت میں پھر داخل کر دیا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اب دو احتمال ہیں ۱۔ ایک یہ کہ وہ ذرے خود منی بن گئے ہوں ۲۔ دوسرا یہ کہ وہ ذرے اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہوں اور جس مادہ منویہ سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اس مادہ میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہوں اور حقیقتِ حال کو خدا ہی خوب جانتا ہے (ایسا ہی جمل میں بالاختصار مذکور ہے)

اور بعض نے کہا ہے (جیسا کہ جمل میں شعرانی سے منقول ہے) کہ فہم کے قریب تر جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ان کی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بالوں کی مسامات کی راہ سے نکال لیا، پھر یہ کہا کہ انہوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور وہ اس حالت میں صاحبِ عقل اور زندہ تھے۔ کیونکہ عقل کے نزدیک یہ امر محال نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دے دی ہو۔

(میں کہتا ہوں کہ جس نے وہ حیوانات جو بذریعہ مائکرا سکوپ (خوردبین) نظر آتے

ہیں دیکھے ہوں گے اور نیز یہ کہ جس قدر ادراک انہیں حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق کے حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں، ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے ایذا رسال چیزوں سے بچتے ہیں، ان کی راہ میں اگر کوئی دوسرا آجاتا ہے تو وہ کترا جاتے ہیں تو اسے تو اس امر میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا اور خدا کے علم و قدرت کو لحاظ کر کے اس کو ذرا بھی مستبعد نہ سمجھے گا)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کی صورت پر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "ذریۃ" کا لفظ فرمایا ہے "ذرات" کا لفظ نہیں فرمایا اور ذُرِّیَّۃ کا اطلاق انہیں پر آیا کرتا ہے جن کی صورت بھی بن چکی ہو۔

پھر کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ خدا نے ان کو زندہ نکالا ہے کیونکہ ان کو ذریت کہا ہے اور ذریت زندوں ہی کو کہا کرتے ہیں، اس لیے احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپوں کی پشت کی تاریکی میں ان میں ارواح داخل کر دی ہوں اور دوسری مرتبہ ان کی ماؤں کے پیٹ کی تاریکی میں ان میں ارواح پیدا کر دے گا۔ اور تیسری مرتبہ اس حالت میں جب کہ زمین کے اندر کی تاریکی میں ہوں گے۔ یہی خدا کے اس قول خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ کا مطلب ہے یعنی تین تاریکیوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرنا) خدا کی عادت اسی طرح جاری ہوئی ہے۔

پھر کہا ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹایا تو ان کی روحوں کو قبض کر لیا کیونکہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد زمین میں لوٹانے کے وقت کیا کرتا ہے اس کا قیاس اسی کو مقتضی ہے کیونکہ وہ ان کی روحوں کو قبض کر لیا کرتا ہے اور زمین میں ان کو لوٹا دیتا ہے۔ انتہیٰ باختصار (شعرانی کا قول باختصار تمام ہوا)

اور مشہور اماموں میں سے بعض نے (امام ابو طاہر اپنی کتاب سراج العقول میں کہتے ہیں جیسا کہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے معلوم ہوتا ہے) سابق الذکر شبہوں کے جواب میں جو بعث پر وارد کرتے ہیں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جو ذرہ پہلے زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے کبھی نہیں بدلتا اور

وہ وہی جزء ہے جو قائم رہتا ہے اور جس سے عہد لیا گیا ہے (یعنی جیسا کہ ذروں کے خطاب کرنے کی آیت میں ہے جو پیشتر گذری) اور قبر میں اسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ دار بنتا ہے اس طرح کہ اس میں روح لوٹا دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے پھر اسی کے ساتھ ہی باقی اعضاء جہاں جہاں ہوں گے خداوندی قدرت سے مل جاویں گے یہاں تک کہ پورا آدمی بن جائے گا، جیسا کہ دنیا میں تھا یہ ایسی بات ہے کہ نہ عقل اس کی مخالف ہے نہ شرع، انتہی بعض اختصار (امام ابو طاہر کا قول مختصراً ختم ہوا۔)

پس یہ دلائل جنہیں کہ اس عالم (رازی) نے اس بات پر قائم کیا کہ انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں ہے اور میں نے انہیں نقل کیا ہے اور سابق الذکر آیت کی تفسیر جس میں آدمؑ کی اولاد سے عہد کا لیا جانا مذکور ہے اور جو کچھ کہ اس بارہ میں علمائے اسلام (خازن اور شعرانی جیسا کہ جمل سے پیشتر منقول ہو چکا) کی جانب سے کہا گیا ہے اور وہ تقریر جسے کہ اس اسلامی عالم (ابو طاہر) نے ان شبہوں کو رد کرنے کے لیے جو بعث پر وارد ہوتے ہیں بیان کیا اور جس کی نسبت یہ ذکر کیا گیا کہ عقل اور شرع اس کے مخالف نہیں جب ہم ان سب کو خیال کر کے سمجھتے اور نظر دقیق سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز ہے کہ ان اجزائے اصلیہ کی تفسیر انہی ذرات کو ٹھہرائیں جس کی نسبت پیشتر گذر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے اور ان سے عہد لیا گیا تھا سو ان کو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ ذرے ہر انسان کے کچھ اصلی اجزاء ہیں اور باقی بدن سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زائد اجزاء کا بنا ہوا ہے جو آتے جاتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں، پس حقیقی انسان جو مخاطب اور مکلف ہے اور جو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جسے نعمت ملے گی یا جسے عذاب ہوگا یہ وہی ذرے مع روح کے ہیں جو ان میں حلول کرتی ہے، اور انسانی ہیکل جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور وہ زائد اجزاء ہیں اور اعادہ اور دوبارہ پیدائش کے متحقق ہونے کے باب میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان اجزاء زائدہ میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ وہ بعینہٖ اعادہ کیے جائیں یا ان کے مثل اور اجزاء ملا دیئے جائیں، بلکہ

اعادہ کی تحقیق میں جن کا اعتبار ہے وہ صرف اصلی اجزاء ہیں جن پر سوائے اس کے اور کوئی حالت طاری نہیں ہوتی کہ روح ان سے نکل جاتی ہے۔ اور زائد اجزاء ان سے جدا ہو جاتے ہیں اور بعث میں انہی کی جانب رُوح لوٹا دی جائے گی اور زائد اجزا انہیں کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔

اور پیشتر گذر چکا ہے کہ بعض لوگ روح کے بیان کرنے میں صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کہ وہ ایک موجود شے ہے اس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور بعض اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک لطیف شفاف اور بالذات زندہ جسم ہے اور کثیف اجسام میں اس طرح رگ و پے میں سرائیت کیے ہوئے ہے جیسے کہ سبز لکڑی میں پانی۔

پس جملہ امور مذکورہ کی بنا پر اس مقام کی ایسی تقریر کرنا ممکن ہے جس سے بعث سوال قبر اور اسی کے مثل اور شرعی امور پر جو شبہے وارد ہوتے ہیں سب دفع ہو جائیں اور کمزوروں کے خیالات پریشانی سے محفوظ رکھے جا سکیں پس یوں کہا جائے کہ:

اس سے کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ارواح کو لطیف مادہ کے اجزائے فردہ سے جیسے کہ ایتھر کا مادہ جس کے موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ایسی ترتیب اور ایسی کیفیت و وضع پر بنایا ہو جس سے رُوح کی نسبت جتنے خواص ذکر کیے جاتے ہیں اور شرعی نصوص سے سمجھے جاتے ہیں سب اصل ہو جائیں اور وہ خواص یہ ہیں کہ وہ روح بنفسہ اور خود زندہ ہے یعنی اس کے ساتھ کسی دوسری شے کے ملانے کی ضرورت نہیں جس سے کہ وہ زندہ ہو جائے اور یہ کہ وہ صاحب ادراک ہے اور جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو اسے بھی حیات، ادراک، اور زندہ شے کے اور باقی صفات سے موصوف کر دیتی ہے اور اس میں یہ سب خواص آ جاتے ہیں جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ فولاد کے ساتھ رگڑ دینے سے اس میں لوہے کے کشش کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ رُوح باوجود ان سب باتوں کے ایک نہایت ہی چھوٹا ذرّہ ہے جس کو ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے۔ پھر اور اجزاء فردہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرّے ایسی کیفیت پر بنائے ہوں جو اپنے ساتھ روح کے متعلق ہونے کے وقت حیات اور ادراک

وغیرہ اسکے باقی خواص کو حاصل کر لیتے ہوں اور ان ذرات کے لیے خدا نے انسانی اعضاء بھی بنا دیئے ہوں جیسے کہ ان حیوانات کے اعضاء ہوتے ہیں جو مائکراسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور یہی اصلی اجزاء ہوں جن کا پیشتر ذکر ہو چکا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ہیکل کو زائد اجزاء سے بنایا ہو اور ان میں کہیں پر اس ذرہ (جزء اصلی) کو بھی رکھ دیا ہو اور احتمال ہے کہ وہ مقام تمام ہیکل میں سے قلب ہی ہو اور یہی قریب تر معلوم ہوتا ہے اور علم فزیالوجی جاننے والوں کی عبارت عنقریب آتی ہے جس سے اس کے لیے قلب ہی کا مرکز ہونا فہم کے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر ان کی (آدمؑ کی) ساری اولاد کے ذرّوں کو ان کی ہیکل کی پشت میں رکھ دیا ہو اور اس میں ان کروڑوں ہی ذرّوں کی گنجائش ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں، کیونکہ پانی کے چھوٹے سے قطرہ میں اتنے حیوانات مائکراسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں جن کا شمار روئے زمین پر کے سارے موجودہ آدمیوں کے برابر ہو گا جیسا کہ آپ کو کہتے ہیں۔

پس اس سے کوئی مانع نہیں ہو سکتا کہ ان کی پشت میں جمیع بنی آدمؑ کے ذرے جو دنیا کی مدت میں پائے جائیں گے سما گئے ہوں پھر خدائے پاک نے آدم علیہ السلام کی روح کو ان کے ذرہ (جزء اصلی) میں جو ان کی ہیکل کے اندر تھا داخل کر دیا ہو اور وہ اس میں حلول کر گئی ہو۔

اور عجیب نہیں کہ قرآن شریف میں خدا کے اس قول سے (و نفخت فیہ من روحی) یعنی میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی، اسی کی طرف اشارہ ہو اور اس قول میں (روحی، اپنی روح) سے مراد وہ روح ہو جس کے نئے طرح پر پیدا کرنے اور اس کی پیدائش کی حقیقت کے شناخت کے لحاظ سے خدا تعالےٰ متفرد ہے۔

پس اس ذرہ (جزء اصلی) میں اس روح کے حلول کرنے کے وقت حیات پیدا ہو گئی ہو اور پھر ساری ہیکل میں سرایت کر گئی ہو۔ کیونکہ خدائے پاک نے اس ہیکل کو اس استعداد کے ساتھ پیدا کیا تھا، پھر اس کی پشت سے بنی آدم کے سارے ذرّوں کو نکالا ہو اور ان میں ان کی روحیں داخل کر دی ہوں جس کی وجہ سے وہ زندہ صاحب ادراک بن گئے ہوں

اس کے بعد ان سے خطاب کیا ہو اور عہد لے لیا ہو پھر ان کی روحوں کو ان سے جدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا ہو اور مسامات کی راہ سے اس میں داخل کر دیا ہو جس طرح ان سے نکالا تھا اور اسی طرح تو امراض کے کیڑے بدن میں داخل ہو جاتے ہیں اور انہیں سے نکل آتے ہیں جیسے کہ آپ لوگ قائل ہو۔

پھر ان روحوں کو جہاں چاہا عالم میں وہاں محفوظ رکھا، پھر یہ ذرے حضرت آدم علیہ السلام کے مادۂ منویہ میں جماع کے وقت ان کی زوجہ کے رحم میں آنے لگے اور ان کی زوجہ کے تخم میں حلول کرنے لگے پس ان کی ہیکلیں ان تخموں سے منی کے ساتھ مل کر بننے لگیں اور خدا اس کو طرح طرح پر متغیر کرتا رہا یہاں کہ ہیکل انسانی کی صورت بن گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا پہلا ذرہ جو ان کے زوجہ کے تخم کی جانب منتقل ہوا تھا اس کے ساتھ ہی وہ سب ذرے بھی منتقل ہو کر چلے آئے ہوں جن کا سلسلہ توالد اس ذرہ سے چلنے والا ہوگا، پھر اس پہلے ذرہ کی ہیکل سے جو منی نکلی اس کے ساتھ بھی یہ ذرے اسی طرح منتقل ہوتے رہے اور یہی کیفیت ان کی اور ان ذروں کی باقی اولاد میں جاری رہی اور اس دنیا کے اختتام تک یہی کیفیت رہے گی۔

اور شاید کہ اللہ تعالےٰ کے اس قول وتقلبک فی الساجدین (اور دیکھتا ہے اللہ تعالےٰ آپ کے منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے، بعض کی تفسیر کے موافق اسی جانب اشارہ ہو۔

پس اس قول کا یہ مطلب ہو جائے گا "آپؐ باپوں کی پشت اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے رہے اور ہر ہیکل جب ایک محدود حد تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ روح کو بھیج دیتا ہے پس وہ اپنے ذرہ میں حلول کرتی ہے اور اس میں اور اس ہیکل میں حیات اور حرکت کا سریان ہو جاتا ہے۔

پس انسان روح اور اس ذرہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی ذرہ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصلی اجزاء کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی بعد مرنے کے روح کے عود کرنے سے بحکم خدا زندہ ہو جائے گا اور جن سے کہ ہیکل بنی ہے وہ محض زائد اجزاء

ہیں جو شب و روز بدلتے اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی موت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذرہ سے اس کی رُوح کو جدا کر دیتا ہے۔ اس طرح پر اس سے اور نیز اس کی ہیکل سے جو زائد اجزاء سے بنی ہے حیات زائل ہو جاتی ہے اور اس ذرہ اور ہیکل دونوں کو موت آجاتی ہے اس کے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی ہے اور اس کا پراگندہ ہو جانا اور کسی ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ بھی ہونے والا ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے جیسے کہ سونے کے ذرّے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور کسی حیوان کی ترکیب میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے تو وہ صرف اس کی ہیکل کی ترکیب میں جو زائد اجزاء سے بنتی ہے داخل ہوتا ہے اور تاہم وہ منحل ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور جب یہ ہیکل منحل ہو جاتی ہے تو وہ ذرہ پھر اس سے جدا ہو کر زمین کی تہوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس حیوان کی اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتا۔

غایت سے غایت اس ذرہ پر موت کی وجہ سے جو تغیر طاری ہوتا ہے وہ اس کی روح کا اس سے جدا ہو جانا اور اس کی ہیکل کا منحل ہو جانا ہے۔

اور جب خدا اس ذرہ کو زندہ کرنا چاہے گا تو اس کی رُوح کو پھر اس میں داخل کر دے گا پس اس میں حیات اور رُوح کے باقی خواص آجائیں گے اگرچہ اس کی ہیکل منحل کیوں نہ ہو گئی ہو۔

اور اس موقع سے قبر میں سوال ہونے، نعمت اور عذاب کے دیئے جانے، اور اسی کی مثل اور ان برزخی اُمور پر جن کی نسبت شرعی نصوص وارد ہیں، جو شبہے کیئے جاتے تھے سب حل ہو گئے اور شریعت سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور قبل بعث ہوتے ہیں اس کی صورت بھی سمجھ میں آگئی۔

پھر جب اللہ تعالیٰ حساب و کتاب کے لیئے ساری خلق کو اُٹھائے گا تو ان انسانوں کے ذروں کی ہیکلوں کو جو کہ زائد اجزاء سے بنی تھیں دوبارہ بنائے گا خواہ یہ ہیکل انہیں اجزاء سے بنے جن سے پہلے بنی تھی یا دوسرے اجزاء سے کیونکہ دار و مدار تو ان اصلی ذرّوں کے نہ بدلنے

پر ہے، زائد اجزاء چاہے بدلیں یا نہ بدلیں اور ان ذروں کو ان ہیکلوں میں داخل کر دیگا اور چونکہ ان ذروں کے ساتھ روح متعلق ہو چکی ہوگی، اس لیے اس میں اور ان ہیکلوں میں حیات قائم ہو جائے گی اور آخرت و قیامت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے کہ اس دنیا میں تھے۔

اور یہ ساری مذکورہ باتیں، ممکن ہے کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانات میں بھی اسی تفصیل سے واقع ہوں۔

اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور عظمتِ قدرت اور کائنات میں ان دونوں کے آثار کو خیال کرتے ہیں تو ہمیں ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی شئی بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی خواہ یہ ساری کاروائی ان قوانینِ قدرت کے ذریعے سے جن کو اللہ تعالےٰ نے ان میں سے اسی غرض سے رکھ دیا ہو اور جن کے موافق یہ سارے اتصالات وانفصالات اور زائد اجزاء کے تکونات حاصل ہوئے ہوں انجام پائے یا بلا کسی قانون کے۔

اور اے اہل سائنس! جب آپ ان باتوں میں جن کے کہ آپ حیوانات کے غایت درجہ چھوٹے ہونے قطرہ بھر پانی میں ان کے بکثرت پائے جانے، ان کی حیات وحرکت اور اپنی ضروریات زندگی کے ادراک کرنے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے بارہ میں مائکرا سکوپ (خوردبین) کے ذریعے سے تحقیقات کر کے قائل ہیں، غور کریں گے تو آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ اس بات میں کوئی تعجب اور کسی قسم کا استحالہ نہیں کہ انسان کے ذروں میں حیات اور سارے خواص حلول کریں اور یہ کہ جتنے خواص روح کی نسبت بیان کیے گئے ہیں وہ سب اس میں پائے جائیں اور جب آپ اس بات میں تامل کریں گے کہ انسانی ہیکل میں نہایت کثرت سے مسامات موجود ہیں حتیٰ کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ ایک بالشت میں چالیس لاکھ مسامات پائے جاتے ہیں، تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان ذروں کے نکلنے اور اس میں ان کے دوبارہ داخل کیے جانے میں آپ کو ذرا بھی استبعاد نہ ہوگا۔ اور امراض کے کیڑوں کا (جیسے کہ ملیریا میں) بدن میں داخل ہونا اور بدن سے دوسرے بدن میں متعدی ہو کر منتقل ہو جانا اور ان کا دورانِ خون میں سرایت کر جانا، یہ ایسے امور ہیں جو ہمارے بیان کو آپ کی عقلوں کے اور بھی زیادہ قریب کر دیتے ہیں، اور حقائق مذکورہ کی امثال جیسا کہ آپ لوگ

قائل ہیں، آپ کے علوم ڈاکٹری کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔

پھر آپ لوگ قائل ہیں کہ منی میں کیڑے پائے جاتے ہیں جو نر کے دونوں خصیوں سے نکلتی ہے اور مادہ کے تخم کو حاملہ کر دیتی ہے اور یہ کیڑے غایت درجہ چھوٹے ہوتے ہیں اور مائکروسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور ایک کیڑا طول میں قیراط کے پانچ سو حصوں میں سے ایک حصہ لے کر چھ سو حصوں میں سے ایک حصہ تک کا ہوتا ہے اور ایک کیڑے کے سر کا طول قیراط کے پانچ ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک ہوتا ہے وہ اپنی دموں کو اس طرح پر ہلا کر جس سے ان کا سر مختلف سمتوں میں چلے منی میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی حرکت مستقل ہے، خارجی کیفیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی، بشرطیکہ منی کے طبعی گاڑھے پن اور کثافت میں فرق نہ آنے پائے اور مادہ کے بدن کے اندر ان کی حرکت سات یا آٹھ دن تک قائم رہتی ہے اور باہر چوبیس گھنٹے تک اور ان کی حرکت کا کوئی سمت معلوم نہیں ہوتا۔

اور بعض فزیالوجی علم جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ تیرہ منٹ میں ایک قیراط مسافت قطع کرتے ہیں۔ ان کا بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب تمام حیوانات کی منی میں پائے جاتے ہیں اور مادہ کے بیضہ یعنی تخم سے ان کا چھو جانا حاملہ کرنے کے لیے اشد ضروری ہے جیسا کہ علم فزیالوجی کی کتابوں میں مذکور ہے۔

پس اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ خالق سبحانہ نے منی کے انہی کیڑوں کو نبی آدم کے ذروں کا جو کہ ان سے بھی چھوٹے ہوں حاملہ بنایا ہو اور وہ انہیں منی میں لیے پھرتے ہوں یہاں تک کہ ماں کے تخم میں ان کو ڈالتے ہوں اور انسانی ہیکل جو زائد اجزاء سے بنتی ہے مادہ کے تخم کے نشوونما پانے سے بننے لگتی ہو اور حقیقی انسان جس میں کہ روح حلول کرتی ہے اور اس میں اولی حیات آتی ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے وہی ہو جس کے حامل یہ منی کے کیڑے تھے اور جیسے کہ انہوں نے مادہ کے تخم میں داخل کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ سب ذرے داخل ہو جاتے ہیں جو اس کی اولاد میں پیدا ہونے والے ہوں اور اس کی ہیکل میں باقی رہتے ہوں حتیٰ کہ اس کی

منی میں نکلتے ہوں اور اس کے فروع کی ہیکل میں منتقل ہوتے رہتے ہوں اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہو اور جب یہ کیفیت ہو جس سے عقل اور شرع مانع نہیں، تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بلکہ بکثرت عقلاء کا یہ قول متحقق ہو جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ سے منتقل ہو کر اپنی ماں کے رحم میں آتا ہے۔ بخلاف اس بات کے جس کے آپ لوگ قائل ہیں کہ انسان صرف اپنے ماں کے تخم سے بنتا ہے اور باپ کی منی کی صرف حاملہ کر دینے کے لیے ضرورت پڑتی ہے۔

پس چونکہ آپ لوگوں نے فقط انسانی ہیکل کو دیکھ لیا اور اس کے سوا کسی چیز کی آپ کو خبر نہ ہوئی اس لیے آپ صرف اسی کے قائل ہو گئے اور لوگوں کی رسائی ہیکل کے سوا کسی اور شے کی طرف بھی ہوئی اس لیے وہ قائل ہوئے کہ اصلی انسان اپنے باپ سے جدا ہو کر آتا ہے اور ماں سے صرف اس کو انسانی ہیکل دستیاب ہوتی ہے اور انسان کا اپنے باپ سے جدا ہو کر آنا ایسا امر ہے جس کو بکثرت لوگوں کی عقلیں مانتی ہیں اور باپوں کی اس قدر شفقت و میلان جو اپنی اولاد پر دیکھا جاتا ہے اس سے اس کی کسی قدر تائید ہو سکتی ہے۔

پھر علماء علم فزیالوجی نے عمل قلبی کے نظام یعنی اس کی حرکت کے سبب میں اختلاف کیا ہے اور اس کی داہی تباہی وجہیں بتائی ہیں اور پھر خود ہی ان کو توڑا ہے۔ آخر کار جس امر پر آ کر قرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل کا سبب خود قلب ہی میں موجود ہے پھر انہوں نے کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرکت کا نظام ان عصبی گانٹھوں سے پیدا ہوتا ہے جو قلب میں موجود ہیں پھر اس نظامی عمل کے حقیقی مرکز یہی ہیں مگر اب تک اس کا پتہ نہیں لگا کہ یہ عصبی مرکز منقطع اور منتظم عمل کیوں کرتے ہیں دائمی عمل کیوں نہیں کرتے یعنی ان کی حرکت باقاعدہ اور رک رک کر کیوں ہوتی ہے۔ برابر کیوں نہیں ہوتی رہتی۔

پھر انہوں نے کہا ہے کہ بکثرت تجربوں سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ قوت دافعہ جو قلب کے انقباضات سے پیدا ہوتی ہے صرف وہی دوران خون کے لیے کافی ہے یہاں تک ان کا کلام ختم ہوا۔

پس جب آپ اس قول میں غور کریں گے تو یہ بات آپ کے نزدیک ظاہر اور آپ کی عقلوں کے قریب تر ہو جائے گی کہ انسانی ذرہ کا مرکز تمام ہیکل انسانی میں سے قلب ہی ہے اور جب اس میں رُوح حلول کرتی ہے تو اس میں وہ حیات پیدا کر دیتی ہے اور وہ یہ منتظمہ حرکت کرنے لگتا ہے اور اس سے دوران خون پیدا ہوتا ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے اور اسی ذرہ اور رُوح کا چھوٹا ہونا اس امر سے مانع نہیں ہو سکتا کہ اس سے ہیکل انسانی کی حیات اور اس کے اعصاب وعضلات کے اعمال کے لیے کافی عمل پیدا ہو جائے کیونکہ بہتیرے ایسے نہایت ہی چھوٹے آلات ہیں کہ جب ان کو چھوٹا سا بچہ حرکت دیتا ہے تو اس سے ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ بہت ہی بڑے آلہ کے گھمانے کے لیے کافی ہو اور اس سے بڑے بڑے اعمال پیدا ہونے لگتے ہیں جن کے کرنے کے لیے نہایت ہی عظیم قوت کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات تو انسان کے عمل میں پائی جاتی ہے تو پھر بھلا خیال تو کیجیے کہ خدا کے عمل میں آپ کے نزدیک کونسا استبعاد باقی رہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم اور کامل قدرت رکھتا ہے جس نے اپنی مصنوعات کو ایسی کیفیتوں پر پیدا کیا ہے جن کے خواص کو دیکھ کر فکروں کو حیرت سی ہو جاتی ہے اور عقلیں اپنے آپے میں نہیں رہتیں۔

خلاصہ

بحث سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تقریر پر حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کیے رہتا ہے اور جس میں کہ رُوح حلول کرتی ہے پس اس میں حیات پیدا کر دیتی ہے پھر اس سے ساری ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے پھر یہ ہیکل محسن اس بات کا آلہ ہے کہ اس عالم میں یہ ذرہ اپنے اعمال پورے کرے اور اس کے ذریعے سے علوم معارف حاصل کرے اور یہی ذرہ مع اس روح کے جو اس میں حلول کیے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا مخاطب ہے اسی کا اعادہ کیا جائے گا اسی کو نعمت ملے گی اور اسی کو عذاب ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جتنے امور انسان کے حق میں وارد ہیں سب اسی کے ساتھ

تعلق رکھتے ہیں۔

اس تقریر کی بنا پر جتنے شبہات کہ شرعی اعتبار جیسے کہ بعث، قبر میں سوال ہونے اس میں نعمت یا عذاب کے دیئے جانے اپنی قبروں میں بعض لوگوں کے زندہ رہنے وغیرہ پر وارد کیے جاتے ہیں، سب کے سب ایک سرے سے ساقط ہو گئے، جیسا کہ سچے طور پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پس اگر کوئی کہے کہ شریعت میں ہم کچھ ایسی نصوص دیکھتے ہیں جو نفس ہیکل انسانی کے اعادہ کا ذکر کرتی ہیں یا اس کے بعض اجزاء کے اعادہ کی ان میں تصریح موجود ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے من یحی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ یعنی جو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں ہڈیوں کو کون زندہ کریگا؟ حالانکہ وہ گل چکی ہوں گی؟ تو اے پیغمبرؐ! ان سے آپ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پس یہ مضمون بعث اور اعادہ کی اس توجیہ کے ساتھ کیونکر منطبق ہوگا جس کو آپ نے ذکر کیا۔

تو میں کہوں گا کہ سابق الذکر توجیہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جس طرح اصلی اجزاء کے لیے کہ یہی انسانی ذرّے ہیں بعث ہوگا جس کی کیفیت میں پیشتر بیان کر چکا ہوں، اسی انسانی ہیکل کے لیے بھی جو زائد اجزاء سے بنتی ہے بعث ہوگا، لیکن پیشتر جو اشکالات بعث پر وارد کیے گئے تھے وہ میری تقریر سے اصلی اجزاء یعنی ذرات کے اعادہ کے اعتبار سے مندفع ہو گئے۔

پھر بعد اس کے کہ اصلی اجزاء کے اعادہ کی کیفیت طریق مذکور پر بیان کرنے کی وجہ سے یہ اشکالات مندفع ہو چکے ہیں تو اب ہیکل انسانی کے اعادہ کیے جانے پر جو زائد اجزاء سے بنتی ہے عام ہے کہ وہ زائد اجزاء بعینہ اعادہ کیے جائیں یا ان کے مثل دوسرے اجزاء بنائے جائیں، وارد نہیں ہو سکتے۔ اور شریعت نے جو زائد اجزاء یعنی ہیکل کے اعادہ کیے جانے کی تصریح کی ہے اس سے اس کے سوا اور اشکالات کا ازالہ مقصود ہے جو اہل جاہلیت کے خیال کے موافق ان کے اعادہ کیے جانے پر وارد

ہوتے تھے کیونکہ بعث کے ذکر کرنے کے وقت ان کا خیال صرف اسی ہیکل کی جانب جس کا وہ مشاہدہ کرتے تھے جاتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہڈیوں میں گل جانے کے بعد حیات کیسے عود کر آئے گی اور یہ اجزاء جو زمین کے اندر پھیلے ہوئے پڑے ہونگے کیسے مجتمع ہو جائیں گے، پس نصوص نے ان کے انہیں اشکالات کو اس طرح دفع کیا کہ خدا قادر اور علیم ہے اس سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا۔ پس وہ ان ہڈیوں کو اسی طرح زندہ کر دیگا جیسے اس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا تھا اس کا علم تمام موجودات کو محیط ہے اور اس کی قدرت تمام ممکنات پر حاوی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ان کے اعتراضوں کے ایسے ہی اور بھی جوابات ہیں اور یہ امر اس توجیہ کے منافی نہیں ہوتا جو دوسرے سابق الذکر اشکالات کے دفع کرنے کے لیے اصلی اجزاء یعنی انسانی ذروں کے اعادہ کیے جانے کے بارہ میں پیشتر بیان کی گئی ہیں۔ پس چاہیے کہ ذرا غور کر لیا جائے۔

اے صاحبو! جو کچھ میں اس سے پیشتر شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اس کے بعد ذرا یہ بھی سن لیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہی توجیہ اور اجزاء کے ذروں کے ساتھ اور زائد اجزاء کی ہیکل کے ساتھ تفسیر اور اس کے علاوہ جو تفصیل میں نے اس مقام پر بیان کی ہے، وہ سب پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تصریحاً موجود ہے یا ان کے ذمے بعث کا اسی تفصیل و بیان کے موافق اعتقاد کرنا ضروری ہے، ہرگز نہیں بلکہ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ علماء شریعت نے بیان کیا ہے کہ انسان کے اصلی اور زائد دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے ان شبہوں کو دفع کیا ہے جو بعث وغیرہ پر وارد ہوتے ہیں۔ اور میں آپ سے پہلے کہہ بھی چکا ہوں کہ شریعت کے بڑے بڑے جلیل القدر کثیر علماء جیسے امام رازیؒ، ابو طاہرؒ مصنف سراج العقول شعرانیؒ خازنؒ، اور ایسے ہی اور علماء کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا، اگر اصلی اجزاء سے جنہیں انہوں نے اعتراضوں کے جواب دینے کے لیے ذکر کیا ہے یہی ذرے مراد ہوں جو اس نص قرآنی کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے کلام میں مذکور ہیں جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کیے جانے کا بیان کیا ہے اور یہ کہ روحیں انہیں ذرّوں کے ساتھ مل کر حقیقی انسان کا مقر تمام ہیکل میں سے صرف قلب ہی ہے پس یہ ہیکل جو برابر بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہے حقیقی انسان کے لیے اس عالم میں اس کے اعمال کی انجام دہی اور علوم و معارف کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ قرار پائے گا اور یہ ایسی بات ہے جس سے بعث پر جو پیشتر اشکالات وارد کیے گئے تھے ان کا مندفع ہونا آپ کے نزدیک بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اور اس سے عقل و شرع کی کوئی مخالفت نہیں لازم آتی اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبہوں کے جواب دینے کے لیے ان کے قائل ہو سکتے ہیں، ورنہ انہیں اپنا اعتقاد درست رکھنے کے لیے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان کے روح ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور ایسے ہی تمام حیوانات کے بھی اور خدا انسان کو اس کے مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا، اس سے حساب لے گا پھر اسے نعمت یا عذاب دے گا اور یہ سب کچھ ایسی کیفیت پر ہو گا جس سے کوئی محال لازم نہ آئے اور ہمیں اس کی تفصیل کرنا ضروری نہیں ہے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور خدا کے علم و قدرت کی وسعت کے سامنے ایسی شے کا ہو جانا کوئی محال نہیں۔

حیاتِ برزخیہ میں علماء کرام کا شدید اختلاف!

علماء سابقین اس مسئلہ میں نبرد آزمائی کرتے رہے ہیں، اگر سلف کا طریقہ اختیار فرماتے کہ اس حیات پر ہمارا ایمان ہے، وحی کے ذریعے ہمیں اس کی اطلاع ہوئی ہے ہماری عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی بس کافی تھا، مگر معتزلہ فرقہ جس کی مدار محض عقلی دلائل پر تھی اور قرآن و حدیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا ان کا اصول تھا اس فرقہ کا عروج تھا متکلمین اہل السنۃ والجماعت نے ان کے عقلی استدلالات کے جواب عقلی انداز ہی پر دینے شروع کیے اسی لیے سب جواب باہم منطبق نہیں ہوتے چنانچہ متاخرین نے ان سب مختلف اقوال

کو یکجا جمع کر دیا، فرماتے ہیں کہ اس حیات میں علماء کا بہت کچھ اختلاف ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں روحانی حیات ہے محض مجرد روح زندہ ہے۔

(۲) بلخی فرماتے ہیں کہ حیات بالقوہ ہے بالفعل حیات مطلقاً نہیں،

(۳) بعض کہتے ہیں حقیقی حیات نہیں حکمی حیات ہے یعنی ذکر جمیل و ثناء جلیل،

(۴) بعض کہتے ہیں کہ موت و حیاۃ سے مراد ہدایت و ضلالت ہے۔

(۵) بہت سے سلف اس طرف گئے ہیں کہ حیات حقیقی ہے روح اور جسد کے ساتھ جسے اس زندگی میں ہم ادراک کرنے سے قاصر ہیں،

(۶) متاخرین معتزلہ کا کہنا ہے کہ روح جسم سے نکل کر فنا ہو جاتی ہے پھر حیات کا کیا مطلب؟

ان چھ اقوال میں سے صرف پانچواں قول صحیح ہے اور یہی قول ابن عباسؓ، قتادہؒ، مجاہدؒ، حسنؒ، عمرو بن عبیدؒ، واصل بن عطاؒ، جبائیؒ، رمانیؒ اور بہت بڑی جماعت مفسرین کا ہے (اور پہلا قول روحانی حیات والا بھی غلط نہیں، باقی سب غلط ہیں۔)

اب رہا یہ امر کہ وہ جسد کونسا ہے؟ یہی جسد عنصری ہے جو ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور مرنے کے بعد زیر زمین دفن کر دیا جاتا ہے۔ یہی گوشت پوست خون پٹھے ہڈیوں پسلیوں والا جو دنیا میں ہماری نظروں میں آتا ہے یا کوئی اور جسم علیحدہ ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہی عنصری جسم ہے (۲) بعض (امامیہ) کہتے ہیں ایک اور جسم ہے ہم شکل انہیں دنیاوی ابدان کا، دیکھنے والا یہی سمجھے کہ یہ وہی فلاں معہود شخص ہے (۳) کئی کہتے ہیں کہ پرندہ کی شکل میں ایک جسم عطا ہوگا جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جائیگا (۴) بعض کہتے ہیں کہ ارواح خود جواہر اور اجسام لطیفہ ہیں اس محسوس بدن سے مغایر اس دنیا میں ان ارواح (اجسام لطیفہ) کا تعلق اس بدن عنصری کے ساتھ ہے، بعد از موت اُن ارواح کا تعلق ابدان برزخیہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے گا، جو ان کثیفہ ابدان کے مغایر ہیں۔ وہ ابدان برزخیہ تروتازگی سرعت حرکت وغیرہ میں پرندوں سے تشبیہ دیئے گئے ہیں۔

یہ وہ قول ہے جسے محققین مفسرین، متکلمین صوفیاء کرام نے اختیار فرمایا ہے۔

جیسے شروع میں کئی جگہ لکھ آیا ہوں، اس کا نقشہ ذیل میں ملاحظہ ہو!
ان میں جتنی شقیں حیاتِ حکمیہ کی ہیں سب باطل ہیں اسی طرح جتنی شقیں حیات جسدیہ

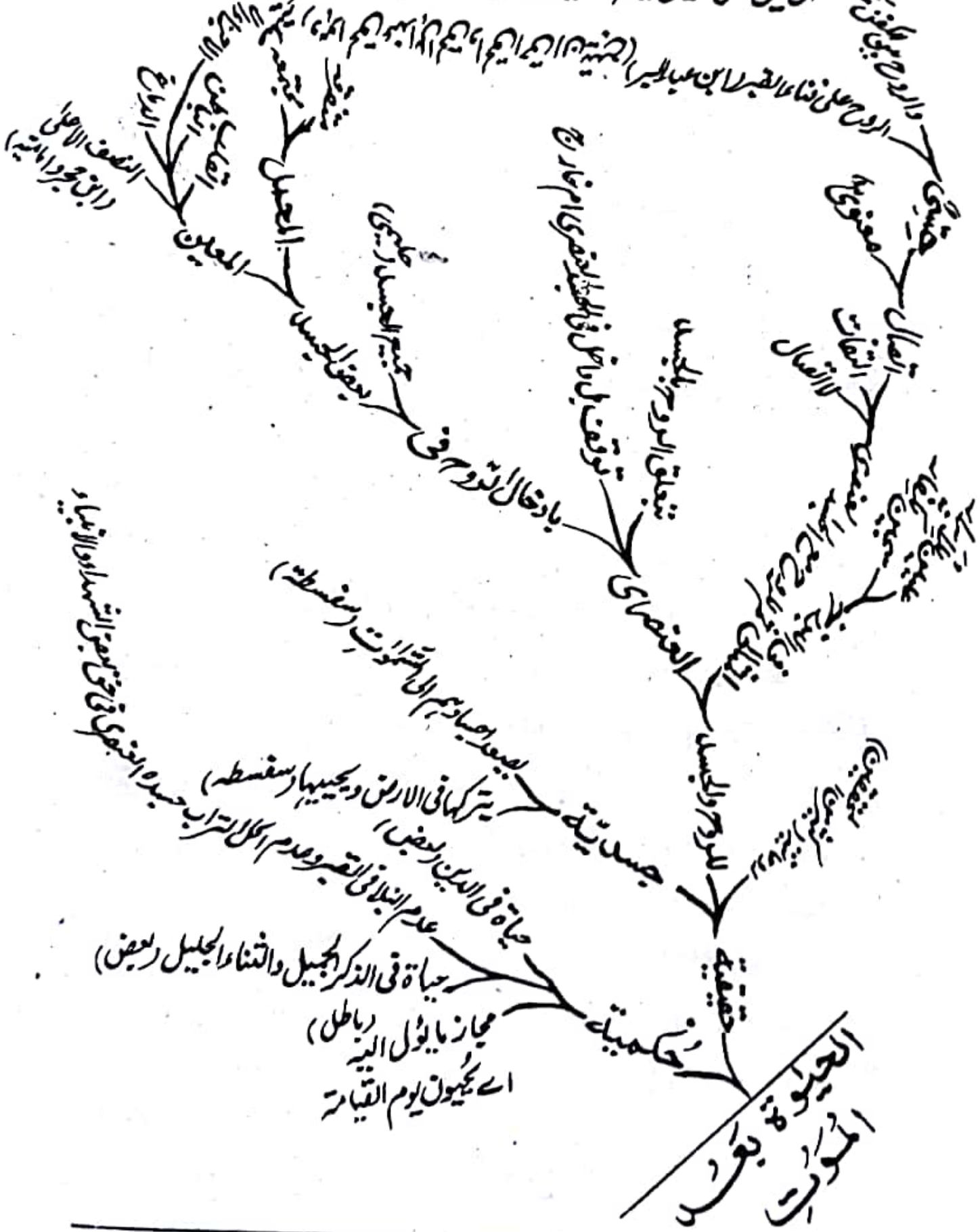

محضہ کی ہیں وہ بھی باطل ہیں اور حیاتِ روحانیہ کی طرف بہت سے محققین گئے ہیں اور جمہور کہتے ہیں کہ روح مع الجسد کو حیات حاصل ہے اب وہ جسد عنصری ہے یا مثالی، پہلی بات کے محققین قائل نہیں اور جو بیچارے قائل ہیں مصیبت میں پھنس گئے معتزلہ کو جواب دینے میں طرح طرح کی قلابازیاں کھائیں مگر صحیح جواب نہ بن سکا

شعر
خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج!

پیٹ کے کیڑوں سے مثال ہے لیکن یہ مثال غلط ہے

بعض علماء تقریباً ملفہم مثال سے واضح فرماتے ہوئے اس طرح تقریر فرماتے ہیں: واَمّا تعذیب الماکول بخلق نوع من الحیوٰۃ فی بطن الآکل فواضح الامکان کدودۃ فی الجوف وفی خلال البدن فانہا تتالم و تلتذ بلا شعور منا (خیالی ص۱۶۳) صاحب تسکین نے خیالی کی عبارت نقل فرمائی مگر یہ نہ سوچا کہ یہ مثال صحیح ہے؟ کیا یہ قیاس صحیح ہے۔ ذرا سی توجہ سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ کرمِ شکم بدن کی جزء نہیں ہے ہاں بدن سے ملا لیس ضرور ہے تو قیاس کیسے صحیح ہوا اسی لیے شرح عقائد کے حاشیہ میں ملا احمد جند نے فرمایا لکن ذٰلک قیاس مع الفارق لان الدودۃ لیست جزء من البدن بل ملابسۃ لہ (ص۱۱۵، مصری)

خواب سے مثال

بعض نے دوسری طرح سمجھایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خواب میں کسی کو دکھ سکھ محسوس ہوتا ہے مگر پاس بیٹھا ہوا بیدار آدمی اس سونے والے کی حالت کو محسوس نہیں کرسکتا۔ لہ نظیر فی العادۃ وھو انا نحس فانہ یجد لذۃ و آلما لا یدرکہ جلیسہ بل الیقظان قد یدرک الماً و لذۃ لما یسمعہ او یفکر فیہ وانما

أتى الغلط من قياس الغائب على الشاهد، فتح الباری ص۱۸۲ ج۳)

یہ بھی غلط

لیکن یہ مثال بھی مطابق ممثل لہٗ کے ساتھ نہیں کیونکہ سونے والے کے روح کا بدن کے ساتھ تعلق منقطع نہیں ہوتا، ہاں ظاہری طور پر حواس معطل ہو جاتے ہیں لیکن تعلق میت کے روح کا تو بدن سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے (جیسے تفصیل سے گزر چکا) ظاہراً و باطناً، اسی لیے حضرت ابن حجرؒ فرماتے ہیں: والتنظیر بالنائم لا یصح فان النائم لا ینقطع تعلق روحه بالبدن الا ظاهرا واما المیت فتعلق روحه بالبدن منقطع بالکلیة (فتح الباری ص۱۸۲ ج۳) (یہ اعتراض صاحب تسکین پر چوٹ تھی اس لیے تسکین میں نقل نہیں کیا)

غلطی کی وجہ دوم

نیز نیند پر قیاس اسلیے بھی صحیح نہیں کہ بعض احکام نیند کے ایسے ہیں جن سے احکام مستنبط نہیں ہو سکتے مثلاً کتاب الآثار ص۱۳۱ میں ہے کہ انبیاءؑ کی نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر اس میں احکام نافذ کریں تو کہیں جیسے ان کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا ایسے ہی انبیاء کے مرنے کے بعد نہ ان کو نہلایا جائے نہ جنازہ پڑھا جائے نہ دفن کیا جائے۔

سورج سے مثال

بعض علماء جو بعد از دفن دوبارہ بدن عنصری میں اعادہ روح کے قائل نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ روح اپنے مستقر میں رہتے ہوئے جسد عنصری کی طرف جھانکتا رہتا ہے وہ اس کو مثال دیکر سمجھاتے ہیں کہ جیسے روح اپنے مستقر میں موجود ہے مگر اس کی دھوپ زمین پر لگتی ہے ایسے ہی روح اپنے مستقر میں رہ کر بدن عنصری پر اس کا اشراف اور اشراق موجود ہے

یہ بھی غلط

مگر یہ مثال بھی ممثل لہٗ پر منطبق نہیں، ابن قیمؒ اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

سے نقل فرماتے ہیں کہ مثال صحیح نہیں کیونکہ سورج اپنے مستقر سے ہٹتا نہیں، رہتا آسمان میں ہی ہے زمین پر نہیں آتا، اس کی شعاعیں زمین پر گرتی ہیں جو سورج کی عرض ہے اور بخلاف روح کے کہ روح بذات خود ایسی لطیف چیز ہے جو اپنے آپ اترتی چڑھتی ہے قال شیخنا ولیس ھذا مثلا مطابقا فان نفس الشمس لا تنزل من السماء و الشعاع الذی علی الارض لیس ھو الشمس ولا صفتھا بل ھو عرض حصل بسبب الشمس والجرم المقابل لھا والروح نفسھا تصعد وتنزل۔

الحاصل

بہر حال یہ سب اقوال تحقیق سے گرے ہوتے ہیں اگرچہ نقل در نقل کتابوں میں چلے آرہے ہیں۔ کتابوں میں ان باتوں کا دھرانا ان کی تصحیح کی دلیل نہیں۔ متاخرین بغیر تردید کے بھی بعض اقوال متقدمین کے نقل کر دیتے ہیں اب اگر آپ یہی باتیں ہزار کتابوں میں نقل شدہ دکھائیں گے تو قابل تسلیم نہیں، کیونکہ ماخذ تو سب کا ایک ہی ہے اور نقل اپنے مقام پر نقل ہی ہے۔

تمثیلات عقائد کی بنیاد نہیں

پھر یہ سب تمثیلات ہیں اور تمثیلات امور ظنیہ میں سے ہیں جن پر قطعیات اور عقاید کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے مثال تو صرف تقریباً للفہم بیان کی جاتی ہے اثبات دعوی مثال سے نہیں ہو سکتا، براہین اور دلائل قطعیہ سے ہوتا ہے قرآن ہو یا حدیث متواترہ یا اجماع امت یا اولیات یا حسیات یا تجربیات وغیرہ۔

معتزلہ کی طرف سے ایک سوال

میت کو اٹھا بیٹھا کر پوچھنے کی حدیث پر معتزلہ کی طرف سے ان علماء اہلسنت والجماعت پر سوال پیش کیا گیا جو اسی جسد عنصری میں روح کے دخول کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی جسد عنصری کے ذریعے انسان سوال سنتا سمجھتا اور جواب دیتا ہے سوال

یہ ہے کہ اقعاد میت کی حدیث تو عام ہے۔ اب جو میت جل کر راکھ ہو جائے یا جس کو درندے کھا جائیں اس کو اٹھانا بٹھانا کیسے ہوگا؟

اس کا جواب

تو کرمانی (اہلسنت کا ایک عالم) اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ اٹھانے بٹھانے کی حدیث صرف دفن ہونے والے میت کے ساتھ مخصوص ہو اور ہو سکتا ہے کہ اسی گڑھے کو فراخ کر کے گڑھے میں بٹھایا جائے اور اسے ہتھوڑوں سے مارا جائے...

واما الاقعاد فیحتمل ان یکون مختصًا فی المقبور ولا امتناع ان یوسع له فی قبره فیقعد و یضرب بالمطارق (کرمانی علی البخاری ص۱۱۸)

اس جواب کا ردّ

لیکن یہ تخصیص اسی وقت کرنا پڑتی ہے جب متعارف اور متبادر معنے مراد لیں اور اگر حضرت مولینا حسین علیؒ و اشرف علیؒ و عبدالحقؒ وغیرہم محققین کی تحقیق کے مطابق دوسرا معنی لیں تو حدیث اپنے عموم پر قائم رہتی ہے لہٰذا اصول قاعدہ کے مطابق یہی معنی متعین ہوگا۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ میں دو معنوں کے احتمال ہوں، ایک احتمال میں تخصیص کرنی پڑتی ہے اور دوسرے احتمال میں لفظ اپنے عموم پر رہتا ہے تو ایسے معنیٰ پر حمل کرنا جس سے عموم برحال رہے اس معنیٰ سے بہتر ہے جو تخصیص کا باعث ہو اگرچہ وہ معنی مجازی ہو جس سے عموم قائم رہتا ہو یعنی ایسے موقع پر مجاز لینا حقیقت سے اولیٰ ہے، مگر عموم برحال رہنا چاہیئے اگرچہ حقیقت کو چھوڑنا پڑے۔

مثلاً "اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ" میں ملامست کا لفظ ہے اور اس کے دو معنی ہیں ۱۔ حقیقی (ہاتھ لگانا، چھونا) ۲۔ مجازی (جماع) امام شافعیؒ حقیقی معنی مراد لیتے ہیں کیونکہ یہ اصل ہے لیکن النساء کے عموم سے غیر المحارم کی قید بڑھا کر مخصوص منہ البعض بنا کر محارم کو حکم عمومی سے نکالا، اور حنفی مجازی معنی مراد لیتے ہیں اور النساء

کا عموم برحال رکھتے ہیں کیونکہ لفظ کے تمام موجب پر عمل کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ بعض موجب لفظ کو ترک کریں کیونکہ تمام موجب پر عمل کرنے میں فائدہ کثیرہ ہے:

ومنها ان احد المحتملين اذا اوجب تخصيصًا فى النص دون الآخر فالحمل على ما يستلزم التخصيص اولى مثاله فى قوله تعالى او لامستم النساء فالملامسة لو حملت على الوقاع كان النص معمولا به فى جميع صور وجوده ولو حملت على المس باليد كان النص مخصوصًا فى كثير من الصور فان مس المحارم والطفلة الصغيرة غير ناقض للوضوء فى اصح قولى الشافعى رح ص ۴۹ اصول الشاشى)

(۱) تحریرات حدیث ص ۲۰۸ میں شیخنا حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فما ورد من سعة القبر والاجلاس يقولون (الحنفية) المراد بالقبر البرزخ

(۲) مولانا تھانوی رح کی عبارات دو بار گزر چکیں۔

(۳) مولینا عبدالحق الحقانی فرماتے ہیں کہ قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جس میں جسم کو چھپایا جاتا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور وسعت ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔

(۴) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قبر حقیقت میں اسی عالم برزخ کا نام ہے اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی عالم برزخ میں مردہ سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آکر سوال کرتے ہیں (علم الکلام ص ۲۴۵)

(۵) حضرت مرشدنا حسین علی رحمہ اللہ کی املائی تفسیر "بلغۃ الحیران" ص ۹ میں ہے حدیث میں آیا ہے کہ نیک آدمی کی قبر ستر گز فراخ ہو جاتی ہے اور کفار کی تنگ ہوتی ہے اس سے مراد بھی ظاہری فراخی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو آسانی ہوتی ہے بخلاف کفار کے اور فراخی سے مراد وہ فراخی نہیں جو ہمیں نظر آتی ہے۔

(۶) حضرت نانوتوی رح بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ جب انبیاء کے سوا کسی کے روح کا

تعلق بعد از موت جسد عنصری کے ساتھ نہیں مانتے تو ترے دھڑ کے لیے قبر کے وسیع یا تنگ ہونے کے کیا معنیٰ؟ سُودے نہ دارد!

(۷) حضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ بھی یہی فرماتے ہیں "بلکہ تحقیق آں است کہ معنیٰ حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح ببدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراکِ روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودند۔ (حل مشکلات القرآن ص۱۳)

(۸) ابن کثیرؒ فرماتے ہیں وقد یقال ان ھٰذہ الآیۃ دلت علیٰ عذاب الارواح ولا یلزم من ذلک ان یتصل فی الاجساد فی قبورھا (تفسیر ابن کثیر ج۲)

(۹) شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں: "در قبر احیاء و اماتت حقیقۃً نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلقے پیدا می شود کہ تعذیب و تنعیم بدن ہمراہ آں نمی باشد تا معنیٰ حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بمعشوق و مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلتِ تعذیب و تنعیم می تواند شد و ایں ہم در صورت ایست کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والا عذاب و نعمت روح را است کہ نفس مجرد است، و بدن حقیقی او روح ہوائی است و روح ہوائی را تعلق مے کنند بدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزائے جمادات بہیئتے و شکلیکہ بیننده را در میان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نشود (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۳۸) درینجا باید دانست کہ آدمی مرکب از دو چیز است روح و جسم، منشاء روحانیت او آسمان است زیرا کہ نفس ناطقہ او از نفوس سماوی ماخوذ است و با نہا مشابہت کلی دارد و روح ہوائی کہ مرکب نفس است و در بدن لحمی سائر و دائر است نیز جوہر او بجوہر آسمان مشابہت کلی دارد کہ قابل خرق و التیام را شکستن و ریختن نیست و ہر چند بسبب امراض صدمات عظیمہ بر می دارد و ما یکلی متحلل نمی شود۔ غایت فنائے او آنست کہ مفارقت نماید و با نیز محفوظ و مصئون است در دست موکلان ارواح (فتح العزیز ص۱۰۶ عم)

(۱۰) مولوی عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ احیاء سے مراد برزخی احیاء ہے

اور قبر کا ذکر بطور مثال کے ہے۔

وتحقیقه ان المراد بالاحیاء للسوال فی القبور الاحیاء البرزخی وھو ان یکون بعد الموت وقبل النشور وذکر القبر بطریق التمثیل۔
(عبدالحکیم ص ۲۷۷ علی البیضاوی)

(۱۱) حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں:

اہل کمال تماشائی نیستند ہمت ایشاں بعد از حصول کمال تجرد از ابدان است نہ تعلق با بدان (مکتوبات ص ۱۱۶)

بہرحال سب کے سب مذکورہ اکابر کا خصوصاً حضرت نانوتوی رح جو ہم دیوبندیوں کے روحانی باپ ہیں یہی کہتے ہیں کہ اس بدن خاکی کے ساتھ بعد از موت روح کا کچھ تعلق نہیں اسلیے ثواب وعذاب برزخی ہے عالم برزخ میں جو جسم کو ہوتا ہے وہی انسان ہے جسد خاکی کا لباس اتر جاتا ہے دوسرے جسد غیر عنصری کا لباس پہنایا جاتا ہے، اصل سزا وجزا روح کو دینا مقصود ہے جو اصل چیز ہے نہ جسد خاکی کو دنیا میں بھی ہم روح انسانی کو سزا دینا مقصود سمجھتے ہیں نہ جسد خاکی کو ورنہ گالی دینے والے کے ہاتھ پاؤں پیٹھ کا کیا قصور ہے جسے ڈنڈے مارتے ہو جو بالکل بے قصور ہیں اور سب شرارت زبان کی ہے اُسے چھوتے بھی نہیں۔ اس جگہ حضرت نانوتوی رح کی عبارت لکھنا موزوں تر ہے فرماتے ہیں: دیکھو آب حیات ص ۱۸۸۔

☆ اہل حقیقت کے نزدیک حرکات وسکنات ارادیہ میں جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ روح در پردہ کارپرداز، حرکات وسکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل حرکت ہے فاعل نہیں، فاعل حقیقی وہی روح ہے چنانچہ ضرب وسب وشتم وغیرہ امور جو اعضائے مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں روح کے افعال سمجھے جاتے ہیں جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے ورنہ انعام اور پاداش میں اعضاء جو مصدر افعال تھے محل اکرام وانعام ومورد عتاب وعقاب ہوا کرتے حالانکہ سب وشتم کے عوض میں جو افعال لسانی ہیں ایسا اوقات سر پھوڑا جاتا ہے اور دست وپا توڑے جاتے ہیں اور زنا کی سزا میں جو نظاہر

فعل عضو مخصوص ہے، تازیانوں کی مار کمر پر پڑتی ہے، یا پتھروں کی بوچھاڑ سارے بدن پر برستی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مدح و ثنا یا خدمت دست و پا کی جزا میں تاج پہنایا جاتا ہے لذیذ طعام کھلایا جاتا ہے۔ اگر فاعل حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم صریح کہ کرے کوئی بھرے کوئی"۔ "جان کوئی گنوائے اور مزے کوئی اڑائے"۔

معتزلہ کی طرف سے کیے گئے اعتراض کا دوسرا جواب

اس کے بعد حضرت علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے معتزلہ کی طرف سے کیے گئے سوال کا ایک اور جواب دیا، چنانچہ فرماتے ہیں: والاصح انہ (العذاب) للجسد ولا بُدَّ من اعادۃ الروح فیہ ان الالم لا یکون الا للحی کہ عذاب جسم عنصری (ای العنصری ۱۲) کو ہوتا ہے مگر چونکہ دکھ زندہ ہی محسوس کر سکتا ہے اس لیے لازمی بات ہے کہ اسی جسد عنصری کی طرف رُوح واپس لوٹائی جائے۔

اس توجیہ کی تردید

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قلت اثبات عذاب القبر لا نزاع فیہ واما قولہ والاصح انہ للجسد فغیر مُسَلَّم لان الجسد یفنی و تعذیب الذی فنی غیر متصور واما قولہ ولا بُدَّ من اعادۃ الروح فیہ ففیہ اختلاف ھل تعود الروح فیہ حقیقۃ او تقریب من البدن بحسب ما یعذب البدن بواسطۃ او بغیر واسطۃ فحقیقۃ ذالک عند اللہ وقد ضرب بعض العلماء لتعذیب الروح مثلاً بالنائم فان روحہ تَتَنَعَّمُ اَوْ تُعَذَّبُ والجسد لا یحس بشیٔ من ذالک واعلم ان نَسَمَۃ المومن طائر یعلق فی شجر الجنۃ ویعرض علیہا مقعدھا غدوۃ وعشیا وارواح الکفار فی اجواف طیور سود تغدو علی جھنم وتروح کل یوم مرتین فذالک عرضھا وقد قیل ان ارواحھم فی صخرۃ سوداء تحت الارض

السابعة علی شفیر جھنم فی حواصل طیور سود ص ۹۸/۲۳ عمدۃ القاری)

یعنی عذاب قبر تو برحق ہے مگر اس جسم عنصری کو سزا دینا جو فنا ہو چکا ہے قصور سے باہر ہے اور اعادہ روح کا مسئلہ خود مختلف فیہا ہے حقیقت خدا کو معلوم ہے بعض نے روح کی تعذیب کی مثال سونے والے سے دی کہ روح کو دکھ سکھ ہوتا ہے اور جسم کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اور یہ عقیدہ کر لو کہ مومن کی نسمہ اڑتی پھرتی جنت کے درختوں سے کھاتی ہے اور صبح و شام اس پر اصل مقام پیش ہوتا رہتا ہے اور کافروں کی ارواح سیاہ پرندوں کے قالب میں صبح و شام جہنم پر آتے جاتے ہیں یہی ان کا عرض ہے بعض کہتے کہ ان کے ارواح ساتویں زمین سے نیچے جہنم کے کنارے سیاہ چٹان پر سیاہ پرندوں کے قالب میں رہتے ہیں۔

ابن بطال نے بھی اسی طرح فرمایا۔ مکمل بحث عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸ دیکھ لیں

امکان عقلی مستلزم وقوع نہیں

جو اہلسنت جسد عنصری سے تعلق روح کے قائل ہیں انہوں نے امثلہ کے علاوہ امکان عقلی کہہ کے جواب دیتے ہیں کہ جسد عنصری میں کل اجزاء میں یا بعض اجزاء میں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کی حیات ڈال دے جس سے دکھ سکھ محسوس کر سکے اس سے یہ ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ بدن عنصری میں روح لوٹے اور بعض نے یوں جواب دیا کہ ممکن ہے کہ بدن کے ساتھ روح کے معمولی لگاؤ سے دکھ سکھ محسوس کرے۔ بعض نے کہا کہ ممکن ہے کہ انسان کے جسد عنصری کے نصف اعلیٰ میں روح واپس کی جائے اور نچلا دھڑ بے حس رہے۔ بعض نے کہا زندہ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دکھ سکھ محسوس کر سکے بس اللہ تعالیٰ اس بدن میں اتنی حس پیدا کر دے گا جس سے دکھ سکھ محسوس کرے گا۔

کیا امکان عقلی اس جگہ کام دے سکتا ہے اور صالحیہ اور کرامیہ کا بتایا ہوا امکان عقلی کام نہیں دے سکتا جو کہتے ہیں کہ بغیر زندگی کے بھی خدا تعالیٰ میت کو سزا دے سکتا

ہے جیسے بعض درختوں اور پتھروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تھا اور اللہ پاک فرماتے ہیں کہ بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گرتے ہیں وان من الحجارۃ لما یتفجر..... وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ اور یہ کونسی بعید بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جماد میں ادراک پیدا کر دے جو دکھ سکھ کا سبب بن سکے گو اس کا جواب اہلسنت میں سے کسی نے یوں دیا ہے کہ تب تو وہ جماد نہ رہا زندہ بن گیا، اور زندگی اسی میں تو بند نہیں کہ جو اختیاری کام کرے۔ مگر اس جواب سے کیا نتیجہ نکلا؟ جواب دینے والے اہلسنت نے اتنا تو مان لیا کہ اللہ تعالیٰ جماد میں بھی ادراک پیدا کر دے تو زندہ کہلائے گا، تعلق یا اتصال یا ادخالِ روح کی تو ضرورت نہ رہی، پھر اس امر پر زور دینے کا کیا مطلب ہے؟

ساری بات یہ ہے کہ سلف کا طریقہ چھوڑا نبی علیہ السلام نے جو تفسیر فرمائی تھی اُسے چھوڑا بھنور میں پھنس گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نیز اگر ادھر امکان نکل سکتا ہے تو یہ بھی امکان ہے کہ رُوح ہی کے ساتھ یہ معاملہ ہو۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: السؤال للروح بلا بدن قالہ ابن حزم[1] واخرون منھم ابن عقیل[2] وابن الجوزی[3] (شرح الصدور ص۵۷) تعذیب الروح لا یحتاج الی عودہ الی البدن (رمضان آفندی[4] ص۲۲۷) معذب روح است نہ بدن[5] (تفسیر عزیزی پارہ ۲۹ ص۱۳۳) امام غزالیؒ فرماتے ہیں المثاب والمعاقب ھو الروح والبدن کالآلۃ (نبراس ص۳۲۹) قال ابن بطال[6] فالعرض الذی یدوم الی یوم القیامۃ ھو العرض الذی علی الارواح خاصۃ لان الابدان تفنی والذی یفنی حکمہ حکم المعدوم ولا یتصور العرض علی المعدوم.... (عمدۃ القاری ص۹۷ ج۲۳)

الحاصل

اعادۂ روح الی الجسد العنصری کی وزنی دلیل اگر امکان ہے تو یہ امکان ہر طرف سے متصور ہے اگر حدیث ہے تو وہ خود مخدوش ہے روایۃً و درایۃً و متناً۔ اور آپ کو خود تسکین نہیں

مختلف کتب کے مطالعہ سے کہ کونسی فیصلہ کن بات کروں۔

آیئے! اس کے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر اور جمہور صحابہؓ و خیر القرون کا فرمان و محققین کی تحقیق سو وہ پہلے گزر چکی اعادہ کون کرے؟

اگر حدیث عود روح کو تسلیم کر لیں تو ہمیں مضر نہیں کہ جسد سے مراد مثالی ہے اور قبر سے شرعی قبر مراد ہے یعنی مستقر ارواح۔

امکان عقلی ہوتے ہوئے بدن عنصری کی جزا سزا نہ ماننے کی اصل وجہ

اس بات کی وضاحت کے لیے ہم اپنی طرف سے کچھ کہنا نامناسب سمجھتے ہیں کیونکہ ہمیں اجتہاد اور تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہم تو ہر بات میں قرآن و حدیث کے متبع صحابہؓ کے پیروکار اور مجتہدین کے مقلد ہیں یہاں مولانا تھانویؒ کا قول سنیئے!

مولانا تھانویؒ کا ارشاد گرامی

اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے؟ جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کر کے جو اصل طیور خضر میں سوار ہوں گی، آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نص اس سے ساکت ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائیگا۔

گو برزخ میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے (اشرف الجواب ص ۳۱۳، ۳۱۴)

دلیل کشف ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی دلیل شرعی کے مخالف نہ ہو تو صحت

کو محتمل ہے ورنہ نہیں، اور یہ کشف مخالف نہیں ہے کسی شرعی دلیل کے پس محتمل صحت ہوا (التکشف ص۵۱)

انسان کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل نے ایک ایک امر ثابت کیا ہے اور اپنی اپنی اصطلاح میں اس کا نام روح رکھا اور اس نے دوسرے سے تعرض نہیں کیا — روح بمعنی جوہر مجرد کا تعلق بدن سے بواسطۂ روح بمعنی جسم غیر عنصری کے ہے اور روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بواسطۂ روح طبی بمعنی جسم عنصری کے ہے اول کا فعل بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے۔ موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے، ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف بھی مفارق ہو جاتا ہے اور بعد خروج یہ ثالث، عناصر میں مل جاتی ہے جیسا کہ اصل میں جزء عناصر ہے اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جو کہ ایک مکان ہے (التکشف ص۵۲)

رہی یہ بات کہ ثواب و عقاب کس روح کو ہوگا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی؟ سو روح طبی تو عناصر میں مل گئی اور اس پر ثواب و عقاب گو ممکن ہے مگر کہیں مذکور نہیں اس واسطے قائل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ مورد ثواب و عقاب نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مستحیل ہو کر پھر غذا بنے۔ پھر اس غذا سے کسی دوسرے متغذی کے بدن میں بخار لطیف پیدا ہو اور اس شخص کے اعمال پہلے شخص کے خلاف ہوں، پھر یہ مر جائے تو لازم آئے گا روح واحد کا معذب و منعم ہونا اور یہ باطل ہے۔ نیز اس روح کا ہمیشہ گھٹنا بڑھنا حرکت سے تحلیل ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے اور روح مذکور فی الشرع کا (جس پر عذاب و ثواب کا ذکر آیا ہے) بقا نص سے معلوم ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بخار مورد ثواب و عذاب ہے ہی نہیں۔ نیز یہ بخار یہیں رہتا ہے اور روح شرعی کو ملائکہ کا لے جانا وارد ہے۔ اب دو روحیں باقی رہ گئیں۔ ایک غیر عنصری دوسری مجرد سو ایسا مظنون ہوتا ہے کہ دونوں مثاب و معاقب ہیں لیکن غیر عنصری کو تو ثواب و عقاب حسی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب و عقاب عقلی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی اور غالباً

اب یعنی دنیا میں کسی راحت و کلفت پہنچنے کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں متالم و متنعم ہوتی ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اب رہی یہ بات کہ دونوں روحوں کا تالم و تنعم بواسطہ تعلق بدن کے ہے یا بلاواسطہ سو ممکن تو دونوں امر ہیں لیکن نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے اس روح یعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے۔

اب یہ کہ وہ کونسا بدن ہے آیا یہی بدن دنیوی یا اور کوئی بدن؟ تو اس کی کوئی تصریح وارد نہیں جس میں احتمال مخالف کا نہ رہے لیکن مظنون یہ ہے کہ وہ دوسرا بدن ہے جیسے حدیثوں میں اجواف طیر خضر وغیرہ آیا ہے، اس بدن کو اہل کشف بدن مثالی کہتے ہیں۔ (اس مثال سے وہ مثال مراد نہیں جو لفظ عالم مثال میں مثال سے مراد ہے منہ) یعنی وہ بدن اسی بدن کی مثل یعنی خاص خاص صفات و کیفیات میں اس کے مشابہ ہے اور بعض حدیثوں میں اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ آدمؑ کو ان کے پیدا کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر دکھلائی فاذا فیہا آدم و ذریتہ رواہ الترمذی (کتاب التفسیر ص۱۷۷ ج۲) اور ظاہر ہے کہ آدمؑ عالم حس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کونسے آدم تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے اور اس دوسری چیز کو آدم کہا جس سے تبادر بدن مع الروح ہے۔ سو بدن تو یقیناً متعدد ہوا۔

رہی روح! سو ممکن ہے کہ ایک ہی روح دونوں بدنوں سے متعلق ہو الخ (التکشف ص۵۱)

عالم مثال ایک عالم ہے جو عالم شہادت و عالم غیب کے درمیان ہے اس کو برزخ بھی کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے اشارات سے اور اہل کشف کی تصریحات سے اس کا وجود ثابت ہے بعد مرگ تا قیامت اسی میں رہنا ہوتا ہے اور خواب میں وہی منکشف ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم مقداری ہے مگر مادی نہیں پس مقداری ہونے کے اعتبار سے عالم اجسام سے مشابہ ہے اور غیر مادی ہونے کے اعتبار سے عالم ارواح سے مشابہ ہے پس اجسام کہ مادہ و مقدار دونوں

رکھتے ہیں اور ارواح کہ مقدار و مادہ دونوں سے منزہ ہیں، یہ عالم ان دونوں کے ساتھ ایک ایک وصف میں مشابہت رکھتا ہے۔

معنی جسمِ مثالی

اہل کشف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو جسم عطا فرمائے ہیں ایک جسم عنصری کہ دنیا میں رہتا ہے اور آخرت میں بھی محشور ہوگا اور اسی پر ثواب و عذاب ہوگا، دوسرا جسم مثالی کہ عالم مثال میں موجود ہے اور خواب میں نظر آتا ہے اور روح حقیقی جو من امر رب سے (نہ طبی کہ اس کا تعلق جسم عنصری سے ہے) دونوں جسموں سے تعلق رکھتی ہے۔ جاگنے کی حالت میں اس روح کی توجہ جسم عنصری کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور سونے کی حالت میں اس کی توجہ جسم مثالی کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے پس روح کا بدن سے نکلنا اور عالم مثال سے بدن میں اس کا آنا۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جسم مثالی سے تعلق کمزور ہو کر جسم عنصری سے زیادہ ہو جاتا ہے (ص ۷ التکشف)

امام فخر الدین رازیؒ کا فیصلہ

اس ڈھانچے یا اس کے کسی جزء کو ثواب عذاب پہنچنے کا قول محض مکابرہ ہے انسان تو اسی روح کا نام ہے اس کو ہی دکھ سکھ ضرور پہنچتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قیامتِ کبریٰ کے روز اس بدن عنصری کی طرف روح کو واپس کرے گا اور شریعت بھی اسی قول کی موید ہے اور ظاہر قرآن اسی قول کا ناصر ہے اور ثواب و عذاب قبر کے متعلق (معتزلہ کی طرف سے) تمام وارد کردہ شکوک و شبہات کے ازالہ کا یہ واحد حل ہے اسی لیے اسی قول کی طرف آنا اور قائل ہونا ضروری ہے ان ثواب القبر وعذابہ للروح لا للقالب .... هٰذه الارواح بعد المفارقة تتالم وتلتذ الی ان یردها الله تعالیٰ الی الابدان یوم القیامة فهناك یحصل الالتذاذ والتالم للابدان فهذا قول مما یوید الشرع وینصره ظاهر القرآن

ویزیل الشکوک والشبہات مما ورد فی کتاب اللہ من ثواب القبر وعذابہ نوجب المصیر الیہ ومما یؤکد ھذا القول ھو ان ثواب القبر وعذابہ اما ان یصل الی ھذہ البنیۃ او الی جزء من اجزائھا والاول مکابرۃ لانا نجد ھذہ البنیۃ متفرقۃ متمزقۃ فکیف یمکن القول بوصول الثواب و العقاب الیھا واذا جاز ذلک فلم لا یجوز ان یقال الانسان ھو الروح فانہ لا یعرض لہ التفرق والتمزق فلا جرم یصل الیہ الالم واللذۃ ثم انہ سبحانہ وتعالی یرد الروح الی البدن یوم القیامۃ الکبری حتی ینضم الاحوال الجسمانیۃ الی الاحوال الروحانیۃ (تفسیر رازی ص ۳۷/۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فیصلہ

تعلق روح بابدانیکہ داشتند پس ہم خلاف واقع است وہم خلاف شرع (تحفہ اثنا عشریہ)

اسی طرح بہت سے محققین کاملین کا یہی قول ہے کہ گو بدن عنصری کو ثواب وعذاب ممکن ہے مگر خلاف واقع اور خلاف مشاہدہ اور خلاف شرع ہے بعض متکلمین نے امکان بتادیا کہ اگر اس جسم کو عذاب ہو بھی تو محال نہیں اور بعض نے اصل بات بتادی۔

ناظرین! اب خود اندازہ لگائیں کتابیں دیکھیں فارسی عربی عبارتوں کا کسی غیر جانبدار پروفیسر سے ترجمہ کرالیں نہ ہم سے پوچھیے نہ فریق ثانی سے اور حق وباطل کا فیصلہ کرکے حق کو لیجیے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

جعلی تطبیق

صاحب تسکین کو جب سوجھا کہ اعادہ روح کی حدیث اور ارواح کا طیور خضر کے جوف میں بتانے والی متواتر حدیثیں باہم متعارض ہیں تو قاعدہ تو یہ تھا کہ اخبار متواترہ جو عمل وعقیدہ میں قرآن کی طرح ہوتی ہیں بلا چون وچرا سر آنکھوں پر رکھ کر خبر واحد میں اگر

صحیح بھی مانتے تھے کچھ تاویل کر لیتے جیسے ہم نے علی صورت الصحۃ تاویل کی ہے مگر جناب نے اس قاعدہ کو پس پشت ڈال کر انوکھی تطبیق کی کوشش کی۔

اولاً تو خود الفاظ حدیث اس تطبیق سے آبی ہیں جہاں محبوسۃ یا تسرح فی الجنۃ وغیرہ کے الفاظ ہیں ایک مخلوق ذات کا دو مختلف مکانوں میں وجود نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ جنس ہی علیحدہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب روئے زمین پر تھے تو آسمانوں پر نہ تھے اور جب آسمانوں پر گئے تو زمین پر نہ تھے، اسی واسطے حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف غلط منسوب موضوع حدیث کا جواب علماء نے اسماء الرجال کی مدد سے دیا کہ یہ حدیث ہی نہیں موضوعات کے قبیلہ سے ہے، جس میں آتا ہے کہ میں نے حضورؐ کا جسم اطہر گم نہیں پایا تھا۔ اور بعض نے جواب دیا کہ معراج کے دنوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے شادی نہیں ہوئی تھی، یہ بات ام المومنین کیسے کہہ سکتی ہیں لہٰذا یہ حدیث نہیں موضوع ہے۔ مگر کسی عالم نے یہ جواب نہیں دیا کہ کچھ بعید امر نہیں ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روئے زمین پر ہو اور آپؐ کی روح پر فتوح آسمانوں میں پہنچ کر جنت و دوزخ کی سیر بھی کر رہی ہو اور جسد اطہر کے ساتھ بھی تعلق اور اتصال بدستور قائم رہے بلکہ... جنہوں نے ایسا کہا، جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے، تو علمائے حق نے اس کی پر زور تردید فرمائی۔

ثانیاً صاحب تسکین کا یہ کہنا کہ:

"مومنوں کے ارواح کا مستقر تو جنت ہو یا علیین یا آسمان ہفتم مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجساد کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے لذت اور کلفت کا احساس اور ادراک ان کو ہوتا ہے اور اسی ادراک، شعور کے ساتھ وہ منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور اسی اتصال کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں" (تسکین ص ۸۸، ۸۹)

اور باقی باتیں اور دعا و استشفاع؟ پھر تخصیص سلام کیوں؟

دلیل ہے اس امر کی کہ بغیر تعلق روح بالجسد العنصری کے نہ ادراک و شعور ہو سکتا ہے اور نہ منکر نکیر کا سوال سن سکتا ہے اور نہ جواب دے سکتا ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کلیت کبریٰ نہ پایا جانے کی وجہ سے شکل اول عقیم ہوئی اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی اور اگر قاعدہ کلیہ ہے کہ ادراک و شعور جسد عنصری کے ساتھ تعلق روح کے بغیر نہیں ہو سکتا تو روز میثاق میں جب اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم سے عہد لیا تھا تو اس وقت جسد عنصری تھا؟ اور اگر جسد عنصری نہیں تھا تو ذریت آدم میں ادراک و شعور تھا؟ اور اگر ادراک و شعور تھا تو بغیر تعلق روح بالجسد العنصری کے ادراک و شعور آپ کے ہاں تو ناممکن ہے تو وہاں کیسے؟ اگر ادراک و شعور نہ تھا تو بے شعور سے سوال کیسے اور بے شعور کا جواب کیسے؟

پھر لکھتے ہیں دنیوی حیات کی طرح ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس کو دنیوی حیات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا نہ؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیوں؟ آپ کی علت تو وہاں بھی موجود ہے یا پھر علت جامعہ نہیں جو مردود ہے، نیز یہ بھی بتاتے جائیے کہ کسی سلف یا خلف نے یا مجتہد مطلق یا منتسب نے کسی مفسر یا محدث نے، کسی اصولی یا فقیہ نے یا کسی منطقی یا فلسفی نے کسی متکلم یا صوفی نے یہ اصول لکھا ہے کہ عالم مثال میں ادراک و شعور کے لیے دنیوی آلات یا دنیوی مشاعر کے ساتھ تعلق کی اشد ضرورت ہے؟

تطبیق کے غلط ہونے کی دوسری وجہ

نیز سلف میں سے کسی نے یہ تطبیق نہیں دی الٹا سب متقدمین محققین یہ لکھ گئے ہیں کہ اس جسد عنصری کے عوض میں برزخ میں ان سے بہتر اجساد ان ارواح کو عطا ہوتے ہیں جن میں قیامت بپا ہونے تک رہیں گے۔

ان سب میں حضرت نانوتوی بڑے صریح واضح الفاظ میں کھول کر فرما رہے ہیں کہ:

حوالہ جات گزر چکے ہیں بار بار

ارواح شہداء و مومنین کا اس جسد عنصری کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رہتا لکھنا فضول ہے

[illegible] ہوئے پھر بھی اپنی ہی گائے جائے تو اس کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں، انصاف کا تو خون ہو گیا جو حضرت نانوتوی کی ہر ہر بات رد کرے ان کی ایک بھی نہ مانے تو وہ حضرت نانوتوی کا خاص الخاص اور کٹر سنی اور دیوبندی، اور جو شخص حضرت نانوتوی کی ننانوے فی صدی بات تسلیم کرے اور ایک بات میں کہے کہ یہاں حضرت کو تسامح ہو گیا ہے کہ جو فرماتے ہیں "انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا" تو وہ شخص دیوبندی مسلک سے خارج اہلسنت سے خارج، معتزلہ فرقہ کا آدمی ہے بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ یا للعجب ولضیعۃ الادب اللھم اھدھم فانھم ضلوا عن سواء السبیل واضلوا کثیرا ممن لا یعلمون

تطبیق کے غلط ہونے کی تیسری وجہ

میرے محترم جناب صاحب تسکین کے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی فرماتے ہیں کہ اعادۂ روح کی حدیث دوسری متواتر حدیثوں کے معارض ہے ولو کان الروح فی القبر او فی فنائہ فکیف یصح معنی حدیث فیاتون بہ ارواح المومنین فیسالون ما ذا فعل فلان فیقول اما اتاکم فیقولون قد ذھب بہ الی امہ الھاویۃ (ص ۲۰۸ تحریرات حدیث) ایک جگہ مخلوق کا موجود ہونا دوسری جگہ سے غائب ہونے کی دلیل ہے۔ جب روح ارواح مومنین کے پاس پہنچی ہوئی ہے تو قبر یا فنائے قبر سے یقیناً غائب ہو گی۔ اسی طرح ابن رجب نے فرمایا ہے کہ ردِ روح کی حدیث احادیث کثیرہ کے معارض ہے۔

رہا یہ کہنا کہ شان الارواح غیر شان الابدان، سو یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کئی جگہوں میں حاضر ہو سکتی ہے اگر یہ روح اس قانون کے تحت ملاء اعلیٰ میں رہ کر

بدن کے ساتھ بھی اتصالی یا دخولی تعلق قائم رکھ سکتی ہے تو اس کی نظر کی وسعت ساری دنیا پر برابر ہونے سے کونسا امر مانع ہے۔ پھر فرقہ بریلویہ کا قصور کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرتؐ کی روح کی ایک مقام پر رہ کر تمام خلقت پر نظر ہے اگر ان کا یہ قول قرآن و سنت سے باہر ہے اور مردود ہے تو آپ کا قول قرآن کی کس صریح آیت سے ثابت ہے، یا کونسی حدیث آپ کی حجت قاطعہ ہے جس میں یہ ثابت ہو کہ روح تو ملاء اعلیٰ علیین یا سجین میں رہتی ہے مگر اس کا تعلق جسد عنصری کے ساتھ بھی بدستور قائم رہتا ہے۔ ورنہ ادراک و شعور ناممکن ہے۔

عودِ روح یا اتصال؟

صاحب تسکین نے حدیث تو بڑے زور شور سے صحیح بنائی، مگر اس کا مفہوم بیان کرنے میں بڑے چکر میں پڑ گئے ہیں اتنے پر تو ڈٹے ہوئے ہیں کہ جسد سے جسد عنصری ہی مراد ہے گو تمام ذخیرہ کتب میں سے عنصری کا لفظ نہیں دکھا سکے صرف تبادر سے کام لیا کہ تبادر الی الفہم ہونا کسی معنی کا خود اس کے حقیقی ہونے کی دلیل ہے گو یہ قاعدہ بھی مجمل ہے حقیقۃ لغوی یا حقیقۃ عرفی یا حقیقۃ شرعی، خیر ہر چہ بادا باد، یہ تعین نہیں ہو سکا کہ عود روح کل اجزاء جسد عنصریہ میں ہے یا بعض میں پھر عود کے معنی بھی متعین نہیں کر سکے، حقیقی معنی ہیں یا مجازی بمعنی ربط و اتصال۔ اگر مجازی معنی ہیں تو ترک حقیقت کا کونسا سبب ہے اور اگر کہو عموم المجاز کے اصول پر ہم نے عود بمعنی اتصال کیا ہے تو یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ حقیقی معنی بھی اس کا ایک فرد ہے یعنی اتصال علیٰ وجہ الکمال جو اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب تمام اجزائے عنصریہ میں روح پہلے کی طرح داخل ہو جائے تو اکمل حیات والوں کے لیے اتصال بھی اکمل ہوگا تو اب دو سوال پیدا ہوئے کہ جو فریق روح کو اعلیٰ علیین میں مان کر اشراق یا اشراف کے قائل ہیں وہ کامل اتصال کے منکر ہیں اس کا رد کرنا آپ کے ذمے تھا، مگر بجائے رد کرنے کے آپ نے اس کی تصویب کی، یہ کیا وجہ؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے صفحہ ۵۷ میں لکھا اگر مطلق اور کامل زندگی ہوتی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا

الرجوع الی العالم الاول ۱۲ نور الانوار صفحہ ۲

ادراک تو ہر شخص کر سکتا ہے۔

اب صورت قیاس اس طرح بنالو "ہمارے نبیؐ کی زندگی تمام انبیاء کی زندگی سے بھی زیادہ اکمل اور اتم ہے کحیاتہم فی الدنیا" (صغریٰ) اور "ہر وہ زندگی جو مطلق اور کامل ہو جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا ادراک ہر شخص کر سکتا ہے" (کبریٰ)

(تسکین ص۱۳۹، ص۱۳۵، ص۵۷)

پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ادراک ہر شخص کر سکتا ہے" (نتیجہ)

شکل اول کے انتاج کے لیے ایجاب وفعلیہ صغریٰ وکلیہ کبریٰ شرطیں سب یہاں موجود ہیں، تو نتیجہ لازماً صحیح آنا چاہیے تھا لیکن نتیجہ تو صریح غلط ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شکل اول کے انتاج کی کوئی شرط یہاں مفقود ہے۔ دیکھا تو ایجاب وفعلیہ صغریٰ میں تو کسی مسلمان کو شبہ نہیں جس کے دل میں خردلہ من ایمان ہوگا وہ یہی کہے گا کہ ہمارے نبیؐ کی زندگی سب سے اکمل واتم ہے اور کبریٰ بھی واضح ہے، امر بدیہی ہے جس کے لیے دلیل یا تنبیہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

پھر سمجھ نہیں آتی نتیجہ کیوں غلط ہے جس کو سید آلوسیؒ نے صاف صاف فرمایا لا یترتب علیہا کل ما یمکن ان یترتب علی تلک الحیاۃ المعروفۃ ولا یحس بہا ولا یدرکہا کل احد فلو فرض انکشاف قبر نبی من الانبیاء علیہم السلام لا یری الناس النبی فیہ الا کما یرون سائر الاموات الذین لم تاکل الارض اجسادھم (روح المعانی پ۲۲ ص۳۶)

بلکہ خود صاحب تسکین کو بھی مسلم نہیں، کیونکہ فرماتے ہیں "اہل دنیا کو اس کا احساس وشعور نہیں ہو سکتا" (تسکین الصدور ص۱۵۱)

تو معلوم ہوا کہ اور خرابی اس اضافے میں ہے جو اعلیٰ زندگی کو گھٹیا زندگی سے تشبیہ دی ہے۔ بجائے تعظیم وتکریم وتعزیر وتوقیر کے تذلیل وتحقیر کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لئن اقمتم الصلوۃ واتیتم الزکوۃ وامنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیئاتکم

اور ظاہر ہے کہ دنیوی زندگی بعد الممات کی زندگی سے گھٹیا ہے وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملأ اعلیٰ میں جانے کی خواہش تھی اس لیے دعا مانگی اللھم الرفیق الاعلیٰ صحابہؓ بھی سمجھتے تھے کہ حضرت کی دنیوی حیات محض ضرورت تبلیغ کے لیے ہے جب تبلیغ کا کام مکمل ہو گیا لوگ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگ گئے تو اب حضرتؐ کو خدا تعالیٰ اپنی طرف بلا لیگا۔ اسی وجہ سے فقیہ اور ذہین صحابہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے رونے لگ گئے کہ اب حضرت ہم سے رخصت ہونے والے ہیں جب کہ سورۃ نصر نازل ہوئی تھی، پھر روحانی لذات بھی اپنی نرالی شان رکھتی ہیں چنانچہ صاحب تہافۃ الفلاسفہ صـ ۱۰۹ میں فرماتے ہیں ان اللذۃ الروحانیۃ الحاصلۃ للنفس اقوی من اللذۃ الجسمانیۃ پھر نامعلوم سبکیؒ شافعی کی تقلید میں یک زبان ہو کر سب کے سب یہی کہہ رہے ہیں الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم کحیوتھم فی الدنیا۔ اور حالانکہ سبکی وہ شخص ہے جس کا کام صاحب تسکین کی طرح ضعیف حدیثوں کی تصحیح و تحسین کرنا ہے، حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے تھے صنف تقی الدین سبکیؒ رسالۃ فی ردّ ابن تیمیۃؒ وسمّاھا شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام وما وجدت فیھا شیئاً جدیداً طریّاً وتصدّیٰ الی تقویۃ الضعف ثم صنف ابن عبد الھادی فی الردّ علی السبکی وسماہ الصارم المنکی علیٰ نحر السبکی وقد اجاد فی تصنیفہ (العرف الشذی صـ ۶۴) سبکی نے ابن تیمیہؒ کی تردید میں نئی بات تو کیا کہی الٹا ضعیف احادیث کو قوی بنایا۔

پھر لطف یہ ہے کہ سبکی بھی اس مفہوم کے موجد نہیں وہ بھی خیر سے ناقل ہیں چنانچہ مواہب الدنیہ میں ہے صـ ۵۴ نقل السبکی فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ قال انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حیّ فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ابداً لا یاد علی الحقیقۃ لا المجاز۔ سبکی نے ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اسی قبر عرفی میں سچ مچ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں۔

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ یہ ابن فورک کون ہے کہ جس کی تقلید سبکی نے کی ہے

پھر سبکی کی تقلید متاخرین نے کی ہے کسی سے کیا پوچھیں خود سبکی طبقات کبریٰ ص۱۴۲ میں لکھتے ہیں: ان ابن فورک کان رجلا صالحا ثم قال الذہبی، کان معروفا بصاحب فلتۃ و بدعۃ۔ ابن فورک صالح مرد تھا۔ ذہبیؒ نے کہا کہ ابن فورک دینداری کے باوجود بدعتی تھا اور غلطیاں مارتا تھا۔

اب فرمایئے کہ اس قول کا اصل ماخذ ہاتھ لگا یا نہ؟ دنیوی زندگی کی طرح انبیاء، اولیاء، ائمہ اطہار کو زندہ ماننا اہل بدعت کا کام ہے جیسے روافض کا عقیدہ ہے کہ علیؓ و باقی ائمہ بقید حیات دنیویہ ہیں، سید حمیری کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ نہیں مرے عبداللہ خراسانی کے متعلق اس کے چیلے کہتے ہیں کہ نہیں مرا۔ محمد بن عبداللہ کے چیلے کہتے ہیں وہ زندہ بحیات دنیویہ ہے۔ اثنا عشریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے حسنؓ فوت نہیں ہوئے اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ فوت تو ہو چکے ہیں مگر مرنے کے بعد پھر ہمارا عقیدہ ہے کہ زندہ ہو جائیں گے۔ ابن سبا کہتا تھا کہ علی فوت نہیں ہوئے زندہ ہیں اور وہ خدا کی جزء ہیں۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ محمد بن علی فوت نہیں ہوئے ہم ان کے منتظر ہیں، واپس آئیں گے جبرئیلؑ و میکائیلؑ رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت ہونگے اور وہ امام منتظر مردوں کو زندہ کریں گے۔ بزیغیہ کا تو عقیدہ ہی یہی ہے کہ جب انسان کمال کو پہنچ جاتا ہے اور پھر مر جائے تو اس کو یوں نہیں کہنا چاہیئے کہ وہ مر گیا بلکہ وہ عالم ملکوت کو پہنچتا ہے، اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ اسماعیل بن جعفر فوت نہیں ہوئے آج کل اہل بدعت کی چال ہے کسی غیر مذہب کی نقالی کرنا، مثلاً شیعہ کا عقیدہ تھا کہ ائمہ اطہار ما کان و ما یکون کے عالم ہیں تو سنی کہلانے والوں بدعتیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہہ دیا کہ وہ تو بطریق اولیٰ عالم ما کان و ما یکون ہیں، شیعہ کہتے تھے کہ حدیث قدسی ہے لولاھم ما خلقتک وما خلقت الجنۃ والنار ولا السماء والارض اور حدیث ہے لولا علیؓ لم یخلق الانبیاء پھر سنی کہلانے والے بدعتیوں نے حضورؐ کے متعلق حدیث گھڑ لی اور تھا کوئی ادیب جس نے مقفیٰ عبارت جوڑ لی اور کہا لولاک لما خلقت الافلاک۔

(اے الائمۃ الاطہار یا آدمؑ)

(تحفہ اثنا عشریہ ص۱۱۷)

(سب حوالے الملل والنحل کے ہیں)

عہ اس کلمہ کی لفظی، نحوی تحقیق کے لیے میرا رسالہ ضیائے حق دیکھو ۱۲ منہ

شیعہ کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بشر نہیں کہنا چاہیئے، تو سُنی کہلانے والے بدعتیوں نے یہ بات حضورؐ پر چسپاں کر دی، شیعہ نے خدائی صفات سے حضرت علی رضؓ کو متصف کیا تو سُنی کہلانے والے بدعتیوں نے حضورؐ میں خدائی صفات کا قول کیا شیعہ نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کا خدا پر بڑا حق ہے تو سُنی کہلانے والے بدعتیوں نے تمام انبیاء، اولیاء، صلحاء، پنج تن پاک کا حق خدا پر سمجھ لیا۔ پھر کہتے ہیں کہ ہماری یہ مراد نہیں، شیعہ نے اماموں کے قبے بنائے اور قبروں کے سجدے کیے سُنی گو بدعتیوں نے اولیاء کے قبے بنائے اور ان کی قبروں کے سجدے کیے، شیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ائمہ اطہار کے پیش ہوتے ہیں۔ سُنی گو بدعتیوں نے کہا ہمارے اعمال حضورؐ کے پیش ہوتے ہیں، صاحب تسکین نے بھی تبرید النواظر صـ۱۱۹ میں اصول کافی باب عرض الاعمال علی النبی والائمہ کتاب الحجۃ جلد سوم صـ۱۳۹ مع الصافی کے حوالہ سے لکھا کہ درحقیقت عرض جملہ اعمال شیعہ سُنیعہ کا مسلک ہے مگر افسوس کہ سُنی کہلانے والے بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ابن فورک نے کہا کہ حضورؐ کی اب بھی دنیوی زندگی ہے وہی بات سبکی نے پکڑ لی سُبکی سے پھر دوسروں نے لے لی۔

اسی طرح شیعہ نے کہا کہ دفن ہونے کے بعد آدھے دھڑ میں پھر سے روح ڈال دی جاتی ہے تاکہ فرشتے اٹھا بٹھا کر اس سے پوچھ گچھ کر سکیں وہی بات سُنیوں نے کہہ دی بعض نے لاعلمی میں اور بعض نے تقلیداً اعتماداً۔ حالانکہ رجال کو حق کے تابع ہونا چاہیئے حق رجال کے تابع نہیں ہوتا، ہر ایک کی بات رد ہو سکتی ہے سوائے اس ذات معصوم کے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

عود کے حقیقی معنی نہ لینے کی وجہ

صـ۵۹ حسب دعوٰی صاحب تسکین کے عود روح کی حدیث جب متواتر برہان قاطع صـ۴۳ حجۃ قاطعہ تھی تو حقیقی معنی مراد لینے سے کونسا امر مانع ہے وہ مواضع جہاں حقیقی معنی متروک ہوتے ہیں ان میں سے ایک کی تعیین فرمائیں بہرحال عود کے معنی میں کئی

احتمال ہوئے، معنی حقیقی[1]، معنی مجازی[2] اتصال ورد پھر اس میں احتمال ہیں، اتصال حقیقی ہے یا معنوی خیر ص۶۲ میں بحوالہ القول البدیع ص۱۲۷ کے سبکی کبیر کے جواب سے اتنا بتادیا کہ رد سے مراد رد معنوی ہے لیکن ابھی عقدہ پورا حل نہیں ہوا کیونکہ معنوی پھر مجمل لفظ ہے جسد عنصری میں دخول روح کا نام تو رد معنوی ہو نہیں سکتا، پھر معنوی کئی چیزوں کے مقابل آتا ہے ۱ معنوی مقابل لفظی کے ۲ معنوی مقابل حسی کے ۳ معنوی مقابل حقیقی کے اور اس جگہ معنوی نہ مقابل لفظی کے ہو سکتا ہے اور نہ بمعنی مجازی مقابل حقیقی کے، البتہ مقابل حسی کے کہا جا سکتا ہے معلوم ہوا کہ علامہ سخاوی رد حسی و اتصال حسی کے قائل نہیں اور اتصال معنوی غیر حسی پر عمدگی کا حکم صادر فرمایا اسی طرح ابن حجر نے بھی اتصال معنوی ہی فرمایا (شرح الصدور ص۱۰۲) اسی کو علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں نقل فرماتے ہیں پس یہ سب اکابر قائلین اتصال، اتصال معنوی کے قائل اور اتصال حسی کے منکر اور دخول حسی روح کا جسد عنصری میں نہیں مانتے۔ صاحب تسکین بھی ص۸۴ میں تسلیم کر چکے ہیں۔ فرماتے ہیں روح کا جسم سے ایک گونہ تعلق ہے لیکن یہ تعلق دنیوی تعلق سے الگ اور حس سے بالاتر ہے۔ فوائد قادریہ شرح عقائد نسفیہ ص۳۰ میں ہے لکل روح بجسدھا اتصال معنوی قلت وکذا قال السیوطی فی شرح الصدور ص۱۰۲ وقال فی ص۱۰۱ التعلق الرابع فی البرزخ فانھا وان کانت فارقتہ بالموت فانھا لم تفارقہ کلیا بحیث لم یبق لھا الیہ التفات ملا علی قاری فرماتے ہیں ان اللہ یعلق روحہ الذی فارقتہ بجزء الاصلی الباقی من اول عمرہ الی اخرہ (تحریرات حدیث ص۲۰۸)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: در قبر احیاء و اماتت حقیقۃ نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلقے پیدا می شود کہ تعذیب و تنعیم بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بہ معشوق یا مالک بہ مملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلت تعذیب و تنعیم مے تواند شد و ایں ہم در صورتے است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والا عذاب و نعمت

روح را است کہ نفس مجرد است و بدن حقیقی اور روح ہوائی است و روح ہوائی را تعلق مے کنند بہ بدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزائے جمادات بہیئتے و شکلے کہ بینندہ را امتیاز درمیان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نہ شود۔" (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۵۱)

بدن نسبت بہ روح حکم لباس دارد نسبت بہ شخص (تحفہ ص۲۵) عند اہل الاصول مجاز کی نفی کر سکتے ہیں نہ حقیقت کی۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں اور اس جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے اب چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگر ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے تو روح گو وہاں جسم مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا، اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہوگا؟ سو یہ جواب اسی جسد مثالی سے ہوگا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ص۵۱۴، ۸۲۵)

حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں واما الجسد فانہ مثل القمیص یخلعہ الانسان منہ .... ولکن النفس ھی التی تجد الراحۃ و البلاء (شرح الصدور ص۳۵)

میں کہتا ہوں جسد عنصری کے ساتھ تو روح کا اتصال اتفاقی ہوتا ہی ہے، علماء حق نے خویش و اقارب کے ساتھ بھی روح کا تعلق لکھا ہے، حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ نے لکھا ہے "مرنے کے بعد خویش و اقارب سے روح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ (عقاید اسلام ص۲۳۵)

مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں دار العمل یعنی دنیا سے ابھی پوری طرح تعلق منقطع نہیں ہوا اسی وجہ سے اقارب و احباب کے دعوات صالحات اور صدقات و مبرات مردہ کے حق میں تخفیف عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں اور اسی وجہ سے انبیاء و مرسلین اور بعض صالحین کو بطور تکلیف نہیں بلکہ بطور لذت و فرحت قبر (عالم برزخ) میں عبادت مثلاً نماز اور حج اور تلاوت قرآن کی اجازت دے دی جاتی ہے (علم الکلام ص۲۴۵)

قال یٰلیت قومی یعلمون کی تفسیر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے قوم نے اس سے دشمنی کی کہ مار ڈالا، اس کو بہشت میں بھی قوم کی خیر خواہی رہی کہ اگر معلوم کریں میرا حال تو سب ایمان لاویں (پ ۲۳ رکوع ۱)

حسّی کے معنے

صاحب تسکین حوالجات کے ضمن میں انتقالِ معنوی کے بھی دبی زبان سے منکر اور انتقال حسّی بھی ٹھوک بجا کر کہے جا رہے ہیں کہ "ادھر قبر میں جو حیات ان (انبیاء) کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسّی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں گو اہل دنیا کو اس کا احساس و شعور نہ ہو سکے اور حسّی کے اس معنی میں نقلاً و عقلاً کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ (تسکین ص ۱۵۱)

(۱) **الجواب**: جناب من! اول یہ کہ آپ کا یہ کلام ص ۵۷ کے کلام کے معارض ہے جس میں آپ لکھ آئے ہیں کہ مطلق اور کامل زندگی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے اس کا ادراک ہر شخص کر سکتا ہے، یا پھر یوں کہو کہ انبیاء کی برزخی زندگی ان کی دنیا کی زندگی کی طرح کامل نہیں، والعیاذ باللہ۔

(۲) ثانیاً اگر برزخی زندگی میں حسی کے یہی معنی ہیں تو ایسا تو دنیوی حسی زندگی کو برزخی کہنا چاہیے، کیونکہ دارِ دنیا میں بھی سماع کی حس کو مخاطب ہی کے کان محسوس کر سکتے ہیں نہ متکلم کے، ضارب کی ضرب چوٹ اور درد مضروب ہی کا بدن محسوس کر سکتا ہے نہ ضارب کا دنیا میں کسی چیز کا دکھنا اور نظر کی تیزی یا کمزوری ناظر آپ ہی محسوس کر سکتا ہے کہ میں فلاں چیز کو دیکھ رہا ہوں اور میری نظر تیز ہے یا کمزور۔ دوسرے کو کیا خبر، غمی خوشی کا احساس، بھوک پیاس کا احساس، سر دردی، درد شکم خود اسی کو محسوس ہوتے ہیں، اگر برزخی حسّی کے یہی معنی ہیں جو آپ نے بتلائے ہیں تو یوں تو غالباً ہر باشندہ کی زندگی دنیوی برزخی ہوئی یعنی جن جن امور کو دوسرا محسوس کر سکے ان کے لحاظ سے دنیوی ہوئی اور جن امور کو دوسرے محسوس نہ کر سکیں ان امور کے لحاظ سے برزخی ہوئی۔ مگر مجھے امید واثق ہے کہ صاحب تسکین اس قول کی تسلیم کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہوں گے پس ان

کو چاہیے کہ حسّی کے از خود وضع کردہ مفہوم سے رجوع فرمائیں۔ واللہ الہادی یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

یہ تو تھی آپ کے وضع کردہ مفہوم حسّی میں عقلی خرابی، رہی نقلاً خرابی! سو وہ سن لیجیے۔

علامہ متکلم شہرستانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دھڑ بذات خود سوال وجواب اور خطاب کا شعور نہیں رکھتا الشخص من حیث ھو شخص غیر مستشعر بذالک (السوال و الجواب والخطاب وغیرھا) نہایۃ الاقدام ص ۴۶۹)

مفسر خازنؒ فرماتے ہیں وان کانوا امواتاً من حیث خروج الروح عن اجسادھم (تفسیر خازن)

عودِ روح یا اتصال کونسے جسد میں؟

پہلے تو یہی جھگڑا ہو رہا تھا کہ اعادہ روح کی حدیث میں عود کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی یعنی اتصال، پھر اتصال سے کونسا اتصال مراد ہے پھر وہ کب تک رہتا ہے قیام بدن تک یا بعد بھی، اگر قیام بدن تک اتصال روح کے قائل ہو جائیں جیسے مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں اور آپ اس سے یہ سمجھے ہیں کہ اس اتصال کی وجہ سے مُردہ زائر کا سلام سنتا اور اسکا جواب دیتا ہے تو جب بدن فنا ہو جائے گا تو حسب ارشادِ تھانویؒ روح کا اتصال بدن عنصری سے نہ رہے گا، آپ اسلیے مولانا تھانویؒ کا ساتھ یہاں چھوڑ بیٹھے کہ اتصال روح بالجسد العنصری نہیں رہا تو اہل قبور کو السلام علیکم سے خطاب فضول بنتا ہے حالانکہ مسنون طریقہ ہے، پس معلوم ہوا کہ سارا مکمل اتصال نہ سہی حسب فرمان ابن قیمؒ وغیرہ اس قدر اتصال ضرور رہتا ہے جس سے سلام سُن کر اس کا جواب دے سکے فثبت بھذا انہ لا منافاۃ بین کون الروح فی علیین او فی الجنۃ او فی السماء وان لھا بالبدن اتصالا بحیث تدرک وتسمع وتصلی وتقرأ (شرح الصدور ص) مگر اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ:

حضرت تھانویؒ جو فنائے بدن کے بعد اتصال نہیں مانتے تو کیا مقابر بالیہ کے پاس

سے گزرتے ہوئے السلام علیکم کہنے کے منکر ہیں تو پھر یا تو یوں کہنا پڑے گا کہ مولانا تھانوی اتصال کے یہ معنیٰ ہی نہیں لیتے جو آپ سمجھ رہے ہیں یا پھر مولانا تھانوی غلط کہتے ہیں۔

جو کچھ بھی ہو جسد کا لفظ جو حدیث میں وارد ہے اس میں دو احتمال ہیں جسد حقیقی مراد ہے (جسے نسمہ کہتے ہیں یا نفس ناطقہ جو برزخ میں عطا ہوتا ہے) یا جسد عرفی جسے عنصری بھی کہتے ہیں، پھر اگر جسد عرفی (عنصری) ہی مراد ہو پھر اس میں کئی احتمال ہیں جمیع جسد یا بعض جسد اگر بعض جسد مراد ہیں تو اس بعض سے کونسا بعض مراد ہے۔ نصف اعلیٰ، قلب، دماغ باطن یا اجزاء اصلیہ، پھر فی جسدہ میں فی حقیقی معنی میں ہے یا مجازی اگر عود کے حقیقی معنیٰ لیں تو فی بمعنی الیٰ ہوگا اگر عود بمعنی دخول کریں تو فی حقیقی معنیٰ میں رہے گا۔ اگر عود بمعنی اتصال کریں تو فی بمعنی ب ہوگا۔ اگر عود بمعنی اشراف کریں تو فی بمعنی علیٰ ہوگا تو ان تمام امور میں کہیں عود کے حقیقی معنے لے کر فی کے مجازی معنی لینے پڑتے ہیں اور کہیں فی کے حقیقی معنی لے کر عود کے مجازی معنی لینے پڑتے ہیں اور کہیں دونوں کے مجازی معنی لینے پڑتے ہیں اور حسب قاعدہ اصول المجاز فی الحرف الیسر خیر من المجاز فی الفعل (نور الانوار ص۱۲۲) یہی ہو سکتا ہے کہ عود کو اپنے معنی میں رکھیں اور فی بمعنی الیٰ اور جسد سے بھی جسد حقیقی مراد لیں نہ جسد عرفی تو مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی جو پہلی حالت تھی (جس حالت میں روز میثاق میں تھا) اسی حالت کی طرف اس کے جسد حقیقی کی طرف اس کے روح کو واپس کیا جائے گا۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تفسیر

ابنِ قیم رح

وھٰذہ حیاۃ ارواحھم ورزقھا دائر والا فالایکاد ان قد تمزقت و قد فسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھٰذہ الحیاۃ بان ارواحھم فی طیر خضر الخ (کتاب الروح ص۶۰) واخبر ان الروح تنعم وتعذب فی البرزخ الی یوم القیامۃ (ص۵۹ کتاب الروح)

علامہ ابن قیم رح نے کتاب الروح ص۵۹ میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات شہداء کی آپ ہی تفسیر فرمادی ہے کہ ان کی روحیں سبز پرندوں میں رہتی ہیں نیز فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ برزخ میں عذاب وثواب رُوح کو رہے گا تا روزِ قیامت۔

شاہ عبدالعزیز رح

واین نوعِ تعلق کہ ارواحِ شہداء را با ابدانِ جانورانِ پرندہ بہم مے رسد ہم بیرون از عالمِ عناصر است وہم نشو ونما ندارد۔ پس حیاتِ شہداء در عالمِ برزخ حیاتِ جزائی است نہ حیاتِ ابتدائی، نہ حیاتِ اخروی وبہمیں تحقیق زائل شد اشکالیکہ دریں جا وارد مے کنند وحاصلش آنکہ مراد از زندگیِ شہیداں کہ دریں آیت ودر آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا مصرح است چیست؟ اگر مراد ازاں حقیقتِ حیات است یعنی تعلقِ روح با بدانے کہ داشتند پس ہم خلافِ واقع است وہم خلافِ شرع زیرا کہ در حقِ شہداء نیز حکم موت کردہ اند واحکامِ موتیٰ مثل قسمتِ میراث وتنفیذ وصایا وعدتِ منکوحہ وانقطاعِ نکاح ودفن وغیرہ برآں ہا جاری نمودہ۔ واگر مراد آنست

کہ ارواحِ ایشاں باشعور و ادراکِ خود باقی مانند و بانوع ثواب مسرور و شاداں پس ایں معنی خاص بہ شہیداں نیست بلکہ جمیع اہلِ نجات ہمیں حکم دارند و مجرد بقائے روح ... بادراک و شعور کہ داشت عام تر است در حق ہر مومن و ہر کافر و ہر صالح و ہر فاسق۔

و تحریر جواب آں ست کہ حیاتِ شہداء بمعنی تعلق ارواح با بدان کثیفہ ست برائے استیفائے لذاتیکہ موقوف بر آلاتِ بدنی است نہ تعلق ارواح با بدان سابقہ و نہ بقائے روح بادراک و شعور و ایں حیات حیاتِ جزائی است (تفسیر عزیزی ص) وہم شاہ صاحب نوشت نفخ صور باعث تعلق ارواح مجردہ با بدان باشد مانند نفخ روح در جنین پ ۲۹ تفسیر عزیزی ص ۲۹۴)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر فتح العزیز پارہ تبارک ص ۲۹۴ میں فرمایا ہے کہ یہ خاص نوعیت کا تعلق جو شہداء کی ارواح کو پرندوں کے ابدان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بھی عالمِ عناصر سے باہر اور اس میں نشو و نما بھی نہیں ہوتا، تو اس عالمِ برزخ میں (جو اربعہ عناصر سے باہر ہے) شہداء کی حیات حیاتِ جزائی ہے وہ حیات نہ تو ابتدائی ہے اور نہ اعادی (کہ جس سے روح کو واپس جسدِ عنصری کی طرف لوٹایا جاتا ہو) اور اس تحقیق کے ذریعے وہ اشکال دُور ہوگیا جو لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً کی ظاہر آیت پر وارد ہوتا ہے کہ شہداء کی اس حیات سے کونسی حیات مراد ہے، اگر اس سے مراد ہے حقیقتِ حیات یعنی رُوح کا تعلق انہی ابدان کے ساتھ جو پہلے تھے یعنی ابدان عنصری تو یہ بات واقع کے بھی خلاف ہے اور شرع شریف کے بھی خلاف ہے کیونکہ شہداء پر حکم موت کا بھی لگاتے اور موتیٰ والے احکام بھی ان پر جاری کرتے ہیں، مثلاً ان کا مال وارثوں میں بٹ جاتا ہے ان کی وصیت بھی نافذ ہوتی ہے (اور مسئلہ ہے کہ وصیت مرنے کے بعد ہی نافذ ہوتی ہے) اور شہیدوں کی بیویوں پر عدت میں بیٹھنا (اسی طرح فرض ہے جس طرح دوسرے اموات کی بیویوں پر عدت میں بیٹھنا فرض ہے) اور ان کی بیویوں کا نکاح ان شہیدوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے اموات کی طرح شہیدوں کو بھی دفن کر دیا جاتا ہے اور اگر شہیدوں کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ ان کی روحوں میں شعور و ادراک رہتا

ہے اور طرح طرح کے ثواب سے خوش ہوتا ہے تو یہ مفہوم شہیدوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب نجات پانے والوں کا یہی حکم ہے اور صرف روح کا باشعور و ادراک رہنا سب کو شامل ہے مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد۔

اور جواب اس کا یہ ہے کہ شہیدوں کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ ایسی لذتوں کے حاصل کرنے کے لیے جو بدنی آلات پر موقوف ہیں ارواح کا تعلق (سبز پرندوں کے) ابدان کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے اور ان سابقہ (عنصری) ابدان کے ساتھ روح کا تعلق نہیں ہوتا اور روح کا باشعور و ادراک باقی رہنا بھی حیاتِ شہدا کا مفہوم نہیں ہے اور شہداء کی مذکورہ بالا حیات، حیات جزائی ہے۔

نیز لکھا کہ صور پھونکنے سے ارواح مجردہ کا تعلق (عنصری) ابدان کے ساتھ قائم ہو جائے گا جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے۔

البیان فی کیفیۃ تعلق الروح بالابدان

حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر فتح العزیز ص ۴۵ میں فرمایا: انبیا و شہدا و زاہر چند ارواح در اعلیٰ علیین باشند لیکن علاقہ شان ببدن زیادہ باشد از انچہ دیگرے را باشد و لہٰذا احیا مے گویند و ہم چنیں باشد حال صدیقاں و صالحین یعنی اولیا" یعنی انبیا اور شہداء کی ارواح ہر چند کہ اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں لیکن علاقہ ان کا بدن کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے اور اسی وجہ سے ان کو زندہ کہتے ہیں اور اسی طرح صدیقین اور صالحین کا حال ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے تفسیر فتح العزیز ج ۱ ص ۶۳۵ میں فرمایا ہے:

پس حیاتِ شہداء در عالم برزخ حیات جزائی است نہ حیات ابتدائی و نہ حیات اعادی" یعنی پس شہداء کی حیات عالم برزخ میں جزا کے لیے حیات ہے،

یہ حیات نہ تو ابتدائی حیات ہے اور نہ حیاتِ اعادی۔

اور ص ۶۳۶ میں فرمایا "حیاتِ شہداء بمعنی تعلق ارواح بابدان است برائے استیفائے لذتے کہ موقوف بر آلاتِ بدنی است، نہ تعلق ارواح بہ ابدان سابقہ و نہ بقائے روح بادراک و شعور و ایں حیات حیاتِ جزائی است کہ ثوابِ عملِ ایشاں را بایشاں بایں صورت دادہ اند" یعنی حیات شہداء بمعنی ایں کہ تعلق ارواح کا بدن کے ساتھ ہے واسطے اس لذت کے کہ جو آلاتِ بدنی پر موقوف ہے نہ تعلق ارواح کا سابقہ بدنوں کے ساتھ اور نہ بقائے روح ادراک و شعور کے ساتھ، اور یہ حیات حیاتِ جزائی ہے کہ ثواب ان کے عمل کا ان کو اس صورت سے دیا جاتا ہے۔

نیز تفسیر فتح العزیز ج ۳ پارہ عم ص ۱۲۳ میں فرمایا

"وارواح نیکاں بعد از قبض در آنجا مے رسند و مقرباں یعنی انبیاء و اولیاء دراں مستقر مے مانند" نیکوں کی ارواح قبض ہونے کے بعد علیین میں پہنچتی ہیں اور مقرباں یعنی انبیاء و اولیاء اس میں بطور استقرار کے رہتی ہیں۔

علیٰ ہٰذا ارواح مؤمنین کے لیے بھی جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں رزق عطا فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ موطأ امام مالکؒ ص ۸۴ میں روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انما نسمۃ المؤمن طیر تعلق فی شجرۃ الجنۃ نیز ابن ماجہ ص ۳۲۵ میں ہے ان ارواح المومنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ مشکوٰۃ ص ۱۴۳ میں بھی ہے یعنی مومنین کی ارواح سبز پرندوں میں ہوتی ہیں جنت کے درختوں میں سے کھاتی پھرتی ہیں۔

پس صراحت سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء عظام بلکہ کل مومنین کی حیات برزخیہ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان عالم کا نام ہے نہ کہ حیات مماثل دنیا۔

بہر حال اجسامِ عنصریہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تیز ان کے اجسامِ عنصریہ جن کا متغیر نہ ہونا اور محفوظ رہنا حضرت حق چاہے اور ساتھ ہی روحوں کا ان اجسام کے

ساتھ معنوی اتصال بلاشک ثابت ہے۔ لیکن کوئی قطعی دلیل صحت اور صراحت کے ساتھ اس امر پہ راہنمائی نہیں کرتی کہ وہ حیاتِ حقیقی حسی دنیوی کے ساتھ ان عرفی قبروں میں ہی روح کے ساتھ متمکن اور مستقر ہیں۔ اگر ایسی کوئی قطعی دلیل ایک بھی پائی جاتی تو محققین علم کلام ائمہ مجتہدین، محدثین اور علمائے عظام میں احتمالات اور اشکالات دربارۂ اجسام وارواح پیدا نہ ہوتے۔

اتنا ضرور ہے کہ ارواح کے ساتھ عالمِ برزخ میں ابدان کے ساتھ روح کا اتصال معنوی ہوتا ہے، اور عالمِ برزخ کی کیفیت سے کوئی باخبر نہیں۔ یہ ایمان بالغیب میں داخل ہے جس قدر قرآن وحدیث میں فرمادیا گیا ہے اس پر ایمان ہے، البتہ حیاتِ برزخی میں سب سے اعلیٰ درجہ انبیا، اور شہدا کا ہے شہدا کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد گرامی ہے:

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ، بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

یعنی بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی اس زندگی کا شعور نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے فوت ہونے کے بعد ان کی زندگی کا شعور تم کو نہیں ہے۔

تسکین کی عبارت ص۱۴۷ والی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارت سے کس طرح کشید فرمایا گیا جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "تعلقے ببدن خودش یا ببدنِ دیگر مثالی"۔ اس کلمہ "یا" سے معطوف علیہ کا مصداق جسم عنصری بحال خود قائم اور معطوف کا مصداق غیر قائم کس قرینہ سے لیا۔ دراصل شاہ صاحبؒ نے دو مذہبوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض تو اسی جسم عنصری کے ساتھ تعلق کے قائل ہیں اور بعض بدن مثالی کے ساتھ تعلق روح کے قائل ہیں۔ اب رہا یہ کہ شاہ صاحب کے نزدیک کونسا مسلک راجح اور محقق ہے۔ سو اس بات کو آپ نے تحفہ اثنا عشریہ ص۲۳۸ میں وضاحت سے بیان فرمایا "بدنِ حقیقی اور روحِ ہوائی است و روح ہوائی را تعلق می کنند ببدنے دیگر از عالمِ مثال" یعنی اس کا حقیقی بدن تو روح ہوائی ہے جس کا عالمِ مثال میں سے ایک اور بدن کے ساتھ تعلق قائم کر دیتے ہیں۔

ص ۴۴ طبع دوم میں روح کا بدن کے ساتھ تعلق تین قسم کا ہے، نباتی، نفسانی اور حیوانی، نباتی کا یہ مطلب ہے کہ بدن اس تعلق سے بڑھتا ہے؛ حالانکہ بدن انسانی صرف ۲۸ سال تک بڑھتا ہے۔ کیا ۲۸ سال کے بعد بدن کے ساتھ روح کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مصور میبذی شرح ہدایت الحکمت،

ص ۴۴ "روح کا بدن سے .... ادراک و شعور والا تعلق بدستور ہوتا ہے" اس سے آپ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ بدن عنصری کے ساتھ روح کا اتنا تعلق ضرور ہے جس سے وہ ادراک و شعور کر سکے اور پھر سند میں قول تحفہ ص ۳۸۲ کا پیش کیا مگر اس میں دو اشکال ہیں (۱) دلیل دعوی پر منطبق نہیں کیونکہ دعوی ہے تعلق اتصالی یا دخولی کا اور سند میں کہا تعلق شبیہ بہ تعلق عاشق بہ معشوق و یا مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ، کیا عاشق معشوق کے اندر، مالک مملوک کے اندر داخل ہو جاتا ہے؟ جناب من! اگر یہی بات ہے تو ایسے تعلق کے ہم بھی قائل ہیں جیسا تعلق حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اور روح کا جسد عنصری کی طرف واپس لوٹ آنا یہ منظور فیہ ہے اور یہ سمجھنا کہ روح نکلنے کے بعد بغیر داخل ہونے کے جسد عنصری میں ادراک و شعور سے محروم ہوتی ہے یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ وہ حدیث یاد کرو جس میں ہے جب جنازہ کو لوگ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر نیک بخت ہو تو کہتا ہے کہ مجھے میری منزل کی طرف جلدی لے چلو اگر بد بخت ہو تو لوگوں سے کہتا ہے اے مصیبت! مجھے کہاں لے جاتے ہو؟ اب یہ کون بولتا ہے جسم عنصری بولتا ہے جس میں سے روح نکل چکی ہے یا روح بولتی ہے۔ اور اگر میت کا جسم عنصری بولتا ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ بغیر تعلق روح کے محض جسم عنصری میں ادراک اور شعور ہے اور اسی معنی کو نواب قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر حق ص ۴۴ ج ۲ میں ترجیح دی ہے چنانچہ فرمایا میت کلام حقیقۃً کرتا ہے۔ اگرچہ روح نکل جاتی ہے اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قبر میں زندہ کیا جاتا ہے سوال کے لیے ؛ ع ؛ اس سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے بغیر ادخال روح کے مردہ جسم سے کلام کرا سکتا ہے

وہی خدا اپنی قدرت کاملہ سے بغیر ادخال روح کے مردہ جسم سے سوال جواب بھی کرا سکتا ہے، پھر صالحیہ پر کیوں اعتراض ہوتا ہے کہ وہ مردہ جسم کے تعذیب و تنعیم کے قائل ہیں جو بالکل خلافِ عقل اور سفسطہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ روح بولتی ہے تو روح کا ادراک اور شعور بغیر اعادہ فی الجسم کے ثابت ہو گیا جب جسم عنصری میں داخل ہونے کے بغیر روح کا شعور اور ادراک ثابت ہے تو روح کا عود الی الجسم کس مجبوری کی بنا پر معتقد بنایا جاتا ہے جب کہ مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر ادراک روح کے لیے عود الی الجسم العنصری شرط نہیں۔

امام بخاریؒ کا مسلک ہے کہ روح کے اعادہ کے بغیر بھی مجرد جسم سن بول سکتا ہے

یاد رہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان فرمائی ہے جس کو کہا جاتا ہے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری اور یہ حدیث آیات قرآنیہ کے موافق ہے اور امام بخاریؒ خود بھی اعادہ روح الی الجسد العنصری کا قائل نہیں۔ اور نہ حیات بادخال الروح فی الجسد العنصری فی القبر العرفی کا قائل ہے اسی واسطے قلیب بدر والی حدیث ذکر کر کے دفع اشکال کے لیے قتادہؓ کا قول پیش کیا اَحیاہم اللہ معلوم ہوا کہ ہر میت کا یہ حکم نہیں۔

مولانا کا ذہول

پھر تعجب اس بات پر آتا ہے کہ صاحب تسکین کس شد و مد کے ساتھ اعادہ روح کے اثبات کے لیے مستقل باب منعقد فرماتے ہیں، مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی ثابت فرمانے لگتے ہیں تو وہ سارا لکھا لکھایا باب انہیں ذہول ہو جاتا ہے اور شہداء کرام کی حیات بجائے عنصری جسم کے اخروی بدن سے فرماتے ہیں چنانچہ ص ۳۰۶ میں لکھا: "حیاتِ دنیوی کا مطلب یہ ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے نہ کہ شہداء کی طرح اخروی بدن سے"

تعلّق کی نوعیّت

وہ تعلق دخولی نہیں، التقاتی ہے، معنوی ہے،

نیز بحوالہ کتاب الروح ص ۵۳ ص ۱۲۶ میں لکھا: "رُوح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہو جاتی ہے لیکن وہ کلی طور جدا نہیں ہوتی، بایں طور کہ روح کا بدن کے ساتھ کوئی التفات ہی نہ رہے۔

پھر ص ۱۴۴ پر بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۲ فرمایا یہ تعلق اس تعلق کے مشابہ ہے جو تعلق عاشق کو معشوق سے یا مالک کو غلام سے یا صاحب خانہ کو گھر سے ہوتا ہے تفسیر عزیزی ص ۱۷۴ میں ہے یہ اس قسم کا تعلق جو شہداء کو اُڑتے جانوروں کے ساتھ پہنچتا، وہ اس اربعہ عناصر کے جہان سے باہر ہے۔ نیز فرمایا پس حیاتِ شہداء عالم برزخ میں حیاتِ جزائی ہے نہ ابتدائی (روح المعانی ج ۲ ص ۱۸ میں ہے میرے نزدیک شہید ہو یا غیر شہید سب مرنے والوں کو برزخ میں حیات حاصل ہے اور ارواح اگرچہ جواہر قائم بذاتہا ہیں اور محسوس بدن کے مغایر ہے لیکن اس سے بھی کوئی امر مانع نہیں اس کثیف عنصری بدن سے الگ کسی برزخی بدن کے ساتھ اس روح کا تعلق قائم ہو جائے اور اس کا نام تناسخ نہیں ہے۔ اس بوسیدہ جسم کا ڈھانچہ منہدم ہوتے اور اجزاء کے الگ الگ اور اس ہیئت کے جلا جانے کے باوجود اس کی حیات اگرچہ ذاتِ باری تعالےٰ سے بعید تو نہیں مگر اس کے قائل ہونے کی نہ تو ضرورت ہے نہ اس میں اس کی فضیلت ہے الٹا ضعیف الایمان مومنین کو شکوک اور اوہام میں ڈالنا ہے اور لوگ ایسوں کو کم عقل کہیں گے۔

ابن کثیر پ ۲۴ ص ۹۹۴ میں لکھتے ہیں وحاق بآلِ فرعون سوء العذاب کا مطلب ہے سمندر میں غرق ہو کر فوراً جہنم میں منتقل ہو گیا کیونکہ اس کا جسد بے شک دنیا پر محفوظ ہے مگر) فرعون اور تمام فرعونیوں کے ارواح صبح و شام آگ پر پیش ہوتے رہتے ہیں، پھر بروزِ قیامت ان کے ارواح پھر ان عنصری اجساد کے ساتھ مجتمع ہو کر

دوزخ میں جائیں گے، آگے چل کر لکھتے ہیں یہ آیت برزخ میں عذاب ارواح کی دلیل ہے اور ان کو یہ ضروری نہیں کہ ان کی قبور میں ان عنصری جسموں کے اندر ان ارواح کا اتصال ہو۔

الفوائد القادریۃ فی شرح العقاید النسفیۃ ص۳۰ میں ہے قال السیوطی فی اتمام الدرایۃ ان الروح تکون باقیۃ بعد موت البدن منعمۃ او معذبۃ اما محلھا فارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدھا اتصال معنوی یعنی سیوطیؒ نے اتمام الدرایہ میں لکھا ہے کہ بدن کی موت کے بعد روح کو سکھ یا دکھ ہوتا رہتا ہے۔ اب رہا روح کا مقام سو مومنین کی ارواح علیین میں رہتی ہیں اور کفار کی ارواح سجین میں رہتی ہیں، اور ہر روح کا اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہوتا ہے۔

محترم جناب مولانا صاحب نے حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۳۲۷، ۳۲۸ کے حوالہ سے تسکین الصدور طبع دوم ص۸۹ میں لکھا ہے "اسی طرح بلا شبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔

(نیلوی) کہتا ہے کہ اپنے حوالہ سے محترم نے اپنے دعوی اعادۂ روح پر قلم پھیر دیا)

احسن العقاید لاہل السنۃ والجماعۃ ص۲۳ میں مولانا محمد عبد الرحمٰن رئیس سلہٹ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لکھا ہے دقائق الحقائق میں کہ ہر گاہ پوچھے گئے بعض علما حال معادن ارواح سے کہا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کی جنات عدن میں رہیں اور لحد سے انس رکھیں۔

علامہ ابن قیمؒ کی تحقیق

فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۱ میں کتاب الروح سے ابن القیمؒ کا قول نقل ہے

کہ ان لکل منہا (ای الارواح) تعلقہا بجسدہا تعلق الانسان بوطنہ و ان دار فی الآفاق وسار یعنی جیسے انسان کا اپنے وطن کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے ایسا ہی ہر روح کو اپنے پہلے جسد عنصری کے ساتھ لگاؤ رہتا ہے۔ اگرچہ آفاق عالم میں جہاں کہیں بھی گھومتا پھرتا رہے۔ اس سے بڑھ کر صراحت کیا ہو۔

سوال ، جواب

عود روح الی الجسد العنصری والی حدیث تواتر سے ثابت ہے صوفی صدی علماء نے اس کی تصحیح فرمائی ہے تو ایسی حدیث کا انکار اگر کفر نہیں تو کم از کم فسق و معصیت تو ضرور ہے۔

اوّل تو تواتر کا اعادہ محض بلا دلیل ہے اور صوفی صد علماء کے بارے کہنا کہ اس حدیث کی تصحیح کی ہے یہ بھی مہمل ہے۔ جو خبر واحد قرآن پاک کے معارض ہو وہ بلا شک مردود ہے اور یہ حدیث قرآن پاک کی آیات کثیرہ کے معارض ہے اور احادیث متواترہ کی بھی معارض ہے جن میں ارواح کا مقام علیین یا سجین بتایا گیا ہے۔ نیز یہ حدیث خود براء بن عازب رضؓ کی بیان کردہ اس حدیث کے بھی معارض ہے جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں خود امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاریؒ نے روایت کی ہے قال (البراء بن عازب رضؓ) لما توفی ابراھیم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لہ مرضعا فی الجنۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم بن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دودھ پلانے کے لیے جنت میں دائی موجود ہے جو اسے دودھ پلاتی ہے (بخاری ص ۱۸۴)

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ مسئلہ محقق ہے کہ جب کسی شخص نے کسی فعل پر قسم کھائی اور اس فعل کی نسبت زمان یا مکان کی طرف ہو تو فعل دو حال سے خالی نہیں، لازم ہوگا یا متعدی اگر لازم ہے یعنی اس کا اثر فاعل پر تمام ہو جاتا ہے تو اس فعل کے فاعل کا اس زمان یا مکان میں ہونا شرط ہے مفعول کا اس زمان یا مکان میں

ہونا شرط نہیں ہے اور اگر وہ فعل متعدی ہے یعنی اس کا اثر مفعول تک پہنچتا ہے تو اس فعل و مفعول کا اس زمان یا مکان میں ہونا شرط ہے کیونکہ فعل اپنے اثر سے پایا جاتا ہے اور اس کا اثر محل میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اثر میں اختلاف پیدا ہو جانے سے فعل کا نام بدل جاتا ہے۔ مثلاً اینٹ مارنے سے کسی کو تکلیف پہنچے تو اس اثر کی وجہ سے یہ فعل چوٹ کہلائے گا اور اگر اینٹ سے زخم ہو جائے تو اس اثر کی وجہ سے اس فعل کو گھاؤ کہتے ہیں اور اگر اینٹ لگنے سے دم نکل جائے تو اس فعل کو قتل کہتے ہیں اور جب کہ اثر میں اختلاف کی وجہ سے ایک فعل مختلف ہو گیا تو ہم نے سمجھ لیا کہ فعل کا نام اس صفت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے جو محل سے مختص ہوتا ہے اسی زمان و مکان کی رعایت محل کے حق میں کی جاتی ہے اور فاعل و مفعول کے حق میں ان کی رعایت نہیں ہو سکتی

امام محمدؒ نے جامع کبیر میں فرمایا ہے کہ جب کسی شخص نے دوسرے کو کہا کہ میں تجھ کو مسجد میں گالی دوں تو میرا غلام آزاد ہے پس مسجد میں بیٹھ کر اس کو گالی دی اور جس کو گالی دی وہ مسجد سے باہر ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر گالی دینے والا مسجد سے باہر ہو اور جس کو گالی دی وہ مسجد میں ہو تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ گالی دینا اصول فقہ کی اصطلاح میں فعل لازم ہے

اور اگر کہا کہ اگر میں تجھ کو مسجد میں سزا دوں یا تیرا سر زخمی کروں تو میرا غلام آزاد ہے تو اس مثال میں مضروب اور مشجوع کا (یعنی جس کو مارا ہے یا جس کو زخمی کیا ہے) اس کا مسجد میں ہونا حانث ہونے کے لیے شرط ہے۔

اور اس مسئلہ میں دودھ پلانا فعل متعدی ہے جس کا اثر بچہ تک پہنچتا ہے اس لیے بچہ کا جنت میں ہونا شرط ہے کہ رضاعت کا فعل جنت میں متحقق ہو تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابراہیم بن رسول اللہ بھی جنت برزخیہ ہی میں تشریف فرما ہیں اور آپ کا جسد اطہر یہاں مدینہ طیبہ میں ہے۔

اور یہ روایت مسند احمد کی روایت سے فائق ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ و اصحاب صحاح ستہ نے اس حدیث کو تو اپنی کتب صحاح میں اخراج فرمایا ہے مگر مسند احمد

کی روایت کا اخراج نہیں فرمایا۔

نیز اس لفظ یعاد روحہ فی جسدہ میں احتمال ہے کئی معانی کا جیسے ہمارے پیر طریقت علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائے کہ یعاد بمعنی یجعل ہو فی جسدہ بمعنی فی صورۃ الجسد نیز اس میں احتمال ہے تغییر من قبل الرواۃ کا کہ راویوں نے اساتذہ کی زبانی بات کچھ سنی اور سمجھ کچھ اور لیا تو اپنی سمجھ کے مطابق روایت بالمعنیٰ کر دی۔

ملا علی قاریؒ کی توجیہ میں بحث

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱ میں فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی یہ عبارت اعادۂ روح پر دال ہے کیونکہ بغیر روح کے فرشتوں کو جواب نہیں دیا جا سکتا، یہ محل نظر ہے کیونکہ جب خاکی جسم اور روح کے باہم تعلق کے بعد ہی جواب دینا ممکن ہے تو روزِ میثاق میں یہی جسم خاکی موجود تھا؟ جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کیا گیا تھا اور الست بربکم کے جواب میں "بلیٰ" اسی جسم عنصری نے کہا تھا؟ اور جیسے جواب دینا آپ کے نزدیک بغیر روح کے متصور نہیں ہو سکتا تو غاسل کو دیکھنا، حامل کو دیکھنا اور قدموں کی آہٹ کیسے ہوتا ہے۔ آیا اس وقت جسد عنصری میں روح واپس آچکی ہوتی ہے یا نہ اگر واپس آچکی ہوتی ہے تو کیا زندہ کو دفن کرنے جاتے ہو؟ اگر روح واپس نہیں آتی تو قدموں کی آہٹ کون بولتا ہے، بغیر روح کے جسم خاکی بولتا ہے یا بغیر جسم خاکی کے روح بولتا ہے۔ بغیر روح کے جسم خاکی من جملہ جمادات کے ہے جیسے حضرت نانوتویؒ کا فتویٰ ہے تو بغیر معجزہ و کرامت کے جمادات کا بولنا کیسے؟ اور اگر روح بغیر جسم خاکی کے بولتا ہے تو آپ کا دعویٰ باطل ہوا کہ بغیر اعادۂ روح کے جواب متصور ہی نہیں ہو سکتا۔

الحاصل

اس سارے بیان کا حاصل یہ ہوا کہ امام ابن قیمؒ، امام شاہ عبد العزیزؒ، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ مصنف الفوائد القادریہ، مصنف احسن العقائد وغیرہ

علمائے عظام کی یہی تحقیق ہے کہ مرنے کے بعد روح کا اگر جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق ہے تو وہ تعلق نہ تو دخولی ہے نہ اشرافی نہ اشراقی، بلکہ سب نے اس تعلق کو معنوی تعلق بتایا۔ کسی نے کہا کہ وہ تعلق یا اتصال معنوی ہے کسی نے تعلق روحانی کہدیا کسی نے کہا لحد سے انس رہتا ہے، کسی نے کہدیا کہ اتفاقی تعلق ہے کسی نے مثال دیکر سمجھایا کہ ایسا تعلق ہے جیسے انسان کا اپنے وطن کے ساتھ ہوتا ہے، کسی نے کہا ایسا تعلق جیسے عاشق کا معشوق کے ساتھ یا مالک کا غلام کے ساتھ، گھر والے کا اپنے گھر کے ساتھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عودِ روح والی حدیث یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہے تو ان علماء کے نزدیک مؤول ہے اور جسد سے مراد ان کے نزدیک جسدِ عنصری ہرگز نہیں، اور کسی نے دسیسہ کاری کی جو شرح فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ رح کی طرف عودِ روح الی الجسد العنصری کا قول منسوب کر دیا۔ نیز ملا علی قاری کی وہ عبارت بھی مدسوس ہے جس میں ہے کہ میت اپنے غاسل، حامل اور دافن کو جانتی پہچانتی ہے، جب کہ خود مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ وہ لطیف قسم کا بدن ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ اس کثیف جسم سے روح کا تعلق کٹ جاتا ہے۔

فیض الودود

فی تفسیر آیۃ

تبدیل الجلود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضاہ، اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وازواجہ وذریاتہ واھل بیتہ واصحابہ وعلینا معھم اجمعین آمین یارب العالمین امابعد قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ یعنی جن لوگوں نے ہماری آیات واحکام کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم ان کو مستقبل قریب میں ایک تیز آگ میں داخل کریں گے جہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ جب کبھی بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کھالوں کی جگہ اور دوسری کھالیں بدل دیں گے (خواہ ایک دن میں کتنی ہی بار یہ واقعہ پیش آئے) تاکہ وہ برابر عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے منکروں کو قیامت کے دن ہم تیز آگ میں داخل کریں گے اور جب ان کی ایک کھال جل جائے گی تو ہم فوراً دوسری کھال پیدا کردیں گے۔

حضرت یحییٰ حضرمیؒ کا قول ہے کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ کافر کو سو کھالیں دی جائیں گی، ہر کھال میں نیا عذاب ہوگا (ظاہر ہے کہ گناہ تو ایک کھال نے کیا باقی ننانوے کھالوں کا کیا قصور؟ مگر چونکہ اصل مقصد ہے روح کو سزا دینا وہ روح ان کھالوں میں رہے گی اور اس طرح اسے سزا ملے گی) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ستر ہزار بار کھال جلے گی اور دوسری کھال دی جائے گی، بغویؒ نے حضرت کعبؓ سے روایت کیا کہ ایک گھڑی میں ایک سو بیس

مرتبہ کھال بدلی جائے گی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوسری کھالیں سفید مانند کاغذ کے بدلی جاویں گی، رواہ ابن ابی حاتم، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس یہ آیت پڑھی گئی انہوں نے قاری سے کہا کہ پھر دوبارہ یہ آیت پڑھو، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے تو فرمایا میرے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک ساعت میں سو مرتبہ بدلی جاویں گی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی سنا ہے رواہ الطبرانی بسند ضعیف و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ، اور دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت کعبؓ نے قبل اسلام کے ایک سو بیس مرتبہ ایک ساعت میں تبدیل ہونا بیان کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی تصدیق کی (ابن مردویہ) اور ان تفسیروں پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ کھالیں کیونکر معذب ہوں گی جو دنیا میں نہ تھیں اور انہوں نے نافرمانی نہیں کی ہے اور جواب دیا گیا کہ وہ شخص ان کھالوں میں معذب ہوگا، یہ کھالیں خود نہیں معذب ہوں گی جو دنیا میں نہ تھیں اور انہوں نے نافرمانی نہیں کی ہے اور جواب دیا گیا کہ وہ شخص ان کھالوں میں معذب ہوگا۔ یہ کھالیں خود نہیں معذب ہوں گی۔ بدلیل آنکہ آگے کھالوں کی طرف ضمیر نہیں راجع ہے بلکہ فرمایا لیذوقوا العذاب تاکہ چکھیں یہ کافر عذاب کو۔

بعض کا خیال اور خیالیؒ کا جواب

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چمڑوں کے اجزاء متحد ہیں اگرچہ ہیئات اور ترکیب کے بدلنے کی بنا پر دونوں چمڑوں کو مغایر کہا جاتا ہے۔ مگر اس پر شمس الدین خیالیؒ نے رد فرمایا ہے کہ دعوی اتحاد الاجزاء غیر مسموعہ یہ اتحادِ اجزاء کا دعوی بے دلیل ہے جو سننے اور قبول کرنے کے لائق نہیں، کیوں نہیں ہوسکتا کہ دوسرے چمڑے کے اجزاء پہلے چمڑے کے اجزاء کے غیر ہوں۔

مولوی عبدالحکیم رحمہ اللہ سیالکوٹی

اس پر حضرت مولینا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ولعل المدعی یبنی دعواہ علی ان مغایرۃ اجزاء الثانی للاول یستلزم التعذیب بلا معصیۃ فقد عرفت جوابہ یعنی ممکن ہے کہ مدعی یعنی یہ کہنے والا کہ دوسرے چمڑے اور پہلے چمڑے کے اجزاء متحد ہیں، اپنے اس دعوٰی کی بنیاد اس بات پہ رکھ رہا ہو کہ اگر یہ کہیں کہ دوسرے چمڑے کے اجزاء پہلے چمڑے کے اجزاء سے مغایر مانیں تو یہ استحالہ لازم آتا ہے کہ دوسرے چمڑے کو بغیر کسی قصور اور نافرمانی کے مفت کا عذاب دیا جائے گا اور یہ بعید از انصاف ہے۔ لیکن اس کا جواب تو پہلے پہچان چکا ہے جو شمس الدین خیالی رحمہ اللہ نے وان لجہنمی ضرسہ مثل جبل احد کا مطلب بیان کرنے والے کے رد میں فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ لان العذاب للروح المتعلق بہ یعنی کسی نے ان الجہنمی ضرسہ مثل جبل احد کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ اس جہنمی کی ڈاڑھ سوج سوج کر احد پہاڑ جتنی موٹی ہو جائے گی نہ یہ کہ فالتو اجزاء ڈاڑھ کے ساتھ جوڑ کر احد پہاڑ جتنی بنا دی جائے گی، نہ یہ کہ اس صورت میں ان فالتو اجزاء کو بغیر قصور میں شریک ہونے کے مفت کا عذاب دینا لازم آتا ہے جو کہ خلاف انصاف ہے تو حضرت خیالیؒ اس کے رد میں فرماتے ہیں ذرا آپ کو اس میں غور سے کام لینا چاہیے آپ کی یہ سطحی بات ہے۔ دراصل ان فالتو اجزاء کو یا ڈاڑھ کو عذاب دینا مطلوب نہیں کیونکہ روح کو عذاب ہوتا ہے جو اس ڈاڑھ کے ساتھ متعلق ہے پس یہ اعتراض اب وارد نہ ہوگا کہ دوسرے چمڑے کو بغیر قصور کے عذاب کیسے دیا جائیگا۔

محشی قرء کمال کا اعتراض

پھر اس پہ فاضل محشی (قرء کمال) نے اعتراض کیا کہ یہ کہنا کہ درد کا تعلق صرف روح کے ساتھ ہے چمڑے کے ساتھ نہیں ہے غیر معقول ہے۔ کیونکہ قوت لامسہ

تو ہوتی ہی چمڑے میں ہے لہٰذا درد کا محل یقیناً چمڑا ہی ہے۔

فاضل لاہوری کا جواب

پھر حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو فاضل محشی نے کہا ہے کہ چمڑا دُکھ درد کا محل ہے اس کا کیا مطلب ہے اگر یہ مطلب ہے کہ خود چمڑے کو درد ہوتا ہے تو یہ صاف غلط ہے کیونکہ جس چمڑے میں حیات نہ ہو اس چمڑے کو درد نہیں ہوتا اور اگر یہ مطلب ہے کہ چمڑا آلہ اور واسطہ ہے روح کے دکھی ہونے کا تو واقعی یہ بات تو مسلّم ہے لیکن اس کے معذب نہ ہونے کے لیے اجزاء زائدہ سے مرکب ہونا قادح نہیں۔

شجاع کی تقریر

شجاع رح نے بھی اسی طرح تقریر کی ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ اگر دوسرے چمڑے کے اجزاء پہلے چمڑے کے اجزاء کے مغایر مانیں تو دوسرے چمڑے کے اجزاء کی تعذیب بلا معصیت لازم آتی ہے کیونکہ انما یلزم ان لو کان العذاب للبدن ویجوز ان یکون العذاب للروح لا للبدن ولا یلزم التعذیب بلا معصیۃ (ص ۳۱۰) یہ بات اس صورت میں لازم آتی ہے جب عذاب بدن کا مطلوب ہو اور یہاں عین ممکن ہے کہ عذاب روح کو ہو، نہ بدن کو اور تعذیب بلا معصیۃ لازم نہ آئے۔

اور خیالیؒ نے جو فرمایا تھا کہ دونوں چمڑوں کے اجزاء کے اتحاد کا دعویٰ مسموع نہیں اس پر شجاعؒ نے دلیل یہ دی ہے۔ اذ لا یدل قولہ تعالیٰ کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا علی اتحاد الاجزاء یعنی اس لیے کہ خدا تعالیٰ کا یہ کلام کلما نضجت الآیۃ اتحادِ اجزاء پر دلالت نہیں کرتا (ص ۳۱۰) بلکہ دونوں کھالوں کے درمیان تغایر ذاتی پر دال ہے۔

بیضاویؒ کی تفسیر اور شیخ زادہؒ کی تشریح

بیضاویؒ نے فرمایا یخلق مکانہ جلدا اٰخر والعذاب فی الحقیقۃ .... للنفس العاصیۃ المدرکۃ لا لآلۃ ادراکھا فلا محذور یعنی اللہ تعالیٰ پہلی جلی ہوئی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ دوسری کھال کا تو کچھ گناہ نہیں ہے اسے سزا کیوں دی جائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری کھال کو پیدا کرنے سے غیر عاصی کی تعذیب لازم نہیں آتی کیونکہ درحقیقت عذاب اس عاصی نفس کو ہوتا ہے جو مدرک ہے نہ آلۂ ادراک کو۔ اب اس توجیہ کے بعد اعتراض نہ رہا۔ شیخ زادہ رحمہ اللہ نے اس کی تشریح یوں فرمائی انا سلمنا ان الجلود العاصیۃ قد فنیت بالاحتراق وانہ سبحانہ وتعالیٰ یخلق مکانہا جلودا غیرھا ذاتا الا انا لا نسلم انہ یلزم منہ تعذیب غیر العاصی بناء علیٰ ان المعذب ھو الانسان المستور بالجلد لان الجلد امر زائد علی ذاتہ آلۃ لادراکہ فلا محذور (ص ۴۳) یعنی ہم نے تسلیم کر لیا کہ عاصی کھالیں جل کر فنا ہو چکی ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان پہلی کھالوں کی جگہ ان کے غیر دوسری کھالیں پیدا فرما دیتا ہے لیکن یہ بات مسلم نہیں کہ اس بات سے غیر عاصی کی تعذیب لازم آتی ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ اصل عذاب اس انسان کو ہوتا ہے جو اس کھال میں مستور ہے۔ کیونکہ کھال ذات انسانی سے علیحدہ امر زائد ہے جو ذات انسانی کے ادراک کے لیے آلہ اور واسطہ ہے۔ اب اس جواب کے بعد اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

مترجمین کے تراجم

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے "جس وقت پک جاویگی کھال ان کی، بدل کر دیں گے ہم ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب"۔

سبحان اللہ حضرت احمد سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کشف الرحمٰن میں ترجمہ یوں کرتے ہیں جب کبھی بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کھالوں کی جگہ اور دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔

پھر تسہیل میں لکھتے ہیں کہ "صاحب روح المعانی کا یہی خیال ہے کہ کھال نئی اور دوسری ہوگی۔"

ڈپٹی نذیر احمد صاحبؒ نے یوں ترجمہ کیا "جب ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم اس غرض سے کہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں گلی ہوئی کھالوں کی جگہ ان کی دوسری نئی کھالیں پیدا کر دیں گے۔"

مرزا حیرت نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا "جب ان کی کھالیں آگ سے پک کر جل جایا کریں گی تو ہم ان کی نئی کھالیں سوا ان پہلی کھالوں کے جسم پر بدل دیا کریں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کے مزے کو چکھیں۔

مولینا دریا بادیؒ نے یہ ترجمہ لکھا "جب کبھی ان کی جلدیں پک جائیں گی ہم ان جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا کریں گے تاکہ وہ برابر تازہ عذاب چکھتے رہیں۔"

حضرت مولینا اشرف علی صاحبؒ نے لکھا "جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ عذاب ہی بھگتتے رہیں۔" (کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک نہ رہے اس لیے شبہ قطع کرنے کے لیے یہ سنا دیا۔

مولانا فتح محمد صاحبؒ جالندھری نے لکھا "جب ان کی کھالیں گل اور جل جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔"

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری نے اس طرح ترجمہ لکھا "جس وقت ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں۔"

احمد رضا خاں صاحب نے بھی یہی ترجمہ لکھا "جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں۔"

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے لکھا "جب گل جاویں گے چمڑے ان کے بدل دیویں گے ہم ان کو چمڑے سوائے اس کے تاکہ چکھیں عذاب"

فرمان علی شیعہ لکھنوی نے لکھا "جب ان کی کھالیں جل کر گل جائیں گی تو ہم ان کے لیے دوسری کھالیں بدل کر پیدا کر دیں گے تاکہ وہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھیں۔

مولوی عبدالستار صاحب دہلویؒ نے لکھا جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیویں گے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب" حاشیہ میں لکھا ہم کافروں کو جہنم میں اس طرح عذاب دیں گے کہ جب بدن کا چمڑا ایک گل جل کر گر پڑے گا تو اس کے بدلے دوسرا چمڑا دے دیں گے تاکہ عذاب کو چکھتے رہیں۔

مسند احمد میں ہے جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے کر دیے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے کندھا سات سو سال کی راہ ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ہاتھ ہوگی، کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی۔

ابن کثیر میں ہے کہ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی اور ہر ہر کھال پر علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال بدلی جائے گی۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب دوزخیوں کی کھال جل جائے گی تو ایک دوسری کھال بدل دیں گے جو سفید ہوگی، حضرت عمرؓ سے مرفوعاً ہے کہ ایک ساعت میں سو بار ان کی کھال بدلی جائے گی۔

معارف القرآن مصنفہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ج ۲ ص ۴۴۴ میں ہے بلاشک جو لوگ ہماری آیات واحکام کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے اور وہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ جب ایک دفعہ ان کی کھال آگ سے جل چکے گی تو اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری تازی کھال پیدا کر دیں گے تاکہ ہمیشہ عذاب ہی بھگتتے رہیں (کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک واحساس نہ رہے اس لیے شبہ قطع کرنے کے لیے یہ سزا دیا۔ بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں کہ وہ ایسی سزا دے سکتے ہیں اور حکمت

والے ہیں اسلیے باوجود قدرت کے کہ جلی ہوئی کھال کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں، پھر بھی کسی حکمت سے بدل دیا، جیسے کہ ایک حکمت کا بیان ابھی ہوا ہے۔

ایک مشہور اور اہم سوال

عام طور پر یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ انسان نیک و بد اعمال اس جسم عنصری سے کرتا ہے اور قبر یعنی عالم برزخ میں سزا بھی تو اسی جسم عنصری کو ہی ملنی چاہیے۔ ایسا کیوں ہو کہ نیک یا بد کام تو کرے یہ جسم عنصری اور سزا ملنے کی باری آئی تو جسم مثالی کو۔ "کرے کوئی بھرے کوئی"۔ طویلے کی بلا بندر کے سر۔؟

حضرت نانوتویؒ کا جواب

سو اس کا جواب آپ حجۃ الاسلام محقق اعظم حضرت شیخ شیخی مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کاملۃ وافرۃ سابغۃ بانی دارالعلوم دیوبند کے اپنے الفاظ میں سنیئے!

آپ نے آب حیات ص۱۸۸ میں فرمایا کہ اہل حقیقت کے نزدیک حرکات و سکنات ارادیہ میں جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ رُوح در پردہ کارپرداز حرکت و سکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل قیام حرکت ہے، فاعل نہیں، فاعل حقیقی وہی روح ہے، چنانچہ ضرب و سب و شتم وغیرہ امور جو اعضاء مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں روح کے افعال سمجھے جاتے ہیں، جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے ورنہ انعام اور پاداش میں اعضاء جو مصدر افعال تھے محل اکرام و انعام و مورد عتاب و عقاب ہوا کرتے، حالانکہ سب و شتم کے موقع میں جو افعال لسانی ہیں ایسا اوقات سر پھوڑا جاتا ہے اور دست و پا توڑے جاتے ہیں اور زنا کی سزا میں جو بظاہر فعل عضو مخصوص ہے تازیانوں کی مار کمر پر پڑتی ہے یا پتھروں کی بوچھاڑ سارے بدن پر برستی ہے، علیٰ ہذا القیاس مدح و ثنا یا خدمت دست و پا کی جزا میں تاج پہنایا جاتا ہے، طعام لذیذ کھلایا جاتا ہے۔ اگر فاعل حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم

صریح کہ کرے کوئی بھرے کوئی، جان کوئی گوائے مزے کوئی اڑائے۔ کسی کے نزدیک روا نہ ہوتا حالانکہ اس قسم کی جزا و سزا کے جواز میں متبعان عقل و نقل میں سے کسی کو تامل نہیں، ہاں فاعل حرکات روح کو کہیے تو اس اختلاف محل طاعت و جرم اور مورد جزا و سزا کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ روح کو تمام بدن اور جملہ اعضاء بدن سے ربط و تعلق ہے اور ہر جزو بدن روح کے حق میں مصدر افعال و منبع آثار اور واسطۂ ایصال رنج و راحت اور سبیل حصول آرام و تکلیف ہے، چنانچہ خود جسم کو کاروبار سے کچھ تعلق نہیں، زیر منابع حرکات و سکنات بوسیلہ جسم حبیب پاک روح سے باہر آتا ہے اور رنج و راحت سارے کا سارا خزانہ روح میں جاتا ہے، بدن کو فقط چوبدار یا تحصیلدار سمجھیے، اس سبب سے جس عضو کے وسیلہ سے کوئی فعل صادر ہوگا وہ روح ہی کا فعل ہوگا اور جو انعام و انتقام کسی عضو پر وارد ہوگا وہ روح پردہ نشین ہی پر وارد ہوگا۔ اس صورت میں اگر مصدر طاعت و گناہ کوئی اور عضو ہے تو کچھ مضائقہ نہیں جو مطیع ہے وہی منعم و مرحوم و محمود ہے اور جو عاصی ہے وہی مذموم و معتوب و مطرود ہے۔ مصدر افعال بھی وہی روح تھی اگرچہ کوئی عضو بدن اس کا مظہر ہو، اور مورد انعام و انتقام بھی وہی روح ہے اگرچہ کوئی جزو بدن اس کا مسلک ہو۔

الغرض حقیقت شناسان معانی سخن کے نزدیک فاعل حقیقت میں روح ہے نہ بدن اور متبع حرکات و سکنات ارادیہ جان ہے نہ تن۔ جسم و تن فقط محل قیام حرکات و سکنات اور ایک طرح کا ظرف تحقق ارادیات ہے گو ظاہر بینوں کو فاعل نظر آئے۔ انتہی الی مقام الحاجۃ

معتزلہ کا اعتراض
اور
اہل سنت کا جواب

اور روح کے ادراک و لذت پر معتزلہ کا اعتراض ہے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اگر عذاب و ثواب قبر کے لیے دوبارہ روح لوٹائی جائے تو حیات کاملہ بن جائے

جو قیامت ہی کو ہوگی۔

جواب اہلسنت: اور اب روح جو سکھ یا دکھ کا ادراک کرتا ہے تو اس ادراک کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ روح کا بدن کے ساتھ ادنیٰ سا تعلق ہو خواہ روح آپ ساتویں آسمان کے اوپر ہو یا سجین میں بند ہو اور اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے سورج آپ تو چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کا تعلق زمین کے ساتھ اس طرح کا ہے کہ چوتھے آسمان سے سورج کی شعاع زمین پر پڑتی ہے۔

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ میں فرمایا کہ والجواب انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء (من بدن المیت) او فی بعضھا نوعًا من ادراک الحیوٰۃ مغایرًا لھٰذا النوع الحاصل قبل الموت قدر ما یدرک الم العذاب او لذۃ النعیم (و لیس ھٰذا بعجیب بل قد شھدت النصوص بحیوٰۃ ما نسمیہ جمادًا قال اللہ تعالیٰ وان من شیئ الا یسبح بحمدہ اما تسمیتھا جمادًا و امواتًا فانما ھی بالنسبۃ الی الحیاۃ الحاصلۃ لنا وھٰذا (ای ادراک العلم واللذۃ لا یستلزم اعادۃ الروح فی البدن وھٰذا جواب اشکال اورد ہ المعتزلۃ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ (نبراس ص ۳۲۱، ۳۲۲)

اس جواب پر صاحب نبراس کا اعتراض

مگر اس جواب پر حضرت مولانا عبد العزیز صاحب پرہاروی رحمہ اللہ نے نبراس ص ۳۲۲ میں اعتراض کیا کہ اعادہ روح کی صحیح احادیث موجود ہیں، پھر اعادہ روح کے انکار کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

نیلوی کی تشریح

نیلوی کہتا ہے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ عقائد کے ماہر وہ بھی ہیں جو قبر میں اعادہ روح فی البدن کو نہیں مانتے پھر اس چیز کو امکان کا درجہ دیتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ بدن عنصری

میں اعادۂ روح کے بغیر بھی تمام اجزائے انسانی میں یا بعض اجزاء انسانی میں ایک خاص قسم کی حیات آجائے جو اس قسم کی حیات سے مغایر ہو جو مرنے سے پہلے تھی اور وہ حیاتِ ثانیہ صرف اتنی ہی ہو جس سے صرف دُکھ یا سُکھ محسوس ہو سکے اور بس۔ اور الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ قاعدہ کے مطابق اتنے سے زیادہ ادراک کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ثابت ہے اور اگر بدن میں روح کا اعادہ تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی وہ حیاتِ ثانیہ ہے جو صرف عذاب و ثواب کے ادراک کے لیے ہے اور بس۔ اب اس سے آگے اہل دنیا کی جان پہچان اور ان کے کلام و سلام کے سماع کا اضافہ قدرِ ادراکِ الم و لذت سے زائد ہے جس کے اثبات کے لیے برہان کی ضرورت ہے۔

علم عقائد والے برزخی حیاۃ ضعیفہ مانتے ہیں

نیز علم عقائد والے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ حیاتِ ثانیہ حیاتِ ضعیفہ ہے چنانچہ نبراس ص۳۲۲ میں آیت کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے حیوۃ القبر وان کانت عند السؤال باعادۃ الروح فھی حیاۃ ضعیفۃ نحو ان لا یسمّی زوالھا موتاً یعنی قبر کی زندگی اگرچہ سوالِ نکیرین کے وقت اعادہ روح کے ساتھ ہی ہو پھر بھی وہ حیاتِ ضعیفہ ہے جس کے زوال کا نام موت نہ کہہ سکیں۔

پھر مصنف کے قول "وھذا لا یستلزم اعادۃ الروح فی البدن" کی ایک اور توجیہ فرمائی کہ ممکن ہے کہ مصنفؒ اس عبارت سے معتزلہ کے ایک اور اشکال کے دفعیہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہوں وہ اشکال یہ ہے کہ میت کی حیات کا قول باطل ہے کیونکہ زندہ اور مردہ کے مابین فرق بالکل بدیہی اور واضح ہے تو اس کا جواب اس عبارت سے یوں بنا کہ میت کی حیات دوسرے زندہ لوگوں کی طرح نہیں بایں طور کہ میت کے جسد میں روح کا کامل اعادہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ میت میں روح کا اعادہ ہوتا تو ہے مگر وہ اعادہ ناقص اور ادھورا سا ہوتا ہے یعنی کامل اعادہ میں ظاہری و باطنی حواس

سب کام دیتے ہیں، مگر ناقص اعادہ میں ظاہری حواس کام نہیں دیتے نیز کامل طور پر جسد عنصری میں رُوح کا رپردار تھی تب تو دنیا کے امور کا احساس کرتی تھی اور برزخی امور کا احساس نہ کرتی تھی اب جب اعادہ ناقصہ ہے تو برزخی امور کا احساس کرتی ہے دنیا کے امور کا احساس نہیں کرتی۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ دنیا کے امور کا بھی احساس کرتی ہے زائر کو جانتی پہچانتی ہے کلام سلام بھی سنتی ہے تو اعادہ ناقصہ تو نہ ہوا بلکہ کاملہ بھی نہ ہوا اکمل ہوا کہ برزخ و دنیا ہر دو کا احساس کرنے لگی اُدھر برزخی دکھ بھی محسوس کر رہی ہے وہاں سانپ بچھو وغیرہ کاٹنے کا احساس بھی اسے ہے ماریں کھا رہا ہے، چیخیں مار رہا ہے شور مچا رہا ہے فریاد کر رہا ہے اور ادھر دنیا والے اس کی قبر پر آتے جاتے ہیں سب کو جان پہچان بھی رہا ہے ان کا کلام سلام بھی سُن رہا ہے کیا ایسی حالت ناقصہ ہوتی ہے۔

نوعاً من الحیوٰۃ کا مفہوم

حقیقت یہ ہے کہ نوعاً من الحیوٰۃ (نکرہ سیاق اثبات میں خاص ہوتا ہے) خاص قسم کی حیات یعنی حیاتِ برزخیہ مراد ہے اور وہ تمام اجزاء عرفیہ میں نہیں ہے بلکہ بعض اجزاء میں ہے اور وہ ہیں اجزاء اصلیہ جو ابتداء سے انتہا تک رہتے ہیں اور یہ ظاہری ہاتھ پاؤں منہ کان ناک مراد نہیں کیونکہ انتفاء جزء مستلزم انتفاء کل ہوتا ہے یعنی جزء نہ رہے تو کل بھی نہیں رہتا اور یہ ہاتھ پاؤں منہ کان ناک وغیرہ یہ حقیقی اجزاء نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اندھا، کانا کان کٹا، ناک کٹا، ہاتھ کٹا، پاؤں کٹا آدمی ہی کہلاتا ہے اور یوں بھی نہیں کہ یہ اب آدھا آدمی ہے یا پاؤ آدمی ہے یا آدمی ہی نہیں رہا کیونکہ جزء نہیں رہی تو کل بھی نہیں رہا البتہ روح نکل جائے تب اسے آدمی یا انسان نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ میت ہے، یا فلاں بندے کی نعش (لاش) ہے اگر آدمی کہہ بھی دیتے ہیں تو مجازی طور پر کہتے ہیں۔ باعتبار مالکان کے یا بصورت حذف مضاف کے مثلاً کہتے ہیں کہ اس قبر میں فلاں بندہ دفن ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں بندے کی نعش (لاش) دفن ہے۔ البتہ روح پر انسان یا عبد کا لفظ بولا جاتا ہے، جیسے احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ جب فرشتے

روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو دروازہ کھولنے والے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون ہے؟ (من ھذا) یہ کون شخص ہے تو جن فرشتوں کے ہاتھوں میں روح ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں بیٹا فلاں کا ہے اور اجزاء اصلیہ میں جب روح داخل ہوتی ہے تو اس کا ادراک و شعور بہت زیادہ ہو جاتا ہے اس قدر شعور و ادراک دنیوی حیات میں نہ تھا جس قدر ادراک اور شعور برزخ حیات میں حاصل ہوا۔

حضرت محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا: فوائد شہید اگرچہ ظاہراً مر گیا لیکن اس کی موت عام لوگوں کی موت کی طرح نہیں مرنے کے بعد انسان کی ترقی رک جاتی ہے اس لیے کہ روح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے۔ جب روح کا تعلق بدن سے ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہو گئی مگر شہید کی ترقی برابر جاری رہتی ہے جس عمل میں اس نے جان دے دی اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا وہ اب بھی عمل کر رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک باقی رہتا ہے (بخاری، مسلم) احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دی جاتی ہیں اور جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں، بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا۔ حق تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلے میں ایک دوسرا عنصری بدن اس کی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے بمنزلہ ایک طیارہ کے ہے کہ جس کے ذریعے سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے، اور یہ روح اس نئے جسم میں مدبر اور متصرف نہیں تاکہ تناسخ کا شبہ ہو اس لیے کہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کہ دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کے نشوونما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں متصرف و مدبر ہو

اور ارواحِ شہداء میں یہ بات نہیں۔ اس لیے کہ جس جسمِ طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہوا ہے اس جسمِ طیوری کی روح علیحدہ ہے اور جسمِ طیوری کے نشوونما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں اس کا تعلق پرندہ کی اصل رُوح سے ہے۔ پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور اس میں سوار ہے اور وہ سبز پرندہ مع اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کے لیے سواری ہے۔ خوب سمجھ لو!

تفسیر آیتِ کریمہ

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا

معارف القرآن ج ۷ ص ۶۰۳ میں النار یعرضون کے تحت لکھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آلِ فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح اور شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانا یہ ہے (اخرجہ عبدالرزاق وابن ابی حاتم مظہری) اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو عالمِ برزخ میں صبح و شام اس کو وہ مقام دکھلایا جاتا ہے جہاں قیامت کے دن حساب کے بعد اس کو پہنچنا ہے اگر یہ شخص اہلِ جنت میں سے ہے تو اس کا مقام جنت اس کو دکھلایا جائیگا اور اہلِ جہنم میں سے ہے تو اس کا مقام جہنم اس کو دکھلایا جائے گا۔

یہ آیت دلیل ہے عذابِ قبر کی اور حدیث کی روایات متواترہ اور اجماعِ امت اس پر شاہد ہیں۔

حضرت مولینا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا کے تحت فائدہ لکھتے ہیں: "یہ عالمِ برزخ کا حال ہوا احادیث سے

ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ (تنبیہ) آیت ہٰذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا۔ اس کے بعد حضورؐ کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مؤمنین بھی برزخ میں معذب ہوتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں طیور خضر کے حواصل میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو طیور سود کے حواصل میں داخل کر کے ہر صبح و شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بنا پر ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر خفاجی میں ہے: مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوا النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا الخ کہ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے کیے جاتے ہیں صبح و شام سے مراد یہی دو خاص وقت نہیں بلکہ دوام مراد ہے اس کو محاورہ میں صبح و شام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور آگ کے سامنے لائے جانے سے مراد اس کا دکھایا جانا ہے یا کمتر عذاب ہونا بہ نسبت آخرت کے۔ بعض کہتے ہیں آگ میں داخل ہونا مراد ہے، بولتے ہیں عرضہم علی السیف اذا قتلہم، بخاری و مسلم وغیرہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر میت کو صبح و شام اس کا اصل ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے۔ اگر جہنمی ہے تو جہنم اور جنتی ہے تو جنت اور کہدیا جاتا ہے قیامت کے روز تیرا یہ ٹھکانا ہوگا۔

یہ عالم برزخ کی سزا و جزا ہے جو ارواح کو ہوتی ہے اور یہ سزا بہ نسبت اصلی سزا کے جو قیامت کے روز ہوگی کم ہوتی ہے۔ جیسا کہ قید سے پہلے حوالات ہوتی ہے یہ آیت صاف دلیل ہے کہ مرنے کے بعد عذاب قبر ہوگا اور ثواب بھی جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

متاخرین معتزلہ کا مسلک

برخلاف معتزلہ کے کہ وہ حشر کے روز جزا و سزا ہونا کہتے ہیں اور اس درمیانی زمانہ کو خالی قرار دیتے ہیں بدلیل قولہ تعالیٰ من بعثنا من مرقدنا اس کو خواب کا زمانہ کہتے ہیں۔

اور حنفی صاحبؒ نے اس آیت من بعثنا من مرقدنا کی تفسیر میں لکھا ہے، کفار کو مرنے کے بعد حشر تک قبر میں عذاب ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ اور اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے پھر خواب سے جگا دینا جو کفار کہیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان کے حواس پریشان ہوں گے اس بدحواسی میں وہ قبروں میں رہنے کو خواب سمجھیں گے، یا عذاب حشر کے مقابلہ میں قبر کا عذاب و راحت خواب معلوم ہوگا۔ . . .

ابی بن کعبؓ و ابن عباسؓ و مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ نفخۂ اولیٰ سے لے کر نفخۂ ثانیہ تک کے زمانہ میں ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا تب وہ آرام سے سوتے ہوں گے۔

حضرت عثمانی رحؒ نے کہا شاید نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے گی، یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو اہون سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دیں گے یا مرقد بمعنی مضجع کے ہو اور نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین" کے الباب السادس میں فی فرق الجبریۃ کے صفحہ ۶۹ میں لکھا: الثالثۃ الضراریۃ اتباع ضرار بن عمرو الکوفی وکان فی بدو امرہ تلمیذ الواصل بن عطاء ثم خالفہ فی خلق الاعمال وانکار عذاب القبر الخ یعنی جبریہ کے کئی فرقے ہیں جن میں سے ایک ضراریہ ہے جو ضرار بن عمرو کوفی کے پیرو کار ہیں، شروع میں ضرار شاگرد واصل بن عطاء کا رہا پھر خلق اعمال کے مسئلہ میں اور عذاب قبر کے انکار کرنے میں اس استاذ کے خلاف ہو گیا۔

اتصالِ روحانی کی نظیر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجالس الحکمۃ ص ۱۹۸ میں فرمایا ہے کہ "اب ایک طبی نظیر بھی اتصالِ روحانی اور دوسرے جسم پر روح کی تاثیر کے متعلق عرض کی جاتی ہے۔ وہ نظیر "احتلام" ہے جس کا بیان یہی کیا جاسکتا ہے کہ ——— مرد کو اتصالِ روحانی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اور چونکہ جماع فعل طبعی ہے گویا طبیعت رجل (مرد) کے واسطے مثل جزء کی ہے الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ عورت کے ساتھ اتصال ہوتے ہی فعل طبعی کا وجود ہو جاتا ہے اور عورت کے دیکھنے کو تو خواب و خیال بتلایا جاتا ہے۔ لیکن جسم پر اثر پڑ جاتا ہے کہ لذت محسوس ہو کر خواب میں فعل طبعی کا آخری نتیجہ یعنی انزال متفرع ہو جاتا ہے، یہ اتصالِ روحانی پر جسمانی اثر پیدا ہونے کی نظیر ہے۔

گو نظیر بے ہودہ ہے مگر توضیح مطلب کے لیے ایک نظیر ہے۔

حیاتِ برزخیہ ناقصہ پر حیات کا اطلاق مجازی ہے

نیز احیاکم کے لفظ سے حیاۃ کاملہ مراد لیتے ہو اور یمیتکم کے لفظ سے اگر حیات فی القبر مراد ہے تو وہ حیات آپ ہی کی تصریح کے مطابق حیاتِ ناقصہ ہے نہ کاملہ اور حیاتِ ناقصہ پر حیات کا اطلاق حقیقی نہیں ہے، بلکہ مجازی ہے جس کا آسان نشان یہ ہے کہ اس معنی سے نفی کرنا اس لفظ کا درست ہو سکتا ہے۔ جیسے دادا اپنے پوتے کو بیٹے! کہہ کے پکارتا ہے پھر اگر کوئی پوچھے کہ یہ تمہارا بیٹا ہے تو جواب دے گا۔ میرا بیٹا نہیں ہے یہ میرے بیٹے کا بیٹا ہے۔ میرا پوتا ہے یعنی اس سے نفی بھی کی جاسکتی ہے اور اس کا اثبات بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حقیقی معنی سے نفی کرنا ناجائز ہے۔ مثلاً کوئی باپ اپنے بیٹے کو کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی۔ جو مر چکا ہو اسے برزخی

زندگی کے لحاظ سے ہی کہتے ہیں کہ "فلاں آدمی چل بسا" یعنی اس جہان فانی سے چل کر عالم برزخ میں جا بسا اب مقام برزخ (علیین یا سجین) میں بستا ہے وہی اس کا بسیرا ہے تو اس لحاظ سے زندہ ہوا (کیونکہ بسنا زندوں کا کام ہے، بستی اسی کو کہتے جہاں زندے آدمی بستے ہیں۔ قبرستان کو کوئی بستی نہیں کہتا) گو عالم برزخ میں وہ زندہ ہے مگر اس کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ "وہ مر گیا"۔ بسنے کی نفی ہو گئی، کیونکہ بسنے کے متبادر معنی یہی ہیں، دنیاوی عنصری جسد کے ساتھ بسیرا کرنا۔

اب جب مطلق یحییکم بولا گیا تو مطلق سے مراد فرد کامل ہی ہوتا ہے اور فرد کامل حیات کا وہی ہے جو قیامت کو ہوگی تو اس اصول کی رو سے بھی حیات وہی مراد ہو سکتی ہے جو قیامت کو ہوگی، یہی وجہ ہے کہ علامہ سید آلوسیؒ نے صاف فرمایا:

والمنصف یری ان عذاب القبر ثابت بالاحادیث الصحیحة دون هذه الآیة (روح المعانی ص۴۸/۲۴) اور پہلے پارہ میں اس احیاء سے احیاء قبوری مراد لینے کے متعلق فرمایا وذالک معنی بعید (روح المعانی ص۱۴۷/۱) یعنی یہ معنی حق اور صحیح ہونے سے بعید ہے یعنی صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ انصاف والے کا یہ کام نہیں کہ اس آیت سے عذاب قبر ثابت کرے۔ عذاب قبر تو احادیث صحیحہ متواترۃ المعنی یا مشاہیر سے ثابت ہے اس آیت سے عذاب قبر ثابت کرنا بے انصاف اور ظالم لوگوں کا کام ہے اب آپ کی مرضی انصاف کے حامی بنیں یا ظلم کے۔

علامہ بیضاویؒ کی عادت

علامہ بیضاویؒ نے دو مفہوم بیان فرمائے پہلا مفہوم وہی جو صحابہ کرام رضؓ و تابعین مفسرین نے بتایا ہے اور دوسرا مفہوم حیات فی القبر والا۔ مگر یاد رہے کہ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ جو قول پسندیدہ ہوتا ہے وہ پہلے ذکر فرماتے ہیں اور جو قول ان کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے اس کو بعد میں ذکر فرماتے ہیں اور یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق حیاۃ فی القبر کے احتمال کو مؤخر لائے تو معلوم ہوا

کہ علامہ بیضاوی کے نزدیک حیات فی القبر کا مفہوم ضعیف ہے۔

اب منصف مزاج سمجھ گئے ہونگے کہ علامہ قامع الشرک والکفر قالع البدعات ابن حزم رحمہ اللہ کے قول کو قلت تدبر کا نتیجہ کہنے والا منصف ہے یا ظالم؟ اور معاندین ابن حزمؒ کی بات نصوص قرآنیہ کے خلاف ہوئی یا نہ؟

ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ

صاحب تسکین نے اپنے مفہوم ضعیف کو قوی اور وزنی بنانے کے لیے ثُمَّ کے لفظ پر زور دیا اور فرمایا ثُمَّ تراخی کے لیے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ احیاء اخروی کے بعد متصل ہی خدا کے پاس حساب وکتاب کے لیے لوٹنا ہوگا، لہٰذا لفظ ثُمَّ صریح دلیل ہے اس امر کی کہ احیاء سے مراد (یحییکم میں) وہی احیاء فی القبر ہی مراد ہے۔

الجواب

سلف صالحین جو اہل لسان بھی تھے مجتہد بھی تھے حضورؐ کی صحبت سے مشرف بھی تھے ان کی تفسیر وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس کے علاوہ دوسری توجیہ کو مفسرین نے ضعیف قرار دیا ہے پس وہ قابل توجہ نہیں۔

چند مفید باتیں

میت کو نائم کے ساتھ تشبیہ دینے کی صحیح توجیہ

ہم اس سے پہلے فتح الباری کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ میت کو سونے والے کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں، کیونکہ سونے والے کے رُوح کا تعلق جو بدن سے منقطع ہوتا ہے وہ ظاہری طور پر منقطع ہوتا ہے لیکن مرنے والے کے رُوح کا تعلق بدن سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے نہ ظاہری طور پر تعلق ہوتا ہے نہ اندرونی۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ واقعی حضرت ابن حجرؒ نے یہ صورت اس تنظیر کے صحیح نہ ہونے کی بیان فرمائی ہے یہ بالکل صحیح ہے البتہ اگر میت کو نائم کی نظیر بیان کرنے کی تقریر ایک دوسرے انداز میں بیان کی جائے تو علمائے عقائد کی تنظیر درست بھی ہو سکتی ہے جس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ مثال اور نظیر میں فرق ہوتا ہے۔ مثال میں یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک فرد ہوتی ہے مالہ المثال کا، اور نظیر مالہ النظیر کا فرد نہیں ہوتی اس لیے وجہ فرق کی بھی بیان کرنا ضروری ہوگا۔

علم عقاید کے ماہرین تقریباً الی الفہم میت کا عذاب ثواب سمجھانے کے لیے جو نائم (سونے والے) کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں وہ بہت ہی واضح اور عام فہم ہے یعنی سونے والا پلنگ پر سو رہا ہے اسے خواب آتا ہے اب وہ پلنگ پر پڑا ہوا عالم خواب میں کھاتا پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے، دوستوں سے ملاقاتیں کرتا ہے بولتا ہے ہنستا ہے محفل سجاتا ہے، دوستوں کی باتیں سنتا ہے، ان کی گفتگو کا جواب دیتا ہے کبھی دشمن اس کو دکھائی دیتا ہے وہ ڈرتا ہے اس کو بُرا بھلا کہتا ہے، ڈنڈا تلاش کرتا ہے ڈنڈا لے کر دشمن کے پیچھے دوڑتا ہے اسے مارتا ہے کبھی دشمن اس کو مارتا ہے، کبھی جاتے جاتے جنگلات اور صحرا طے کرتا ہے دریا آجاتا ہے کشتی پر سوار ہو کر دریا پار ہوتا ہے، کبھی اُڑ پڑتا ہے کبھی امریکہ کبھی روس پہنچ جاتا ہے

کبھی بھوک اور پیاس محسوس کرتا ہے یہ سب کچھ عالم خواب میں ہو رہا ہے مگر اس کا جسم برابر پلنگ پر پڑا ہے اس پلنگ کے پاس آکر کوئی اس کو سلام کہتا ہے مگر اس سونے والے کو کچھ علم نہیں کہ کون آیا کس نے سلام کہا پاس سڑک گزر رہی ہے اس پر تانگے، اسکوٹر، بلڈوزر بسیں کاریں وغیرہ سب کچھ ہارن دیتے ہوئے آجا رہے ہیں گاڑیاں وسل دے رہی ہیں، لاؤڈ سپیکر پر اذانیں ہو رہی ہیں مگر یہ برابر پلنگ پر چادر تان کر سو رہا ہے کچھ علم نہیں کہ اذان ہو گئی گاڑی آگئی بسیں کاریں ہارن دے رہی ہیں۔ البتہ جب کوئی زور کا کھڑکا ہو یا اسے کندھے سے پکڑ کر ہلائیں تو فوراً عالم خواب سے نکل کر عالم یقظہ میں آجائے گا اور بیدار ہو جائیگا اب اسے سب شور بھی سنائی دے گا اور سب چیزیں پاس والی اس کو نظر آئیں گی، پلنگ کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھ لے گا۔ اگر اس کو پہلے سے اس کے ساتھ واقفیت اور جان پہچان ہے تو پہچان بھی لے گا۔ مگر یہ عالم یقظہ (بیداری کے عالم) میں ہے اور عالم خواب ختم ہو گیا۔

اسی طرح میت کا دھڑ یہاں دھرا ہے جیسے ہم دیکھ رہے ہیں مگر اس کی روح جسد سے نکل کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے۔ وہاں سکھی روح کھاتی پیتی ہے اُڑتی پھرتی عیش کرتی ہے مزے اُڑاتی ہے اور بد روح ڈرتی ہے آگ میں جلتی ہے گرزوں کی مار کھاتی ہے، سانپوں اور بچھوؤں کی زہروں سے متاثر ہوتی ہے روتی ہے فریاد کرتی ہے اس بندی خانہ سے نکلنا چاہتی ہے مگر کہاں نکل سکتی ہے، یہ سب کچھ عالم برزخ میں اس روح کے ساتھ بیت رہی ہے۔ مگر عالم دنیا کا اسے علم نہیں ہے اس دھڑ کے پاس آکر کوئی بیٹھ جائے یا سلام کرے وہ پڑا ہوا دھڑ نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔

سونے والے اور مرنے والے کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر سونے والے کو جگا یا جائے تو عالم خواب میں نہیں رہتا۔ عالم خواب سے نکل کر عالم یقظہ (بیداری کے عالم) میں آکر دنیا جہان کی باتیں سنتا ہے دیکھتا ہے، اپنے اسی بدن کے ساتھ چلتا

پھرنا اٹھنا بیٹھنا کاروبار کرنا ہے۔ لیکن میت کو اگر جگانا چاہو تو وہ عالم برزخ سے نکل کر پھر عالم دنیا میں نہیں آتا، ہاں اگر اللہ تعالےٰ اس کو اس دنیا پر زندہ کر کے آنا چاہے تو لے آسکتا ہے اس کی قدرت سے یہ امر باہر نہیں بلکہ ایسا ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہوگا۔ دیکھا نہیں ؟ کہ ستر بندے طور پر خدا پاک کی گستاخی کرنے کی سزا میں مر گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا خدا پاک نے سن لی پھر زندہ ہو گئے پھر دنیا میں جی اٹھے، پھر ایک آدمی کو اس کے رشتہ داروں نے ورثہ کی لالچ میں قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی انہوں نے فرمایا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ لگاؤ وہ بھی جی اٹھا۔ اسی طرح ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل جہاد کے ڈر سے اپنے وطن سے نکل بھاگے اللہ تعالےٰ نے فرمایا سب مر جاؤ، وہ سب مر گئے پھر اللہ تعالےٰ نے ان کو زندہ فرما دیا۔ اسی طرح حضرت عزیرؑ یا یرمیاہ سو سال مرے رہے پھر اللہ تعالےٰ نے ان کو دنیا میں زندہ فرما دیا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے باذن الٰہی کئی مردوں کو زندہ کیا وہ اسی دنیا میں دوبارہ زندہ ہوئے پھر مر گئے، اسی طرح مرغ، مور، کوا، کبوتر، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کاٹ کر ان کے ملے جلے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھ دیئے پھر آپ کے بلانے پر وہ سارے پرندے بحکم الٰہی زندہ ہو کر آپ کے پاس پہنچ گئے۔

اور اسی طرح آئندہ بھی ایسا ہوگا کہ دجال، ایک مرد صالح کو قتل کرے گا پھر وہ خدا کے حکم سے زندہ ہوگا پھر وہ دجال اس کے مارنے پر قادر نہ ہوگا، بہر حال بعض اوقات ایسے واقعات کا پیش آنا مشیت ایزدی سے ضابطہ نہیں ہے۔ ضابطہ یہی ہے کہ سونے والے کی روح چونکہ اندر ہی ہوتی ہے نکلتی نہیں ہے اس لیے جگانے سے جاگ جاتا ہے یعنی عالم خواب سے نکل کر عالم بیداری میں آجاتا ہے۔ اور مرنے والے کی روح بالکل ہی نکل جاتی ہے اس لیے حسب قاعدہ قرآنی فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى جگانے سے نہیں جاگتا اور نہ سلام کرنے سے وہ عالم برزخ سے نکل کر عالم دنیا میں آتا ہے اور نہ کسی پاس سے

گزرنے والے کو دیکھتا پہچانتا ہے الا ان یشاء اللہ۔

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بیان القرآن ج ۱ ص ۲۴ میں بالکل سچ فرمایا ہے کہ پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے" کیونکہ تصرف فی الابدان صرف یہی تو نہیں کہ دم چلے نبضیں اچھلیں، اور کھانا ہضم ہو، حواس ظاہرہ و باطنہ کا اپنا اپنا کام کرنا بھی تو تصرف فی الابدان ہی ہے، سننا کان کا عمل ہے، دیکھنا آنکھ کا عمل ہے، پہچاننا دل کا عمل ہے، سلام کا جواب دینا زبان کا عمل ہے، جب میت میں مان لیا گیا کہ وہ زائر کو دیکھ لیتا ہے، اس کو پہچان جاتا ہے، اس کا سلام کلام سن لیتا ہے پھر اس کا واپسی جواب بھی دیتا ہے اور زائر کی آمد پر خوش بھی ہوتا ہے اور اس کی آمد کا منتظر بھی رہتا ہے تو تصرف روح فی الابدان کو تسلیم کر لیا گیا۔ جب یہ بات تسلیم ہو گئی تو قرآن پاک کی آیت صریحہ کی مخالفت ہو گئی۔

اس کی مثال اس طرح ہوئی کہ ایک شخص چادر تان کر پلنگ پر منہ ڈھک کر سو رہا ہے اب وہ کسی خواب میں مست ہے تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہو جاتا ہے مگر برابر پلنگ پر لیٹا ہوا ہے اوپر سے کوئی آکر السلام علیکم کہتا ہے اب وہ لیٹا ہوا زبان سے خفیہ طور پر جواب دیتا ہے جو سلام کہنے والے کو سنائی نہیں دیتا اور چادر کے اندر سے آنکھیں کھول کر آنے والے کو دیکھ بھی لیتا ہے پہچان بھی جاتا ہے تو یہ سب اسی واسطے ہے کہ اس کی روح اس کے بدن میں باقاعدہ تصرف کر رہی ہے حواس ظاہرہ و باطنہ سب اپنا اپنا کام کر رہی ہیں مگر اوپر سے آنے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہ شخص سو رہا ہے مگر دراصل وہ بیداری کے عالم میں ہے۔

دوسرا فرق میت اور نائم میں یہ ہے کہ عالم خواب محض خواب اور خیال ہوتا ہے اور بس! لیکن عالم برزخ خیالی نہیں ہے بلکہ واقعی اور حقیقی ہے۔

ایک حدیث

اکثر لوگوں کی زبان پر یہ حدیث جاری ہے القبر روضۃ من ریاض الجنۃ اوحفرۃ من حفر النیران جس سے تبادر یہی عرفی قبر (گڑھا) مفہوم ہوتا ہے اسی لیے ان کا عقیدہ ہے کہ یہی گڑھا نیکوں کے لیے جنت ہے اور بُروں کے لیے دوزخ یہ حدیث ہی ضعیف ہے باب الاعتقاد میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ صاحب تسکین تبرید النواظر صہ ۱۵ میں ارقام فرماتے ہیں "عقیدہ کے اثبات کے لیے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگرچہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہے تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

تذکرۃ الموضوعات صہ ۲۱۶ میں ہے القبر روضۃ من ریاض الجنۃ اوحفرۃ من حفر النیران للطبرانی والترمذی وسند کل منہما ضعیف اور ملا احمد جند شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ صہ ۱۶۲ میں لکھتے ہیں عن ابی ھریرۃ رض لم یروہ عن الاوزاعی الا ایوب بن سوید تفرد بہ ولدہ محمد عنہ واخرجہ بھذا اللفظ الترمذی من حدیث ابی سعید بسند ضعیف۔

نیز اس حدیث کے معنی یہ نہیں جو آپ نے سمجھے ہیں بلکہ اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کے اسی زعم کو رد فرمایا ہے اس طرح کہ لوگ اسی گڑھے کو قبر سمجھتے ہیں اور تعذیب و تنعیم فی القبر جو برحق ہے اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ اس گڑھے میں ہوتے ہیں کیونکہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جس میں انسان کے دھڑ کو دبا دیا جاتا ہے بلکہ وہ قبر جس میں عذاب و ثواب ہوتا ہے وہ مومن کے لیے علیحدہ مقام ہے یعنی روضۃ من ریاض الجنۃ (البرزخیۃ) اور کافر کے لیے علیحدہ مقام ہے یعنی حفرۃ من حفر النیران (البرزخیہ) انہیں مقاموں کو علیین اور سجین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضور صلعم نے قبر شرعی کی تعریف بیان فرما دی ہے جس میں تنعیم و تعذیب ہوتی ہے اور قبر عرفی میں تنعیم و تعذیب کی التزاماً تردید ہو گئی وھذا ھو الحق

وبہ یقول اہل الحق وبہ ناخذ، والحمد للہ رب العالمین۔

ایک راوی

حسین بن علی بن نجیح الجعفی الکوفی ذکرہ الطوسی من رجال الشیعۃ من الرواۃ عن جعفر الصادق کتاب ۳۰۲ لسان المیزان، یہ راوی عرض صلوٰۃ وسلام علی النبیؐ کے (تسکین ص ۱۶۶ ط ۱ میں، اس کی توثیق بیان ہے حالانکہ شیعہ فرقہ کا معتمد علیہ راوی ہے)

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں شیعہ، معتزلہ و دیگر اہل بدعت کے عقائد و اعمال سے محفوظ رکھے اور اتباع قرآن وسنت کی توفیق دے اور دین کی صحیح سمجھ دے اور راہِ راست سے بھٹکے ہوؤں کو پھر راہِ مستقیم پر آنے کی توفیق اور قرآن وسنت کا پورا عامل بنائے اور کفر وشرک و بدعت کی بو تک ہماری ناک میں نہ آئے۔

قبر عرفی کو غیر مسلم جنت دوزخ سمجھتے تھے

بعض سیاحوں نے لکھا ہے جن میں ایک کا نام احمد بن فضلان ہے جو تیسری چوتھی صدی ہجری کا سیاح جو ابو الفضل جعفر المقتدر باللہ (۲۹۵، ۳۲۰) عباسی خلیفہ کے دور میں ہو گزرا ہے اس نے بھی اپنے سیاحت نامہ روس میں اہل خزر کے حالات لکھے جو بحیرۂ قزین کا علاقہ ہے اس میں یہ بات بھی لکھی ہے۔

ملک خزر کے بادشاہ کو خاقانِ اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جب خاقان اعظم مر جاتا ہے تو اس کے لیے ایک بڑا سا مکان بنایا جاتا ہے اس میں بیس چھوٹے چھوٹے مکانات ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں قبر تیار کر دی جاتی ہے۔ پتھر کوٹ کر سرمہ کی طرح باریک کر لیا جاتا ہے اور اس کو بچھا دیا جاتا ہے اس پر چونا ڈال دیا جاتا ہے تخت کے نیچے دریا رواں ہوتا ہے اس طرح قبر وہ دریا پر بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب کسی آدمی، شیطان، جانور اور کیڑے مکوڑے کا گذر نہیں ہو سکتا۔

دفن کرنے والوں کی گردنیں مار دی جاتی ہیں تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ بادشاہ کو

کہاں دفن کیا گیا ہے۔

قبر کو جنۃ بھی کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ (بادشاہ) جنت میں داخل ہوگیا ہے گھروں میں سنہری دیباج کا فرش بچھا ہوتا ہے (سیاحت نامہ روس از احمد بن فضلان ص ۷۷ و ۷۸)

نیلوی کہتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ زعم تھا کہ اس قبر عرفی یعنی گڑھے کو جسے کسیوں سے کھود کر اپنے بادشاہ خاقانِ اعظم کو دفن کرتے تھے جنت کے ساتھ تعبیر کرتے تھے کہ یہی جنت ہے جیسے آج کل عوام میں یہی مشہور ہے کہ یہی عرفی قبر نیکوں کے حق میں جنت ہے اور بُروں کے حق میں آگ کا گڑھا ہے اور حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران حالانکہ اول تو اس حدیث ہی کی صحت میں بحث ہے جیسے تذکرۃ الموضوعات للفتنی رح میں اس حدیث کو طبرانی و ترمذی کے حوالہ سے لکھ کر فرمایا وسندکل منہما ضعیف (ص ۲۱۶) اور ملا احمد جندیؒ نے شرح عقاید نسفیہ ص ۱۲۶ ج ۱ کے حاشیہ الخ

رسالہ خدام الدین لاہور کے ۷ نومبر ۷۵ء میں ایک مضمون بایں عنوان شائع ہوا تھا اس کو بعینہٖ یہاں لکھ رہا ہوں

شرح معنیٰ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

از افادات حکیم الامت قدس اللہ سرہ و نور اللہ مرقدہ

اس جملہ میں ایسا مضمون سکھلایا گیا ہے جو رنج و غم کی بنیادیں اکھاڑ دیتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی واقعہ سے صدمہ جب ہوا کرتا ہے جب وہ خلاف مرضی واقع ہوا ہو۔ اور کوئی واقعہ خلافِ مرضی جب ہوتا ہے کہ ہم پہلے سے اپنے ذہن میں اس کے متعلق کوئی شق تجویز کر لیں کہ یوں ہونا چاہیے پھر جب اسکے

خلاف دوسری شق ظاہر ہوتی ہے۔ تو وہ ناگوار اور خلاف مرضی ہوتی ہے۔

چنانچہ کسی عزیز کی موت پر کوئی صدمہ اسی لیے ہوتا ہے کہ ہم نے یہ تجویز کر رکھا تھا کہ یہ ہم سے کبھی جدا نہ ہو۔ ہمیشہ پاس ہی رہے، حق تعالیٰ نے انا ربکم میں اس تجویز کا استیصال کر دیا ہے، فرماتے ہیں کہ تم کو یہ مضمون پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ہم خدا کی ملک ہیں، خدا تعالیٰ ہمارے مالک ہیں اور ہم ان کے مملوک ہیں اور مملوک کی ہر چیز مالک کی ہوا کرتی ہے، تو ہماری چیز بھی خدا ہی کی ملک ہے، ---- اس کے ساتھ ایک مقدمہ عقلیہ یہ ملا لو کہ تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے۔ غلام کو کسی تجویز کا حق نہیں، جب تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے تو ہمارا کسی عزیز کی مفارقت پر اس لیے غم کرنا کہ ہم نے اس کے متعلق یہ تجویز کر رکھا تھا کہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے، بڑی غلطی ہے، آپ تجویز کرنے والے ہوتے کون ہیں؟

اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ گھر کی مالکہ نے الماری میں برتنوں کو ایک خاص ترتیب سے رکھ دیا ہو جو ماما کی ترتیب کے خلاف ہے۔ مثلاً مالکہ نے نیچے کے برتنوں کو اوپر رکھ دیا ہے اور اوپر والوں کو نیچے رکھ دیا ہے، اب اس ترتیب کو دیکھ کر ماما نالہ و شیون کرنے لگے کہ ہائے میری تجویز کے خلاف کیوں ہوا؟ تو بتلایئے آپ اس کو احمق کہیں گے یا نہیں؟ یقیناً ہر شخص اس کو پاگل کہے گا، آخر کیوں؟ اس وجہ سے نا کہ تجویز کا حق مالکہ کو ہے۔ ماما کو کسی تجویز کا حق نہیں۔

پھر حیرت ہے کہ آپ کی ادنیٰ سی ملک تو ایسی ہو کہ اس کے سامنے دوسروں کا حق باطل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی حقیقی ملک کے سامنے آپ کی تجویز باطل نہ ہو، یقیناً اگر خدا تعالیٰ کو مالک حقیقی سمجھا جاتا ہے تو آپ کو اور کسی تجویز کا حق نہ ہونا چاہیئے۔

پس سمجھ لیجیے کہ حق تعالیٰ نے عالم کے دو درجے بنائے ہیں آسمان اور زمین، جیسے الماری کے دو درجے اوپر نیچے ہوتے ہیں، جس میں انہوں نے بعض اوراح کو اوپر کے درجے میں رکھا ہے یعنی آسمان میں اور بعض کو نیچے کے درجے میں رکھا ہے

یعنی زمین میں، پھر وہ کبھی اس ترتیب کو بدل کر اوپر کی روحوں کو نیچے بھیج دیتے ہیں اور نیچے کی روحوں کو اوپر رکھ دیتے ہیں اور وہ مالک ہے اس کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے اس میں ہم غلاموں کا اس لیے نالہ شیون کرنا کہ ہائے ہماری تجویز کے خلاف کیوں کیا گیا، حماقت ہے۔

خوب سمجھ لو کہ انتقال کی حقیقت بالکل ایسی ہی ہے جیسے الماری کے ایک تختے کے برتنوں کو نیچے سے اوپر کر دیا جائے اور اوپر سے نیچے کر دیا جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

آدمی مر کر بالکل معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا سے جو کہ نیچے کا تختہ ہے آخرت میں پہنچ جاتا ہے جو اوپر کا تختہ ہے۔

اور یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ مردہ کو مٹی میں گاڑ دیا جاتا ہے اور اس سے شاید کسی کو اس پر یہ شبہ ہو کہ آخرت میں پہنچنے کو اوپر کے تختے پر جانا کیسے کہا گیا؟

تو حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو نہیں گاڑا جاتا، بلکہ ایک بے جان لاشہ اور جمادِ محض کو گاڑا جاتا ہے اور وہ آدمی تھوڑا ہی ہے، وہ تو صورتِ آدمی ہے۔ کیونکہ آدمی اصل میں روح کا نام ہے اور روح کو مٹی میں نہیں گاڑا جاتا بلکہ اس کو اوپر بلا لیا جاتا ہے۔

اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ پھر روح کو جسم میں واپس کر دیا جاتا ہے تو یہ واپسی عالمِ برزخ میں ہوتی ہے۔ اس گڑھے میں نہیں ہوتی۔

قبر حقیقی عالمِ برزخ ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے اور یہ قبر جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے اسی عالمِ برزخ سے ایک قسم کا تعلق رکھتی ہے اس کی حقیقت معلوم نہیں۔

پس حق تعالیٰ اپنی مملوک چیزوں میں تصرف مالکانہ کرتے ہیں کبھی کسی کو نیچے بھیج دیا کبھی کسی کو اوپر بلا لیا، مگر آپ چاہتے ہیں کہ نہیں، سب نیچے ہی رہیں۔

بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر حق تعالیٰ اس کے جواب میں یہ تجویز فرمائیں کہ اچھا پھر ہم بھی اوپر کی روحیں نیچے نہیں بھیجتے۔ تو پھر کیا ہوگا؟ پھر یہ ہوگا کہ سب اوسے نیوسے رہ جائیں گے

کسی کی بھی اولاد نہ ہوگی۔ مگر آپ کو اس پر بھی چین نہیں۔ کسی کے اولاد نہ ہو تو وہ اولاد کے لیے ایسی گرد چھانتے ہیں جس کی حد نہیں۔ یوں تمنا کرتا ہے کہ کچھ ہو جائے چاہے چوہے کا بچہ ہی ہو جائے۔

آپ کی اس تجویز کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی روحیں تو نیچے آتی رہیں مگر نیچے کی روحیں اوپر نہ جائیں۔

صاحب! خدا کی رحمت ہے کہ انہوں نے ہماری اس تجویز کو پورا نہیں کیا ورنہ دنیا میں رہنے کو جگہ بھی نہ ملتی، سوچ لو کہ جتنے آدمی آدم علیہ السلام کے وقت سے اس وقت تک مر چکے ہیں سب زندہ رہتے تو کہاں ٹھکانا ملتا؟ اس وقت ہر شخص اپنے اپنے گھر میں چین سے زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا یہی تو سبب ہے کہ بہت سے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے اوپر بلا لیا ہے ورنہ اگر دادے، پردادے سب زندہ ہوتے تو آج گھروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

پھر سمجھو کہ کسی چیز کے فوت ہونے کا صدمہ جب ہوا کرتا ہے کہ جب اس کا عوض بھی نہ ملے اور اگر عوض مل جائے اور عوض بھی اصل سے زیادہ مل جائے تو غم کم ہو جاتا ہے۔

مثلاً ایک شخص سے پیسہ لیا جائے اور اشرفی دے دی جائے تو اس پیسہ چھننے کا غم نہ رہے گا۔ حق تعالیٰ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن میں اس مضمون پر متنبہ فرمایا ہے کہ مصیبت کے وقت تم یہ سمجھا کرو کہ ہم سب خدا تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں جو رحیم و کریم اور مہربان ہیں جن کی شان یہ ہے وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ کہ تم سے جو کچھ لیتے ہیں اس کا بدلہ بھی دیتے ہیں۔

چنانچہ جن لوگوں کو دنیا سے بلا لیا ان کو تو آخرت میں پہنچا دیا، جس میں مسلمان کے لیے دنیا سے زیادہ راحت ہے۔ تم اپنے مردوں کے ساتھ ایسا برا گمان کیوں کرتے ہو کہ خدانخواستہ وہ جہنم میں گئے ہوں گے۔ جب ان کا خاتمہ اسلام پر ہوا ہے تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ہمارے مردے راحت میں گئے ہیں اس خیال سے صدمہ کم ہو جائے گا کیونکہ اگر ہم دنیا کی راحتیں اس سے چھوٹتی ہوئی دیکھتے ہیں تو آخرت کی راحتیں اس

سے زیادہ پیش نظر ہوں گی، یہ بدلہ تو ان کو ملا اور ہم کو یہ بدلہ ملا کہ عزیز کی مفارقت سے جو طبعی رنج ہوا ہے، حق تعالیٰ اس پر بہت بڑا ثواب دیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسلمان کا لڑکا مرتا ہے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کے جگر کا ٹکڑا چھین لیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں خداوندا۔ خداوند فرماتے ہیں کہ پھر بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ خداوندا! آپ کی حمد کی اور شکر کیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

تو آپ نے دیکھا کہ ایک چیز لے کر آپ کو حق تعالیٰ نے کتنی بڑی چیز دی۔ آخرت میں جب حساب کتاب ہوگا آپ کو اس کی قدر ہوگی، وہاں نہ یہ اولاد کام دے گی جس کے لیے آپ روتے ہیں نہ بیوی اور ماں کام دے گی۔ وہاں ثواب ہی کام دے گا۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِکُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ۔ (وہ وہ دن ہوگا کہ آدمی بھاگے گا اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اولاد سے۔

احادیث میں مصیبت کے ثواب کی بہت تفصیل ہے اس کو دیکھنا چاہیے۔

پس انا للہ وانا الیہ راجعون میں بتایا گیا ہے کہ ہم سب خدا کے پاس جائیں گے اور وہاں ہم کو مصیبت کا اجر ملے گا اور جو مر گئے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کے پاس گئے ہیں جہاں ان کو دنیا سے زیادہ راحت ہے پھر صدمہ کی کیا بات ہے۔

اس مضمون کو ایک بدوی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے تعزیت کے طور پر عرض کیا تھا جب ان کے والد حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا وصال ہوا چنانچہ کہتا ہے۔

اصبر نکن بک صابرین فانما صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس

یعنی آپ صبر کیجیے تاکہ ہم بھی آپ کو دیکھ کر صبر کریں کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑوں کے صبر کے تابع ہوتا ہے۔ اگر بڑے بھی بے صبری کرنے لگیں تو پھر چھوٹوں کا کیا حال ہوگا۔

سبحان اللہ! صبر کی کیونکر تعلیم دی۔ پھر کہتا ہے۔

خیر من العباس اجرك بعده والله خير منك للعباس

آپ کے لیے وہ اجر و ثواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے جو ان کے وصال پر صبر کرنے سے آپ کو ملے گا۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ بہتر ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے ان کو وہ جگہ دی جو ان کے لیے بہتر تھی اور آپ کو وہ چیز دی جو آپ کے لیے بہتر تھی، پھر غم کاہے کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ——— "مجھے اس بدوی سے بڑھ کر کسی نے تعزیت نہیں کی۔

آگے بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مضمون ہے، میں نے اس قدر تطویل اس لیے کی ہے تاکہ مسئلہ کے ساتھ ساتھ حضرت کے نصیحت آمیز کلمات بھی ذکر ہو جائیں تاکہ ان کے ذریعے مجھے بھی عبرت حاصل ہو اور ہر دیکھنے والے کو فائدہ ہو۔ اللہ کرے ہم سب کا خاتمہ بخیر ہو ایمان صحیح کو اپنے ساتھ لے جائیں

تشریح، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

كل نفس ذائقة الموت ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ و تکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لیے بہ طور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔

اس میں یہودیوں اور مسیحیوں کا رد آگیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔

انجیل کے صحیفوں میں ہے: جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی۔ (رومیوں ۵: ۱۲)

گناہ کی مزدوری موت ہے (رومیوں ۶۰ : ۱۳)
خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے۔
(یعقوب ۷ : ۱۵)
یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ میں درج ہے (تفسیر ماجدی ص ۱۰۰ حاشیہ ۳۸۶)
مواہب الرحمٰن پ ۱۴ ص ۱۲۳ میں ہے ہر نفس موت چکھنے والا ہے اور معنی یہ ہیں کہ .... چکھنے والا ہے موت اپنے جسم کی اس واسطے کہ موت اسی جسم کو ہے نفس کو نہیں، اور اگر مرنا بھی تو حالت موت میں کیا چکھے گا۔ کیونکہ چکھنے کے واسطے حیات شرط ہے اور علیٰ ہذا قولہ تعالےٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا کے معنی بھی یہی ہیں کہ حین موت احیاد با۔ کذا قال الکرخی۔
وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝
اور ہم نے آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لیے نہیں بنایا تھا، سو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ ہمیشہ رہیں گے؟ (سو آپ بھی غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اور نہ کوئی اور انسان مدارج قرب میں ترقی کرتے کرتے غیر فانی دیوتا بن سکتا ہے۔
آیت میں تردید ہے، یونان، ہندوستان وغیرہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کہ فلاں فلاں انسان ترقی کرتے کرتے دیوتا بن گیا اور غیر فانیوں کی صف میں شامل ہو گیا۔
تفسیر ماجدی پ ۱۷ صفحہ ۶۶۲) اسی مقام کے ساتھ کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت لکھا۔
ہر ذی حیات کے لیے موت لازمی ہے خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد (ص ۶۶۳
کافر کہتے تھے کہ جب محمدؐ رحلت کر جائیں گے تو اسلام کا زور بھی مٹ جائے گا اور یہ سب تزک و احتشام جاتا رہے گا، جس قدر یہ دھوم دھام ہے انہی کے دم سے ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ تمہاری موت کا انتظار کرتے ہیں لیکن تم انتقال کر جاؤ گے تو یہ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے موت ان کو بھی فنا کر دے گی۔ اور تمہارے انتقال سے اسلام کیوں نابود ہونے لگا۔ وہ تمہاری ذات سے وابستہ نہیں ہے کہ جب تک

تمہاری حیات ہو تب تک اس کی ہستی ہو، وہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی فنا نہیں ہوگا اور حقیقت میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد گھٹا نہیں بلکہ روز بروز بڑھتا گیا اور تمام عالم میں پھیل گیا اور قیامت تک قائم رہے گا۔

تشریح: فَاقِبَرَہٗ

فاقبرہ کی تفسیر میں حقانی رح نے لکھا ہے اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں قبر شرع میں عالم برزخ کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جائے یا آگ میں جل جائے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہی بہر حال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے وہاں اس کو عذاب و ثواب بھگتنا پڑتا ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے تناسخ کے طور پر یا کسی اور طرح سے، پھر اس جہان میں نہیں آتا۔ جیسے ماں کے پیٹ سے نکل کر بار دگر اس میں نہیں جاتا، عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔

تمام بحث کا ماحصل

مسلم، بخاری، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان، ابن ابی عاصم، ترمذی، نسائی طیبی، قاضی عیاض، ابن دحیہ، ابن بطال عینی وغیرہ علمائے محدثین کے حوالوں سے حضرات صحابہ کرام رض عبداللہ بن مسعود رض اور دیگر بارہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک آدمی جب دنیا سے انتقال کر کے عالم برزخ میں پہنچتا ہے جسے احادیث میں قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس کی روح سبز پرندوں میں رہ کر بڑی آزادی کے ساتھ جنت کی سیر کرتی ہے جہاں چاہتی ہے اڑتی پھرتی ہے، کھاتی پیتی، عیش کرتی ہے اسے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اور عرش کے نیچے روشن قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

اور ابن دحیہ، عبداللہ بن مبارک، شیخ ابراہیم کورانی، علامہ سید آلوسی رح

ابن قیم طیبی، شیخ عزالدین، سعید، ابن جبیر، شعرانی، وہب بن منبہ، تفتازانی، قاسمی ملا علی قاری، نیشاپوری، خازن، امام ربانی، قاضی پانی پتی، رازی، بیضاوی، تھانوی وغیرہ محققین کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ ان کو اس عالم میں برزخی اور مثالی اجسام ملتے ہیں۔

اور قرطبی، رازی، جصاص، نیشاپوری، خواجہ زادہ، شعرانی، ابن ہمام، شامی وغیرہ کے حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ بدن عنصری میں سے اس کے اجزائے اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں، جنہیں اجزائے لا یتجزیٰ کہتے ہیں اور وہ نظر نہیں آتے اور اول عمر سے اخیر عمر تک بدستور موجود رہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے، عالم برزخ میں بدن عنصری کے انہیں اجزاء اصلیہ اور روح کو دکھ سکھ محسوس ہوتا ہے۔ اہل دنیا کو اس لاش کو مارنا یا خوشبو وغیرہ کا استعمال یا ان اعضاء کا پوسٹ مارٹم کرنا اس برزخ میں پہنچے ہوئے کو کچھ محسوس نہیں ہوتا، اسی طرح دوسرے تمام حواس دنیا کے امور میں سے کسی کا احساس نہیں کرتے۔

اور شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالحق، محمد ابراہیم، محمد احسن سنبھلی، خواجہ زادہ، حضرت تھانوی، نواب قطب الدین، حقانی، مفتی اعظم ہند، شعرانی، اسد الرحمن، محمد عیسیٰ، ابن قیم، سید سلیمان ندوی، محمد ادریس کاندھلوی، شبیر احمد عثمانی، وحید الزمان امام طحاوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، عبدالماجد دریابادی، شیخ الہند، محمد منظور نعمانی، محمد طاہر قاسمی، محمد نجم الغنی، مفتی محمد شفیع، عبدالرحمن سلہٹی، سعید بن نبہان حضرمی، صاحب تفسیر مرادیہ وغیرہ محققین و مدققین کے حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ انسان کی شرعی قبر وہی عالم برزخ ہے یہ انسان کا کھودا ہوا گڑھا نہیں ہے اور برزخ وہ مقام ہے جو عالم عناصر سے بالاتر ہے اور اتنا وسیع ہے کہ یہ عالم دنیا اس کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ عالم بطن (پیٹ میں بچہ کے رہنے کا مقام) عالم دنیا کے مقابلے میں ہے اور یہ قبر یعنی برزخی مقام وہ ہے جسے خود اللہ پاک نے قبر سے تعبیر فرمایا اور فرمایا کہ ہر انسان کو پہلے بھی میں کرتا ہوں اور موت بھی میں دیتا ہوں اور پھر فوراً ہی مرنے کے بعد اس کو

قبر میں بھی میں لے جاتا ہوں ان تمام امور میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ برزخ میں سے مقام علیین ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے جو نیک روحوں کا ٹھکانا ہے اور مقام سجین ساتوں زمینوں سے نیچے ہے جو بد روحوں کا ٹھکانا ہے اور یہی علیین، سجین قبر ہے اور یہی عالم مثال جس کا تواتر کے ساتھ احادیث میں ذکر آتا ہے اور قرآن شریف میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اور آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب بدن عنصری سے روح نکل جاتی ہے تو تا قیامت اس کا ٹھکانا علیین یا سجین ہی رہتا ہے، واپس بدن عنصری کی طرف نہیں آتی حتیٰ کہ قیامت کے دن وہ روحیں اسرافیلؑ کے صور پھونکنے سے واپس بدن عنصری کی طرف لوٹ آئیں گی اس سے پہلے روح نہ بدن عنصری میں داخل ہوتی ہے اور نہ اس بدن اور کفن کے مابین رکھی جاتی ہے اور نہ بدن عنصری کو جھانکتی ہے نہ اس پر اپنی روشنی ڈالتی ہے البتہ وہ روح اپنے بدن کے ساتھ اُنس رکھتی ہے اور ایصال ثواب برحق ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شبیر احمد عثمانی، عبدالماجد دریابادی سحبان الہند، مفتی محمد شفیع، مفتی عزیز الرحمٰن، شیخ زادہ، تھانوی، سیوطی، امام عبدالعزیز عکرمہ، رازی، ابوالسعود، آلوسی، ضحاک، عطا، بغوی، سب نے صحابہ کرام رضؓ کی تفسیروں کے حوالے سے یہی تحریر فرمایا، گولڑہ والے پیر مہر علی شاہ گولڑوی نکیرین کے وقت بدن عنصری کی طرف عودِ روح کے قائل ہیں، گو اُن کا یہ قول خلاف تحقیق ہے مگر اس کے بعد صاف لکھتے ہیں کہ یہ تعلق بھی باقی نہیں رہتا۔

اور براء بن عازبؓ کی حدیث جس میں اعادہ روح کا ذکر ہے وہ خبر واحد ہے آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ خود دوسری اس حدیث کے خلاف ہے جسے براء بن عازبؓ خود روایت کرتے ہیں اور وہ روایت اعادۂ روح والی حدیث سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ اس حدیث کو امام بخاریؒ وغیرہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی تالیفات میں ذکر کیا اور اعادہ روح والی حدیث کو یہ مقام حاصل نہیں۔ اب اس حدیث کو متواتر کہنا صریح غلط ہے اور جن علماء کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ تواتر کے قائل ہیں وہ کسی کی

دسیسہ کاری ہے، ورنہ اتنے محقق علماء ایسی بودی بات نہیں کہہ سکتے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب اشاعرہ کی بہت بڑی جماعت اور حنفیہ حضرات جب عود روح کے قائل ہی نہیں تو یہ بزرگ ہستیاں کیونکر تواتر کا قول کر سکتی ہیں اور اگر تواتر ہوتا تو مسلمانوں میں چھ مذہب کیونکر بن جاتے۔ پھر تواتر کے ہوتے ہوئے اکابر اہل سنت کی کثیر تعداد اشاعرہ و حنفیہ کیونکر عودِ روح کا انکار کر سکتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی دشمن نے ابن تیمیہؒ جیسی ہستیوں کی طرف عودِ روح کے تواتر کو غلط منسوب کر دیا۔

اور جس حدیث میں آتا ہے کہ مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے سو اس کی جو توجیہ علامہ ابن ہمام جیسوں نے کی ہے اس پر خود ان کو اطمینان نہیں اس لیے "اللّٰھم الا" فرما کر اس جواب کے ضعیف ہونے کی طرف خود ہی اشارہ فرما گئے اور اس کا جواب صحیح وہ ہے جو ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے دیا ہے کہ اس کا مقصد قرب اور عجلت بتانا ہے۔

ازالۃ الخفاء عن حیوۃ الانبیاء

الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین الحی القیوم عالم الغیب والشہادۃ علام الغیوب و ستار العیوب وغفار الذنوب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول الملک القدوس السلام المؤمن المہیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق البارئ المصور ولہ الکبریاء فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم لہ ملک السموت والارض یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شیئ قدیر ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل وھو علیم بذات الصدور وخلق الانسان من صلصال کالفخار ثم جعل نسلہ من سلٰلۃ من ماء مہین ثم من نطفۃ فی قرار مکین ثم من علقۃ ثم من مضغۃ ثم عظام ثم کسا العظام لحما ثم یقرر فی الارحام ما یشاء الیٰ اجل مسمی ثم یخرجہ طفلا میسرا سبیلہ وجعل لہ السمع والابصار والفؤاد وسخر لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وسخر الشمس والقمر دائبین وسخر لہ اللیل والنہار واسبغ علیہ نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ، علم القرآن والبیان وعلم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم وھو الرؤف الرحیم الحلیم الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید وھو الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا وھو الذی جعل لہ اللیل لباسا والنوم سباتا وجعل النہار نشورا وھو الذی قال فی کتابہ واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین وقال لابراھیم اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین

وقال کل نفس ذائقة الموت وقال وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مت فهم الخالدون وقال تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم، وقال تعالیٰ انك میت وانهم میتون وقال تعالیٰ او کالذی مر علیٰ قریة وهی خاویة علیٰ عروشها قال انی یحیی هٰذه الله بعد موتها فاماته الله مائة عام ثم بعثه قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائة عام وقال تعالیٰ ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰهك، وقال تعالیٰ ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینٰت فما زلتم فی شك مما جاءکم به حتیٰ اذا هلك قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا وقال تعالیٰ اعملوا اٰل داؤد شکرا وقلیل من عبادی الشکور فلما قضینا علیه الموت ما دلهم علیٰ موته الا دابة الارض تاکل منسأته فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المهین وقال تعالیٰ کل شیء هالك الا وجهه وقال تعالیٰ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام

والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله ونبیه وحبیبه وخلیله سیدنا وسید الانبیاء والمرسلین افضل الرسل وخاتم النبیین ولو کان موسیٰ حیا و ادرك نبوته لما وسعه الا اتباع هٰذا النبی الکریم الذی قال قبل وفاته الشریف لعن الله الیهود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد وقال اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد وقال اللهم الرفیق الاعلیٰ مع النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا وقال لرفیقیه من الملائکة اذا رأی منزله الکریم فی رؤیاه دعونی ادخل فیه فقال له علیه السلام انه قد بقی عمرك ولو استکملت

عمرك لدخلت منزلك وقال لعلى لا ارا كم بعد عامى هذا

ورضوان الله تعالى على آله واصحابه الطيبين الطاهرين العالمين المجتهدين العاملين الكاملين الذين شادوا الدين القويم وسادوا و بلغوا الدين فى الآفاق ولم يألوا فى اشاعة الاسلام

ورحمة الله على ابى حنيفة وتلامذتهم من الفقهاء والمحدثين والمفسرين والمتكلمين الى يوم الدين

بسم الله الرحمن الرحيم

حمد ثنائے حق عزوجل وعلا کے بعد اور صلوٰۃ وسلام حضرت خاتم النبیین امام الرسل وشفیع المذنبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل واصحاب پر بھیجنے کے اور امام ابوحنیفہ وتلامذتہ ودیگر مجتہدین فقہاء ومحدثین ومتکلمین کے لیے دعائے رحمت کے بعد احقر الثقلین محمد حسین صانہ اللہ عن الشین والمعاصی کلہا سیما الکفر والبدع والمین، آپ ناظرین کی خدمت میں عارض ہے کہ اس دورِ فتن میں جو مذہبی تماشا آپ دیکھ رہے ہیں اور آپ شور سے تنگ آچکے ہیں میں بھی اس سے سخت تنگ آچکا ہوں مگر کیا کیا جائے اظہارِ حق بھی اہلِ حق پر فرض ہے اور خطا وثواب کے مابین امتیاز بھی اہم اور ضروری ہے ورنہ الساکت عن الحق کو شیطان اخرس کا لقب ملتا ہے اور کتمان حق کے سبب لعنت کا طوق گلے میں پڑتا ہے اور من رأ منکم منکرًا کو تغییر منکر کا حکم ہے ورنہ رفتہ رفتہ اضعف الایمان تک نوبت پہنچے گی جس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں بلکہ سلب ایمان کا خطرہ عظیمہ ہے جس کی وجہ سے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خسران مبین ضلال بعید، عذاب مہین میں پڑا رہتا ہے۔

آریہ دھرم، ہندو دھرم، سکھ، برامہ سماج، شاستری، جینی، زردشتی، پارسی مجوسی، عیسائی، یہودی، دہریہ، سوشلسٹ، نیچری، بہائی، بابی، اسماعیلی، آغاخانی، مرزائی، روافض، پرویزی، چکڑالوی، دنہ شاہیہ، امام شاہیہ، ایم ٹی، علی شاہیہ

السابقون، رضائیہ، روحی، سیالویہ، ذکریہ، صدیق چن بشوریہ، بیکانیریہ، مہدویہ اوران کے علاوہ خدا جانے کتنے فرقوں نے آزادی کے زمانہ میں جنم لیا اور اب تک حکومتوں کے سایہ میں پل رہے ہیں اور خوب پھل پھول رہے ہیں اور اہل حق ہر جگہ مظلومانہ وضیقانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور حدیث بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا کا نقشہ اب اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے اسلام واقعی اس وقت ہر جگہ بے یار و مددگار ہے، اور دوسرے مذاہب کی خوب آبیاری وحفاظت کی جارہی ہے اور نئے نئے انداز پر مختلف رنگوں میں لوگوں کی نظروں میں مزین کرکے باطل نظریات وفاسد عقاید کو پیش کیا جارہا ہے، نامعلوم یہ دور کب تک رہے گا۔

دوسرے فتن جو تھے سو تھے ہم بھی ہاتھ دھو کر ان کا تعاقب کر ہی رہے تھے تصنیف وتالیف کی صورت میں، مناظروں کی صورت میں، مگر اب افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم ہی آپس میں پھوٹ گئے ہیں، ایک فریق نے ایسی ایسی باتیں قلم اور زبان سے نکالنی شروع کردی ہیں جن سے مذاہب باطلہ اپنا مطلب نکالنے کے بعد عوام کو دھوکہ دینے میں بڑی سہولت سے کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ کسی تاویل سے اس قول کی تصحیح ہو سکتی ہے مگر اہل باطل تو مطلب برآری کرکے کفر وشرک کی دلدل میں گرا دیتے ہیں ایسے ہی امور کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہیں فرمایا تھا کنا نری السکوت عن ھذا قبل ان یخوض فیہ ھؤلاء فلما اظہروہ لم نجد بدا من مخالفتہم (طبقات حنابلہ ج ۱ ص ۱۳۳) یعنی ان معتزلیوں کے مشغلہ بنانے سے پہلے ہم اس مسئلہ میں خاموش رہنا ہی مناسب سمجھتے تھے لیکن اب جب انہوں نے اس مسئلہ کو عوام میں اور حکومت میں پھیلانا شروع کردیا اس لیے ہمیں ان کے خلاف قدم اٹھانے کے سوا اور صورت نظر نہ آئی اور مقابلہ کے لیے میدان میں نکلنا ضروری سمجھا۔

ہمارا اور ہمارے مشائخ عظام کا اصول یہ ہے کہ جو مسئلہ ہمارے سامنے متنازع فیہ ہوگا تو اس کو ادلہ اربعہ کے سامنے رکھیں گے بشرطیکہ وہ فروع کے قبیل سے ہو اور اگر عقیدہ کے قبیل سے ہو تو قطعیات کے معیار پر تولیں گے اور یہی اصول صحابہ کرام رضی

معمول بہ رہا ہے۔ چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الانصاف ص ۳۸ میں میمون بن مہران کی روایت لکھی ہے کہ امام ابوبکر رضؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ والا آتا تو قرآن میں دیکھتے، اگر قرآن میں باہمی فیصلہ کا حکم پاتے تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے اور اگر قرآن میں نہ ہوتا اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہوتی تو اس کے موافق حکم کرتے اور اگر دونوں دلیلوں سے عاجز ہوتے تو باہر نکل کر مسلمانوں سے پوچھتے اور فرماتے کہ میرے پاس فلاں معاملہ آیا ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول خداؐ نے اس باب میں کوئی حکم فرمایا ہے بعض اوقات ان کی خدمت میں بہت لوگ جمع ہو جاتے ہر ایک ان میں سے اس معاملہ میں حکم رسولؐ بیان کرتا۔ امام صدیق رضؓ فرماتے شکر خدا کا جس نے ہم میں ایسے لوگ بنائے جو ہمارے پیغمبرؐ کے احکام یاد رکھتے ہیں اور اگر اس بات سے بھی عاجز ہوتے کہ اس معاملہ میں حضورؐ سے ملے تو چیدہ چیدہ علماء کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے جب ان کی رائے کسی بات پر متفق ہوتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔

قاضی شریح سے مروی ہے کہ حضرت امام عمر رضؓ نے انہیں لکھا کہ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو قرآن میں ہے تو قرآن کے مطابق حکم کرنا اور لوگ تم کو اس بات سے منحرف نہ کریں اور اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو قرآن میں نہ ہو تو حدیث رسولؐ کو دیکھنا اور اس کے مطابق حکم کرنا، اور اگر ایسا مسئلہ تمہارے پاس آئے جو نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں تو جس بات پر لوگوں کا اجماع ہو اس کو دیکھ کر اس کے مطابق حکم کرنا۔ اگر ایسا مسئلہ ہے جو نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ تم سے پہلے کسی نے اس بات میں کلام کیا تو دو باتوں میں سے جو تمہیں چاہو پسند کرو چاہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کر کے اس کے موافق عمل کرو اور چاہو تو دیر کرو اور میں تمہارے حق میں دیر کرنا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم پر ایک ایسا وقت گزرا تھا کہ ہم حکم نہ کرتے تھے اور نہ اس لائق تھے (کیونکہ خلیفتین ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کے سامنے یہ قابلیت

نہ تھی کہ ہم کسی مسئلہ میں حکم کرتے) اور خدا نے ہماری تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ ہم اس مرتبہ تک پہنچے جس پر تم دیکھتے ہو تو آج کے بعد جس کسی کے سامنے کوئی جھگڑا پیش ہو تو اس میں قرآن کے مطابق حکم کرے اگر اس کے سامنے ایسی صورت آئے جو قرآن میں نہ ہو تو رسولِ خدا نے جو حکم کیا اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر وہ معاملہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں تو جو علماء صالحین نے فیصلہ کیا اس کے مطابق فیصلہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں تجویز کرتا ہوں کیونکہ حرام بھی ظاہر ہے اور حلال بھی ظاہر ہے اور جو چیزیں ان کے بیچ میں ہیں ان میں شک و شبہ ہے تو جن باتوں میں تجھے شبہ ہو چھوڑ دے اور جن میں شبہ نہ ہو وہ اختیار کر۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی اور قرآن میں ہوتی تو بتا دیتے اگر قرآن میں نہ ہوتی اور حضورؐ سے روایت ہوتی تو اس کے مطابق بتا دیتے اور اگر حدیث میں بھی نہ ہوتی تو عمرین کے اقوال سے جواب دیتے اور اگر ان کے اقوال میں بھی نہ ملتی تو اپنی رائے سے بتاتے۔

اوزاعی نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا کہ قرآن کے حکم میں کسی کی رائے کا اعتبار نہیں بلکہ ائمہ کی رائے صرف اسی صورت میں ہے کہ جس میں قرآن نازل نہ ہوا ہو اور نہ رسول اللہؐ کی حدیث اس میں وارد ہو اور جس سنت کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے اس میں کسی کی رائے کا اعتبار نہیں۔

قتادہؒ نے کہا کہ ابن سیرین نے ایک آدمی سے بیان کی حدیثِ نبیؐ، اس آدمی نے کہا کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا۔ ابن سیرین نے کہا کہ میں تجھ سے رسول اللہؐ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ فلاں نے ایسا کہا۔

عبداللہؓ بن عباسؓ، عطاؒ، مجاہدؒ، مالکؒ بن انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ بجز ذاتِ رسول اللہ کے کوئی ایسا نہیں کہ اس کی کچھ باتیں اختیار کی جائیں اور بعض باتیں نہ مانی جائیں، حضورؐ کی ہر بات ماننا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اصل قرآن و حدیث ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو ان دونوں

پر قیاس کرتا ہے اور جب حدیث نبی ﷺ سے متصل ہو اور اس کی اسناد حضور ﷺ سے صحیح ہو تو وہ سنت ہے اور اجماع خبر مفرد سے بڑھ کر ہے اور حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہے اور جب بہت سے معنوں کا احتمال رکھتی ہو تو ان میں سے جو ظاہر حدیث کے زیادہ مشابہ ہو وہ معنی سب معنوں سے اولیٰ ہیں الخ

عقد الجید ص ۳۶ میں امام الہندؒ نے شیخ عز الدین بن عبد السلام کا قول نقل فرمایا ہے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تقلید کرنے والے فقیہوں میں سے ایک شخص اپنے امام کی سند کا ضعف اس طرح جانتا ہے جیسے ٹال نہیں سکتا پھر بھی اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کیے جاتا ہے اور جس مذہب پر قرآن و حدیث اور قیاس صحیح شاہد ہوں ان کو اپنے امام کی تقلید پر جمے رہنے کی وجہ سے ترک کرتا ہے بلکہ ظاہر قرآن اور حدیث کے ٹالنے کا حیلہ کرتا ہے اور اپنے امام کی طرفداری کے لیے ظاہر معانی کی تاویلیں بعید از عقل اور محض نکمی کرتا ہے۔

عقد الجید ص ۵۳ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب تم کوئی قول کہو اور قرآن اس کے مخالف ہو، تو امام نے کہا کہ قرآن کے مقابل میں میرا قول چھوڑ دو، پھر پوچھا گیا کہ جب حدیث خبر رسول اللہ ﷺ تمہارے قول کے خلاف ہو تو کہا حدیث کے مقابل بھی میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا کہ اگر صحابہؓ کا قول اس کے خلاف ہو، تو کہا میرا قول صحابہؓ کے قول کے مقابل بھی چھوڑ دو۔

اور ص ۵۴ میں امام شافعیؒ کا قول نقل ہے کہ جب تم کو کوئی حدیث ایسی پہنچے جو میرے مذہب کے مخالف ہو تو اس حدیث کا اتباع کرنا اور حدیث کو میرا مذہب جاننا۔

نیز دار کی کا واقعہ لکھا ہے کہ لوگ ان سے فتوے پوچھتے تھے بسا اوقات شافعیؒ و ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مخالف فتویٰ دیتے لوگ کہتے کہ یہ فتویٰ دونوں کے مذہب کے خلاف ہے تو جواب دیتے تمہارا برا ہو یہ فتویٰ حدیث نبویؐ کے موافق ہے اور حدیث کا حکم ماننا بہتر ہے امامین کا قول اختیار کرنے سے۔

ص ۸۱ میں ہے امام شافعیؒ فرماتے تھے کسی کے کلام میں حجت نہیں بجز قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ کہنے والے بہت ہوں اور نہ کسی قیاس میں اور نہ کسی دوسری چیز میں حجت ہے اور تم پر اتباع خدا و رسول انقیاد کے ساتھ واجب ہے۔

امام احمدؒ فرماتے تھے خدا اور رسولؐ کے حکم کے ساتھ کسی کو کلام کی کچھ گنجائش نہیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ عہدِ حاضر میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر چیز میں ملاوٹ کرنے میں دنیا بڑی ترقی اور عروج میں جا رہی ہے کوئی ملاوٹ سے خالی نہیں آٹے میں ملاوٹ گھی میں ملاوٹ دودھ میں ملاوٹ وغیرہ اور پیوند کرنا ایک کمال جو پھل ہے سبزی ترکاری ہے اس میں پیوندکاری ہے اور دنیا کثرت کی طالب ہے۔ چیز کثرت سے ہو خواہ ناقص ہو مضر صحت ہو کمزور بنا دینے والی ہو اور مہلک ہو

حتیٰ کہ یہ سلسلہ عہدِ حاضر کے علماء میں دیکھا کہ دینِ حق میں ملاوٹ کرنے میں بڑے ماہر ہیں اور اپنی بات کو عوام میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان کی ملاوٹ شدہ بات کو اور ملمع مذہب و دین کو صحیح خالص اور سچا مذہب سمجھ کر ان کے پیرو ہو جاتے ہیں اور ان کی باتوں نغموں اور سُروں پر لٹو ہو جاتے ہیں اور اپنا مال جان ان پر قربان کر دیتے ہیں اور جو اہلِ حق ان کو سمجھانا چاہیے تو اسے بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں، مارتے ہیں گالیاں دیتے ہیں عوام کو ان سے متنفر کرتے ہیں اور ان کو مساجد سے نکال کر خود قبضہ کر لیتے ہیں اور عوام بے علم ہوتے ہیں وہ انہیں کے ساتھ ہیں جو خوش آواز ہو ایکٹر ہو کسی دوسرے کے خلاف بولے اور تعلّی کرے۔

جس طرح ناچ گانے، فحاشی بے حیائی کا اس ملک میں دور دورہ ہے ٹیلی ویژن میں غیر ملکی گانے اور ناچ سُنائے دکھائے جاتے ہیں، خصوصاً وی سی آر اور ان چیزوں کے فوائد بیان کیے جاتے ہیں، اور اغوا چوری ڈاکہ، فحاشی کے کرتب بتائے جاتے ہیں اور ملاوٹ و پیوندکاری کے فوائد سمجھائے جاتے ہیں، اسی طرح مذہب حق کو مٹانے اور سنت نبویہ کو مسمار کرنے کے لیے باطل مذہب والے چھوٹے ہوئے ہیں سنگھار الستاند و سگھار اکشاوہ اند کے مصداق اہلِ حق کی زبانوں پر تالا لگایا گیا ہے

تاکہ قرآن وسنت کی آواز ہمارے کانوں تک نہ پہنچے اور اہلِ باطل کی زبانیں کھلی ہیں وہ بولتے ہیں جو ان کے دل میں آتا ہے، کسی نے کہا ہے برعکس نہند نامِ زنگی کافور، قرآن و سنت بیان کرنے والا گستاخ سمجھا جائے گا اور باطل اور من گھڑت حدیثیں، بے سر و پا قصے کہانیاں، افسانے، مرثیے، شعر اشعار، خوابیں بے سند کرامتیں وکشف والہام بیان کرنے والے اور صحابہ کرامؓ پر تبرا بولنے والے اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ مجتہدین وفقہاء ومتکلمین ومحدثین ومفسرین پر زبان طعن دراز کرنے والے آزاد ہیں انہیں کھلی چھٹی ہے جو چاہیں تحریراً وتقریراً کہتے پھریں اور قوم عوام بھی دل کھول کر ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ہر طرح سے ان کا تعاون کرتی ہے۔

اب پندرھویں صدی ہے اس میں اہلِ حق پر اور زیادہ ناگزیر حالات واقع ہو رہے ہیں جو لوگ کبھی قرآن وسنت سن بھی لیتے تھے اب ان کی یہ حالت ہے کہ ان دین فروشوں کی باتیں سن سن کر اس قدر متاثر ہو گئے ہیں کہ جب بھی ان کو قرآن وسنت کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ بیٹھ کر تھوڑی دیر سن لیں اٹھ کر یہ کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں کہ دوسرے مولوی کوئی پوتھیاں تو نہیں پڑھتے، کیا تمہارا علم ان سے زیادہ ہے یا تم ان سے زیادہ عقلمند ہو، تم زیادہ سمجھدار ہو یا ہمارے اکابر۔ اسی طرح اس قسم کے مسکت جواب دے کر چپ کرا دیتے ہیں۔

اب اور فرق باطلہ تو رہے درکنار جو مسلک حق پر چلنے والے تھے شیطان ان کے مابین بھی پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہوا۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مورد نزاع نہیں مدت سے مورد نزاع بنا ہوا ہے، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے باشندگانِ ہند کو سمجھانے کے لیے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب بزبان اردو لکھی تھی تو انگریز کے آلہ کار لوگوں نے اس کے خلاف بے شمار کتابیں لکھیں، کچھ اردو میں کچھ فارسی میں کچھ پشتو میں کچھ سندھی میں کچھ بنگالی میں،

عوام میں حق و باطل کے درمیان تمیز کہاں وہ تو اتنا سمجھتے ہیں کہ خدا برحق، رسول برحق، کتابیں برحق، فرشتے برحق، مر کر پھر زندہ ہونا برحق وہاں کا حساب کتاب برحق

حضورؐ کا فرمان برحق، صحابہؓ برحق، مجتہدین برحق، ان کا اجتہاد برحق، دوزخ برحق، قبر کا عذاب ثواب برحق اللہ اللہ خیر سلا۔ نماز پڑھی، رمضان میں روزے رکھ لیے، مال ہوا زکوٰۃ دے دی، حج کر لیا، صدقہ خیرات قربانی کر دی وغیرہ وغیرہ البتہ اگر کوئی، اللہ تعالےٰ، رسول اللہ، صحابہؓ، علماء کی توہین کرے گستاخی کرے تو بڑا بے ایمان ہے۔

بس اہل حق کے مخالفین کو ایک گُر ہاتھ آ گیا انہوں نے عوام کی نبض پر ہاتھ رکھا اور سمجھے کہ عوام اس کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر اس سے نفرت کرتے ہیں جو گستاخ ہو صحابہؓ کرامؓ کا یا ائمہ مجتہدین کا اور یا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اور پھر اس بات کا تجربہ بھی کر چکے تھے کہ اہل سنت وجماعت کے سامنے جب بات کی جاتی ہے کہ شیعہ وروافض صحابہ کرامؓ کی گستاخی کرتے ہیں تو اہل سنت وجماعت کے دلوں میں شیعہ قوم کی نفرت بیٹھ گئی اب وہ لگے اہل حق کی کتابوں کا مطالعہ کرنے تو اپنے زعم باطل میں کسی عبارت کا مطلب غلط سمجھ لیا، پھر اپنی عیاری سے لگے اس پر رنگ چڑھانے اور اپنے خطابت کے فن میں اسے گستاخی قرار دیکر عوام کو اہل حق سے متنفر کرنا شروع کر دیا یا کہیں کتابت کی غلطی ہو گئی تو بجائے اس کے کہ اس کی تصحیح کر دیں الٹا عوام میں اس کی تشہیر کر دی کہ دیکھو اس گستاخ کو، اس نے یہ لکھ رکھا۔ عوام متنفر ہو جائیں گے یا کہیں اہل حق نے اپنی اصطلاح میں بات کی جس سے عوام ناواقف ہیں تو اصل حقیقت واضح کرنے کی بجائے عرفی طور پر اسے گستاخی بنا کر عوام میں تنفر پھیلایا اسی طرح اور بہت سے طریقوں سے تحریراً و تقریراً عوام میں تنفر پھیلایا جاتا ہے اور اہل حق کو بدنام کیا جاتا ہے اور ان کو گالیاں دی جاتی ہیں، مارا پیٹا جاتا ہے کافر اور مرتد تک کہا جاتا ہے اور جو ان کو کافر و مرتد نہ کہے یا ان کے کفر میں شک کرے اس پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے، خصوصاً مولویانہ گالی "وہابی" جسے شروع شروع میں فضل رسول بدایونی نے بطور گالی کے استعمال کیا تھا اب اس قدر عام ہو گئی ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے۔ یہ ایک انگریز کی چال تھی جسے یہ لوگ کامیاب بنا رہے ہیں۔ پھر بدعات کا پرچار کرتے کرتے

سنت کو تہہ خاک دفن کر دیا جیسے حدودِ اسلامیہ اور احکامِ شرعیہ کا نفاذ اس ملک سے سقر کیے ہوئے ہے ایسے ہی عقائد حقہ کو اس ملک میں دھکیلا جا رہا ہے یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ انگریزوں کی نوآبادیات میں ان کا تسلط جم جائے، مجاہدین ان عوائق میں الجھ جائیں گے اور گستاخ سمجھ کر عوام ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور مجاہدین کی جماعت کمزور پڑ جائے گی اس حکمت عملی سے انگریز اپنے مقصد میں بظاہر کامیاب ہو گیا۔

ان بہتانات میں سے ایک بہتان حضرت شاہ جی رح پر یہ تھا کہ یہ حیات النبی ص کا منکر ہے۔

پھر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے بعض مسائل کا جواب دیا جو ان سے دریافت کیے گئے تھے، اور یہ ہستی بھی اسی خاندان ولی اللہی کی اہم ترین فرد اعظم تھی۔ انگریزوں کی نظروں میں کھٹکتی تھی، ان کے ان فتووں کی تردید کے لیے فضل رسول کو تیار کیا تنخواہ کے علاوہ سترہ روپیہ یومیہ اس کو جیب خرچ ملتا تھا۔ پھر نمک حلالی کیوں نہ کرتا چنانچہ اس نے ان فتووں کا رد لکھا بہ نام "تصحیح المسائل" جن میں سے ایک یہ مسئلہ تھا کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ حضرت شاہ جی رح نے اس کا جواب دیا کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے، پھر اپنے دعوٰی کی تائید میں فقہ حنفیہ کی پانچ معتبر کتابوں کے حوالے دیئے، یہ دیکھ کر فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل میں رد کرنا شروع کیا اور حضرت شاہ جی رحمہ اللہ پر اپنے خبث باطنی کی بنا پر "اعتزال" کی تہمت لگائی یعنی چونکہ شاہ محمد اسحاق سماع موتیٰ اور تلقین میت بعد الدفن کا منکر ہے اس لیے یہ معتزلی ہے کیونکہ معتزلی ہی ہیں جو سماع موتیٰ کے بھی منکر ہیں اور دفن کے بعد تلقین میت کے بھی معتزلی ہی منکر ہیں۔

اس کے رد میں حضرت بشیر الدین قنوجیؒ (تلمیذ خاص حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تفہیم المسائل لکھا۔ فضل رسول بدایونی کے ہر سوال کا ہر اعتراض کا جواب باحسن الوجوہ دیا۔

یہ مسئلہ بغداد تک طول پکڑ گیا، وہاں صاحب روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ

کے خلف الرشید سید نعمان بن محمود رحمہ اللہ نے صرف مسئلہ عدم سماع موتیٰ پر ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام "الآیات البینات فی عدم سماع الاموات عند الحنفیۃ السادات" ہے اور حضرت ناصر الدین الالبانی نے اس پر مفید ترین تعلیقات بھی لکھی ہیں، جزاہما اللہ عنا احسن الجزاء

ہمارے اکابر علمائے دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً کاملۃً عاجلۃً سائغۃً کافیۃً وافیۃً وادر علیہم شآبیب نعمہ کے تمام مسائل وہی ہیں جو اس خاندان میں سلسلہ بسلسلہ چلے آرہے ہیں البتہ خطابت کے رنگ میں ان کے زبان وقلم سے ایسی عبارات صادر ہوئیں جو مفہوم مخالف کی موہم بن گئیں اور شیطان کو اغوا کا موقع مل گیا اس نے خوب ان مسئلوں کو ابھارا، اچھالا، پروپیگنڈا کی مشین تیزی سے چلائی اس کے فیر کی آواز دور دور تک پہنچ گئی غیر ملکی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، حتیٰ کہ بڑے بڑے علماء، فضلاء، صلحاء، محدث، مفسر، مقرر، مصنف، گوشہ نشین، خطیب اور سیاسی لوگ سب ہی اس مسموم ہوا سے مریض ہو کر واویلیاں کر رہے ہیں اور طعن وتشنیع کی زبان وا کر رہے ہیں اہل حق کو گھورتے ہیں گالی دیتے ہیں، مساجد سے نکالتے ہیں، ان پر طرح طرح کی تہمتیں، بہتان، بدظنیاں لگاتے ہیں، بدنام کرتے ہیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ منبر رسول پر کھڑے ہو کر مجمع اکٹھا کر کے اہل حق کو خوب کوستے ہیں، اشتہارات پمفلٹ رسالے کتابیں لکھ لکھ کر اہل حق کی خوب گت بناتے ہیں، شیطان مسکراتا ہے بغلیں بجاتا ہے کہ اب موج ہوئی، مخالفت، عداوت، جنگ وجدال اور کینہ کا خوب بازار گرم ہو گیا۔

میں شروع شروع میں پرویزی قادیانی، روافض، بریلویہ کے خلاف مضمون لکھتا تھا۔ نیاز فتحپوری کے خلاف بھی مضمون لکھا تھا، کچھ "شان" میانوالی میں کچھ "سرحد" پشاور میں شائع ہوئے اور بہت سی کتابیں تھیں جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں منجملہ ان کے .... الازہار الناضرہ فی جمیع الفروق المتناثرہ ونظم اللغات فی سلک الابیات ونظم الاصول فی علم الاصول وتلخیص الاصول وحاشیہ میزان البلاغۃ للشاہ عبد العزیز المحدث الدہلوی رحمہ اللہ وجمع الفنون علی منہج القانون۔ المصطلحات المختلفۃ، التعریفات، فیض المغیث

فی اصول الحدیث وفیات المشاہیر اور ایک رسالہ انوار المطالع فی ہدایات المطالع دہلی میں لکھ کر چھاپا تھا اور فنون کے کچھ نقشے بھی چھاپے تھے جو دہلی، دیوبند، سہارنپور میں بٹ گئے تھے۔ وہاں تو بہت طویل عریض پروگرام ذہن میں تھا جسے تنفیق اساتذہ کی نگرانی میں مرتب کرنا تھا مگر پارٹیشن نے سب پارہ پارہ کر دیا۔

مذاہب باطلہ کی تردید کے لیے مستقل طور پر ماہانہ رسالہ بنام "الحق" نکالنے کی سوچی، قدرت کو کیا منظور تھا وہ اسی کو معلوم ہے۔ دارالہدیٰ چوکیرہ میں آکر سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ آپ کے پاس وسائل ہیں ایک رسالہ نکالنے کی ہمت کرو۔ انہوں نے الفاروق رسالہ نکالنا شروع کیا جس میں علمی رنگ میں رد روافض باحسن الوجوہ ہوتا تھا اور روافض کی ہر بات کا جواب ترکی بہ ترکی ہوتا تھا۔

ایک دن میں نے درخواست کی کہ یا حضرت مجھے بھی اجازت دیں کہ میں بریلویوں کے رد میں کچھ لکھا کروں آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے مشن کے خلاف ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بریلویوں کو ساتھ ملا کر شیعہ کا رد کریں، اگر تو بریلویوں کی تردید کرے گا تو وہ اور زیادہ ہم سے متنفر ہو جائیں گے اور شیعہ قلعہ ہم فتح نہ کر سکیں گے۔

اس کے بعد مسئلہ سماع موتیٰ وحیاۃ النبیؐ کا چھڑ گیا وہ قائل تھے اور میں عنصریہ دنیویہ جسیہ حقیقیہ جسمانیہ کا منکر تھا اور حیات برزخیہ کا قائل تھا جیسے میرے استاد مفتی اعظم ہند فقیہ النفس ابوحنیفہ ثانی امام ربانی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ وافیۃ سابغۃ کافیۃ نے مجھے سمجھا رکھا تھا اس عقیدہ کو ان کے کہنے پر بغیر دلائل قاطعہ ساطعہ کے چھوڑ نہیں سکتا تھا، ہر چند وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے مگر میں بھی صبر کر کے بیٹھا رہا۔ آخر کار انہوں نے مجھے نکال دیا۔ پھر قلیل تنخواہ پر مجھے ضیاء العلوم میں خدمت کرنے کو کہا گیا میں نے قبول کر لیا یہاں اپنے پیر بھائی اور استاد بھائی مولانا محمد امیر صاحب آ مل گئے یہاں کام کرنے کا موقعہ مل گیا الحمد للہ علیٰ ما انعم علیّ۔

یہاں آکر شروع شروع میں بریلویہ کی تردید میں جو قبروں اور مزاروں پر جا کر مزار

میں دفن شدہ بزرگوں کو پکار پکار کر ان سے اپنی حاجتیں مرادیں مانگتے ہیں اور ان کو حاجت روا مشکل کشا، غریب نواز اور داتا گنج بخش سمجھتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں تاکہ یہ ہستیاں خوش ہو کر خدا پاک سے ہمارا کام کروا دیں گے الیٰ غیر ذالک من الخرافات، ایک مختصر سا رسالہ "شفاء الصدور" کے نام سے لکھا جیسے کہتے ہیں خذہ بالموت حتی یرضی بالحمی۔ چونکہ قبروں کے پجاریوں کا دعویٰ ہے کہ ہم اہلسنت وجماعت ہیں اور حنفی ہیں اس لیے حنفیہ کے اقوال قرآن وسنت کے دلائل کے بعد بیان کیے۔ چونکہ اہل سنت وجماعت ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں سمجھتے ہیں اس لیے جیسے دیگر صحابہ کرام رضی نے اماں جانؓ کا استدلال سنکر سکوت فرمایا تھا ایسے ہی یہ بھی اپنی اماں جان کا استدلال سن کر بدل وجان اکرام و احترام کرتے ہوئے ان کے فرمان کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ اور جہاں تک میرے معلومات کا تعلق ہے بریلوی لوگوں میں سے کسی نے اس رسالہ کے رد پر نہ قلم اٹھایا ہے اور نہ کسی کو جرأت ہوئی، اگرچہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں

مجھے کیا پتہ تھا کہ ہمارے پیر بھائیوں میں سے ایسی ہستیاں موجود ہیں جو بریلویوں کو سبق دیں گے کہ اس طور پر جواب دو۔ اس کے بعد بریلوی بھی شیر ہو گئے انہوں نے بھی اپنی طرز میں انہی دلائل کو ڈھال کر اپنا نام کر کے کتابیں لکھنا شروع کر دیں، اب تو ان کو تیار اسلحہ مل گیا بغلیں بجائیں خوب شور مچایا، محفلیں سجائیں، ان کے بکسٹالوں میں "سماع الموتیٰ" اور "تسکین الصدور" سجائی جانے لگی۔ انہیں اور کیا چاہیے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

جیسے خلافت وملوکیت سے رافضیوں کے سٹال سجائے جانے لگے اور فارسی میں ترجمہ ہو کر ایران کے کالجوں میں داخل درس ہو گئی ہے۔

موحدین پر بہتان انکار حیاۃ النبی ص کی ابتداء

مخالفین کی طرف سے موحدین پر حیاۃ الانبیاء کے انکار کا بہتان کوئی نیا امر نہیں ہے سب سے پہلے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کا ملۃ پر یہ الزام ان کے معاصرین نے لگایا، پھر فضل رسول بدایونی نے اس مسئلہ کو خوب اچھالا، پھر احمد رضا خان، اور نعیم الدین مراد آبادی نے کئی رسائل لکھے اور ہمارے اکابر نے احسن طریق سے جواب دیئے مگر مع ہذا انہیں میں سے کئی لوگ تقیۃً اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر جدید ہتھیاروں کے ساتھ مسلح ہو کر میدان میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح راہ پر آنے کی توفیق عطا فرمائے، یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ میرے پاس اس دعوی کا پختہ ثبوت ہے۔

چنانچہ ... حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہ نے ایک رسالہ لکھا جس میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ پر معاندین اہل بدعت کی طرف سے عائد کردہ الزامات کے جوابات دیئے اور الزامات وبہتانات میں سے ایک بہتان وہ ہی ہے جو آج کل ان کے پیروکاروں پر عائد کیا گیا ہے یعنی یہ کہ "وہ مسئلہ حیات النبی ص کے منکر ہیں" ہم ان کا مکمل بیان جو اس مسئلہ کے ساتھ متعلق ہے من وعن نقل کیے دیتے ہیں۔

حضرت شہید پر چوتھا بہتان

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر دشمنانِ توحید وسنت کا ایک مشہور بہتان یہ بھی ہے کہ "وہ مسئلہ حیاۃ النبی کے منکر ہیں اور (معاذ اللہ) ان کا عقیدہ ہے کہ آپ کا جسد اطہر بھی گل کر مٹی ہو جانے والا ہے (مفتریوں کے منہ میں خاک) حضرت شہیدؒ کی جس عبارت پر اس ناپاک بہتان کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ تقویۃ الایمان کی پانچویں فصل کے آخر میں قیس بن سعد کی ایک حدیث کی تشریح میں لکھی گئی ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب النکاح باب عشرۃ النساء میں ابوداؤد کی تخریج سے نقل کیا ہے۔

ہم ناظرین کے سامنے وہ اصل عبارت سیاق وسباق کے ساتھ ابھی پیش کریں

گے اور خود ناظرین دیکھ لیں گے کہ ایسا بہتان لگانے والے کیسے ظالم اور ناخدا ترس ہیں۔

اسباب تصنیف تقویۃ الایمان

پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تقویۃ الایمان دراصل ان بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے جن کو مولانا شہید نے اپنے زمانہ میں اس حال میں دیکھا کہ مسلمان کہلانے کے باوجود وہ طرح طرح کے شرکوں میں گرفتار ہیں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے تقویۃ الایمان کے اصل مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں، اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی بات سمجھانے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے ردِ شرک اور بیانِ توحید کے سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث لکھتے ہیں پھر اس کا ترجمہ کرتے ہیں، پھر فائدہ کی ف لکھ کر اس کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

چنانچہ اپنے اسی طریقہ کے مطابق انہوں نے اللہ کے سوا زندہ یا مردہ ہستی کو سجدہ کرنے کی برائی اور شرعاً اس کا حرام و ممنوع ہونا ثابت کرنے کے لیے پہلے تو قیس بن سعدؓ کی حدیث مشکوٰۃ سے نقل کی، پھر اس کا لفظی ترجمہ لکھا اور اس کے بعد ف لکھ کر اس کی مزید تشریح کی۔ ہم ذیل میں پہلے وہ حدیث اور مولانا شہید ہی کا لکھا ہوا ترجمہ بلفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔

عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمرزبان لھم فقلت لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان یسجد لہ فاتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمرزبان لھم فانت احق ان یسجد لک فقال ارایت لو مررت بقبری اکنت تسجد لہ فقلت لا فقال لا تفعلوا یعنی قیس بن سعدؓ نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے، سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے خواجہ کو سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجیے ان کو، پھر آیا میں پیغمبر خدا کے پاس پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں حیرہ میں سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں

اپنے خواجہ کو، سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو، تو فرمایا مجھ کو "بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ کہا میں نے نہیں! فرمایا تو مت کر۔

(تقویۃ الایمان ص ۷۰ مطبوعہ رحمانی پریس دہلی)

حدیث کا اصل متن اور اس کا لفظی ترجمہ آپ کے سامنے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قیس بن سعدؓ اپنے ایک سفر میں حیرہ نامی شہر میں گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے شہر کے حاکم اور سردار کو سجدہ کر کے اس کی تعظیم بجالاتے ہیں ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہمارے آقا اور ہادی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور درجہ تو بہت ہی بلند ہے لہٰذا آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ سجدہ کے ذریعہ آپؐ کی تعظیم کی جائے چنانچہ جب یہ اپنے سفر سے مدینہ طیبہ واپس آئے تو حضورؐ سے وہاں کا وہ مشاہدہ اور اپنا خیال عرض کیا اور گویا آپؐ سے سجدہ کی اجازت چاہی آپؐ نے ان سے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ میری وفات کے بعد میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے؟ انہوں نے کہا قبر کو تو میں سجدہ نہیں کروں گا آپؐ نے فرمایا تو اسی طرح اب بھی نہ کرو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیس بن سعدؓ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ سوال ان سے کیا کہ کیا میری قبر کو بھی تم سجدہ کرو گے؟ اس سے آپؐ کا اصل مقصد و منشا کیا تھا اور آپؐ ان کو کیا بتانا چاہتے تھے؟

شارحین حدیث نے پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے یہ سوال کر کے ان کو بتانا چاہا کہ میں تو ایک بندہ اور ایک فانی ہستی ہوں آج زندہ ہوں اور اس زمین کے اوپر ہوں لیکن ایک دن آئے گا کہ یہ زندگی ختم ہوگی اور میں قبر میں دفن کیا جاؤں گا، اور پھر اگر تمہارا گزر کبھی میری قبر پر ہوگا تو تم بھی اس وقت مجھے قابل سجدہ نہ سمجھو گے، پس خود ہی سمجھ لو کہ جس ہستی کا یہ حال ہو، اس کو سجدہ کیونکر روا ہو سکتا ہے۔ سجدہ تو بس اسی حی و قیوم کا حق ہے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔

علامہ علی قاریؒ اپنی شرح مشکوٰۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال أرأیت لو مررت بقبری کا مقصد و منشا ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(فقال لی) اظہاراً لعظمۃ الربوبیۃ واشعاراً لذلۃ العبودیۃ (ارأیت الخ)
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانِ الوہیت و ربوبیت کی عظمت و رفعت ظاہر کرنے کے لیے اور شانِ عبودیت کی ذلت و پستی بتانے کے لیے قیس بن سعدؓ سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ اگر کبھی میری قبر پر تمہارا گزر ہوگا تو کیا تم اس کو بھی سجدہ کرو گے؟

پھر یہی علامہ علی قاریؒ اسی حدیث کی تشریح میں علامہ طیبیؒ سے نقل کرتے ہیں:
ای اسجد للحی الذی لا یموت ولمن ملکہ لا یزول فانک انما تسجد لی الآن مہابۃ واجلالا فاذا صرت رہین رمس امتنعت عنہ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۴۶۹) یعنی سجدہ صرف اس زندہ جاوید ہستی کو کرنا چاہیے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں اور جس کی بادشاہت کو کبھی زوال نہیں اور اس وقت تم مجھے صرف میری ہیبت اور جلالت سے متاثر اور مرعوب ہو کر سجدہ کرنا چاہتے ہو پس جب میں مرنے کے بعد قبر میں رکھ دیا جاؤں گا تو تم خود مجھے سجدہ کرنا نہ چاہو گے۔

ان عبارات و تصریحات کا حاصل یہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد کے سامنے اپنی قبر کا ذکر کر کے جو سوال ان سے کیا اس آپؐ کا مقصد و منشا اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت و ربوبیت کی بلندی اور اپنی اور سارے بندوں کی شانِ عبودیت کی پستی اور فنائیت کا ظاہر کرنا تھا۔ اور بقول علامہ طیبیؒ اس سارے سوال و جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آپ نے قیس بن سعدؓ کو بتایا کہ حیرہ والوں کے رواج کو دیکھ کر مجھے سجدہ کرنے کا جو خیال تمہارے دل میں پیدا ہوا یہ اس وقت کی میری ہیبت اور جلالت کی وجہ سے ہے جب کہ میں تمہارے سامنے اپنی موجودہ حیثیت کے ساتھ موجود ہوں لیکن کل جب مجھ پر موت وارد ہو جائے گی اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا تو تم خود بھی مجھے سجدہ کرنے کا ارادہ نہ کرو گے اور میری قبر کو سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے، لہٰذا سجدہ صرف اسی ذاتِ پاک کو کرو جو حیّ لا یموت ہے اور جس کا جلال لازوال ہے۔

اب سنیئے کہ مولینا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا منقولہ بالا متن اور ترجمہ لکھنے کے بعد فائدہ کی ف لکھ کر یہی بات اپنے ان سادہ اور عام فہم لفظوں میں لکھی ہے۔

"یعنی میں بھی مر کر ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی" (تقویۃ الایمان)

پس یہی وہ فقرہ ہے جس کو بنیاد بنا کر مولینا شہیدؒ کے ناخدا ترس دشمن عوام میں شور مچاتے ہیں کہ مولانا موصوف "حیات النبیؐ" کے منکر ہیں اور معاذ اللہ آپ کے جسد اطہر کے مٹی ہو جانے کے قائل ہیں،

سبحانک ہذا بہتان عظیم،

اصل عبارت ناظرین کے سامنے ہے اس میں مٹی میں ملنے کا لفظ ہے مٹی ہو جانے کا لفظ نہیں ہے اور مٹی میں ملنا یہ قدیم اردو زبان کا محاورہ ہے جو قبر میں دفن ہونے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اردو کے مستند لغات "نور اللغات" اور "فرہنگ آصفیہ" دونوں میں مٹی میں ملانے کے ایک معنی "دفن کرنا" لکھے ہیں اور "فرہنگ آصفیہ" میں نسیم دہلوی کا یہ شعر بھی استشہاد میں لکھا ہے ؎

نسیم اعدا سے شکوہ کیا پس از مرگ ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

ظاہر ہے کہ مٹی میں ملانے کا مطلب یہاں صرف دفن کرنا ہی ہو سکتا ہے، پس مولینا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس فقرہ کا مطلب کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" یہی ہے کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں دفن ہونے والا ہوں اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ نے ان لفظوں میں ادا کی۔ فاذا صرت رھین رمس یعنی جب میں قبر میں رکھ دیا جاؤں گا (مرقاۃ ج ۳ ص ۲۶۹)

بہر حال تقویۃ الایمان کے ان الفاظ کی بنا پر یہ شور مچانا کہ مولینا شہید معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے گل کے مٹی ہو جانے کے قائل ہیں اس کے سوا کیا کہا جائے کہ سراسر شرارت اور خباثت ہے۔

ممکن ہے عوام کو دھوکا دینے کے لیے صداقت و دیانت کے یہ دشمن کہیں کہ تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مرنے کا لفظ تو استعمال کیا ہی گیا

ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ آپ کی موت کا قائل ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ "حیات النبیؐ" کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

مسئلہ حیاتُ الانبیاءؑ کی حقیقت

تمام امت کے نزدیک یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳ سال اس دنیا میں زندہ رہے اور ہجرت سے دس سال پورے ہونے پر چند روز مرض وفات میں مبتلا رہنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی، یعنی اللہ کے حکم سے آپ پر موت وارد ہوئی، پھر آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپؐ دفن کیے گئے۔

نیز اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ آپ کے لیے موت کا یعنی مرنے کا لفظ بولنا جائز ہے اور کوئی شخص ان دونوں باتوں میں سے اختلاف کر بھی نہیں سکتا کیونکہ قرآن و سنت میں پوری صراحت کے ساتھ آپ کی وفات کا ذکر موجود ہے اور موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے۔

قرآن مجید سورۂ زمر میں فرمایا گیا "انک میت و انھم میتون" (اے ہمارے رسولؐ آپ بھی ضرور مرنے والے ہیں اور بالیقین آپ کے یہ دشمن بھی مرنیوالے ہیں)

اور مشہور حدیث ہے کہ اپنے آخری وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے تھے "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات"

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا "بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا" (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو موت طبعی مقدر کی تھی وہ وارد ہو چکی اور آپؐ وفات پا چکے)..... پھر مسجد نبویؐ میں آکر صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا

اور اس میں فرمایا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت (صحیح بخاری) یعنی جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کیا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

بہرحال یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ پر بالکل مسلّم اور بغیر کسی اختلاف کے پوری امت کی متفق علیہ ہیں کہ حضورؐ پر موت وارد ہوئی، آپؐ نے وفات پائی اور آپ کے متعلق موت (یعنی مرنے کا لفظ) بولنا درست ہے اور قرآن و حدیث میں بولا گیا ہے اور صحابہ کرام نے بولا ہے اس کے باوجود آپ کے تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق حیات کا جو عقیدہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناسوتی یعنی دنیا میں وفات پا جانے اور مدفون ہونے کے بعد آپ کو برزخی حیات عطا کی گئی جیسے کہ قرآن مجید میں شہداء کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں ..... (بل احیاء)

امام بیہقیؒ نے مسئلہ حیات انبیاء پر جو مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے اس مسئلہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ "(وقال البیہقی) ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیہم ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء" (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۳) یعنی کہا بیہقی نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ وفات کے بعد ان میں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔

اسی طرح علامہ تقی الدین سبکیؒ نے "شفاء السقام" میں اس مسئلہ حیات النبیؐ پر کلام کرتے ہوئے ان قرآنی آیات اور احادیث و روایات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ذکر ہے اور آپ کے لیے موت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لکھا ہے "اِنَّہٗ اُحْیِیَ بَعْدَ الْمَوْتِ" یعنی آپ کو موت کے بعد برزخ میں دوسری حیات عطا کی گئی (شفاء السقام ص ۱۴۲)

الغرض "حیات النبی" کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ پر موت وارد ہی نہیں ہوئی

موت کا وارد ہونا اور حضورؐ کا وفات پانا تو ایک معلوم و مسلّم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے اور حضورؐ کے متعلق موت (یعنی مرنے) کے لفظ کا استعمال بھی بالاجماع جائز ہے (جیسا کہ خود علامہ تقی الدین سبکیؒ نے اس کی تصریح بھی کی ہے) بلکہ اس حیات کا مطلب حیات برزخی ہے جو وفات پانے کے بعد عالم برزخ میں ان حضرات کو عطا ہوئی اور جو شہداء کرام کو بھی عطا ہوتی ہے بلکہ ایک درجہ کی برزخی حیات تو سب ہی کو ملتی ہے کیونکہ بغیر اس حیات کے عذاب و ثواب کا امکان ہی نہیں، ہاں ہر طبقہ کی حیات اس کے درجہ اور شان کے مطابق ہوتی ہے اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں اس لیے ان کی برزخی حیات بھی سب سے حتیٰ کہ شہداء کرام سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ بالکل جوں کے توں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی، چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدس جسموں کو کھائے اور گلائے۔

پس یہ ہے حقیقت مسئلہ حیات النبیؐ کی اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کی زیر بحث عبارت میں نفیاً یا اثباتاً اس مسئلہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے اور نہ وہاں اس ذکر کا کوئی موقع تھا۔ وہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعدؓ کی سجدہ کی درخواست پر چونکہ اپنی قبر کا ذکر فرما کر اپنے زندہ جاوید نہ ہونے بلکہ ایک دن وفات پانے کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس لیے مولانا شہیدؒ نے اپنے سادہ لفظوں میں صرف اس اشارہ کی تشریح فرما دی اور اسی بات کو سادہ اردو زبان میں لکھ دیا جس کو علامہ طیبیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی تشریح میں عربی زبان میں لکھا تھا۔

امید ہے کہ ناظرین نے یہاں تک کی بحث سے پوری طرح سمجھ لیا ہوگا کہ....

تقویۃ الایمان کی مذکورۂ صدر عبارت کی بنا پر مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ حیاتِ انبیاء یا محفوظیت اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا منکر قرار دینا شرارت اور افترا پردازی کے

سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر سلسلۂ کلام ختم کیا جاتا ہے جو قیس بن سعد صحابی رضؓ کی اس حدیث کے ہم معنی اور ہم مقصد ہے جس کی تشریح میں مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ عبارت لکھی ہے اس کا مضمون مولانا شہید کی زیر بحث عبارت سے اور بھی زیادہ قریب ہے۔

حدیث یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے (جو اسلام لانے سے پہلے بہت سے مذاہب میں رہ چکے تھے اور عرب و عجم کی بہت سی قوموں کے رواج جنہوں نے دیکھے اور برتے تھے) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے ان سے فرمایا یاسلمان! لاتسجد لی اَرَاَیتَ لَوْ مُتُّ اَکُنْتَ ساجد القبری؟ لاتسجد لی واسجد للحی الذی لایموت (کنز العمال جلد سوم) یعنی اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بتلاؤ اگر میں مرجاؤں تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کروگے؟ مجھے سجدہ نہ کرو، صرف اس زندہ جاوید ہستی کو سجدہ کرو جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔

بعینہٖ یہی تو مضمون ہے جس کو قیس بن سعدؓ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شہید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے اپنے سادہ لفظوں میں ادا کردیا ہے۔

نقل از رسالہ "حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات" از افادات مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ طبع اول۔

نعیم الدین مرادآبادی کا شاہ اسمٰعیل شہید رح پر بہتان

دربارہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولوی عزیز الدین مرادآبادی کا بیان

نعیم الدین مرادآبادی نے اطیب البیان ص ۲۵۱ میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ:
تقویۃ الایمان والا مسلمانوں کے قلوب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کم کرنے کے لیے اور زیادہ گستاخی کرتا ہے، دیکھیے تقویۃ الایمان ص ۹۶" میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ یہ بے باکانہ گستاخی اور حضور پر افترا حاشا وکلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ یہ حضور پر بہتان ہے۔ حضور فرماتے ہیں جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق مشکوٰۃ شریف ص (۱۲۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا تو خدا کے نبی زندہ ہیں قطع نظر اس کے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت مٹی میں ملنے کا لفظ قطعاً جھوٹ اور افترا ہے مگر ساتھ ہی توہین وتنقیص بھی ہے حضور کا مرتبہ تو بہت بلند وبالا ہے، مہذب لوگ اپنے برابر والوں کے لیے بھی کہنا گوارا نہیں کرتے جو خاک میں ملنے والے ہی ہیں ان کی نسبت بھی کہہ دیجیے تو ناگوار گزرے، اگر کوئی کہدے کہ مولوی اسماعیل، رشید احمد، ... محمود حسن، سب مر کر مٹی میں مل گئے تو ان کے معتقدین کو اس سے رنج ہوگا، مگر حبیب خدا کی شان میں ان کا گرو لکھ گیا تو انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ یہی ایک کلمہ کیا ساری تقویۃ الایمان ایسی گستاخیوں سے لبریز ہے۔

الجواب بعون الملک الوہاب

محدث جمال الدین سید نے حاشیہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے وفیہ ارشاد

واشارۃ الی ان الممکن لیس مستحقا للسجود والعبادۃ لتغیرہ وزوالہ بل المستحق للمعبودیۃ والمسجودیۃ ھو اللہ الواحد القدیم الذی لا یعرو حولہ التغیر والفناء والزوال یعنی اس حدیث میں ارشاد و اشارہ ہے اس امر کا کہ تحقیق ممکن یعنی مخلوق، نہیں ہے مستحق سجدہ اور عبادت کے بوجہ متغیر ہونے اور اس کے زوال ہونے کے بلکہ مستحق عبادت اور سجود کے وہی اللہ واحد و قدیم ہے جو مبرا و منزہ ہے نقصان تغیر فنا و زوال سے۔

خود نعیم الدین نے ص ۲۵۰ میں بحوالہ شفا و اشعۃ اللمعات لکھا کہ انبیاء کے ظواہر و اجسام بشری اوصاف کے ساتھ متصف ہیں، ان پر بشری اعراض، آلام، و اسقام آفات، بیماری، فنا موت، اور تغیرات مانند سائر بشر کے طاری ہوتے ہیں۔

بہر حال "جسم اطہر کا مٹی میں ملنا" اس کا مفہوم "مٹی ہو جانا" ہرگز نہیں اور نہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی اس لفظ سے یہ غرض ہے، مشہور مقولہ ہے "تصنیف را مصنف نیکو کند بیان"۔ خود مولانا شہیدؒ اپنی مثنوی "سلک نور" ص ۴ میں در بیان نعت و فضائل سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام میں لکھتے ہیں:

پھر کیونکر احتمال مخالفت حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کے ہو سکتا ہے۔

تفسیر مظہری میں وما محمد الا رسول کے تحت لکھا یعنی لیس ھو ربا یستحیل علیہ الفنا والموت وما ھو یدعونا الی عبادتہ یعنی نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب جو محال ہو ان پر فنا اور موت کا ہونا اور نہیں ہیں وہ لوگوں کو بلاتے والے اپنی عبادت کی طرف۔

مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۲۵ میں ہے شعر جو حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ نے آپؐ کی زیارت قبر انور میں پڑھا تھا

فان کنت من عینی فی التراب مغیبا
فما کنت علی قلبی الحزین بغائب

یعنی اگرچہ آپ میری نظر سے مٹی میں چھپے ہوئے ہیں لیکن آپ میرے غمگین دل سے غائب نہیں ہیں۔

بخاری شریف ص ۶۴۱ میں ہے فلما دفن قالت فاطمۃ رض یا انس اطابت انفسکما ان تحثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب اس کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۴۴ میں یوں کیا "چوں در آمدند صحابہ رض بعد از دفن نزد فاطمہ رض گفت چگونہ باور دارد دل شما کہ ریختند بر رسول خدا، گفتند بلے یا بنت رسول اللہ یا زہرا، ما ہم دریں خیال رفتہ بودیم واندوہناک بودیم ولیکن چہ توان کرد از حکم شرع چارہ نیست"، یعنی صحابہ رض دفن نبی صلعم کے بعد حضرت فاطمہ رض کی خدمت میں آئے حضرت فاطمہ رض نے فرمایا کیونکر تمہارے دل نے گوارا کیا کہ تم رسول خدا پر خاک ڈال آئے، صحابہ رض نے کہا یا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا زہرا! ہم بھی اسی خیال میں تھے اور غم زدہ تھے۔ لیکن کیا کریں، حکم شرع سے چارہ نہیں،

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا (قصیدہ در کلام الملوک ص ۱۱۲)

وحینا یقیک الترب رھقی لیتنی غیبت قبلک فی بقیع الغرقد

یعنی جب کہ مٹی نے آپ کو چھپا لیا تو کاش کہ میں آپ سے پہلے بقیع الغرقد کے قبرستان میں غائب ہو جاتا۔

مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۰۷ میں ہے "وچوں وے صلی اللہ علیہ وسلم فانی شدہ است در ذات وصفات الٰہی، لاجرم باقی باشد بآں ومتصف گردد بداں یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات وصفات الٰہی کے ساتھ فانی ہوئے ہیں تو ضرور باقی ہوئے اور اس کے ساتھ متصف ہوئے۔

اخبار الاخیار ۵۴ میں ہے "بلکہ آدم وآدمیاں را وعالم وعالمیاں را معدوم شمارد ونابود پندارد، یعنی وجود حق تعالیٰ کے سامنے آدم اور آدمیوں کو اور عالم اور عالموں کو معدوم شمار کرے اور نابود سمجھے۔

تفسیر عزیزی ج ا ص ۶۰ میں ہے وموت رجوع انسانی بنیۂ انسانی بسوئے اصل خود است کہ خاک است۔ یعنی موت رجوع ہونا اصل انسانی کا اپنی اصل کی طرف ہے کہ خاک ہے۔

قصیدہ نونیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت مٹی اور اینٹیں پڑی ہیں اور دیواریں بنی ہوئی ہیں اگر قبر شریف میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے پہلے تھے تو زمین کے نیچے نہ ہوتے بلکہ موافق عادۃ اللہ کے زمین کے اوپر ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شعر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرثیہ میں فرمایا:

فیا خیر من ضم الجوانح والحشا ویا خیر میت ضمہ التراب والثری

یعنی پس اے وہ ہستی جو ان تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہے جنہوں نے پسلیوں اور دل و جگر کو آپس میں ملایا ہے اور اے بہتر مردہ جس کو مٹی اور خاک نے اپنے ساتھ ملایا ہے (کلام الملوک ص ۸)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک اور مرثیہ میں فرماتے ہیں:

فبورکت یا قبر الرسول وبورکت بلاد ثوی فیہا الرشید المسدد

پس اے رسول اللہ کی قبر! تجھ میں برکت ہو اور ان شہروں میں بھی برکت ہو جن میں وہ ہدایت یافتہ راست کردہ ہستی مقیم ہے

ویورک لحد منک ضمن طیبا علیہ بناء من صفیح منضد

اور اے قبر! تیری اس لحد میں بھی برکت ہو جو اپنے آغوش میں ایک ایسے پاک شخص کو لیے ہوئے ہے جو اوپر نیچے چنے ہوئے چوڑے پتھروں کی چھت ہے۔

تھیل علیہ التراب ایدیا، واعین علیہ وقد غارت بذلک اسعد

ہاتھ اس پر مٹی ڈالتے ہیں اور آنکھیں اس پر آنسو بہاتی ہیں اور اس واقعہ سے سعد ستارے غائب ہو گئے ہیں اور نحوست کا تسلط ہو گیا ہے (کلام الملوک ص ۱۰۸)

خلیفہ بلا فصل امام ابوبکر صدیق رضؓ آپؐ کے مرثیہ میں فرماتے ہیں:

یا لیتنی من قبل مھلک صاحبی غیبت فی جدث علیّ صخور

اے کاش! میں اپنے دوست کے انتقال سے پہلے قبر میں چھپا دیا گیا ہوتا، اور مجھ پر پتھر پڑے ہوتے۔ (" ص ۱۲۲)

فلیتنا یوم وارہ بملحدہ وغیبوہ والقوا فوقہ المدرا

لم یترک اللہ منا بعدہ احدا ولم یعش بعدہ الانثی ولا ذکرا

پس جبکہ لوگوں نے ان کو قبر میں چھپایا اور پوشیدہ کیا تھا اور ان پر ڈھیلے ڈالے تھے کاش خدا ہم میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑتا اور نہ ان کے بعد کسی عورت کو زندہ رکھتا اور نہ کسی مرد کو۔ (کلام الملوک ص ۱۴۸)

ثلثۃ برزوا بقصلھم تضرھم ربھم اذا نشروا

تین شخص ہیں جن کا تفوق ظاہر ہے ان کا رب ان کو شاداب کرے جب کہ یہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

فلیس من مؤمن لہ بصر ینکر تفضیلھم اذا ذکروا

پس کوئی مؤمن جس کو کچھ بھی بصیرت ہو جب کہ ان کا ذکر کیا جائے تو ان کے فضل کا انکار نہیں کر سکتا (" ص ۱۶۱)

عاشوا بلا فرقۃ ثلثتھم

واجمعوا فی الممات اذا قبروا

زندہ رہے تو بھی اکٹھے رہے جب مدفون ہوئے تو بھی موت کی حالت میں بھی اکٹھے رہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اشعار

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے مرثیہ میں فرماتی ہیں۔

انا فقدناک فقد الارض وابلہا وغاب مذ غبت عنا الوحی والکتب

فلیت قبلک کان الموت صادفنا لما نعیت وحالت دونک الکتب

یعنی ہم آپؐ یوں گئے جیسے زمین سے بارش، یعنی آپؐ کی وفات ہمارے لیے سخت محرومی کا باعث ہے اور جب سے آپؐ ہم سے دُور ہوئے، وحی اور آیات اور سورتوں کا آنا بھی بند ہو گیا۔ جب آپؐ کی وفات کی خبر ہم تک پہنچی اور ہمارے اور آپ کے درمیان ریت کے ٹیلے حائل ہو گئے یعنی آپ مدفون ہو گئے تو ہماری یہ حالت ہوئی کہ ہم تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمیں آپ سے پہلے موت آجاتی اور ہم کو یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب کے اشعار

حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب صحابی وابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہ نے مرثیہ میں فرمایا،

لقد عظمت مصیبتنا وجلت عشیۃ قیل قد قبض الرسول

یعنی جس شام کو کہا گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہماری مصیبت عظیم ہو گئی اور بہت بڑھ گئی، آگے چل کر فرماتے ہیں:

فقبر ابیک سید کل قبر وفیہ سید الناس الرسول

یعنی اے فاطمہؓ! تمہارے ابا کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے کیونکہ اس میں سید الناس رسول ﷺ مدفون ہیں۔

امام البریلویہ احمد رضا خاں کو یہ بات مسلّم ہے

حضرات صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی یہ لفظ مستعمل تھا چنانچہ احمد رضا خان اپنی ذاتی تصنیف

حیات الموات ص ۳۶ میں لکھتے ہیں "حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد صحیح مسلم سے ابھی گزرا کہ جب مجھے دفن کر چکو مجھ پر مٹی تھم تھم کر بہ نرمی ڈالنا۔

اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۷ میں اسی حدیث کے تحت لکھا "چوں دفن کنید مرا پس بہ نرمی و سہولت بیندازید بر من خاک را۔

فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل ص ۱۶۴ میں لکھا "حدیثے از ابی امامہ رضی اللہ عنہ آمدہ است کہ گفت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چوں مُرد یکے از برادرانِ شما دفن کردید او را و ریختند بروے خاک"۔ یعنی ایک حدیث حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مر جائے تمہارے بھائیوں میں سے اور دفن کر دو اس کو ڈالو اس پر خاک۔

نیز ص ۱۸۳ میں لکھا: "سیوطی در جوامع الجوامع بتعدد طرق آوردہ کہ فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتیکہ بمیرد یکے از برادران بریزید بروے خاک را"۔ یعنی سیوطی نے جوامع الجوامع میں متعدد طرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مر جائے تو اسکے اوپر خاک ڈالو۔

مولینا اکرام الدین نبیرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سعادت الکونین ص ۵ میں تہذیب التہذیب سے نقل کیا "جس وقت امام حسن رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے اے لوگو اپنے نبیؐ کے فرزند پر مٹی ڈالو اور اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملاؤ۔

عز الدین نے اکمل البیان ص ۶۴۰ میں کہا فی الواقع صاحب قبر پر مٹی ڈالنے سے عین جسم پر بداھۃً مٹی اور خاک ڈالنا نہیں ہوتا ہے تاہم بطور مجاز باعتبار مآل حقیقت ذاتیہ کے کلام شارع علیہ السلام میں اس کا استعمال کیا گیا۔

قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا مکتوب

مکتوبات حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس رح مکتوب صد و ہفتم (۱۰۷)

ص ۲۴۲ میں فرماتے ہیں۔

عزیز من انبیاء و اولیاء کہ از جہان رحلت کردہ اند اجسادِ مطہرہ ایشاں زیر زمین در خاکِ مذلت خفتیدہ اند و ارواحِ مقدس ایشاں در آخرت در علیین اند و ایں مدبر در دنیا بصد ہزار معصیت و ناشائستگی آلودہ از ایشاں چہ خبر، و کیفیت آخرت نہ چناں است کہ خلق را گمان است اہل آخرت مے دانند کہ از جلال و عظمت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ایشاں را چہ پیش آمدہ است۔" یعنی عزیز من! انبیاء اور اولیاء کہ جو اس جہان سے رحلت فرما چکے ہیں جسم مطہر ان کے زمین کے نیچے خاکِ مذلت میں سوئے ہوئے ہیں اور ارواحِ مقدسہ ان کے آخرت میں علیین کے اندر ہیں اور یہ مدبر مشغولیتِ دنیا میں صد ہزار گناہوں اور ناشائستگی باتوں میں آلودہ ہیں ان کو کیا خبر۔ اور حالتِ آخرت اس طرح نہیں ہے جس طرح خلق کا گمان ہے۔ اہلِ آخرت جانتے ہیں کہ جلال و عظمتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ان کو کیا پیش آئی ہے۔

فائدہ :- حضرت امام ابوبکرؓ کا مسئلہ سمجھانا

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، کہ آپ کی وفات ہونا اسلام میں زبردست حادثہ ہے اور توحید الٰہی کا بڑا گہرا سبق تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ باوجودیکہ غلبۂ توحید میں آپ کی شان اشداء علی الکفار ہے بوجہ اضطرار و بے اختیاری فراقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدہوشی[1] کا عالم طاری ہوگیا اور کہنے لگے واللہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی قسم ہے اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی، بعض روایات میں ہے کہ آپؓ نے تلوار نکال لی اور منہ مبارک میں جھاگ بھر آئے اور فرمایا "جو ایسا کہے گا اس کا سر جدا کر دوں گا"۔ ہر چند کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا مگر انکار ہی کرتے رہے۔ چونکہ اس واقعہ سے اسلام میں بڑا تزلزل اور رخنہ واقع ہونے کا اندیشہ تھا بالآخر شان صدیقیت کی استقامت و متانت اور اولوالعزمی جوش میں آئی اور ان کو چھوڑ کر منبر پہ تشریف لائے اور خطبہ فرمایا تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] اس بات میں جمہور اتفاق قلب عالم کے ساتھ نہیں، اس بات میں شیخ تھانویؒ کا مسلک راجح ہے ۱۲ نیلوی

کی طرف سے پھر کر آپؐ کی جانب متوجہ ہوئے پھر اس خطبہ میں کیا بیان تھا۔
صحیح بخاری پارہ ۵ ص ۱۶۶ اور پارہ ۱۴ ص ۵۱۷ و پارہ ۸ ص ۶۴۰ میں ہے:
فحمد الله ابو بکر واثنیٰ علیہ وقال الا من کان یعبد محمدا فان محمدا (صلی اللہ علیہ وسلم) قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وقال (تعالیٰ) انک میت وانھم میتون وقال وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر واللہ شیئا وسیجزی الشکرین یعنی پس اللہ کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حمد بیان فرمائی اور اسی کے لیے تعریف کی اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ جو تم میں عبادت کرتا ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وفات پا گئے اور جو تم میں عبادت کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی تو اللہ تعالیٰ تو حی لا یموت ہے۔ زندہ ہے نہیں مرے گا۔ اور کہا اللہ تعالیٰ نے بیشک تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کہا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟ اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو وہ نہ بگاڑے گا اللہ تعالیٰ کا کچھ۔ اور اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو۔

حضرت امام ابو بکر رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسہ دے کر روئے اور کہا بأبی انت یا نبی اللہ (بخاری پارہ ۵ ص ۱۶۶) "میرا باپ آپ پر قربان جائے اے اللہ کے نبی!" اس ارشاد سے مسئلہ سمجھا گئے ہیں کہ واقعی حضورؐ کی ذات فوت تو ہو چکی ہے مگر آپؐ کی وفات کے ساتھ نبوت زائل نہیں ہوئی بلکہ آپؐ کی صفت نبوت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم دائم ہے ورنہ آپ یا نبی اللہ نہ فرماتے۔ نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ میت سے اگرچہ روح خارج ہو جاتی ہے اس کو خطاب کرنا جائز ہے اور خطاب کو سماع لازم نہیں۔ اسی واسطے آگے فرماتے ہیں لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متھا

(آپ پر اللہ تعالیٰ دو موتیں نہیں لائے گا اور جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ پر مقرر فرمائی تھی وہ موت آپ پر آچکی ہے۔

نیز یہ مسئلہ سمجھا گئے کہ آپؐ کی وفات کے بعد آپ پر میت کا اطلاق جائز ہے اور یہ لفظ صحابہ کرام رضؓ نے سنا کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، تو اس مسئلہ پر سب صحابہ کرام رضؓ کا اجماع ہو گیا اور جو لوگ موت اور نبوت میں منافات سمجھتے ہیں ان کی صریح تردید ہو گئی۔ چنانچہ :

انبیاء کرام علیہم السلام پر اموات کا اطلاق

قرآن پاک میں چار انبیاء کے بارے صراحۃً موت کا اطلاق آیا ہے (۱) ووصّٰی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب .... ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت (۲) فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علیٰ موتہ (۳) فاماتہ اللہ مائۃ عام (۴) ولقد جاءکم یوسف .... حتیٰ اذا ھلک

صحیح بخاری پارہ ۱۳ ص ۴۹۱ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی (تھے بنی اسرائیل کے انبیاء ان پر حکمرانی کرتے تھے جس وقت کوئی نبی ہلاک ہوتا یعنی وفات پاتا تو پیچھے اس کے نبی جانشین ہوتا اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس مقام پر امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا :

وفی الحدیث جواز ھلک فلان اذا مات وقد کثرت الاحادیث بہ وجاء فی القرآن العزیز قولہ تعالیٰ "ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا" یعنی اس حدیث میں جواز ہے کہنے کا کہ : "ہلاک ہو گیا فلاں" جس وقت مر جائے اور کثرت سے احادیث اس امر میں وارد ہیں اور قرآن عزیز میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور بلاشبہ اس موسیٰ علیہ السلام

سے پہلے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام کھلے کھلے دلائل لے کر آچکا ہے سو تم ان امور میں بھی ہمیشہ شک ہی کرتے رہے جو یوسفؑ تمہارے پاس لے کر آیا تھا یہاں تک کہ جب یوسفؑ ہلاک ہوا یعنی فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے لیس اب اللہ تعالیٰ اس یوسفؑ کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔

حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں جو آیات پڑھی تھیں ان کی تشریح کرتے ہوئے حضرت

شاہ عبدالقادر صاحبؒ محدث دہلوی

فائدہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ف جنگ احد میں بعضے مسلمان کامل بھی بہت ہٹ گئے تھے اس واسطے کہ ایک کافر نے اپنی فوج میں پکارا کہ میں محمدؐ کو (صلی اللہ علیہ وسلم) مار آیا ہوں اور حضرتؐ کو زخم سے خون بہت گرا تھا ضعف آکر ایک گڑھے میں گرے تھے مسلمانوں نے حضرتؐ کو نہ دیکھا، یہ بات یقین ہو گئی، جب حضرت ہوشیار ہوئے تو میدان میں جو لوگ حاضر رہے تھے ان کو جمع کر کر پھر لڑائی قائم کی تب کافر پھر کر چلے گئے سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو، اور اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے پھر جاویں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا۔ بہت لوگ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔

پھر اس خطبہ کے بعد جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا سب سے اول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی نے بیعت خلافتِ صدیقی کے لیے ہاتھ بڑھایا اور آپ کی تعریف و توصیف کی پھر لوگ اس آیت (وما محمد الا رسول) کو پڑھنے لگے۔ جو سنتا وہ پڑھنے لگتا، فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واللہ مجھے کچھ خبر نہ تھی مگر صرف یہی کہ میں نے اس آیت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ اس کو پڑھتے تھے

مجھے تو ایسا پسینہ پیشانی پر آیا کہ زمین پر پاؤں نہ تھمے اور گر پڑا جب اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے لیے سُنا:

چنانچہ دوسرے روز خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ پڑھا وہ صحیح بخاری پارہ ۲۹ ج ۶ مع فتح الباری ص ۶۲۷ میں ہے:

فتشهد ابوبكر صامت لا يتكلم قال كنت ارجو ان يعيش رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يدبرنا يريد بذلك ان يكون آخرهم فان يك محمد صلى الله عليه وسلم قد مات فان الله قد جعل بين اظهركم نورًا تهتدون به هدى الله محمدًا صلى الله عليه وسلم وان ابا بكر صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وثانى اثنين وانه اولى المسلمين بامركم فقوموا فبايعوه یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر خطبہ پڑھا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے کلام نہ کرتے تھے (خطبہ میں) فرمایا: "میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بعد وفات پائیں گے تو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی پس اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے درمیان نور رکھ دیا ہے جس سے تم ہدایت پاتے ہو وہ نور دیا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور رفیق غار ہیں اور وہ مسلمانوں میں تم لوگوں کے کاموں کو انجام دینے کے لیے سب سے زیادہ اولیٰ ہیں پس کھڑے ہو اور ان سے بیعت کرو۔

دیکھا ادنیٰ اشائیہ انکارِ وفات میں درجۂ عبدیت سے بڑھنے مرتبۂ الوہیت میں پہنچنے کے اندیشہ سے اگرچہ وہ انکار جوش و اضطرار فراق و جدائی کے باعث تھا تاہم بمثلہٖ فساد شرک کے عبادت کنندۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرار دیا گیا کہ یہ شان الوہیت حق تعالیٰ حی لایموت کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی ورنہ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کون متنفس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ عبادت کرتا تھا۔

مشکوٰۃ ص ۱۷۸ و ۱۷۹: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھتے تھے

اور صحابہؓ کو یہ روزہ رکھنے کا امر بھی فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں اور ہمیں ان کی مخالفت کرنی چاہیے آپؐ نے فرمایا اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کو بھی ضرور روزہ رکھوں گا۔ مگر اگلے سال تک آپؐ زندہ نہ رہے ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو وفات پائی۔

نیلوی کہتا ہے یہاں یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ موت و حیات پر صرف خدا کو اختیار ہے شیعہ کا مسلک غلط ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضورؐ اور صحابہؓ عالم الغیب نہ تھے، نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دنیوی زندگی آپؐ کی ختم ہوگئی۔

مؤرخین اسلام کا تحقیقی بیان

اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل ۱۸ روز سنہ ۴۰ نوشیروانی و یکم جیٹھ سنہ ۶۲۸ بکرمی شمسی و ۲۰ نیساں سنہ ۹۲۸ سکندری و ۸ اروت سنہ ۱۳۱۹ بخت نصری و یکم جیٹھ سنہ ۳۶۷۲ کل جگ و ۹ اپریل سنہ ۵۲۷ جولین پیریڈ و ۱۰ ایار سنہ ۴۳۳۱ عبرانی و یہودی و ۱۱ بیشنس سنہ ۶۷۵ شہور و ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ عیسوی و ۲۵ برمودہ سنہ ۲۸۷ قبطی جدید و ۲۰ ماہ ہتھم سنہ ۲۵۸۵ ابراہیمی بروز دوشنبہ ہوئی پھر ۴۰ سال عمر تھی تو نبوت ملی۔ ایام تبلیغ رسالت ۸۱۵۶ روز اور کل عمر ۶۳ سال یعنی ۲۳۰۳۰ دن اور چھ گھنٹے ہوئی اور ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر آپ دار دنیا کو ترک فرما کر رفیق اعلیٰ میں جا ملے آپؐ کا جسد اطہر مطہر معطر بامر اجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقہ بنت صدیقؓ حبیبۃ حبیب اللہ المبرأۃ من السماء افقہ الناس اعلم الناس، احسن الناس رأیاً فی العامۃ کے حجرہ مبارکہ میں رونق افروز ہے۔ بروایت صریحہ امام احمد بن حنبل رح آپؐ کے جسد اطہر سے آپؐ کی روح مبارک نکل کر رفیق اعلیٰ میں جا ملی،

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میت کی حالت میں دیکھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کو بوسہ دیا تھا اسی سنت کو زندہ کرتے ہوئے حضرت امام خلیفہ بلا فصل اسن الناس

ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امام الانبیاء خاتم الانبیاء کی وفات کے بعد آپ کو بوسہ دیا۔ جیسے مشکوٰۃ ص ۱۴۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ان ابا بکر قبّل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو میّت یعنی امام ابو بکر صدیق رضؓ نے بوسہ دیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کہ ان کی وفات ہو چکی تھی۔

امام ابو بکرؓ و امام علی رضی اللہ عنہما نے آپؐ کے بارے میں فرمایا تھا (بعد از وفات) طبت حیًّا ومیّتًا یعنی آپؐ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ ہی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بخاری ص ۵۱۷)

پھر نہیں فرمایا دفن کے بعد آپ زندہ ہو جائینگے۔

پھر خلافت کے لیے سب صحابہ کرام رضؓ نے باہم مشورہ کیا اور مشورہ میں سب صحابہ کرام رضؓ کا اتفاق و اجماع اس بات پر ہو گیا کہ بعد از وفاتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الناس فینا الاقدم فی الایمان والہجرۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الغار، ابو بکر صدیقؓ ہی خلیفہ رہے اس کے موجود ہوتے ہوئے اور کسی کو خلافت کا حق نہیں پہنچتا، حضرت امام علیؓ نے بھی بلا تردد و بلا تامل بیعت کر لی کیونکہ فرماتے تھے کہ نماز جو عماد دین ہے اس کے امام جب حضرت ابو بکر صدیق ہیں تو دوسرے امور کے تو بطریق اولیٰ ہمارے امام ہیں اور شرح معانی الآثار للامام الطحاوی ج ۱ ص ۲۳۵ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ حضرت عباسؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو گھر بلا کر فرمایا کہ اب امام ابو بکر رضؓ ہیں اب یہ نماز پڑھایا کریں گے پھر سب نے ان کی امامت و خلافت پر اجماع کر لیا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی میں اجماع حجت نہ تھی جیسے توضیح طبع مصر ج ۱ ص ۱۰۳ میں ہے لعدم الاجماع فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کی وفات کے بعد اجماعِ امت محمدیہ قرآن شریف کی طرح حجت قطعیہ بن گئی تو جیسے قرآن شریف کا منکر کافر ہے ایسے ہی اجماعِ امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ کا منکر بھی کافر ہے تو اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

پاک امتِ محمدیہ کے لیے باعثِ رحمت بن گئی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میری زندگی (میرا جینا) بھی تمہارے حق میں بہتر ہے اور میرا مرنا بھی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور آپ کی دنیوی زندگی میں دلائل شرع کے تین تھے (۱) کتاب اللہ، (۲) سنت رسول اللہ (۳) قیاس مجتہد، جیسے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنے کے وقت پوچھا تھا کہ کس دلیل سے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی نے عرض کی کتاب اللہ سے، پھر پوچھا اگر کتاب اللہ سے تمہیں مسئلہ نہ مل سکے تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کی سنت رسول اللہ سے پھر پوچھا اگر سنت رسول اللہ سے بھی تمہیں مسئلہ نہ مل سکے تو پھر، عرض کی پھر اجتہاد سے کام لوں گا تو آپ نے تصویب فرمائی اور خدا کا شکر بجا لائے اور فرمایا الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ علی ما یحب ویرضی۔

جب حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو کسی وقت کسی نے آپ کو "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر آواز دی تو آپ نے فرمایا انا خلیفۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانا بذالک راض (انساب بلاذری ص ۵۲۹) میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں صرف خلیفۂ رسول اللہ ہی کہلانے پر رضامند ہوں اور خلیفۃ اللہ کہلانے پر ناراض ہوں۔

اب سوال ہوتا ہے کہ خلیفۃ الرسول کہلانے پر خوش اور خلیفۃ اللہ کہلانے پر ناخوش کیوں ہوتے ہیں؟

اس کی وجہ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے قرۃ العینین ص ۱۸۸ حاشیہ ۱ اور ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۸ میں بیان فرمائی ہے کہ "خلیفہ بعد موت کسے باشد، وخدا زندہ است" یعنی خلیفۃ اللہ کہنا اس واسطے غلط ہے کہ خلیفہ تو کسی کے وفات پا جانے کے بعد ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ازل ابد میں زندہ نمیرندہ ہے، دائم البقاء ہے حیات تو اس کی اپنی ذاتی صفت قدیمہ ہے کسی سے مستعار نہیں اسلیے کسی کو خلیفۃ اللہ کہنا ٹھیک نہیں ہے البتہ خلیفۃ الرسول کہنا اس لیے جائز

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا سے وفات پا چکے ہیں۔

حضورؐ کے وفات پانے کے بعد آپؐ سے دائمی فراق ہو جانے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رو دیتے۔

اور آپ کی وفات پر صحابہ کرام رضؓ نے مرثیے پڑھے مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ جن کے مراثی لسان العرب ص ۲۵۶ و نہایہ ابن اثیر ص ۲۵۷ تا ۲۵۹ و سیرۃ ابن ہشام میں ص ۲۶۴ و ۲۷۱ میں لکھے ہیں اور قصیدہ سواد بن قارب رضؓ و قصیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، العقد الفرید اور حسن الصحابہ فی اشعار الصحابہ رضؓ میں درج ہیں۔ اور یہ آپؐ کی وفات امت کے حق میں سانحۂ عظیمہ تھا کہ تمام دنیا کے مصائب یکجا جمع کیے جائیں تو سب اس ایک مصیبت کے سامنے ہیچ ہیں اور وہ قصائد و مراثی کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ ملحق کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

جب آپ دنیا میں تشریف فرما تھے تو صحابہ رضؓ کرام آپ سے پوچھے بغیر اپنے آپ سے کوئی عمل نہ کرتے تھے خواہ کتنی ہی شرم کی بات ہو مثلاً عزل کا مسئلہ صحابہؓ فرماتے ہیں ونعزل؟ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اظہرنا قبل ان نسألہ (بخاری ص ۵۹۳) حضورؐ بھی ہم میں ہوں اور پھر بھی ان سے پوچھے بغیر بھلا ہم عزل کر سکتے ہیں؟ مگر جب آپؐ وفات پا چکے ہیں اب جس طرح دوسرے اموات کو غسل دیا جاتا ہے (شہداء کو مستثنیٰ کر کے) ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے لگتے ہیں۔ اب سوال اٹھتا ہے کہ آپ کو غسل دینے کے لیے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے اب بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں حضرت امام ابوبکرؓ کے بتانے پر عمل کیا پھر جس طرح دوسرے اموات کو تین کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے آپ کو بھی تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ پھر جس طرح دیگر اموات پر چار تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح آپؐ کی نماز جنازہ بھی چار تکبیروں کے ساتھ ۳۰ ہزار صحابہ رضؓ نے فرداً فرداً پڑھی کیونکہ جمعہ و عیدین میں تو جماعت شرط ہے مگر نماز جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں اور پہلی تکبیر کے بعد ثنا ہوتی ہے

اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے اور چونکہ آپؐ کی ذات پاک معصوم ہے اور آپؐ اپنی دنیوی حیات میں فرماتے بھی تھے کہ انما انا لکم فرط اور انا لکم شافعٌ ومشفعٌ تو صحابہ کرامؓ نے تیسری تکبیر کے بعد ویسی دعا مانگی ہوگی جو ایک معصوم کے جنازہ میں مانگی جاتی ہے یا اس کے لگ بھگ جو ان کے صاف پاک دلوں میں اللہ تعالےٰ نے الہام و القاء کیا وہ دعا مانگی ہوگی۔ اور چوتھی تکبیر کے بعد تو سلام پھیر دیا جاتا ہے۔ بہرحال آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تلخیص، مستدرک ص ۳۸۵ و ۳۸۶ و صغیری ص ۲۹۰، الکفایہ فی علم الروایہ ص ۴۴۴ تاریخ طبری ص ۲۰۵، عنایہ شرح ہدایہ ص ۴۵۸، و موطا مالک ص ۲۱۲، مجمع الزوائد ص ۱۷۱، سنن کبریٰ ص ۳۹۵ ابن ماجہ ص ۱۱۸، ترمذی ص ۱۲۱، طبقات ابن سعد ص ۶۹ و ۷۰ و کبیری ص ۵۴۱، و فتح القدیر ص ۴۶۰ و نہایہ بر ہدایہ ص ۱۱۰۱ و ص ۱۱۰۲ و شامی ص ۶۵۱، بدائع صنائع ص ۳۱۲ و مبسوط سرخسی ص ۶۷ و انساب الاشراف بلاذری ص ۵۷۴ و سیرت حلبیہ ص ۳۹۴ والبدایہ والنہایہ ابن کثیر ص ۲۶۵، و قطنی ص ۱۹۱، شمائل ترمذی ص ۲۳ اور کنز العمال ص ۱۴۰ میں ان ابا بکر لم یشھد دفن النبیؐ وکان فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا ان اخبار صحاح متواترہ کے معارض ہے اور سنداً منقطع و متناً منکر ہے ہشام بن عروہ اواخر عہد عمر میں پیدا ہوا۔

پھر آپؐ کی قبر کہاں بنائی جائے مختلف رائیں تھیں مگر کسی نے آپؐ سے دریافت کیا ہی نہیں، ہاں امام ابو بکرؓ کی حدیث بتانے پر وہی جگہ قبر کے لیے معین ہوئی جہاں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر سوال لحد اور شق کا اٹھا تب بھی آپؐ سے دریافت نہیں کیا گیا بلکہ مشورہ میں یہ طے پایا کہ لحد والا پہلے پہنچ گیا تو لحد بنائیں گے ورنہ شق، لحد والا پہلے پہنچ گیا، لحد بنائی گئی، پھر آپ کو قبر میں اتارا گیا (اس وقت صحابہؓ کے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی؟ یہ کون بتا سکتا ہے پھر جیسے دیگر اموات کو مٹی دی جاتی ہے آپؐ آفتاب نبوت کو بھی مٹی کے نیچے چھپا دیا اور قبر کو دوسری قبروں کی طرح کچی اور کوہان کی شکل پر صرف ایک بالشت بلند بنایا گیا، فرق صرف اتنا ہے کہ دوسرے لوگوں کی قبروں کو مکان کے اندر بنانا منع ہے اور مکان کے اندر قبر بنانا یہ صرف انبیاء کرام

علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور جو لوگ اولیاء اللہ کی قبور پر قبے بناتے ہیں وہ اس خصوصیت انبیاء میں اولیاء اللہ کو شریک بناتے ہیں بلکہ اولیاء اللہ کی قبریں باشت سے اونچی اور پختہ اور چونہ گچ بنا کر شرک فی النبوت اور توہین انبیاء کے مرتکب ہوتے ہیں اور فرمان نبوی کی مخالفت کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام سے اولیاء اللہ کی شان بلند کر دیتے ہیں، اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد آپ کو اپنی اسی جگہ برحال رکھا گیا اب بھی آپ اسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپ کو رکھا گیا تھا، یعنی جس وقت صحابہ کرام رضؓ نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے آپؐ کے معصوم جسد اطہر کو قبر مبارک میں رکھا تھا اس وقت آپ کے جسد اطہر میں روح مبارک نہ تھی اور جسد اطہر ہر قسم کے تغیر و تبدل سے منزہ اور پاک تھا اور اب بھی اسی طرح آپ کے جسد اطہر کی حالت ہے جیسے صاحب ہدایہ نے فرمایا وھو الیوم کما وضع یعنی آپ کا جسد اطہر آج بھی اسی حالت میں ہے جس حالت میں آپؐ کے جسد اطہر کو صحابہؓ نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے رکھا تھا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ طاہرہ مطہرہ معطرہ کو زمین نہیں کھا سکتی۔

پھر امہات المومنین ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حداد کیا چار ماہ دس دن کے لیے عدت گزاری جیسے مسلم شریف سے اور قاضی عیاض و نووی کے کلام ص ۱۴۸ سے معلوم ہوتا ہے اور امام ابن قیم نے قصیدہ نونیہ میں اس کی تصریح فرمائی، پھر عدت گزرنے پر حداد ختم کر دیا۔ کرمانی نے بواسطہ کے سفیان بن عیینہؒ سے روایت کی ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح اس لیے منع ہے کہ وہ زندگی میں معتدۃ الوفاۃ کے حکم میں تھیں۔

پھر آپؐ کی وفات و دفن کے بعد صحابہؓ کی قلبی کیفیت پر اثر پڑ گیا جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حالات بدلتے گئے، وحی کا دروازہ بند، کتاب الٰہی کا نزول بند، مسائل میں اختلاف ہوتے صحابہؓ اجتہاد سے قرآن و سنت سے استنباط مسائل کرتے کئی مسائل میں سب کا اتفاق رائے ہو جاتا اور کئی مسائل میں اختلاف قائم رہتا، بعض حالات میں

لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ نبی پاکؐ کو حکم تھا اپنے سے ادنیٰ ہم جیسوں سے مشورہ لینے کا تو اب اس کٹھن کام میں ہم بھی آنحضرتؐ سے مشورہ لے لیں بلکہ ہم پر فرض ہے کہ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول

پھر یہ اختلاف مرور زمانہ کے بعد عقائد کے اختلاف تک پہنچ گیا جیسے شرح عقاید جلالیہ ص۱۹ میں ہے قال الآمدی ان المسلمین عند وفاۃ النبیؐ کانوا علی عقیدۃ واحدۃ الا من کان یبطن النفاق ویظہر الوفاق فما وقع الاختلاف المراد وھو الافتراق فی العقائد فی حیاتہ ثم بعد الوفاۃ ظہر الاختلاف ....

وکیف یمکن افتراق العقائد فی حیاتہ ص فانہ یمکن الرجوع الی المبلغ وکشف الشبہۃ عنہ یعنی منافق کے علاوہ سب مسلمانوں کا ایک ہی عقیدہ تھا آپؐ کی زندگی میں عقائد کا اختلاف ناممکن بھی تھا کیونکہ جہاں شبہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اپنا شبہ رفع کرا لیتے تھے، لیکن اب وفاۃ النبیؐ کے بعد یہ ہو نہیں سکتا کہ آپؐ کے پاس جاکر اپنا شبہ رفع کرالیں تاکہ اختلاف نہ رہے۔

جیسے اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۷ میں ہے وکان المسلمون اذا رجعوا من سفر بدءوا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلموا علیہ ثم انصرفوا الی رحالھم

نیز صحابہؓ جب مسجد نبویؐ میں آتے تو جیسے آپؐ کی زندگی میں آپ کو ملتے اور السلام علیکم کہتے تھے وفات کے بعد نمازیوں کا یہ دستور نہیں تھا کہ جو نمازی مسجد نبوی ص میں آئے وہ قبر نبی ص پر بھی سلامی دے، ہاں جیسے تمام دنیا کی مساجد میں سنت طریقہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا کہے السلام علیٰ رسول اللہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور مسجد سے نکلنے والا کہے السلام علیٰ رسول اللہ اللھم انی اسئلک من فضلک (مشکوٰۃ ص ۶۸) اسی طرح مسجد نبویؐ کے نمازیوں کا یہی حال تھا مگر یہ ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ صحابہؓ نماز سے پہلے یا پیچھے قبر النبیؐ پر جاکر سلام کہتے تھے خاص کر جب ام المومنین کی رہائش وہیں تھی، البتہ مرنے والے سے کہہ دیتے تھے کہ میرا سلام نبی سے عرض کر دینا۔

نیز صحابہ رضی جب باہر مہموں میں جاتے تھے تو کہیں سے یہ منقول نہیں کہ حضورؐ کی قبر اطہر پر جاکر سلام کرکے اجازت مانگتے ہوں اور درخواست کرتے ہوں کہ یا حضرتؐ! ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرے اور اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں اخلاص پیدا فرمائے اور ہمارے عمل کو قبول فرمائے، ومن ادعی فعلیہ البیان

جب حضرت عبداللہ بن زبیر و محمد بن ابی بکر و عبدالرحمٰن بن ابی بکر و قاسم بن محمد وغیرہ آپ کے بھائی بھتیجے اور بھانجے وغیرہ آپؓ کی خدمت اقدس میں مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو اندر حجرہ شریفہ میں تشریف لے جاتے تھے تو حضرت ام المومنینؓ سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے اور حضورؐ سے براہ راست کوئی مسئلہ نہیں پوچھا کرتے تھے نہ ہی حضرت ام المومنینؓ نے کبھی ان سے کہا کہ آپ خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں، حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی عادت مبارکہ یہ تھی (جیسے سید سلمان ندوی نے لکھا کہ) کوئی شخص روایت ان سے دریافت کرنے آتا تو بجائے اپنے وہ خود اصل راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ بیچ کے واسطے جس قدر کم ہو سکیں اور سند عالی ہو سکے بہتر ہے اس سے آگے دو مثالیں بھی دیں (سیرت عائشہؓ ص ۱۹۲) جب آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی تو براہ راست آنحضرتؐ کی ذات گرامی سے دریافت کرا دینا تو کوئی بعید امر نہ تھا مگر یہ بات فرض تو کی جا سکتی ہے مگر اس کا وقوع اور ثبوت تمام ذخیرۂ احادیث بکھیر کر دیکھنے سے نہیں ملتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تقید حیات رہے وحی کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ تیسرے پارہ کی آیت واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ آپؐ کی وفات سے سات دن پہلے اتری تھی اور آپؐ کی وفات کے بعد کوئی آیت نہیں اتری، قرآن پاک مکمل ہو گیا وحی بند ہو گئی اب نہ تو قرآن پاک میں تغیر تبدل ہو سکتا ہے نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ اس میں سے کوئی آیت منسوخ ہو سکتی ہے اور نہ اس کی مراد بدلی جا سکتی ہے۔ اب اس کی تمام آیات محکمہ غیر محتمل النسخ ہیں، جیسے مرزا گاماں نے جہاد کی آیت کو منسوخ قرار دیا حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی آیت کو صراحت کے ساتھ محکم فرمایا

فاذا انزلت سورۃ محکمۃ و ذکر فیھا القتال الآیۃ اور جو آیات قرآنیہ متشابہات کے قبیل سے ہیں جن کی مراد وضاحت طلب تھی اور جب حضورؐ بقید حیات تھے صحابہؓ نے ان کا مطلب آپ سے دریافت کیا آپ نے صاف صاف بتایا کچھ چھپایا نہیں تھا اور اس کی مثالیں احادیث میں بکثرت ملتی ہیں قال تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک نیز فرمایا وما ھو علی الغیب بضنین۔

اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جو متشابہات کے قبیل سے ہیں اور آپ نے ان کی تشریح نہیں فرمائی تو ان پر اور ان کی حقیقت پر ایمان رکھنا ضروری ہے ان کی مراد قیامت ہی کو منکشف ہو سکتی ہے ان پر عمل کرنے کی یہی صورت ہے کہ ان کو بغیر مراد سمجھنے کے بدل و جان حق سمجھیں کہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ آیات ہیں اور بس، اور یہ ہو سکتا نہیں کہ جیسے وفاۃ النبیؐ سے پہلے آپ سے متشابہات کا مطلب حل کرا لیتے تھے اب وفاۃ النبی کے بعد آپؐ کی قبر اطہر پر بیٹھ کر آپ سے مطلب حل کرا لیں جیسے آج کل کئی مدعیان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کہ ہم آپ سے براہ راست تمہاری ملاقات کرا دیتے ہیں، ہم تمہارا ہاتھ ڈائرکٹ حضورؐ کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور ہم نے اپنے کئی عقدے اور لاینحل مسئلے حضورؐ سے براہ راست حل کرائے ہیں۔

دراصل یہ لوگ عوام کے سامنے اس انداز سے تعلّی کرتے ہیں اور شیخی مارتے ہیں جس سے اکابر سلف صالحین، مجتہدین، خیر القرون، صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین، اہلبیت کی توہین کرتے ہیں اور توہین کراتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ براہ راست آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ سے فیض حاصل کرنے سے محروم رہے اور ہم خوش قسمت اور بانصیب ہیں جو براہ راست خود تو فیض لینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے ہم تو دوسروں کو حضورؐ کی خدمت اقدس میں پیش کر کے فیضیاب کرا دیتے ہیں، نیز کشف کے متعلق کون کہتا ہے کہ اختیار میں نہیں ہے ہم ورد کرتے ہیں مجال ہے کہ کشف نہ ہو، منکرین نہ مانیں، ہمارے پاس آئیں ہم ان کو دن میں تارے دکھا دیں گے، کیا کہنے ؟

آپؐ جب بقید حیات تھے تو آپ کا اسم گرامی (محمدؐ) مع کنیت کے ایک

آدمی پر بھی بول نہیں سکتے تھے اور آپؐ کی وفات کے بعد "ابوالقاسم محمد" ایک آدمی پر بول سکتے ہیں جیسے امام رابع حضرت علی رضؓ نے اپنے صاحبزادے کا نام جو بنو حنیفہ کے خاندان میں سے بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے "ابوالقاسم محمد" نام رکھا (مشکوٰۃ ص ۴۰۸ ج ۵)

آپ جب بقید حیات تھے تو جو مومن آپؐ کے معصوم جسدِ اطہر مطہر و معطر کو ایک بار دیکھ لیتا وہ صحابی بن جاتا۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد جو مومن آپؐ کے جسدِ اطہر مطہر کو جتنی بار دیکھتا رہے وہ کسی طرح صحابی نہیں بن سکتا۔

آپ جب بقید حیات تھے اور قحط پڑ جاتا تو لوگ آپؐ کے پاس آکر دعا کرتے اور آنحضرتؐ سے بھی درخواست کرتے کہ آپؐ ہمارے حق میں اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ بارش برسائے اور قحط دُور فرمائے آپ بھی دعا فرماتے تو اللہ تعالےٰ بارش برساتا اور قحط ہٹاتا، اگر بارش تھمنے میں نہ آتی تب بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے دُعا کی درخواست کرتے آپؐ دعا فرماتے اللہ تعالیٰ بارش روک دیتا جس کی مال مشرکہ ہوتی آپؐ سے اس کی ہدایت کی دُعا کرنے کو کہتے آپ دعا فرماتے اللہ تعالےٰ قبول فرماتا مشرکہ مال اسلام قبول کر لیتی، سبق یاد نہ ہوتا، حضورؐ سے درخواست کی آپؐ نے دعا فرمائی قبول ہوئی پھر کبھی نہ بھولتا، سواری پر صحیح بیٹھ نہ سکتا، حضورؐ سے درخواست کی آپؐ نے درخواست کرنے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی، قبول ہوئی پھر سواری پر سے کبھی نہ گرتا، قرضہ بہت ہوتا، قرض خواہ جان نہ چھوڑتے حضورؐ سے درخواست کی آپؐ دعا کرتے اللہ تعالےٰ مال میں وہ برکت کرتا کہ سب قرض ختم ہو جاتا، غزوہ تبوک میں اصحابؓ کو بھوک لگی حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ سے برکت کی دعا کی درخواست کی، حضرتؐ نے سب کے بچے ہوئے ٹکڑے منگوا کر جمع کر کے دُعا کی قبول ہوئی سب نے سیر ہو کر کھایا، بچ بھی گیا، حضرت ابوہریرہؓ نے کچھ کھجوریں لے کر حضورؐ سے درخواست کی کہ ان میں برکت کی دُعا فرمائیں آپؐ نے ان کو جوڑ کر برکت کی دعا کی فرمایا جا کر توشہ دان میں رکھ دے آپؓ نے ایسا ہی کیا پس توشہ دان میں ہاتھ ڈالا، کھجوریں نکال

کر کھا لیتے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن تک یہی عمل رہا، اس دن توشہ دان ٹوٹ گیا وہ برکت بھی ختم ہو گئی۔ اب حضرت ابوہریرہؓ قبر النبیؐ پر نہیں گئے جو جا کر عرض کرتے یا حضرت! وہ توشہ دان ٹوٹ گیا اب پھر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میرے مال میں برکت ہو اور کسی ایک صحابیؓ نے آپؐ کی قبر پر جا کر کسی قسم کی دعا کی درخواست نہیں کی، بارہا قحط بھی ملک میں پڑے مگر کسی ایک صحابیؓ نے بھی آپؐ کی قبر پر جا کر دعا کی درخواست نہیں کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ بارش برسے اور قحط دور ہو، اور بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ لوگ بہتان لگاتے ہیں جس کا جواب قیامت کو دیں گے۔

بہرحال صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، خیر القرون، سلف صالحینؒ وائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک کا بھی معمول نہ تھا کہ قبر النبیؐ پر جا کر حضورؐ سے درخواست کرتے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے واسطے سفارش فرمائیں یا ہماری بخشش کی دعا فرمائیں یا ہمارے مال وجان کی برکت کی دعا فرمائیں یا یہ دعا فرمائیں کہ ہمیں ایمان کی پختگی اور استقامت نصیب ہو اور ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔

آپؐ جب بقید حیات تھے تو آپ سوائے چند خصوصیات کے امت کی طرح تمام اوامر ونواہی کے پابند تھے بلکہ بعض امور میں بہ نسبت امت کے آپؐ پر پابندیاں زیادہ تھیں جیسے نماز تہجد کا آپؐ پر فرض ہونا، وتر و اضحیہ کا آپ پر فرض ہونا، اب جب آپ وفات پا چکے تو اب آپؐ پر وہ پابندیاں نہیں ہیں، تبلیغ دین، جہاد آپؐ پر بہت اہم فریضہ تھا جس میں ذرا سی کوتاہی بھی باور نہیں کی جا سکتی تھی جیسے فرمایا یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اے رسولؐ! جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپؐ لوگوں کو سب پہنچا دیجیے اور اگر بفرض محال آپ ایسا نہ کریں گے تو ایسا سمجھا جائے گا جیسے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا کیونکہ یہ مجموعہ فرض ہے تو جیسا کل کے اخفا سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفا سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے۔ (تھانویؒ)

مگر اب وفات کے بعد آپؐ پر کوئی پابندی نہیں ہے اب آپؐ دنیوی زندگی سے بے نیاز ہو کر برزخی حیات کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ملاء اعلیٰ کی رفاقت میں خوش و خرم تشریف فرما ہیں اور لقاء الٰہی اور دیدار الٰہی میں ہر وقت محظوظ ہیں اور اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے معصوم جسد اطہر مطہر معطر کو جس میں روح مبارک آنحضرتؐ کی کارفرما تھی اس طرح اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھا ہے کہ اس میں بال برابر بھی تغیر و تمار (وقوع پذیر) نہیں ہوا جس طرح قرآن ایک صفت معظمہ الٰہیہ ہے مگر جن اوراق پر نقوش مرسم ہیں وہ بھی محترم ہیں ان کو بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے اسی طرح زمین پر حرام ہے کہ آپؐ کے جسد اطہر کو لقمہ بنائے جیسے مچھلی کو حکم تھا کہ یونسؑ کی ذات کو امانت کے طور پر اپنے پیٹ میں محفوظ رکھے اور اللہ تعالےٰ کے پیغمبر کو کچھ تکلیف نہ پہنچائے آپ کا مکان بہت بڑا عالی شان ہے آپ کے کھانے پینے کا وہاں بہترین انتظام ہے جتنا اور کسی پیغمبر کا بھی نہیں (مشکوٰۃ ص ۳۹۶)

جب آپؐ بقید حیات تھے جہاد میں مال غنیمت میں سے خدا کی طرف سے مخصوص حصہ آپؐ کے لیے ہوتا تھا جس کا نام صفی ہوتا تھا آپؐ کی وفات کے بعد وہ حصہ موقوف ہو گیا (کتب فقہ حنفیہ)

آپؐ جب بقید حیات تھے تو آپؐ سے مسائل حل کرائے جاتے تھے مگر وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مسائل حل کروانے لگے۔ بلکہ جب ایک عورت مسئلہ پوچھ کر جانے لگی تو پوچھا کہ اگر پھر کوئی مسئلہ پوچھنا پڑ جائے پھر میں آؤں اور آپؐ کو (زندہ) نہ پاؤں تو پھر میں مسئلہ کس سے پوچھوں؟ تو آپؐ نے فرمایا پھر ابوبکرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لیے آجانا (مشکوٰۃ ص ۵۵۵) یوں نہیں فرمایا کہ میری قبر کے پاس آکر مجھ سے پوچھ لینا۔ تو میں تیرا سوال سن کر جواب دے دوں گا کیونکہ خدا کا حکم فردوہ الی اللہ والرسول عام ہے وفات سے پہلے بھی اور وفات کے بعد بھی۔

آپؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے میراث کا مطالبہ کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ بھلا خلیفہ ابوبکر کیا جواب دیتے ہیں؟ تو حضرت خلیفہ بلا فصل اعلم الناس بعد الانبیا امام اعظم

ابوبکر الصدیق رضؓ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں فرما گئے ہیں :
نحن معاشر الانبیاء لا نورث وما ترکناہ صدقۃ انبیاء کا ورثہ بٹا نہیں کرتا جو رہ جائے وہ صدقہ ہے جواب سُن کر صحابہ کرام میں سے کسی نے کچھ اعتراض نہیں کیا اور نہ حضرت بتول رضؓ نے بلکہ سب نے سچی بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی اگر امام ابوبکر رضؓ کی بات میں سرِ مُو حق سے تفاوت ہوتا تو صحابہؓ خموش رہنے والے نہ تھے ضرور آپ کو غلط بات پر ٹوک دیتے تو امام ابوبکرؓ کے اس فرمان سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو آپ کو نبی ﷺ کی وفات مسلّم ہے ورنہ آپ یہ جواب دیتے کہ تم وراثت کا سوال کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وراثت تو اس کی ہوتی ہے جو مر جائے اور حضورؐ پاک زندہ ہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا ورثہ نہیں بٹتا۔ اسی طرح حضرت بتول کا سوالِ وراثت خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ابا جان وفات پا چکے ہیں، ورنہ وراثت کے سوال کے کیا معنی ؟ اسی طرح تمام صحابہ رضؓ کا سکوت بھی اسی بات کی دلیل ہے۔

نیز ازواجِ مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان رضؓ کو ابوبکر رضؓ کے پاس اپنا ثمن ⅛ مانگنے کے لیے بھیجیں ان کے ذہن سے اس سانحہ عظیمہ کی وجہ سے مسئلہ ذہول ہو چکا تھا سب جمع ہو کر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس آئیں آپؓ نے فرمایا تمہیں وہ حدیث بھول گئی ہے جو حضورؐ نے فرمایا تھا نحن معاشر الانبیاء لا نورث سنتے ہی آپ کو وہ حدیث بھولی ہوئی یاد آگئی بس فوراً اعتراف کیا اور مطالبہ چھوڑ دیا۔ ان سب کے مطالبہ سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات کو نبی پاکؐ کی وفات مسلّم ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا جواب بھی اسی پر دال ہے جیسے ان کے ابا جان کا۔

کُلّ مَا مَضٰی کا ماحصل درج ذیل ہے

آپؐ پر میّت کا اطلاق کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱ حضرت انس رضی اللہ عنہ (بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و ۷۴۵ و ۷۷۶ و ۸۱۱ و ۸۱۵ و ۸۷۶ و ۹۵۶ و ۹۲۱ و ۹۵۵ و ۱۰۷۲ و بخاری ج ۱ ص ۹۳، ۹۴۔

۲ حضرت ابی بن کعبؓ، ابن ماجہ ص ۱۱۹

۳ حضرت ابوالدرداءؓ (ابن ماجہ ۱۱۹

۴ حضرت ابوسعید خدری رضؓ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲ و مسند دارمی ص ۲۱

۵ حضرت ابوجحیفہ رضؓ (بخاری ج ۱ ص ۵۰۱

۶ حضرت ابوبردہ رضؓ (بخاری ص ۴۳۸ و ۸۶۵

۷ حضرت ابوذر غفاری رضؓ (بخاری ج ۲ ص ۹۳۶ و ۱۱۰۰

۸ حضرت انس بن نضر رضؓ (بغوی ج ۲ ص ۲۵۵

۹ حضرت ابوہریرہؓ (بخاری ج ۲ ص ۸۴۷ و ۸۰۹ و ۸۱۵ و ۹۹۶ و ۱۰۲۳ و ۱۰۸۱ و ۱۱۸۸ و ۱۰۷۳ و بخاری ج ۱ ص ۳۴۶ و ۳۹۳ و ۴۲۷ و ۴۱۷ و ۴۹۱ و ۱۱۸۸ و ۴۳۷

۱۰ حضرت ابوبکر رضؓ (بخاری فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ و ۱۲۰ و احکام القرآن ص ۵۸۶ جصاص

۱۱ حضرت اسید بن حضیر رضؓ (بخاری ص ۵۳۵ و ۱۰۴۶

۱۲ حضرت ابن عباس رضؓ (بخاری ص ۵۰۱)

۱۳ حضرت عائشہ رضؓ (بخاری ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۴۱ و ۹۳۹ و ۹۶۴ و ۶۳۹ و ۸۵۴ و ۸۵۶ و ۶۴۰ و ۷۸۵ و ۳۸۲ و ۸۱۱ و ۸۱۸ و ۸۴۷ و ۸۵۱ و ۸۶۵ و ۹۳۰ و ۹۵۵ و ۹۶۴ و ۹۸۹ و ۹۹۵ و ۵۷۶ و ۹۹۶ و ۱۸۶ و ۱۰۸۹ و ۱۰۹۰ و ۸۳ و ۹۱ و ۹۸ و ۱۶۶ و ۱۷۷ و ۱۸۶ و ۲۶۹ و ۲۷۱

و ۴۰۹ و ۴۳۵ و ۵۲۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۹۳ و ۱۲۰ و ۴۹۱ و ۵۰۱ و ۵۱۷
و ۵۱۸ و ۵۱۲ و ابو داؤد ۲۸۹، مشکوٰۃ ۲۷۹ و مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۱۸

۱۴ حضرت ام سلمہ رضؓ (ابن ماجہ ص ۱۱۸ و ۱۱۹ و مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۱۸)

۱۵ حضرت عمر رضؓ (مسند دارمی ص ۲۹)

۱۶ عمرو بن الحارث ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ص ۳۸۲ و ۴۳۷ و ۴۰۸

۱۷ حضرت حذیفہ رضؓ (بخاری ص ۱۱۰۰ و ۹۳۴ و ۹۳۶)

۱۸ جبیر بن مطعم رضؓ (بخاری ص ۵۱۶ و ۱۰۷۲ و ۱۰۹۴ و ترمذی ص ۴۱

۱۹ حضرت جندب رضؓ (مسند ابی عوانہ ج ۲ ص ۴۰۱)

۲۰ حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار رضؓ (بخاری ص ۵۸۳

۲۱ حضرت سہل بن سعد رضؓ (بخاری ص ۸۱۵

۲۲ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضؓ تنویر المقیاس تحت آیت لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ

۲۳ حضرت فاطمہ رضؓ (بخاری ص ۷۴۸)

۲۴ حضرت حفصہ رضؓ (موطا امام مالک ص ۴۸ و مسند ابی عوانہ ص ۲۱۹ ج ۲ و ازواج تسعہ مطہرات۔

۲۵ حضرت ام ایمن رضؓ (دارمی ص ۲۳)

۲۶ ام الفضل بنت الحارث رضؓ (بخاری ص ۶۳۷ و ترمذی ص ۴۱

۲۷ حضرت ابن عمر رضؓ (ترمذی ص ۴۱ و بخاری ص ۳۰۵ و ۵۲۱ و ۷۷۹ و ۹۳۲

۲۸ حضرت ابو ایوب " ")

۲۹ حضرت زید بن ثابت رضؓ " " و غنیم بن قیس و ابو الطفیل

۳۰ حضرت صنابحی عن راکب دفنا رسول اللہ منذ خمس (بخاری ص ۶۴۲

۳۱ حضرت قیس بن جریر عن راکب قبض رسول اللہ و استخلف ابو بکر والناس صالحون (بخاری ص ۶۲۵)

۳۲ حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ (بخاری ص ۳۵۴ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۴۴۸ و ۶۲۹)

۳۳ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضؓ (بخاری ص ۲۸۵ و ابن ماجہ ص ۶)

۳۴ حضرت مالک بن اوس بن الحدثان و عثمان رضؓ و عبد الرحمان بن عوف و الزبیر و سعد

(باقی ص ۱۱۹)

وعلی وعباس (بخاری ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۶
و ۵۷۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۹۹۶ و ۱۰۸۶)

۳۵، حضرت عرباض بن ساریہ (ابن ماجہ ص ۵)

۳۶ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ مواہب لدنیہ عن مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۳)

۳۷ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضؓ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۰)

۳۸ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ (مسند دارمی ص ۳۲۱ اخر ما تکلم به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اخرجوا الیهود من الحجاز و اهل نجران من جزیرۃ العرب

۳۹ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ (بخاری ص ۹۲۶)

۴۰ رشتہ ابوسفیان بن الحارث رضؓ (مواہب لدنیہ ص ۳۷۶) ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۴۱ سالم بن عبیداللہ الاشجعی رضؓ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۳۷۳)

۴۲ عباس بن عبدالمطلب رضؓ (دارمی ص ۲۳)

۴۳ مخرمۃ بن نوفل الزہری رضؓ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۲۳)

۴۴ سالم بن عتیک رضؓ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۰)

۴۵ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن ابیہ (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۶ و ۸۷)

۴۶ ابوذؤیب الہذلی رضؓ قال بلغنا ان النبی علیل ..... فعلمت ان النبی بن اومیت مواہب ج ۲ ص ۳۷۷)

۴۷ جبیر بن نفیر رضؓ

۴۸ الوحشی قاتل حمزہ سید الشہداء ثم قاتل مسیلمۃ الکذاب۔

۴۹ ابو موہبۃ

۵۰ ورثاء حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

۵۱ ورثاء سواد بن قارب رضؓ

۵۲ باقی ماندہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ..... میزان ۵۸

تابعین خیر القرون و محدثین بھی یہی کہتے ہیں

ابن شہاب زہری و عروہ بن زبیر (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۳۷۱)
قتادہ: ابن جریر پ ۳۰ ص ۲۱۷ و روح المعانی پ ۳۰ ص ۲۵۵
ضحاک (" " ")
مجاہد (" " ")

عروہ بن زبیر، ہشام بن عروہ، اسود بن یزید، ابراہیم نخعی، سعید بن مسیب، ابو خیر مرثد بن عبداللہ، قیس بن ابی حازم، سلمہ ابو حازم، سعید بن ابی سعید المقبری، ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن، ابن شہاب زہری، قتادہ بن دعامہ، سعید بن ابی عروبہ، ہمام بن یحییٰ ابو عمرو ذکوان مولیٰ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان حجبی، منصور بن المعتمر، محمد بن جبیر بن مطعم، عمرو بن دینار، عبید بن حنین، اسماعیل بن ابی خالد، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، سعید بن جبیر، ابراہیم بن سعد محمد بن ابی بکر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر، سفیان ثوری، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، عبدالوارث بن سعید البصری، حسن بن ربیع معمر بن راشد، ہلال وزان، عبداللہ بن کعب بن مالکؓ، عبداللہ بن یوسف، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ بن عون ہلالی حزاز، عالس بن ربیعہ، عبدالرحمٰن بن عالس، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابو اسحٰق عمرو بن عبداللہ، طلحہ بن مصرف، مالک بن مغول، ابو الاحوص، سلام بن سلیم، یحییٰ بن سعید القطان، ازہر بن سعد سمان، ایوب سختیانی، حماد بن زید، حماد بن سلمہ منصور بن صفیہ، ہشام بن یوسف، سلیمان بن بلال تیمی، عبداللہ بن المبارک، عمرو بن سعید بن ابی حسین القرشی، عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحٰق الہمدانی الکوفی، عبدالرزاق بن ہمام شعبۃ بن الحجاج، یونس بن یزید، زکریا ابن اسحاق، اسماعیل بن ابی خالد، ابو النضر مولیٰ بن عمر بن عبیداللہ، ابو بشر جعفر، سلیمان احول، سفیان بن عیینہ، عقیل بن خالد، لیث بن سعد ابن نفیل، محمد بن جعفر غندر، شعیب بن ابی حمزہ، صخر بن جویریہ نمری، عفان بن مسلم صفار

ابو عوانہ وضاح، عباد بن عبداللہ بن زبیر، عبدالعزیز بن مختار، مالک بن انس، صلت بن محمد معلی بن اسد، حبان بن موسیٰ، محمد بن یحییٰ الذہلی، ابو الیمان حکم بن نافع، مسلم بن ابراہیم، محمد بن بشار بندار، میسرہ بن صفوان بن جمیل اللخمی، علی بن عبداللہ المدینی، قتیبہ بن سعید، محمد بن عرعرہ یحییٰ بن بکیر، عمرو بن علی، اسماعیل بن عبداللہ، ابو معمر، عبدالعزیز، ابو الیمان، عبدالعزیز عبداللہ، اسماعیل بن ابی ادریس، محمد بن عبید بن میمون، ابو نعیم فضل بن دکین، عبداللہ بن محمد جعفی، علی بن المدینی، ابراہیم بن موسیٰ، محمد بن یوسف فریابی، ابو محمد خلاد بن یحییٰ، بشر بن محمد سلیمان بن حرب، قبیصہ بن عقبہ، ابو عبداللہ اصبغ بن الفرج، مہران بن سلیمان اعمش، عبداللہ بن وہب، عمرو بن الحارث، ابن ابی حبیب، مسلم بن صبیح ابی الضحیٰ، مسروق بن الاجدع منصور بن معتمر، جریر بن عبدالحمید، عثمان بن ابی شیبہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، حبیب بن ابی ثابت الاسدی، منصور بن عبدالرحمٰن تیمی، اسماعیل بن خالد، وہب بن جریر، وہیب بن خالد، روح بن عبادہ، یعقوب بن عبدالرحمٰن، عقیل، مسلم بن ابراہیم بصری، محمد بن سنان، عبداللہ بن محمد مسندی، اسحٰق بن ابراہیم راہویہ، ہدبہ بن خالد، اسماعیل بن ابی اویس، یحییٰ بن سلیمان، عبداللہ بن محمد بن عمرو بن الحجاج ابو معمر، اسماعیل بن ابان، یحییٰ بن بکیر، عبداللہ بن ذکوان ابو الزناد، عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج، عبداللہ بن مسلمہ، یحییٰ بن سلیمان، اسماعیل بن ابی اویس، مطر بن الفضل، عمرو بن علی، سفیان تمار، حماد بن اسامہ ابو اسامہ۔ رحمہم اللہ

محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں اخراج احادیث بھی کیا ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا ہے اور آپ کی وفات کے متعلق مستقل باب بھی منعقد کیے ہیں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ۴ جگہ باب وفاۃ النبی ﷺ منعقد فرمایا

(۱) کتاب الجہاد میں ص ۴۳۷ پر باب نفقۃ النساء النبیؐ بعد وفاتہ ﷺ

(۲) کتاب المناقب میں ص ۵۰۱ باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) کتاب المغازی ص ۶۳۷ پر باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ

(۴) ص ۶۴۱ پر باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مشکوٰۃ شریف میں باب الکرامات کے بعد ص ۵۴۶ میں باب وفات النبی صلی اللہ

علیہ وسلم ہے۔

مسند دارمی ص ۲۱ میں باب فی وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ص ۲۵ میں ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ صلی اللہ علیہ وسلم

موطا امام مالک ص ۱۷۷ پر ہے الدفن فی قبر واحد من ضرورۃ وانفاذ ابی بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے بھی "مدارج النبوۃ" میں باب وفات النبی لکھ دیا۔

شمائل ترمذی ص ۳۰ پر ہے باب ماجاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور الجامع ص ۱۳۶ پر امام ترمذی نے باب ماجاء فی الثوب الواحد یلقی تحت المیت فی القبر منعقد کر کے حدیث بیان فرمائی جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے نیچے قبر میں چادر بچھادی تھی، پھر علماء کا کلام ذکر فرمایا:

مجتہدِ اعظم امامِ اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رح

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ نے فقہ اکبر میں کہا ہے مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الایمان اس عہد میں اعتزال کا زور تھا، فرقہ معتزلہ کا بانی عمرو بن عبید ابن باب ابوعثمان بصری معتزلی زاہد و متکلم، اسی طرح رئیس المعتزلہ واصل بن عطا اسی دور میں تھا اور خلیفہ عبدالملک کا پوتا لوگوں کو قدریہ کے عقائد کی بڑے زور شور سے دعوت دیتا تھا خلافت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی من مانی کرتا تھا، ابو محمد اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی بھی اسی عہد کا ہے۔ قتادہ بن دعامہ قدری، مقاتل بن سلیمان بن بشیر خراسانی مفسر، ابوحمزہ ثمالی شیعہ زرارہ بن اعین بن سنسن شیبانی کوفی شیعہ، محمد بن سائب کلبی کوفی، سبائی، ابومخنف لوط بن یحییٰ بن مخنف بن سلیمان ازدی مورخ بھی اسی دور کا ہے جس نے بڑی بڑی

کتابیں اپنے رفض کی اشاعت میں لکھ ماریں جن میں سے اس کی یہ مشہور کتابیں ہیں ۱
کتاب الردۃ، فتوح الشام، فتوح العراق، کتاب الجمل، کتاب الصفین، کتاب النہروان، کتاب
الغارات، مقتل علی، مقتل عثمان، مقتل حسین، مختار بن عبیدہ، کتاب الشوریٰ، وقعۃ الحرہ
وغیرہ، اس کا دادا مخنف حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھا، اسی عہد میں برامکہ تھے جو
مجوسی تھے مسلمان بن کر وزارت عباسیہ کا قلمدان سنبھال لیا اور طرح طرح کی لغویات
اپنی وزارت کے بل بوتے پر اسلام میں داخل کر دیں، سیف بن عمرو زندیق اسی عہد میں تھا
جس نے حضرت بلال بن حارث مزنی صحابیؓ رسولؐ پر طوفان باندھا۔

اگر وفاۃ النبیؐ کا عقیدہ واقعی معتزلہ اور رافضی کا ہوتا تو خیر القرون کے مجتہدین و
محدثین ان کی تردید میں باب حیات النبیؐ بھی ضرور ذکر کرتے اور اس امر کی تشریح
کرتے کہ دفن کے بعد پھر سے انبیاء کرامؑ کی حقیقی حسی دنیوی جسمانی عنصری حیات حاصل ہو
جاتی ہے مگر یہ مسئلہ اس وقت نہ تھا تین صدیاں گزرنے کے بعد متاخرین نے
حیاۃ النبیؐ بعد الدفن کا مسئلہ چھیڑا ہے مگر اس میں بھی حیاۃ دنیوی جسمانی عنصری، حسی
حقیقی کا ذکر نہیں بلکہ قبوری زندگی کا ذکر ہے جو سب کو مسلم ہے، ہزار سال سے پہلے
یہ دعویٰ نہیں ملتا۔

صاحب مواہب لدنیہؒ و عبد الغنی نابلسیؒ

علامہ شیخ عبد الغنی نابلسی دمشقی متوفی ۱۱۴۳ھ رحمہ اللہ نے کتاب رشحات الاقلام
شرح کفایۃ العوام علی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۶ میں لکھا۔
وھو النبی الباقی علی رسالتہ وان مات صلی اللہ علیہ وسلم الی آخر الزمان
وانقضاء الدنیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وفات پا چکے ہیں تاہم آخر زمانہ
تک اور دنیا کے اختتام تک آپ اپنی رسالت پر بدستور قائم و دائم ہیں (آپؐ کی
وفات سے ان کی نبوت زائل نہیں ہوئی) بلکہ آپؐ جیسے اپنی حیات دنیوی میں حقیقۃً
نبی تھے اب وفات کے بعد برزخی زندگی میں بدستور حقیقۃً و واقعۃً بلا مجاز نبی ہیں،

مجاز کا شائبہ تک نہیں ہے۔

مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۵۱ میں ہے الانبیاء عند مبعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم من جملۃ الاموات والمیت لا یکون مکلفا یعنی آپ کی بعثت کے وقت تمام انبیاء علیہم السلام الا عیسیٰ من جملہ اموات کے تھے اور میت مکلف نہیں ہوتا

وفات اور قبر نبیؐ کا عقیدہ

کتاب جامع زبدۃ العقاید التوحیدیہ ص ۲۲ میں ولد عدلان نے فرمایا فالجملۃ ان تعتقد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم افضلھم وخاتمھم وانہ من الانس لا من الجن وانہ من العرب لا من العجم وانہ قرشی من بنی ھاشم وان اباہ عبد اللہ بن عبد المطلب وامہ آمنۃ بنت وھب وان مولدہ مکۃ المشرفۃ وھاجر منھا الی المدینۃ المنورۃ ودفن بھا صلی اللہ علیہ وسلم وھو صاحب ھجرۃ النبویۃ والشفاعۃ العظمیٰ والاسراء والمعراج صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ عقیدہ رکھو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل اور آخری نبی ہیں، نیز یہ انسان ہیں جن نہیں اور عرب ہیں عجمی نہیں قریشی ہاشمی ہیں اور ان کے والد ماجد عبد المطلب کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ ہیں اور والدہ ماجدہ وہب کی صاحبزادی حضرت آمنہ ہیں اور آپ کا مولد مکہ شریف ہے اور وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ ہی میں وفات کے بعد آپؐ دفن کیے گئے اور آپ ہجرت والے اور شفاعۃ عظمیٰ والے اور اسراء ومعراج والے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعلیم الاسلام: ج ۱ ص ۵ میں سوال (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر کہاں رہے؟) کا جواب لکھا:

ترپن سال کی عمر تک اپنے شہر مکہ معظمہ میں رہے ہیں اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ میں چلے گئے اور دس سال وہاں رہے پھر ترسٹھ سال کی عمر میں

وفات پائی (یہ عقاید کے حصہ میں مذکور ہے)

علامہ ترکمانی رحمہ اللہ تعالےٰ

السنن الکبریٰ للبیہقی رح کی تعلیق جو علامہ ترکمانی رحمہ اللہ نے الجوہر النقی کے نام سے لکھی ہے اس کی جلد اول صفحہ ۲۷۷ میں امام قدوری رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

وقال القدوری لم یکرروا الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و لا الخلفاء من بعدہ، وانما صلی علیہ السلام علی القبر لانہ کان الولی انتہی

یعنی علامہ قدوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رض اور خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی (اس سے معلوم ہوا کہ کسی میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا روا نہیں جب کہ دفن سے پہلے ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو۔

اب سوال ابھرتا تھا کہ جس میت کا جنازہ صحابہ کرام رض پڑھ چکے تھے بعد میں اس کو دفن کیا گیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی تو اس سوال کا جواب دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی تھی تو دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ولی تھے اور ولی نے اگر دفن سے پہلے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو اس کو شرع مطہر کی طرف سے حق پہنچتا ہے کہ میت کے دفن ہو چکنے کے بعد اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کرے۔

نیلوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر نماز جنازہ ادا نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ صحابہ کرام رض نے آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ لیکن کسی فقیہ نے آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ ادا نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں بتائی کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں اسی طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دنیا میں رونق دین کے اوپر آپ تشریف فرما ہیں اس لیے آپ کی قبر اطہر بلکہ اعتکاف گاہ پر نماز جنازہ منع ہے کیونکہ جنازہ کی نماز مردوں پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ عزلت نشین اعتکاف بیٹھنے والے زندہ

فتوٰی حضرت تھانویؒ

المورد الفرسخی فی المولد البرزخی ص ۴۵ میں ہے: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچ مچ وصال ہوگیا اور منافقوں بد دینوں میں کھچڑی پکنے لگی اور وہ باہم چپکے چپکے خوشیاں منانے لگے حالانکہ خوشی کا کیا موقع تھا بھلا اگر سلطان کسی منتظم کو اپنے پاس بلالے تو دوسرا منتظم بھیج دیا جائے گا جو اشرار کی سرکوبی کے لیے کافی ہوگا گو رتبہ میں کم ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تلوار نکال کر سب کو دھمکایا کہ خبردار کوئی زبان سے یہ لفظ نہ نکالے کہ "حضورؐ کی وفات ہوگئی" بلکہ آپ پر غشی طاری ہوگئی ہے اور درگاہِ قرب میں روحانی طور پر تشریف لے گئے ہیں ابھی واپس آکر منافقوں کو قتل کریں گے۔ حضورؐ کی وفات ابھی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسلام کی تکمیل نہ ہوجائے۔

یہ کوئی پالیسی نہیں تھی جیسا کہ بعض اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ واقعی اس وقت حضرت عمرؓ کا خیال ہی یہ تھا کہ یہ جو حالت حضورؐ پر طاری ہے موت نہیں ہے بلکہ آپؐ کو معراج روحانی ہوئی ہے۔ اگر ان کو یہ شبہ ہوتا کہ یہ حالتِ موت ہے تو ان کو اپنے بھی ہوش نہ رہتے چہ جائیکہ پالیسی اور تدبیر سوچتے چنانچہ جس وقت حضرت صدیق رضؓ کی زبان سے ان کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضورؐ کا وصال ہوچکا، اس وقت ان سے کھڑا بھی نہ ہوا گیا، قدم لڑکھڑا گئے اور سکتہ کی حالت میں رہ گئے۔ بھلا عاشق کو محبوب کی مفارقت کے وقت کہیں پالیسی کی سوجھتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ حقیقتہً ان کا خیال یہ تھا کہ حضورؐ دین کی تکمیل فرما کر دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔

اس پر شاید اہل علم کو شبہ ہو کہ دین کی تکمیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوچکی تھی چنانچہ حج وداع میں آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا نازل ہوچکی تھی پھر حضرت عمرؓ کو کس تکمیل کا انتظار تھا؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں جس تکمیل کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ احکام کے اصول و قواعد ہر بات میں مکمل ہوچکے ایسے ایسے قاعدے بتلا دیئے

گئے کہ اب قیامت تک کے واقعات کا حکم انہیں سے معلوم ہو سکتا ہے اور حقیقی تکمیل اسلام یہی ہے بھی۔ مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ فروعی تکمیل بھی حضورؐ ہی کے ہاتھوں سے ہوگی جس کے بعد کسی کے اجتہاد کی ضرورت نہ رہے گی، جیسا کہ مسئلہ ربوٰ میں تبیین کامل منصوص کی تمنا ان سے منقول ہے یا اشاعت اسلام کی تکمیل بھی آپ ہی کے ہاتھوں سے ہوگی جس کی صورت یہ ہے کہ تمام عالم کی فتوحات آپ کے سامنے ہوں جیسا ان کا یہ قول وارد ہے کہ جب تک منافقین کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں گے۔ آپؐ کی وفات نہ ہوگی گو اصولاً یہ تکمیل بھی ہو چکی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نقشہ بھی صحابہؓ کو بتلا دیا تھا کہ اول شام کی طرف پیشقدمی کرنا پھر فارس کی طرف، میت کے اطلاق کے منافی نہیں، اللہ تعالےٰ نے خود قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے انک میت و انھم میتون چنانچہ مرض وفات ہی میں جیش اسامہ کو تیار فرما کر شام کی طرف جانے کا حکم فرمایا تھا اور کنوز کسریٰ و خزائن فارس کے فتح ہونے کی پیش گوئی صحابہؓ سے کئی بار فرمائی تو اصولاً فتوحات کی بھی تکمیل آپؐ فرما چکے تھے صرف اتنی دیر تھی جیسے انجنیر اعظم نہر کھدوا کر لیول درست کر دے اور تمام مقامات سے اس کو ہموار کر کے چلا جائے کہ اب صرف اتنا کام باقی ہے کہ اس میں پانی چھوڑ دیا جائے سو یہ کچھ کمی نہیں، محض ظاہری کمی ہے حقیقت میں تو نہر کا کام ختم ہو گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتوحات کا کام بھی حقیقت میں ختم فرما چکے تھے نقشہ سب تیار ہو چکا تھا، صرف فوجوں کا اس پر چلانا باقی تھا سو یہ کچھ کمی نہ تھی۔ مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ یہ ظاہری کمی بھی حضورؐ ہی کے سامنے پوری ہو گی۔ (یہ خبر نہ تھی کہ یہ کام میرے ہی ہاتھوں سے خدا کو لینا منظور ہے اور مجھے فاتح اعظم اسلام کا لقب دینا ہے)

غرض جب تک حضرت عمرؓ کا یہ خیال رہا کہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے اس وقت تک سنبھلے رہے نہ رونا آیا نہ رنج و فکر ہوا بلکہ دلیری کے ساتھ منافقوں کو... دھمکاتے رہے یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضورؐ کی اس حالت کی اطلاع

ہوئی وہ اس وقت اپنے گھر میں تھے (کیونکہ صبح کی نماز کے وقت وہ حضورؐ کو اچھا دیکھ گئے تھے کہ نماز کے وقت آپ بستر سے اُٹھ کر دروازۂ مکان تک بھی تشریف لائے جس سے صحابہؓ کو گمان ہوا کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں اور اس خوشی میں قریب تھا کہ نماز درہم و برہم ہو جائے کہ حضورؐ پردہ چھوڑ کر پھر بستر پر تشریف لے آئے اس حالت کو دیکھ کر یہ گمان نہ ہوتا تھا کہ آپ کا آج ہی وصال ہو جائے گا اس لیے حضرت صدیق رضؓ بے فکر ہو کر کسی ضرورت سے کام پر چلے گئے کہ پیچھے آپؐ پر حالتِ نزع طاری ہو گئی اور وصال ہو گیا) یہ خبر سن کر حضرت صدیقؓ جلدی سے تشریف لائے تو مسجد میں صحابہؓ کو حیران و پریشان اور حضرت عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ: خبردار! "حضورؐ کی نسبت "فات" کا لفظ کسی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔"

حضرت صدیق رضؓ نے کسی کی بات پر التفات نہ کیا اور سیدھے حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اطہر سے چادر مبارک کھول کر حضورؐ کو دیکھا تو دیکھتے ہی یقین آگیا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا اس وقت سب سے زیادہ حضرت صدیق رضؓ مضبوط رہے کہ وفات کا یقین ہو جانے کے بعد اتنا تو منہ سے نکلا

واخليلاه واحبيباه طبت حيا وميتا والله لا يجمعن عليك موتتين ابدا اما الموتة التي كتب عليك فقد متها۔

اس کے بعد نہایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے اس وقت صحابہؓ کی عجیب حالت تھی کہ سب کے سب حضرت صدیق رضؓ کے منہ کو تکتے تھے کہ دیکھیے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے حضرت صدیق رضؓ نے اول تو حضرت عمرؓ کو پکار کر فرمایا "علی رسلک یا رجل" اے شخص ٹھہر جا خاموش ہو جا۔ مگر حضرت عمرؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے خاموش نہ ہوئے تو حضرت صدیقؓ سیدھے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا اس وقت سب صحابہؓ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت صدیق رضؓ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا اما بعد فمن كان يعبد محمدا فان محمدا

قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل آفان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین وانک میت وانھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود سمجھتا ہو وہ سُن لے کہ حضورؐ کا تو وصال ہو چکا اور جو خدا کی عبادت کرتا ہو (اور یہی سمجھ کر اسلام لایا ہو) تو حق تعالےٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے اس میں بتلا دیا کہ تکمیل اسلام کے لیے حق تعالےٰ کا حی ولا یموت ہونا کافی ہے، حضورؐ کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔

بس یہ سُن کر حضرت عمرؓ بالکل ٹھنڈے ہو گئے اور اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ کھڑے رہ سکیں، ایک آہ بھر کر تلوار کے سہارے سے بیٹھ گئے۔

ہو بتلایئے کہ حضرت عمرؓ کو یہ صدمہ پہلے کیوں نہ ہوا حالانکہ معراج روحانی میں بھی مفارقت موجود تھی اور وہ بھی بالکل مشابہ موت کے تھی۔ اب کیوں صدمہ ہوا۔

تو بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ مفارقت دائمہ نہیں، تھوڑی دیر کی ہے، ابھی حضور تشریف لے آئیں گے اور اب یقین ہو گیا کہ حضورؐ اب دنیا میں واپس نہیں آئیں گے جو گویا بمنزلہ مفارقت دائمہ کے ہے اس لیے رنج ہوا پس ثابت ہوا کہ اصل سبب رنج کا موت نہیں بلکہ مفارقت دائمہ ہے ..... اور یہ جو قید لگائی بشکل مفارقت دائمہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مفارقت عارضہ تو ایسی ہے جو حقیقت میں بھی عارضہ ہے اور شکل میں بھی عارضہ ہے۔ جیسے کوئی جلال آباد چلا جائے اور ایک مفارقت عارضہ وہ ہے جو شکلاً دائمہ ہو وہ موت ہے اس کا مقتضیٰ طبعی یہی ہے کہ کچھ حزن عارض ہو اور میں نے دائمہ کی تفسیر اوپر کی تھی کہ اس کے عود کرنے سے مایوسی ہو اس سے ایک شبہ کا رفع کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ گو میت تو ہمارے پاس نہیں آتا مگر ہم تو مر کر اس عالم میں جانے والے ہیں۔ پھر مفارقت دائمہ کہاں ہوئی خصوص صحابہؓ

اور ان میں سے خصوص مبشرین بالجنۃ کہ ان کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یقینی ہے پھر ان کو کیوں رنج ہوا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صاحبزادی کی وفات پر کیوں رنج ہوا۔ سو اس قید سے جواب نکل آیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعت کی ایسی ہی خاصیت بنائی ہے کہ باوجود تیقن اجتماع کے جب عدم عود الی ہذا العالم (اس جہان کی طرف واپس نہ آنا) معلوم ہو جائے ضرور حزن ہوتا ہے اور یہ ایسا امر طبعی ہے کہ اگر کوئی دوسری کیفیت اس پر غالب آجائے تو خیر ورنہ یہ اپنا اثر ضرور کرتی ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کے مرض وفات میں مزاج پرسی کے لیے تشریف لائیں فسارّھا فبکت فلما رأی حزنھا سارّھا الثانیۃ فضحکت یعنی حضورؐ نے خفیہ طور سے کوئی بات ان سے کہی تو وہ رونے لگیں پھر دوبارہ کوئی بات چپکے سے فرمائی تو ہنسنے لگیں حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں مجھ کو تعجب ہوا کہ ایک ہی جلسہ میں روتی بھی ہیں ہنستی بھی ہیں ان کو کیا ہو گیا اور فرماتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تو فاطمہ رضؓ کو ایک بڑی عاقل جانتی تھی یہ تو معمولی عورت نکلیں۔ پھر دوسرے وقت اس کا سبب پوچھا کہ تم ایک ہی جلسہ میں ہنستی اور روتی کیوں تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ کا ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ کے وصال کے بعد پھر دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا کہ ہاں اب بتلانے میں کوئی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ حضورؐ نے اول تو مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں مجھ سے ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے اس سال دو مرتبہ کیا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آگیا ہے، یہ سن کر میں رونے لگی، اس پر دوسری دفعہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ اے فاطمہ رضؓ! میرے متعلقین میں سے سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی، یہ سن کر میں ہنسنے لگی، سو اول مفارقت دائمہ سے رونا آیا گو یہ معلوم تھا کہ مفارقت دائمہ اس معنی کر نہیں ہے کہ میں اس عالم میں بھی جمع نہ ہوں گی مگر پھر بھی رنج ہوا، مگر جب حضرت فاطمہ کو معلوم ہو گیا کہ سب سے پہلے آپ کے پاس میں پہنچوں گی تو اس وقت اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ

باوجود تقاضائے مقتضی غم کے سارا غم دھل گیا اور اس "لا یعود الینا" پر "نعود الیہ" غالب آگیا۔

شیخ المشائخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی رح

شیخ المشائخ سلطان العارفین نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی قدس سرہ صحائف السلوک صحیفہ ۵۶ ص ۱۹۰ میں فرماتے ہیں ومن فوائدہ قال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم انک میت وانہم میتون اراد بذلک موت صفات البشریۃ یعنی الانسلاخ عن قشر البشریۃ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے پیارے نبیؐ! اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کافروں کو بھی مرنا ہے۔ اس ارشادِ خداوندی میں موت سے جسم انسانی کی بشری صفات کا سلب ہو جانا مراد ہے۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور موت کی وجہ سے تمام صفاتِ بشری کا سلب ہو جانا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ بشر تھے آپؐ کے اندر کلی صفات بشری موجود تھیں۔

فتوٰی مفتی اعظم رح ہند

حضرت استاذی و شیخی مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کفایت المفتی ج ۱ ص ۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں: انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں انک میت وانہم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔

نیز ج ۱ ص ۷۷ میں ہے: ہاں انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے مگر یہ زندگیاں

دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔

نیز ج ۱ ص ۹۱ میں ہے: جماہیر امتِ محمدیہ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر میں حیاتِ مخصوص کے ساتھ حیات ہیں، باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق ہی کو معلوم ہے وہ حیات حضور انور پر

اور دوسری جگہ فرمایا: افئن مات او قتل اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجمع صحابہ رضؓ کو خطاب کر کے فرمایا تھا من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات۔

نیز آپ کا فتوای تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۷۶ میں شیخ الحدیث مولٰنا سرفراز خان صاحب صفدر رنہ ظلہ العالی نے نقل فرمایا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیاتِ برزخی حاصل ہے جس کی کیفیت خدا تعالےٰ ہی جانتا ہے لیکن حیاتِ دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

مولٰنا ابوالزاہد محمد سرفراز خان کے قلم سے ظہورِ حق

نیز تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۴۷ و ۲۶۴ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا قول بحوالہ الحبور ص ۴۹ مطبع انوار احمدی الہ آباد و راس الربیعین طبع ملتان ص ۵۰۸ میں منقول ہے: مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیاتِ برزخیہ کہتے ہیں اور المورد الفرسخی فی المولد البرزخی میں اسی طرح فرمایا ہے۔

فتوای مفتی اعظم دیوبند

حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہ اپنے فتوای دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۹۷ محشی مفتی ظفیر الدین میں فرماتے ہیں: انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات، شہداء کی حیات سے بھی اقویٰ واتم ہے اور مراد اس حیات سے حیات دنیوی ظاہری نہیں ہے جیسے ارشادِ باری تعالےٰ ہے انک میت و انہم میتون لہٰذا احکام امواتِ ظاہریہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔

نیز اسی فتاویٰ ج ۵ ص ۴۷۶ میں ہے: سب ہی مرنے والے ہیں انک میت وانہم میتون اور سبھی کو حیاتِ روحانی حاصل رہتی ہے کیونکہ مدار ثواب وعقاب کا حیاتِ روحانی پر ہے جو کہ مسلّم ہے۔ پھر اسی حیات روحانی میں درجات ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے اس کے بعد شہداء کی پھر جملہ مومنین ومومنات کی درجہ بدرجہ اور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہیں۔

فتویٰ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ نے معارف القرآن ص ۱۴۱ و ۱۴۲ ج ۱ میں لکھا باوجود مجموعہ گوشت وپوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم ہوتا ہے مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مُردوں کی طرح ہیں۔ ان کی محفوظیت اجساد خارقِ عادت ہے۔

علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ

منیۃ المصلی کی شرح المعروف کبیری ص ۵۴۰ میں ارشاد فرماتے ہیں ویوشع التنفل بما یصلی علیٰ قبرہ علیہ السلام الیٰ یوم القیامۃ ولانہ الآن کما وضع لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء

مطلب اس کا یہ ہے کہ جب ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو تو اس کے بعد دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اس کی دو وجہ بتائیں۔ ایک وجہ تو یہ بتائی کہ فرض نماز جنازہ صرف ایک دفعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے اس کے بعد جو دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی وہ نفل نماز ہوگی اور جنازہ کی نفلی نماز پڑھنے کی شرع شریف میں کوئی اجازت نہیں ہے اس لیے

کہ اگر شرع شریف میں نفلی طور پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر تا روزِ قیامت عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی نماز پڑھتے رہتے لیکن آپ کی قبر اطہر پر بعد از دفن آج تک کسی ایک نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

دوسری وجہ یہ بتائی کہ اگر شرع شریف میں نفلی نماز جنازہ قبر پر پڑھنی جائز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر نفلی نماز آج بھی جائز ہوتی کیونکہ آپ کے اس معصوم جسد اطہر معطر کو جس حالت میں لحد شریف میں رکھا گیا تھا اب اس وقت بھی اسی حالت میں صحیح سلامت موجود ہے اس میں کسی طرح کسی قسم کا کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ کو کوئی زمین کا حصہ نہیں کھا سکتا۔ جب ان کی قبور پر نفلی نماز جنازہ منع ہے تو جن کے جسد پھول پھٹ جاتے ہیں ان کی قبر پر نماز جنازہ کیسے جائز ہوگی۔

صاحبِ مستخلص شرح کنز

کنز الدقائق کے حاشیہ مستخلص ص ۵۱ میں ہے: ولم یصل غیرہ بعدہ ان صلی الولی فلا اعادۃ لاحد، لان الفرض قد ادّی بہ والتنفل بہا غیر مشروع الا یری ان الصلوٰۃ ترکت علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع انہ فی القبر الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض کما فی الہدایۃ ص ۱۶۰ یعنی ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد دوبارہ اس میت پر نماز جنازہ کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا بشرطیکہ ولی نماز جنازہ ادا کر چکا ہو پھر دوسرے آدمی کو نماز جنازہ کے اعادہ کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ فرض ادا ہو چکا ہے اور نفلی نماز جنازہ پڑھنے کی شرع میں اجازت نہیں کیا یہ خیال نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھتا حالانکہ قبر اطہر میں آپ کا جسد عنصری اسی طرح صحیح سلامت اور محفوظ ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسد عنصری کو لحد شریف میں رکھا تھا اس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہوا چہ جائیکہ تفسخ ہو والعیاذ باللہ۔ اس کی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام

علیہم السلام کے گوشت زمین پر حرام ہیں، ہدایہ شریف میں بھی اسی طرح ہے۔

صاحبِ عنایہ شرح ہدایہ

فتح القدیر پر عنایہ شرح ہدایہ ص ۸۳ میں لکھا ہے اد ھوا الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض یہ وارد الاثر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ عنصری آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپؐ کو رکھا گیا تھا کیونکہ انبیاء کے گوشت زمین پر حرام ہوتے ہیں اور اس حفاظتِ اجسادِ انبیاء کے بارے حدیث بھی آئی ہے۔

پھر ص ۸۴ پر لکھا: ان ابا بکر کان مشغولاً بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ رضی اللہ عنہ وکان الحق لہ لانہ رض ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل علیہ احد بعدہ

یعنی ابوبکر رض فتنہ اور جھگڑا مٹانے کے لیے مشغول تھے آپؓ کے آنے سے پہلے لوگ آپؐ پر نماز پڑھتے رہے اور خلیفہ ہونے کی وجہ سے حق آپؓ کا تھا جب فارغ ہوئے آپ نے نماز جنازہ پڑھی آپؓ کے بعد کسی نے نہیں پڑھی۔

مولٰنا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

حضرت مولٰنا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ رحمہ اللہ قصص القرآن ج ۴ ص ۵۱۴ تحت عنوان وفات یا وصل بالرفیق الاعلیٰ فرمایا انک میت و انھم میتون آخر وہ وقت بھی آپہنچا جس کے تصور کے لیے نہ صرف مسلمان بلکہ دنیائے انسانیت بھی تیار نہ تھی یہ وقت کائنات انسانی کے لیے مصیبت عظمیٰ اور داہیہ کبریٰ ثابت ہوا چار دانگ عالم پر حیرت طاری تھی کہ وہ کسطرح غیر متوقع طور پر ہادیِ اکبر مصلح اعظم کے فیضِ صحبت سے محروم ہو گئے آنکھوں نے جو کچھ دیکھا قلب اس کو باور کرنے کو تیار نہ تھا اور قلب جو کچھ چاہتا تھا آنکھیں اس نظارہ کو واپس نہ لا سکتی تھیں۔

دل پاش پاش تھے جگر شق ہو رہے تھے، چشم گریاں اشک کے سیلاب بہا رہی تھی

کیونکہ آج روحانیت کے آفتاب عالمتاب کے اور کائناتِ انسانی کے درمیان موت کا لکۂ ابر حائل ہو چکا تھا۔

اگر دنیا کا کرۂ آفتاب درحقیقت کبھی غروب نہیں ہوتا اور رہتی دنیا تک غروب نہیں ہوگا، بلکہ دیکھنے والوں کے اور اس کے درمیان پردۂ شب حائل ہو جاتا ہے تو کس کی مجال اور کس کی جرأت ہے کہ وہ آفتاب رسالت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق غروب ہونے کا دعوی کر سکے کیونکہ یہاں تو پردۂ شب کو بھی حائل ہونے کی اجازت نہیں الدین السمحۃ البیضاء لیلھا و نھارھا سواء، دین اسلام آسان اور روشن دین ہے، جس کے رات اور دن دونوں یکساں طور پر روشن ہیں یعنی یہاں شبِ تاریک کا گزر ہی نہیں البتہ "موت" کل نفس ذائقۃ الموت کا پیغام بن کر اس آفتاب رسالت ؐ کے اور ہمارے درمیان لکۂ ابر بن کر حائل ہو گئی۔

اس لیے اس مصیبتِ کبریٰ میں بھی مسلمانوں کے زخمی قلوب کے لیے مرہم اور کشتگانِ فراق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہترین اکسیر و تریاق موجود تھا اور وہ یہ یقین و اذعان ہے جس کو قرآن عزیز نے یہ کہہ کر پہلے ہی قلبِ مسلم کو عطا کر دیا انک میت وانھم میتون، کل شیی ھالک الا وجھہ، ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم یعنی موت اس حقیقت کا نام ہے جو نبی مرسل بلکہ خاتم المرسلین کو بھی پیش آکر رہے گی اور بقا حقیقی تو ذاتِ احدیت کا ہی بلا شرکت غیرے طغرائے امتیاز ہے۔

اللہ اللہ وہ کیسا عجیب سماں تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم الرفیق الاعلیٰ فرماتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد فرما دی تو تمام صحابہؓ رنج و غم اور صدمہ جانکاہ سے اس درجہ متحیر اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے کہ ان کے ہوش و حواس تک بجا نہ تھے اسی عالم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرطِ غم سے تلوار سونت کر یہ نعرہ لگایا کہ "جو شخص کہیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اسی اضطراب انگیز عالم میں خدا کا ایک بندہ صدیق اکبرؓ آتا ہوا نظر آتا ہے سب سے

پہلے وہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں پہنچتا ہے اور دل بریاں و چشم پرنم کے ساتھ سرورِ دو عالم ﷺ کی جبینِ نور کو بوسہ دیتا اور فراقِ رسول ﷺ سے کرب و بے چینی کا اظہار کرتا ہے اور اس فرضِ عشق سے فارغ ہو کر جب باہر آتا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس حالت کا جائزہ لے کر کہ جس میں جاہلیت و اسلام دونوں ادوار کی بے نظیر شخصیت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بھی شامل ہے تو آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ "اے خطاب کے بیٹے بیٹھ جا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ جاتے اور انتہاء حزن و غم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا منہ تکنے لگتے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اب منبر نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر صدائے حق بلند کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع کو یوں خطاب کرتے ہیں: لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے" ان محمدا قد مات" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ذائقہ موت چکھ لیا ہے اور جو خدائے واحد کا پرستار ہے تو بلاشبہ " ان اللہ حی لا یموت" اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے اور موت سے پاک اور بری ہے اس کو موت نہیں ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ صدائے حق جب فضا میں گونجی تو سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر سکون و اطمینان طاری ہو گیا اور وہ سمجھ گئے بلاشبہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض رسالت پورا کر کے "الرفیق الاعلیٰ" سے جا ملے اور اب اسلام مکمل ہو چکا اس لیے اب ہمارا فرض ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور زندہ جاوید معجزہ کلام اللہ، قرآن کو پیشوا بنا کر خدمتِ اسلام کا فرض انجام دیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کیفیت تو یہ ہوئی کہ فرمانے لگے قسم بخدا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ صدائے حق بلند کرتے ہوئے جب یہ آیت تلاوت کی ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الآیۃ تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا ابھی اس آیت کا نزول ہو رہا ہے اور عشق رسول ﷺ نے فراقِ رسول ﷺ سے جو مبہوت کر دیا تھا قرآن اور تعلیم رسول ﷺ کی روشنی میں جو کچھ رفیقِ محترم نے کہا وہ یک بیک مثل

آفتاب میرے سامنے آگیا۔

پھر ص ۵۱۹ میں فرماتے ہیں قرآن عزیز سورہ فاتحہ میں ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم اور دوسری جگہ سورہ نساء میں انعمت علیہم کی تفسیر اس طرح مذکور ہے فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا یہی وہ رفقاء ہیں جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اللھم الرفیق الاعلیٰ" کہہ کر وقت آخر میں اشارہ فرمایا؛ سہیلی کہتے ہیں کہ چونکہ اہل جنت جنت میں مختلف القلوب نہیں ہوں گے بلکہ ایک انسان کے قلب واحد کی طرح ہوں گے اسی لیے رفیق العلیا نہیں فرمایا الرفیق الاعلیٰ فرمایا تاکہ اہل جنت کی وحدت قلبی کی جانب اشارہ ہو جائے۔

(۲) "موت" خدائے برتر کا وہ اٹل فیصلہ ہے جس سے نبی و رسل اور خاتم الانبیاء و الرسل بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور بقاء و حیاتِ سرمدی و ابدی صرف ذاتِ حق کے لیے ہی مخصوص ہے۔

(۳) صدیق اکبرؓ کی عظمتِ شان و جلالتِ مرتبہ کا ایک اس واقعہ سے بھی واضح اعلان ہو جاتا ہے کہ "وفاۃ النبی" کے قریبی وقت میں نزاکتِ حالات نے صحابہؓ کے عقل و خرد پر جو اثر ڈالا، خدانخواستہ وہ دیرپا ہو جاتا تو اسلام اپنی حقیقت سے خالی ہو کر رہ جاتا (عیاذاً باللہ) مگر یہ سعادت ابوبکرؓ کے ہی حصہ میں تھی کہ مسلمانوں کی اس ڈگمگاتی کشتی کو قرآن کی روشنی میں پار لگا دیا اور اسلام کو ایک عظیم الشان فتنہ سے بچا لیا و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور سابق مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند، اپنی کتاب "سیرتِ مصطفیٰ" ج ۳ ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں:

آپؐ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، درد سے بے تاب ہوکر بار بار اس پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بیشک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا "اللھم الرفیق الاعلیٰ" اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔ (یعنی حظیرۃ القدس جو انبیاء و مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں بار بار میں آپؐ سے سُن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقام جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا اور آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے جس وقت آپؐ کی زبان سے یہ کلمات نکلے، مَیں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ رہیں گے آپؐ نے ملاء اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کر لیا ہے الغرض آپؐ کی زبان مبارک سے "اللھم الرفیق الاعلیٰ" نکلا، اور روح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی اور دست مبارک نیچے گر گیا (بخاری شریف) انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ص ۳۲۲ میں لکھا حضرت ابوبکر رضؓ کو جب اس جانگداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً مدینہ پہنچے اور حزین و غمگین حجرہ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ رضؓ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواج مطہرات رضؓ آپؐ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیق رضؓ کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ رضؓ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبر رضؓ نے چہرۂ انورؐ سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا وانبیاہ واخلیلاہ وا صفیاہ تین مرتبہ ایسا کیا کما رواہ احمد وغیرہ کما فی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۳۰۱ اور کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپؐ کے لیے لکھی گئی تھی وہ آ چکی۔

نیلوی کہتا ہے کہ یہ جو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا "جو موت آپؐ کے لیے لکھی گئی تھی وہ آچکی" اس کا مقصد حاشیہ میں یوں لکھا ؎ صدیق اکبرؓ کا مقصود ان لوگوں کا رد کرنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ پھر زندہ ہوں گے اور منافقین کے ہاتھ پیر کاٹیں گے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو آپ کی وفات اور موت دوبارہ ہو جائے گی اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ جو موت آپؐ کے لیے لکھی ہوئی تھی وہ آچکی، اب دنیا میں دوبارہ موت آپؐ پر نہیں آئے گی، اور اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا جیسا کہ پہلی امت میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور ایک منزل میں پہنچ کر غضب الٰہی سے سب مر گئے پھر اپنے نبی کی دعا سے زندہ ہوئے اور پھر اپنے وقت پر مرے تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت کا دو مرتبہ مزہ چکھایا جن کا قصہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم میں مذکور ہے اور جیسا کہ اس شخص نے موت کا دو مرتبہ مزہ چکھا کہ جس کا ایک قریہ پر گزر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال کے لیے مردہ بنا دیا اور پھر اس کو زندہ کیا جس کا قصہ او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ۔ میں مذکور ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا میں دو مرتبہ موت کا مزہ چکھا، اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ پر دو موتوں کو جمع نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح میں اور بھی اقوال ہیں تفصیل کے لیے فتح الباری ج ۳ ص ۹۱ کتاب الجنائز و زرقانی شرح المواہب ج ۸ ص ۲۷۸ اور مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۸ تقطیع خورد دیکھیں و شرح قسطلانی ص ۳۶۱ دیکھیں۔

پھر ص ۳۳۰ میں لکھا کہ صدیق اکبرؓ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عمرؓ کو مخاطب بنا کر کہا اے عمرؓ! تو ہی وہ شخص ہے کہ جس کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ پیغمبرؐ کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر خدا نہیں مرے کیا تجھے معلوم نہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنی وفات کے

متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا اور خدا تعالےٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے انک میت و انھم میتون حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرا حال ایسا ہوا کہ گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے پہلے سُنی ہی نہ تھی میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل ہوا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ صادر ہوئی اور اللہ تعالےٰ حی لایموت ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ کی رحمتیں ہوں رسولؐ پر اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا۔

ص ۳۲۵ میں فرمایا: شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضؓ خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بنا پر فقط حواس ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پر نورؐ کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا۔ صدیق اکبرؓ کے خطبہ سے فاروق اعظم رضؓ کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقتِ حال ان پر منکشف ہو گئی اور اپنے خیال سے رجوع فرما لیا۔ دیکھو قرۃ العینین ص ۲۷۰۔

ص ۳۳۳ میں ہے صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے جب غسل کا ارادہ کیا تو سوال یہ پیدا ہوا کہ کپڑے اتار سے جائیں یا نہیں؟ ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یک لخت سب پر ایک غنودگی طاری ہو گئی اور غیبی طور پر یہ آواز سُنائی دی کہ اللہ کے رسولؐ کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو۔ چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپؐ کو نہلایا گیا اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۰۰، اتحاف شرح احیاء ص ۳۰۳)

غسل کے بعد سحول کے بُنے ہوئے تین کپڑوں میں آپؐ کو کفن دیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا تھا وہ اتار لیا گیا (اتحاف ج ۱۰ ص ۳۰۴)

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر اٹھا کر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ مہاجرین نے کہا مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے۔ انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے۔

ابو عبیدہ بغلی قبر اور ابو طلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے، یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا جائے۔ جو نسا شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابو طلحہ پہلے آپہنچے اور آپؐ کے لیے لحد تیار کی (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۹ تا ۲۹۲، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶۸ تا ۶۹) اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

پھر ص ۴۳۴ پر آپؐ پر نماز جنازہ کا ذکر کیا کہ سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپؐ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آجاتا تھا۔ کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا۔ الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ پڑھ کے واپس آجاتے تھے۔

آگے لکھا، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپؐ پر خفیۃً نماز پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے، انتہی کلامہ اور اسی کو امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

ص ۴۳۶ میں فائدہ لکھا: ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی (نیل الاوطار ج ۴ ص ۷۷)

مولانا عبدالحق حقانیؒ

تفسیر حقانی میں تحت آیت انک میت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت

جو مرنے کا لفظ اطلاق ہوا، حالانکہ آپ شہیدوں سے رتبے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور شہیدوں کی نسبت فرمایا تھا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً کہ ان کو مردہ نہ سمجھو بل احیاءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی کھایا کرتے ہیں، ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ کس لیے کہ وہ حیات اور ہے جس کو حیات ابدی کہنا چاہیے اور یہ موت عرفی ہے۔ جسم سے روح کی مفارقت۔

اور ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا کے تحت لکھا: واضح ہو کہ انسان روح یا نفس ناطقہ ہے اور یہ جسم خاکی کہ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے اس نفس ناطقہ یعنی روح ہوائی کا کہ جس کو نسمہ کہتے ہیں) مرکب ہے اعنی نفس ناطقہ کا تعلق روح ہوائی سے ہے کہ جو لطیف خون کے ابخرات سے پیدا ہوتی ہے اور روح ہوائی کا مرکب یہ جسم ہے۔ جب کسی سبب سے اس جسم خاکی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے (اور ترک تعلق کا نام موت عرفی ہے) تو نفس ناطقہ کو جو جوہر نورانی ہے باقی رہتا ہے اور نہایت عمدہ طرح سے حس و ادراک اور شعور و تمیز بھی باقی رہتی ہے اس میں کافر و مومن، شہید و غیر شہید سب برابر ہیں۔ پس اس معنی سے موت ہے تو جسم کو، حیات ہے تو نفس ناطقہ کو۔ لیکن کبھی پاک روحوں کا اثر جسم خاکی تک بھی پہنچتا ہے، اور یہ جسم سڑتا گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام و شہداء عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے۔

اسی طرح اس موت عرفی میں بھی سب انسان شریک ہیں۔ اس معنی سے شہید اور غیر شہید، انبیاء و غیر انبیاء سب کو موت ہے انک میت و انہم میتون، کل نفس ذائقۃ الموت اور اس لیے ان کے بعد ان پر احکام موت جاری ہوتے ہیں، مال میں حصے لگ جاتے ہیں۔

اب حیات شہداء و انبیاء کے یہ معنی ہیں اور اس آیت میں مراد بھی وہی ہیں کہ جسم سے روح جدا ہونے کے بعد روح کو اس عالم قدس میں ہر قسم کا آرام و عزت نصیب ہو۔ اور چونکہ روح بھی ایک جسم لطیف ہے اس جسمانی خول کے آثار بھی اس میں منطبع ہوتے ہیں اور اس کی نورانی صورت کو اس جسمانی صورت سے بھی ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے

کہ روح کو وہی شخص روحانی عالم میں کہہ سکتے ہیں اسلیے اس عالم میں کہ جس کو اس عالم سے وہی نسبت ہے جو عالمِ خواب کو عالمِ بیداری سے ہے، ہر قسم کی لذات میوے اور عمدہ مکان، انہار و حور و قصور میسر آتے ہیں اور ان سے لذت پاتے ہیں، بالخصوص شہدا کو ان کو نسمہ سابق سے ایک عجیب تعلق باقی رہتا ہے جس سے عالمِ برزخی میں ان کے لیے ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکرِ نورانی سے جس طرح بارگاہ قدس میں جہاں تک چاہتے ہیں طیران کر کے ترقی کرتے ہیں اور اقسام و انواع کے لذات سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور اس حدیث میں بھی کہ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ کہ شہداء سبز طیور کے قوالب میں آکر آشیانۂ عرش میں رہتے ہیں اور جہاں سے جی چاہتا ہے کھاتے ہیں" اسی طرف ایما ہے۔ اسی طرح وہ جب چاہتے ہیں اس عالم کی طرف بھی نزول کرتی ہیں مگر ان کی اس حیاتِ جاودانی کو یہ آنکھیں اور یہ حواس نہیں محسوس کر سکتے کہ جو اقسام مکتیقہ کے احساس کے لیے مخصوص ہیں اور اس سے ایک انچ آگے بھی ان کا ادراک نہیں، یہ کامرانی دراصل وہ حیاتِ ابدی ہے کہ جس کا آیت میں ذکر ہے۔

اس کے برخلاف کفار و فجار کا اس عالم میں معذب ہونا موت ہے ایک شخص طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے، دوسرا قسم قسم کی نعمتوں میں ہے۔ گو دونوں زندہ ہیں مگر اول الذکر کی زندگی کیا زندگی ہے، وہ موت سے بھی بدتر ہے، زندگی تو دوسرے شخص کی ہی ہے۔ اسی لیے شہیدوں کو زندہ کہا جاتا ہے اور اسی تعلق خاص کے سبب ان کے اعمالِ حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اور لوگوں کی طرح منقطع نہیں ہو جاتا جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے کل ابن آدم یختم علی عملہ اذا مات الا المجاھد فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ (رواہ البخاری و مسلم) یعنی ہر انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر مجاھد فی سبیل اللہ کے اعمال ہمیشہ جاری رہتے ہیں تا قیامت۔

لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی شریک ہیں اور اس کے

.... درجات بھی متفاوت ہیں، مگر شہیدوں کو تلذذات حاصل کرنے میں ایک خصوصیت خاصہ ہے اور اسی لیے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی آرزو کی ہے اور کیوں نہ ہو جو خدا کو اپنی حیات مستعار سپرد کر دیتا ہے وہ اس کے بالعوض اس کو حیات ابدی عطا کرتا ہے گو وہ لوگ ہم کو نظر نہیں آتے اور اسی لیے خدا نے لا تشعرون فرمایا لا تعلمون نہیں فرمایا۔

مذہب شافعیہ
و
جنازہ بر قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۶۶ باب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں فرمایا۔

وقد اختلف المتاخرون من اصحاب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مشروعیۃ الصلوٰۃ علی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم لغیر الصحابۃ رضی اللہ عنہم فقیل نعم لان جسدہ علیہ السلام طری فی قبرہ لان اللہ تعالیٰ قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کما ورد بذلک الحدیث فی السنن وغیرہا فھو کالمیت الیوم۔ وقال آخرون لا یفعل لان السلف ممن بعد الصحابۃ لم یفعلوہ ولو کان مشروعًا لبادروا الیہ ولثابروا علیہ واللہ اعلم

حیات جاوداں کا مصنف بھی ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں، ابن کثیر کہتے ہیں کہ متاخرین اصحاب شافعیہ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ صحابہؓ کے علاوہ کسی اور کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آپؐ کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک قبر میں تر و تازہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ

حدیث میں ہے (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۶۶)

شہداء کا جنازہ

لیکن شہادت پانے والے پر تمام شوافع کے نزدیک نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ چنانچہ ... علامہ کاسانی رح نے بدائع صنائع ج ۱ ص ۳۲۵ میں لکھا:

لان اللہ تعالیٰ وصف الشہداء بانہم احیاء فی کتابہ والصلوٰۃ علی المیت لا علی الحی۔

علامہ شمس الائمہ سرخسی رح نے مبسوط ج ۲ ص ۴۹ میں لکھا کہ امام شافعی کے نزدیک لا یصلی علیہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لان اللہ وصف الشہداء بانہم احیاء فی کتابہ والصلوٰۃ علی المیت لا علی الحی اس لیے کہ موافق فرمانِ الٰہی کے شہید زندہ ہیں اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ زندہ پر۔

مگر حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شہادت پانے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے اس کی دو دلیلیں بیان کیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد پر نماز جنازہ پڑھی تھی ولنا ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّی علیٰ شہداء احد صلوٰۃ الجنازۃ (بدائع صنائع ج ۱ ص ۳۲۵) دوسری دلیل یہ کہ میت پر جو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اس لیے نہیں کہ وہ گنہگار ہے بلکہ اس کی عزت و کرامت ظاہر کرنے کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف مسلمان میت پر نماز پڑھنے کی تخصیص ہے کافر، باغی اور ڈاکو پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں کیونکہ وہ عزت کے لائق نہیں، بلکہ توہین کے لائق ہیں اور شہید تو دوسرے مسلمانوں سے بڑھ کر عزت کے لائق ہے ولان الصلوٰۃ علی المیت لاظہار کرامتہ ولہٰذا اختص بہا المسلمون دون الکفرۃ والشہید اولیٰ بالکرامۃ (مبسوط، بدائع وصنائع)

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جو خیال ہے کہ السیف محاء للذنوب تلوار گناہ مٹا دیتی ہے اس لیے شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کی اور اس کے حق میں دعا مانگنے کی

ضرورت نہیں ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ بندہ جس قدر بھی جلیل القدر اور بلند شان والا ہو دعا سے بے نیاز نہیں ہے، دیکھتے نہیں ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی تھی اور اس بات میں کوئی شک کا امکان ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور شان تمام شہداء کے درجہ اور شان سے بے انتہا فائق ہے۔ وما ذکر (الشافعی) من حصول الطہارۃ بالشہادۃ فالبعید وان جل قدرہ لا یستغنی عن الدعا الا تری انہم صلوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا شک ان درجتہ علیہ الصلوۃ والسلام کانت فوق درجۃ الشہداء (بدائع صنائع) والبعید ان تطہر من الذنوب فلا تبلغ درجتہ درجۃ الاستغناء عن الدعا لہ الا تری انہم صلوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا اشکال ان درجتہ فوق درجۃ الشہداء (مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۵۰)

اور یہ جو کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہے اور جنازہ کی نماز میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نہیں پڑھی جاتی سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ والشہید حی فی احکام الآخرۃ کما قال تعالیٰ بل احیاء عند ربہم فاما فی احکام الدنیا فہو میت یقسم میراثہ وتتزوج امرأتہ بعد انقضاء العدۃ وفریضۃ الصلوۃ علیہ من احکام الدنیا فکان فیہ میتا یصلی علیہ (مبسوط ج ۲ ص ۵۰) یعنی شہید کو جو زندہ کہتے ہیں وہ آخرت کے اعتبار سے کہتے ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں لیکن دنیا کے اعتبار سے تو وہ شہید میت ہی ہے اس کا ترکہ ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور چار ماہ دس دن یا وضع حمل کے بعد اس کی بیوی کا نکاح بھی دوسری جگہ کیا جا سکتا ہے چونکہ جنازہ کی نماز بھی دنیا کے احکام میں سے ایک حکم ہے اس میں وہ میت ہے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (بدائع صنائع ج ۱ ص ۳۲۵)

نیلوی کہتا ہے کہ یہ بعض متاخرین شافعیہ جب اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں تو صاف معلوم ہوا کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم و محفوظ جسد عنصری میں ردّ روح کے قائل نہیں کیونکہ اگر ردّ روح کے قائل ہوتے اور جسد عنصری مع الروح کو زندہ سمجھتے تو جواز جنازہ کا قول نہ کرتے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ جنازہ میت کا ہوتا ہے نہ زندہ کا۔ حالانکہ شافعیہ کا تو مسلک یہ ہے کہ شہید کا نماز جنازہ دفن سے پہلے بھی نہیں پڑھتے اور شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن عزیز میں شہداء کو زندہ فرمایا ہے بل احیاء عند ربھم اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے زندہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، اس لیے شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے نہ قبل از دفن نہ بعد از دفن۔ اور جس حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز پڑھی تھی تو شافعیہ اس کی توجیہ فرماتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز جنازہ نہیں ہے بلکہ یہاں صلوٰۃ سے دعا مراد ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

تو جب شافعیہ علیہم الرحمۃ شہداء کو زندہ سمجھ کر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تو انبیاء علیہم السلام کو زندہ سمجھ کر ان پر نماز جنازہ کیسے پڑھیں گے۔ لیکن جب وہ انبیاء پر قبل از دفن بھی نماز جنازہ پڑھنے کے قائل ہیں اور بعد از دفن اس زمانہ میں بھی نماز جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر پڑھنے کو جائز کہتے ہیں تو اس سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ جیسے وہ انبیاء علیہم السلام کی روح دفن سے پہلے اس معصوم و محفوظ جسد عنصری میں واپس آنے کے قائل نہیں ہیں اسی طرح دفن کے بعد بھی روح کا اس معصوم و محفوظ جسد عنصری میں واپس آنے کے قائل نہیں ہیں البتہ یہ عقیدہ حقہ صحیحہ ان کا بھی ہے۔ کہ اجساد مبارکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تر و تازہ بلا تغیر و تبدل صحیح و سالم موجود ہیں۔ اسی واسطے قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور آپؐ کے بارے میں صاف کہتے ہیں ہو کالمیت الیوم یعنی وہ آج دوسرے میت کی طرح ہیں۔

اب رہے بعض دوسرے شافعیہ جو قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے

سوان کے ناجائز کہنے کی یہ وجہ ہرگز نہیں ہے کہ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بروحہ و جسدہ العنصری اپنی اس عرقی قبر اطہر میں دنیا میں جیسے زندہ تھے اب بھی ویسے ہی زندہ جاوید ہیں اور زندوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اس لیے قبر اطہر پر نماز جنازہ منع ہے بلکہ ممانعت کی وجہ یہ فرماتے ہیں لان السلف ممن بعد الصحابۃ لم یفعلوہ ولو کان مشروعًا لبادروا الیہ ولثابروا علیہ۔ اب آپ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ پڑھنا اس لیے منع ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کے بعد سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی آپؐ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی اور اگر آپؐ کی قبر اطہر پر نماز جنازہ شریعت مطہرہ میں جائز ہوتا تو سلف صالحین ضرور اس کام میں پہل کرتے اور اس پر مداومت فرماتے۔

اور ہمارے علماء حنفیہ کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ولی میت جب نماز جنازہ ادا کر چکا ہو تو پھر اس کے بعد اور کسی کو اس میت کی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے خواہ دفن سے پہلے ہو یا دفن کر چکنے کے بعد۔

مولینا شبیر احمد عثمانیؒ

اس کی دلیل حضرت مولینا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تالیف فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۸ میں یہ تحریر فرمائی ہے "قال علماءنا والدلیل علی عدم مشروعیۃ الصلوۃ علی القبر ترک الناس من اخرھم الصلوۃ علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حی فی قبرہ الشریف ولعموم الانبیاء حرام علی الارض کما ورد بہ الاثر۔ ولو کانت مشروعۃ لما اعرض الخلق کلھم من العلماء والصالحین والراغبین فی التقرب الیہ علیہ الصلوۃ والسلام بانواع الطرق منہ فھذا دلیل ظاھر علیہ یعنی ہمارے علمائے حنفیہ رحمہم اللہ نے قبر پر دوبارہ نماز جنازہ جائز نہ ہونے کی یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اول سے آخر تک تمام مسلمانوں نے نماز جنازہ چھوڑ رکھی ہے حالانکہ آپؐ کا

جسد اطہر اپنی قبر شریف میں اتر و تازہ زندوں کی طرح موجود ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے گوشتوں کا کھانا زمین پر حرام ہے جیسے احادیث میں وارد ہے اور اگر قبر پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تمام مخلوق میں یہ بڑے بڑے علماء اور پارسا اور حضورؐ کا قرب مختلف طرق کے ذریعے حاصل کرنے کے شائق لوگ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے سے کبھی روگردانی نہ فرماتے۔

تو ان فقہاء کی عبارات میں تصریح ہے کہ جنازہ کی نماز زندہ پر نہیں پڑھی جاتی بلکہ میت پر پڑھی جاتی ہے اور شہیدوں پر جو جنازہ پڑھا جاتا ہے اس کو میت ہی سمجھ کر پڑھا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نماز جنازہ پڑھی گئی تھی وہ میت ہی سمجھ کر پڑھی گئی تھی۔

سید اصغر حسین رح دیوبندی

دارالعلوم دیوبند کے مفتی و مدرس حضرت سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ "حیات خضر" میں لکھتے ہیں۔ سب علماء جانتے ہیں کہ دانیالؑ خدا کے نہایت مقبول نبی تھے رسول نہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو نہایت علم و حکمت عطا فرمایا تھا، موسیٰؑ کی شریعت پر لوگوں کو چلاتے تھے اور توراۃ کی تعلیم کرتے تھے، عمرؓ کے زمانہ میں جب حضرت ابو موسیٰؓ کی سپہ سالاری میں سوس فتح ہوا تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیالؑ کی نعش ملی جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی کسی عضو کی ہیئت و صورت میں فرق نہیں آیا تھا اور اسی مکان میں بہت سا مال ان کی نعش کے پاس رکھا ہوا ملا۔ ابو موسیٰؓ نے ان کی نسبت عمرؓ کو خط لکھا۔ عمرؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر نماز پڑھ کر دفن کر دو۔ ابو موسیٰؓ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل و کفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کی نہر کے کنارے پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کروا دیا، تاکہ لوگ ان کو پھر نہ نکالیں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ دانیالؑ کی نعش کے پاس سے خود ہی ایک دلدہ مقرر کر کے

بوقتِ ضرورت لوگ مال قرض لے جاتے تھے، جو شخص وعدہ پر نہ رکھتا۔ اس کو برص ہو جاتا تھا۔ اس مال کی نسبت دانیال ؑ نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ ان کی دُعا قبول ہو کر وہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تقسیم ہوا۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی وفات کو صدیاں گزر چکی تھیں باوجودیکہ وہ نبی تھے جن کے متعلق محدث بیہقیؒ فرماتے ہیں الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء (کتاب الاعتقاد للبیہقی)

حضرت امام ثانی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حکم کے موافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کو میت ہی سمجھ کر بیر کے پتوں اور خوشبودار پانی سے غسل دیا کفن دیا ان پر نماز جنازہ پڑھی انہیں قبر بنا کر اس میں دفن کیا۔ بھلا زندہ کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کر سکتے ہیں۔ اس سے تو صاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ نظر آتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ اور دیگر صحابہؓ اس دنیا کے اعتبار سے انہیں داخل اموات ہی سمجھتے تھے اسی لیے ان کو دفن کیا ورنہ زندہ کو دفن کرنا تو حرام ہے اور زندہ جو سمجھتے تھے تو اخروی زندگی کے اعتبار سے ہی انہیں زندہ سمجھتے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طیبہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے جوں کے توں صحیح و سلامت محفوظ رہتے ہیں۔

فارس والوں نے اگرچہ اپنے قدیم دستور کے مطابق دوائیں اور خوشبوئیں لگا رکھی تھیں لیکن پھر بھی اگر وہ لوگ یہ سامان حفاظت نہ کرتے تو بھی ان کا جسدِ اطہر صحیح و سلامت اور محفوظ ہی رہتا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا محفوظ رہنا خرقِ عادت کے طور پر ہے اور داخل تحت قدرتِ الٰہیہ ہے۔

اور امام بیہقیؒ نے جو کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم اس کا ظاہر معنیٰ اگر مراد لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدہ اور عمل کے خلاف ہے خود امام بیہقی کی اپنی اس عبارت کے بھی خلاف

ہے جو اس فقرہ کے ساتھ متصل ہے اور بطور نتیجہ کے بیان ہے یعنی فہم احیاء عند ربھم کالشھداء یعنی جیسے شہید اپنے رب کے ہاں سبز پرندوں کے قالبوں میں جنت میں زندہ موجود ہیں کھاتے پیتے ہیں سیر کرتے اڑتے پھرتے اور عیش کرتے پھرتے ہیں اسی طرح (بلکہ اس سے بھی کہیں زائد) انبیاء کرام علیہ السلام اپنے رب کے ہاں زندہ موجود ہیں کھاتے پیتے عیش کرتے ہیں ان کی وہ ملکوتی حیات اس دنیاوی ظاہری ناسوتی حیات سے اتم، اہم، اعظم و اقوم، ادم ہے اجل، افضل اکمل ہے۔ ابقیٰ اقوای اعلیٰ، اصفیٰ اسنیٰ ہے ارفع، انفع اوقع ہے اعلیٰ اشہیٰ اخفیٰ ہے۔

تو یہ حیاتِ اخرویہ ہے جو حیاتِ دنیا کے مماثل نہیں ہے مگر حیب الانبیا بعد ما قبضوا اردت الیھم ارواحھم سے تبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبض روح کے بعد آناً فاناً انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح طیبہ واپس ان کے پاک اجساد کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں اور پہلے کی طرح پھر سے ان کو حیاتِ دنیویہ حقیقیہ حسیہ مل جاتی ہے اور قبر اطہر عرفی میں گوشہ نشینوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ ملاقاتی ملاقات کو آتے ہیں زیارت کی شوق رکھتے ہیں مگر آپ باہر نکل کر ملاقاتیوں کی حسرت دور نہیں فرماتے اپنے تہ خانے میں سے چپکے سے دیکھ پہچان کر سلام کا جواب دے دیتے ہیں اور ملاقاتی کی درخواست پر توجہ بھی فرماتے ہیں اور خدا سے بخشش بھی کرواتے ہیں، سفارش بھی کرتے ہیں مگر عاشقانِ نبیؐ کی حسرت دل ہی دل میں رہ جاتی ہے آپؐ کے معصوم چہرے کی زیارت سے محروم ہو کر واپس گھر لوٹ جاتے ہیں۔

بہرحال تبادر معنیٰ مراد لیے جائیں تو پہلا فقرہ دوسرے فقرے کے خلاف معلوم ہوتا ہے جس پر عقیدہ کی مدار سمجھ کر امام بیہقیؒ رحمہ اللہ نے کتاب الاعتقاد میں جگہ دی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: تو نے "وھو حی فی قبرہ الشریف" کا جو معنیٰ کیا ہے یہ غلط ہے۔

جواب جو معنیٰ میں نے "وھو حی فی قبرہ الشریف" کا کیا ہے کہ "آپؐ کا جسد

اطہر آپ کی قبر میں زندہ جسموں کی طرح تر و تازہ ہے" یہی صحیح ہے اور یہ معنی کرنا کہ "آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں" غلط ہیں۔

کیونکہ بحث جنازۃ الرسول ؐ کی ہو رہی ہے اور جنازہ میت کا ہوتا ہے نہ زندہ کا اگر آپ کا بتایا ہوا معنی کریں تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی ہوگی یا تو کہنا ہوگا کہ زندوں کا بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے یا یہ کہنا ہوگا کہ حضرت مولانا کی دلیل غلط ہے دعوی کے مطابق نہیں کیونکہ جب یہ مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنی عزت گاہ میں معتکف ہیں اور ذکر و اذکار اور نماز حج وغیرہ میں مشغول ہیں تو یہ دلیل اس دعوی کی نہیں ہو سکتی کہ میت کی قبر پر دوبارہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ اور شراح ہدایہ (صاحب عنایہ و صاحب کفایہ و عینی وغیرہ) نے اور صاحب مستخلص شرح کنز نے بہ ایں الفاظ تعبیر فرمائی" الا یری ان الصلوۃ ترکت علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع انہ م فی القبر الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض (مستخلص ص ۵۱، عنایہ ص ۸۳

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آج بھی اپنی قبر اطہر میں اسی حالت میں صحیح سلامت بغیر تغیر و تبدل کے موجود ہیں جس میں آپ کو رکھا گیا تھا اب کوئی بھی آپ ؐ کی قبر اطہر پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھتا۔

اس دلیل سے کسی کے ذہن میں شبہ پڑنے کا مظنہ تھا کہ حنفیہ کے کتب میں مسئلہ لکھا ہے کہ دفن سے تین دن بعد قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ عموماً تین دن کے بعد میت کا بدن پھولنے پھٹنے لگ جاتا ہے، تو اس شبہ کو اس طرح زائل کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے ابدان مقدسہ قبر میں صحیح سلامت اور تر و تازہ رہتے ہیں اور زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان مقدسہ کو کھائے۔

اگر فقہاء کے نزدیک یہ مسئلہ ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے عزلت خانہ میں بذات خود تشریف فرما ہیں اور وہ وہیں بیٹھ کر یا لیٹے لیٹے ذکر و تسبیح و تہلیل و تکبیر اور نماز میں مشغول ہیں اور حج کو بھی چلے جاتے ہیں تو اپنے مسئلہ تکرار جنازہ علی القبر کی کراہت

پر یہ دلیل پیش نہ کرتے اور اس دلیل پر آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ ہدایہ شریف درسی کتاب ہے آٹھ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا ہے کہ یہ کتاب داخل درس ہے اور بیسیوں شروح اس کی لکھی جا چکی ہیں اور بڑے بڑے علماء اسے مستند سمجھتے ہیں اور بعض عبارات پر تنقید بھی کرتے ہیں مگر اس عبارت پر کچھ تنقید نہ کی اور نہ یہ کہا کہ تقریب تام نہیں اور دلیل مطابق دعوے کے نہیں کہ دعوی تو ہے میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا منع ہے اور دلیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جنازہ نہ پڑھنے کو لایا گیا جب کہ تمام مسلمین کا اجماع ہے کہ آپ اپنے عزلت خانہ میں بقید حیات دنیوی حسی تشریف فرما ہیں اور وہیں آپ ذکر و تسبیح، نماز حج بطیب خاطر مکلف ہونے کے ادا فرما رہے ہیں۔ لہٰذا یہ دلیل غلط ہے اور دعوی کے مطابق نہیں ہے بلکہ تمام فقہاء اسی دلیل کو اپنی کتب میں بلا تنقید نقل فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ موافق قاعدہ محررہ جناب محترم مولانا صفدر صاحب کے سب اس دلیل کو صحیح اور علی وجہ یستلزم المطلوب مانتے ہیں اور یہ اسی صورت میں صحیح کہا جا سکتا ہے جب کہ آپ کے بدن مقدس کو قبر اطہر میں بلا تغیر و تبدل صحیح سالم تسلیم کیا جائے اور دخول و اعادہ روح مبارک کا جسد مقدس میں قبول نہ کیا جائے خصوصاً حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمہ اللہ کے اس نظریہ کے مطابق کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا، یہ دلیل دعوی سے بالکل غیر متعلق ہے۔

بالکل یہی سوال شہداء کے بارے میں ابھرتا ہے جس کا جواب فقہاء نے دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان قالوا انکم لا ترون الصلوۃ علی القبر بعد ثلثۃ ایام قلنا لیس کذالک بل تجوز الصلوۃ علی القبر ما لم یتفسخ والشہداء لا یتفسخون ولا یحصل لھم تغیر فالصلوۃ علیھم لا تمتنع الی وقت کان (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۵۶) تین روز گزر جانے کے بعد تم حنفی لوگ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے پھر آٹھ سال گزر جانے کے بعد شہداء کی قبور پر نماز جنازہ پڑھنے کا قول کس طرح درست ہو سکتا ہے تو اس سوال کا جواب یہ دیا کہ مسئلہ تین دن کا نہیں بلکہ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ جب تک میت صحیح سلامت ہے پھولی پھٹی نہیں ہے اس وقت تک

قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اور جب میت کا بدن پھٹنا شروع ہو جائے پھر اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا منع ہے اور شہیدوں کا بدن نہ پھٹتا ہے اور نہ ہی ان میں کسی قسم کا تغیر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی قبر پر کسی وقت ہی نماز پڑھی جائے منع نہیں ہے اسی طرح عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۲۲ میں ہے "روی البخاری عن عقبۃ بن عامرؓ انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قتلی احد بعد ثمان سنین الجواب السدید ان اجسادھم لم تبل" بخاریؒ نے حضرت عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے شہداء پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی تھی تو اس کا ٹھیک ٹھاک جواب یہی ہے کہ ان شہیدوں کے اجساد مبارکہ بوسیدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت قبروں میں محفوظ تھے۔

اب ماحصل اس تمام گفتگو کا یہ ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے جو یہ کہا اور عقیدہ رکھا جاتا ہے جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں تمام مومنین صالحین شہداء صدیقین سے بڑھ کر اونچے درجوں پر ہیں اور ان کی حیات اس قدر قوی ہے کہ اس کا اثر ان کے ابدان مقدسہ پر بھی ہے کہ صحیح سلامت بلا تغیر تبدل قبروں میں محفوظ اور تر و تازہ ہیں اور حی فی قبرہ الشریف کے یہی معنی ہیں کہ قبر شریف میں ان کے مبارک اجساد تر و تازہ بلا تغیر و تبدل محفوظ موجود ہیں اور حی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے اجساد مقدسہ میں روح واپس کر دی گئی ہے کیونکہ جب بدن میں روح واپس آگئی تو وہ زندہ ہو گیا میت نہیں رہا اور زندہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی بلکہ میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ جس جگہ زندہ کی رہائش ہو اسے قبر نہیں کہتے۔ قبر تو میت کی ہوتی ہے اور زندہ کی کوٹھڑی ہوتی ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ فلاں ہستی قبر میں زندہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کا بدن قبر میں تر و تازہ ہے، ہاں جب "یصلون" یا "یرزقون" یا "عند اللہ" کا لفظ مقارن ہو تو اس وقت اعلیٰ علیین میں زندگی مراد ہوگی۔

اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ نے اس جگہ صرف۔

"وھو حی فی قبرہ الشریف" فرمایا ہے یہاں یصلون، یرزقون، عند اللہ، کے الفاظ نہیں ملائے، بلکہ اس کے بعد ولحوم الانبیاء حرام علی الارض فرمایا۔ اب یہ سب چار باتیں قرائن ہیں اس امر کے کہ یہاں حی سے مراد ہے جسد اطہر کا تر و تازہ رہنا ۱ قبر پر نماز نہ پڑھنے کی دلیل میں قبر نبی پر نماز کے ترک کو ذکر کرنا ۲ حی فی قبرہ فرمانا اور حی فی حجرتہ یا معتزل عن الناس یا معتکف فی حجرتہ الشریفۃ وغیرہ نہ فرمانا ۳ لحوم الانبیاء کا لفظ ۴ ولو کانت مشروعۃ الخ سے مزید تقویت دعوی مذکورہ کی بیان کرتا۔

نیز الیوم کما وضع بھی صاف بتا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی اسی طرح اپنی قبر شریف میں ہیں جس طرح آپ کو رکھا گیا تھا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ کرام رض (حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید، اوس بن خولی انصاری، رضی اللہ عنہم) نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں رکھا تھا تو اس وقت آپ کے جسد اطہر میں روح نہ تھی (کیونکہ صحابہ کرام رض ایسے نہ تھے جو جسد مع الروح کو قبر شریف میں رکھتے) تو فقہاء فرماتے ہیں کہ جس حالت میں آپ کے جسد اطہر کو قبر شریف میں رکھا گیا تھا اب بھی آپ کا جسد مبارک اسی حالت میں ہے۔ اب اگر یہ تسلیم کریں کہ آپ کے جسد اطہر میں روح مبارک عود کر آئی ہے اور آپ بہ نفس نفیس جسد مع الروح تشریف فرما ہیں تو فقہاء کا یہ قول بھی غلط ہو جائے گا "وھو الیوم کما وضع" اور ان کی دلیل بھی دعوی کے ساتھ موافق نہ ہوگی۔ نیز "قبر النبی" کہنا بھی اپنے دعوی حیات دنیویہ جسمانیہ کے منافی ہوگا کیونکہ قبر میت کی ہوتی ہے اور جو حیات دنیویہ جسمانیہ کے ساتھ زندہ ہو اس کی جائے رہائش کو قبر نہیں کہتے بلکہ حجرہ یا بیت وغیرہ کہتے ہیں۔

زندہ آدمی کو قبر میں رکھنے کا شرع شریف میں کوئی دستور نہیں۔ بلکہ قید میں یا کسی کمرہ میں جس بے جا بھی حرام ہے۔ خصوصاً شریعت مطہرہ میں بیٹے پر حرام ہے کہ اپنے جسمانی والد کو محبوس کرے یا قید کروائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جمیع مسلمین و مسلمات کے والد ہیں اور روحانی والد کی شان اور رتبہ جسمانی والد سے کہیں فائق ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم دنیا میں رونق افروز تھے تو یہی کہا جاتا تھا کہ آپ حجرۂ شریفہ میں تشریف لے گئے ہیں یا حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے ہیں خود حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ نے بھی اسی طرح اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون یعنی بے شک جو لوگ آپؐ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور آپؐ کے حجرہ شریفہ پر قبر کا اطلاق نہیں فرمایا اور نہ یہ فرمایا کہ جب آپؐ اس عالم دنیا سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں تشریف لے جائیں گے تو آپؐ کے لیے قبر لحد نہ بنانا، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کی وفات صرف آنی ہوتی ہے پھر دوبارہ آپؐ کو یہی دنیوی جسمانی حقیقی اقوی حیات مل جاتی ہے تو قبر بنانا بے سود ہے، جیسے آنی وفات سے پہلے آپؐ کا مسکن، مبیت حجرہ شریفہ تھا اب آنی وفات کے بعد بھی وہی حجرہ شریفہ بدستور آپ کا مسکن مبیت رہے گا۔ آپ لوگوں کو چاہیے کہ جیسے حضرت امام وخلیفہ بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنح سے آکر آپؐ کے معصوم چہرۂ انور سے کپڑا مبارک اٹھا کر آپؐ کی زیارت کی تھی اور آپؐ کو بوسہ دیا تھا اسی طرح ہر خوش نصیب نیک بخت آنحضرتؐ کے معصوم چہرۂ انور سے کپڑا اٹھا کر زیارت سے مشرف ہوتا رہے۔

پھر یہ حجرہ شریفہ کے اندر نہلا کر کفن دینا پھر لحد والی قبر بنا کر معصوم جسد معطر مطہر مبارک کو قبلہ رخ لٹا کر مٹی سے بند کر دینا، جنازہ پڑھنا اور مسنم بنانا اور اوپر سے پانی چھڑکنا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب کہا کہ آپ کے دل نے کیسے گوارا کر لیا کہ آپؐ پر مٹی ڈالیں تو انس رضی اللہ عنہا کا جواب دینا کہ واقعی دل تو نہ چاہتا تھا مگر کیا کریں فرمان الٰہی سب سے مقدم ہے کہ دفن کریں اور اب تک اس جگہ کو قبر کہنا اور بعض احادیث میں آپؐ کا خود اپنی مابعد الموت جگہ کا نام قبر رکھنا، اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ آپ بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام دنیا کے اعتبار سے اموات میں داخل ہیں۔ کیونکہ قبریں اموات ہی کی ہوتی ہیں زندوں کو کوئی آدمی قبروں میں دفن نہیں کرتا۔ البتہ

عہدِ جاہلیت میں مشرک قوموں نے بہ کثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا ہے خصوصاً عرب میں قبیلہ بنی تمیم اس بلا میں بہت مبتلا تھا۔

ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ ج ۸ ص ۸ میں ہے " دختر نوزاد کو دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے جس کو شریعتِ مطہرہ نے سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اسے حرام کہا ہے۔

اور اگر کسی ایسے شخص کو جو مرضِ سکتہ میں مبتلا ہے میت سمجھ کر دفن کر دیا گیا ہو پھر کسی طریق سے معلوم ہو جائے کہ وہ مریض زندہ ہے تو اسے قبر میں ایک لمحہ بھی نہ رہنے دیں گے بلکہ فوراً ہی نکال لیں گے۔

اور قبر میں دفن کرنے کی صورت میں میتِ مومن کی عزت ہے اس کا احترام ہے اور اسی میں مومن کا وقار ہے۔ دوسرے جانوروں کی قبریں کوئی نہیں بناتا۔ بلکہ شرع محمدی میں کافر کی قبر بھی نہیں بنائی جاتی بلکہ ویسے ہی گڑھا کھود کر اس میں پھینک دیا جاتا ہے یہ برتاؤ بھی اس کے ساتھ محض اس لیے کیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے آخر انسان ہے۔

مالم یتفسّخ سے عدمِ عودِ روح کا مسئلہ بھی حل ہو گیا

فائدہ: فقہاء کا فرمانا کہ جب تک قبر میں میت کی لاش پھولی پھٹی نہ ہو تب تک میت کی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے (بشرطیکہ نماز جنازہ ادا کیے بغیر دفن کیا جا چکا ہو) یہ خود دلیل ہے اس امر کی کہ اس جسدِ عنصری میں روح واپس نہیں آتی اس لیے کہ نمازِ جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے جس کے جسدِ عنصری سے روح جدا ہو چکی ہو اور اگر جسدِ عنصری میں روح باقی ہو اگرچہ تھوڑی سی رمق ہی باقی ہو جیسے سکتہ کا مریض تو اس پر نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھتا۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ مرنے کے بعد پھر اس کے جسدِ عنصری میں روح واپس آجاتی ہے تو فقہاء کے اس مسئلہ کی تردید لازم آئے گی نیز اس حدیث کو رد کرنا ہوگا جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت مرد یا

عورت کی قبر پہ نماز جنازہ ادا فرمائی تھی، نیز اس حدیث کو رد کرنا ہوگا جو حنفیہ علیہم الرحمۃ کا مستدل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی نماز جنازہ ادا فرمائی تھی کیونکہ آپ کا نماز جنازہ قبر پہ پڑھنا تبھی ہو سکتا ہے کہ جسد عنصری صحیح سلامت موجود بھی ہو اور روح بھی واپس نہ آئی ہو۔ اگر جسد عنصری پھول پھٹ گیا ہوتا یا جسد عنصری میں روح واپس آچکی ہوتی تو آپ قبر پہ نماز جنازہ ادا نہ فرماتے۔

نیز تفسخ بدن میت بھی اس امر کی دلیل ہے کہ جسد عنصری میں روح واپس نہیں آتی کیونکہ جسد عنصری میں روح ہو تو تفسخ بدن نہیں ہوتا اور اس بات کو خصم بھی تسلیم کرتا ہے کیونکہ وہ تو اسی عدم تفسخ ابدان کو عنصری دنیوی جسمانی حیات انبیاء کی دلیل پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دنیوی عنصری جسمانی حیات اسلیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جسد اطہر قبر اطہر میں بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت تر و تازہ موجود ہے۔ اگر العیاذ باللہ آپ کا جسد اطہر تر و تازہ صحیح سلامت نہ ہوتا تو آپ کی حیات جسمانی دنیوی عنصری ثابت نہ ہوتی، اگر اس جسد عنصری میں روح نہ ہوتی تو یہ جسد عنصری مٹی کی خوراک ہو جاتا لیکن تالی تو باطل ہے یعنی جسد عنصری مٹی کی خوراک نہیں ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جسد عنصری میں روح ہے۔

فہم خصم کی غلطی پر تنبیہ

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خصم کے نزدیک بنیہ (ڈھانچہ) کا صحیح سلامت رہنا حیات کی شرط ہے کہ بنیہ چونکہ سلامت ہے اس لیے حیات ہے اور جسد میں روح ہے اور اگر جسد میں روح نہ ہوتی تو اتنی صدیوں تک بنیہ صحیح سلامت رہ نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ خصوم میں سے بعض کی زبانی تقاریر میں یہ بات سُنی گئی ہے کہ جسم عنصری کے صدیوں صحیح سلامت رہنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جسم عنصری میں روح ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حنوط اور مسالوں کے ساتھ جسم عنصری محفوظ رہ سکتا ہے جیسے عہد قدیم میں دستور تھا کہ بادشاہ وغیرہ کی لاش کو حنوط لگا کر

کمرہ میں رکھ لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حنوط نہیں لگایا گیا تو دوسری شق ثابت ہوگی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ مقدسہ میں روح ہے۔

مگر سچ پوچھیں تو یہی مسلک بعینہٖ معتزلہ کا ہے۔ مع ہذا خصم اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کا مبلغ اعظم تصور کرتا ہے۔

اور درحقیقت یہ حصر غلط ہے، کیونکہ جسدِ عنصری کا صحیح سلامت رہنا خدا کی قدرت سے ہوتا ہے اور خرقِ عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ اجسادِ انبیاء و شہداء اور دیگر ہر اس شخص کے جسم کو جسے محفوظ رکھنا چاہے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ حنوط نہ لگا ہو۔ اور اگر خدا چاہے تو حنوط والے جسم کو ریزہ ریزہ کر دے۔

ہماری مندرجہ بالا تقریر سے فرعِ نعال والی حدیث کا مفہوم بھی حل ہو جاتا ہے کہ اس فرعِ نعال سے مقصد اور غرض اصلی قرب بتانا مقصود ہے کہ دیر نہیں لگتی، دفن علی الطریقۃ المسنونۃ کے بعد جلدی فرشتے آجاتے ہیں، اتنی جلدی کہ ابھی جوتوں کی آواز ختم نہیں ہوتی، اور یہ مطلب نہیں کہ دفن کرنے کے بعد روح واپس آجاتی ہے، ورنہ تو قبر پر جنازہ کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھتے کیونکہ اب تو جسدِ عنصری میں روح آگئی ہے، مُردہ زندہ ہو گیا ہے اور زندوں پر نمازِ جنازہ کوئی نہیں پڑھتا۔

مذہب امام ابو حنیفہ رح

نیز حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ قبر پر قرآن پاک پڑھنا (ماسوا ابتدائی و آخری آیات سورۂ بقرہ کے جو دفن میت کے متصل بعد سر اور پاؤں کے پاس کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہیں) مکروہ ہے اور اس کی دلیل مراقی الفلاح کے حاشیہ میں علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لانہا جیفۃ کہ وہ بدبودار لاش ہے۔

اگر یہ بات تسلیم کر لیں کہ جسدِ عنصری روح واپس آجاتی ہے اور دیکھتا، سنتا سمجھتا ہے تو قرأت قرآن علی القبر کی کراہت کی امام اعظم رح کے نزدیک وجہ کیا ہے۔

نیز اگر شافعیہ کے مسلک کے مطابق کہا جائے کہ شہید چونکہ نصِ قرآنی سے زندہ

ہے اور زندوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اس لیے شہید پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے تو یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ شہید کو دفن ہی نہ کیا جائے کیونکہ شہید زندہ ہے اور زندہ کو دفن کرنا حرام ہے۔

نیز یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ شہید کو اگر دفن کر دیا گیا تو اس سے نکیرین کا سوال نہ ہو کیونکہ حدیث میں اِذا قُبِرَ المیت کے لفظ ہیں یعنی میت کو جب دفن کریں تو اس میت کے پاس فرشتے آتے ہیں گو اب اس میں رُوح آگئی ہے اور اب زندہ ہے مگر باعتبار ماکان کے اسے میت ہی سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن شہید کو کسی وقت میں میت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ تو زندہ ہے اسی لیے اس پر نہ تو نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، نہ نہلا سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے تن کے کپڑے اتار کر علیحدہ کفن دے سکتے ہیں، اس لیے شہید کے پاس نکیرین کو نہ آنا چاہیئے۔ کہ زندوں سے سوال نہیں ہوتا۔

ہاں ان کے نزدیک جو حنفی مسلک کے ساتھ منسلک ہیں، شہداء ہوں یا انبیا بیشک عالم برزخ میں زندہ ہیں مگر دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور انبیاء کرام کو تو نہلایا بھی جاتا ہے کفن بھی دیا جاتا ہے اور شہداء و انبیاء سب کے لیے قبر (لحد یا شق کی صورت میں) بنائی جاتی ہے اور سب لوگ اس قبر کو قبر ہی کہتے ہیں اور جس شرعی طریقہ کے مطابق دوسرے اموات کو قبر میں رکھا جاتا ہے بلا تفاوت اسی طرح شرعی طریقہ کے مطابق شہداء اولیاء، صدیقین اور انبیاء علیہم السلام کو بھی قبر میں رکھا جاتا ہے جو احکام دوسرے اموات مومنین کے قبور کے ساتھ متعلق ہیں وہی احکام شہداء اولیاء صدیقین اور انبیاء علیہم السلام کے قبور کے ساتھ بھی متعلق ہیں۔

قبورِ انبیاء کی خصوصیت

البتہ ایک خصوصیت قبور انبیاء کی ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے اموات کو نہ مکان میں دفن کر سکتے ہیں نہ ان کی قبر پر مکان بنا سکتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کو مکان (بیت) میں قبر بنا کر وہیں دفن کریں۔ چنانچہ مراقی الفلاح میں علامہ

شرنبلالی نے فرمایا ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاصہ بالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قال الکمال لا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذالک خاص بالانبیاء علیہم السلام بل یدفن فی مقابر المسلمین یعنی کوٹھوں میں دفن کرنا اموات کو مکروہ ہے کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کمال نے فرمایا ہے جس کوٹھے میں کوئی مرے چھوٹا ہو یا بڑا، اس کوٹھے میں اسے دفن نہ کیا جائے کیونکہ یہ انبیاء کا خاصہ ہے بلکہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

سوال: اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین (امام ابوبکر صدیق و امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما) کی قبریں کیوں بنیں؟ اب اس کا

جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرہ میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں بروقت وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ھذا احد اقمارک کہ ایک چاند آنحضرت سرورِ کائنات ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (ادلہ مبشرہ بالفضل نہ کہ منامات) شاید ہونگی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کے لیے۔

اسی کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے اور وہ روایت یہ ہے:

عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم ودخل المسجد وابوبکر وعمر احدھما عن یمینہ والآخر عن شمالہ وھو آخذ بایدیھما فقال ھکذا نبعث یوم القیامۃ۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب، یعنی آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ مسجد میں آئے ان میں سے ایک آپؐ کے دائیں طرف تھے اور دوسرے بائیں طرف اور آپؐ نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بروزِ قیامت ہم اس طرح اٹھائے جائیں گے۔ اور ایک اور روایت بھی اس کی موید ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال انی لواقف فی قوم قد عوا اللہ لعمر و

قد وضع علی سریرہ اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبی یقول یرحمک اللہ انی لارجوان یجعلک اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت وابوبکر وعمر و فعلت وابوبکر وعمر وانطلقت وابوبکر وعمر ودخلت ابوبکر وعمر وخرجت ابوبکر وعمر فالتفت فاذا علی بن ابی طالب (مشکوٰۃ ص ۵۵۹، متفق علیہ باب مناقب ابی بکرؓ وعمرؓ) یعنی میں کچھ لوگوں میں بروز وفات عمرؓ کھڑا تھا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کی اور ان کو نہلانے کے لیے تختہ پر رکھا گیا تھا اچانک میرے پیچھے سے ایک آدمی میرے مونڈھے پر اپنی کہنی رکھ کر کہتا ہے اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت کرے بلاشبہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے دونوں یاروں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کرے گا (قبر میں یا جنت میں) اس لیے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ فلاں جگہ میں تھا اور ابوبکر وعمر بھی، یہ کام میں نے کیا اور ابوبکرؓ وعمرؓ نے بھی۔ فلاں جگہ میں چلا اور ابوبکر وعمر بھی، مسجد وغیرہ میں میں داخل ہوا اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی، اور فلاں مقام سے میں نکلا اور ابوبکر وعمرؓ بھی: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جو پیچھے پھر کر دیکھا تو وہ ارشاد فرمانے والے حضرت امام وامیر المومنین علی مرتضیٰ تھے (مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما) ص ۵۵۹۔

نیز عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام زمین کی طرف اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور ان کی اولاد بھی پیدا ہوگی، پھر ہوگی ان کی کل مدت رہنے کی ۴۵ سال پھر آپ وفات پائیں گے پھر میرے نزدیک میرے مقبرے میں دفن کیے جاویں گے

پھر میں اور عیسیٰؑ ایک مقبرہ میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے کیونکہ وہ دونوں بھی اسی مقبرہ میں مدفون ہوں گے۔

اور امام ترمذی نے مناقب کے ابواب جلد ۲ ص ۲۰۸ میں کہا حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ تورات میں صفت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہے وعیسی بن مریم یدفن معہ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ (اسی مقبرہ میں) دفن ہوں گے پھر راوی حدیث حضرت ابو مودود مدنی نے فرمایا وقد بقی فی البیت موضع قبر کہ اس حجرہ شریفہ میں ابھی ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۸ مطبع مجیدی کانپور)

اور حضرت سمہودی رحمہ اللہ نے خلاصۃ الوفا میں فصل ۱۰ کے اخیر میں اسی مذکور حدیث میں طبرانی کے الفاظ اس طرح ہیں یدفن عیسی بن مریم علیہ السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضؓ وعمر رضؓ فیکون قبرًا رابعًا وفیہ عثمان بن الضحاک وثقہ ابن حبان وضعفہ ابو داؤد یعنی حضرت عیسی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضؓ و عمر رضؓ کے ساتھ دفن کیے جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر چوتھی ہوگی۔ اس میں عثمان بن الضحاک راوی ہے۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور ابو داؤد نے اس کی تضعیف کی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بوادر النوادر ص ۴۶۹ میں فرمایا ہے روایت اولیٰ مثل صریح کے ہے کہ تینوں حضرات ایک جگہ مدفون ہوں گے اور شارع کی خبر بلا نکیر دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعث کے پھر مجتمع ہو جائیں لفظ "ہکذا انبعث" سے بعید ہے یہ تو عین بعث کی کیفیت پر دال ہے دوسری روایت میں اس معنیٰ کا لطیف استنباط کیا گیا ہے جو مؤید بالنص ہونے کے سبب حجت ہے۔ تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہے بلکہ اس سے بھی اصرح ہے لفظ "اقوم" میں اس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع، چوتھی پانچویں روایت کا مجموعہ مخبر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں

دفن ہونا تورات میں بھی مذکور ہے۔ تو شرائع من قبلنا سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہؓ کے وقت میں ایسا ہوا اور کسی نے نکیر نہیں فرمایا تو اس کے اذن پر اجماع ہو گیا۔ اب اس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو، ہمارے لیے اجماع استثناء کے لیے حجت کافیہ ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یہ عبارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی صریح دلیل ہے کیونکہ صحابہؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سوال میں دو باتیں مذکور ہوں جن میں سے ایک کا جواب دینا بہ نسبت دوسرے کے اہم ہو تو اہم کا جواب ارشاد فرماتے اور دوسرے سے سکوت فرماتے اور اس کے بہت سے نظائر احادیث میں موجود ہیں۔ بطور نمونہ کے چند نظائر پیش خدمت ہیں۔

(۱) ۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پشت مبارک پر مہر نبوت تھی حضرت ابو رمثہ کے والد نے دیکھ کر کہا آپ مجھے اجازت دیں تو یہ چیز جو آپ کی پشت میں ہے اس کا میں علاج کر دوں کیونکہ میں طبیب ہوں، تو یہاں ابو رمثہ نے دو جملے بولے ۱۔ مجھے اپنی اس تکلیف کا علاج کرنے کی اجازت دیں ۲۔ میں طبیب ہوں، تو آپؐ نے دوسرے فقرے کا جواب دیا۔ چونکہ اس کے کلام میں تعلی دعوی طب و دانائی کا تھا تو یہ جہالت اور بے تمیزی اس کی آپؐ کو پسند نہ آئی اس لیے اس پر اعتراض کیا کہ تو تو رفیق ہے کہ علاج کرنے میں تو مریض پر نرمی اور مہربانی کرتا ہے اور اس کو اس چیز سے نگاہ رکھتا ہے جو بظاہر ضرر دیوے۔ یہ بات نہیں ہے کہ تو مریض کو شفا دیتا ہے۔ طبیب تو صرف اللہ ہے یعنی اللہ ہی صرف وہ ذات ہے جو مرض اور دوا کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس ذات واحد کے سوا کوئی نہیں جو مریض کو شفا دے سکے وہ آپ ہی بقا کی وصف کے ساتھ متصف ہے اور پہلے فقرہ کا جواب نہیں دیا۔

(۲) اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے رضاعی چچا نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی تو میں اس کو آنے کی اجازت سے انکار کیا حتیٰ کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں کہ میرے رضاعی چچا کا میرے پاس آنا درست ہے یا نہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا واقعی وہ تیرا چچا ہے تو اس کو آنے کی اجازت دے دیا کر۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دودھ تو مجھ کو عورت نے پلایا مرد نے نہیں پلایا آپ نے پھر وہی پہلی بات دہرائی کہ واقعی وہ تیرا چچا ہے پس وہ تیرے پاس آسکتا ہے مگر دوسری بات کا جواب نہیں دیا کہ اسی بات میں غور کرنے سے فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حرمتِ رضاعت جیسے مرضعہ کی طرف سے ہوتی ہے ایسے ہی اس کے خاوند کی جانب میں بھی ہوتی ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۸۸ میں ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کی تعبیر پوچھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں تعبیر بتاؤں آپ نے اجازت دی، جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خواب کی تعبیر بتانے سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ تم نے کچھ تعبیر ٹھیک بتائی اور کچھ تعبیر بتانے میں چوک گئے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ پر قسم ہے، ضرور بتائیں کونسے حصہ میں میں چوک گیا ہوں؟ آپ نے فرمایا اے ابوبکر قسم نہ اٹھاؤ۔ مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کونسے حصے میں چوکے اور کونسے حصے میں تعبیر ٹھیک فرمائی۔ کیونکہ اس کے واضح نہ کرنے میں مصلحت تھی اور بتانے میں مفاسدِ کثیرہ تھے۔

(۴) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا خواب، تو صبح صبح اپنی ہمشیرہ صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنی خواب اس خیال سے بتائی کہ ہمشیرہ صاحبہ خواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تعبیر بیان فرمائیں گے مگر آپ نے خواب کی تعبیر نہیں بتائی اتنا فرمایا کہ عبداللہ بندہ نیک ہے کاش رات تہجد کی نماز کثرت سے پڑھتا (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۳۰ مناقب عبداللہ بن عمرؓ)

(۵) صحیح بخاری ص ۱۰۷ میں ہے کہ ایک انصاری شخص مسجد قبا میں انصار کی امامت کیا کرتا تھا اس کی عادت تھی کہ جن نمازوں میں قرأت بلند آواز سے شروع کی جاتی ہے ان میں جب وہ کوئی صورت شروع کرنا چاہتا کہ ان کے آگے پڑھے تو قل ھو اللہ احد سے شروع کرتا۔ اس کو پڑھ کر پھر کوئی صورت اس کے ساتھ پڑھتا اور وہ ہر رکعت میں یہی کیا کرتا تھا پس اس کے ساتھ والوں نے اس سے (اس بارے میں) گفتگو کی اور کہا کہ تم اس سورت سے ابتدا کرتے ہو پھر تم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تمہیں کافی ہے یہاں تک کہ دوسری سورت پڑھتے ہو پس یا تو تم اسی کو پڑھو اور دوسری سورت نہ ملاؤ اور یا اس کو چھوڑ دو اور دوسری سورت پڑھا کرو۔ وہ شخص بولا کہ میں اس کو نہ چھوڑوں گا اور وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ ان سب سے افضل ہے اور وہ اس بات کو اچھا نہ سمجھے کہ کوئی اور ان کا امام بنے۔ پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) ان کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ کیفیت آپ سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا اے فلاں تمہیں اس سے کیا مانع ہے کہ تم وہی کرو جو تمہارے اصحاب تم سے کہتے ہیں اور ہر رکعت میں اس سورت کے لازم کرنے پر کس بات نے آمادہ کیا وہ شخص بولا کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی اور آپ نے یہ نہیں بتایا کہ نماز کی کیفیت کیا ہو جاتی ہے؟ جواز بلا کراہت ہے یا مع الکراہت۔ اگر جواز بلا کراہت ہے تو صرف اس امام کے ساتھ مخصوص حکم ہے یا سب کے لیے حکم عام ہے۔ یہ بحث مجتہدین میں چل پڑی۔

بعینہ اس حدیث میں بھی صحابہ کرام نے وقد ادمت کا لفظ فرما دیا تھا۔

شارع علیہ السلام نے اس لفظ کی تردید کو اہم سمجھا اسی وجہ سے اس ایک ہی فقرہ کا جواب دیا تاکہ صحابہ کرام کو سمجھ آجائے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات اس قدر غلط موجود تھی کہ ہمارے سوال کے جواب سے اس عقیدہ کی اصلاح شارع علیہ السلام کے نزدیک اہم ترین تھی جس کے پیچھے ہمیں اصل سوال کا جواب بھی نہیں دیا گیا تاکہ آئندہ ہمیشہ کے لیے ہمیں اس کا احساس رہے کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے اصل سوال کا جواب بھی ہمیں نہیں ملا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل الانبیا نہیں فرمایا بلکہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فرمایا جس میں تصریح ہے اس امر کی کہ زمین میں صرف اجسادِ مقدسہ ہیں ورنہ "اجساد" کا لفظ بے سود ہو جاتا

ابن ماجہ نے سنن ص ۱۱۲ میں حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ بتایا کہ میت کو لحد میں رکھتے وقت بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھا پھر جب لحد پر کچی اینٹیں برابر کرنے لگے تو یہ دعا مانگی اللھم اجرھا من الشیطٰن ومن عذاب القبر اللھم جا فی الارض عن جنبیھا (عن جثتھا) وصعّد روحھا الخ اے اللہ! اس کو شیطان اور عذاب قبر سے بچا۔ اے اللہ اس کی لاش سے زمین کو دور رکھ اور بلند مقام پر پہنچا اس کی روح کو الخ یہ دعا حضرت سعید بن المسیب سن رہے تھے، عرض کی اے ابن عمر! آپ نے یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یا اپنی رائے سے فرما رہے ہیں آپؓ نے فرمایا میں نے یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قبر میں لاش ہوتی ہے اور روح بلند مقام (علیین) میں ہوتی ہے نہ کہ اس لاش میں پھر سے داخل ہو جاتی ہے۔ یہ مؤید ہے اس حدیث کی جس میں ہے کہ اجساد مطہرہ انبیاء کرام علیہم السلام کا کھانا مٹی پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور عرفی قبر میں مقدس اجساد ہیں ورنہ آنحضرت افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کو "اجساد" بڑھانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

قبر النبیؐ سے سعید بن المسیبؒ کا آواز سننا

سعید بن مسیبؒ سے حرہ کے دنوں کا واقعہ دارمی نے ص ۲۵ میں بیان فرمایا کہ نماز کا وقت اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے آواز سنائی دیتی تھی۔ مگر اس میں ایک راوی ہے سعید بن عبد العزیز جو ثقہ امام تو ہے لکنہ اختلط فی اٰخر عمرہ (تقریب) لیکن اس کی اخیر عمر میں حافظہ خلط ملط ہو گیا تھا۔

اور اسی واقعہ میں حضرت حذیفہؓ کا قول بھی ذکر ہے کہ ما یصلی الا سرًا چپکے چپکے نماز پڑھتے تھے۔ مگر انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت علیؓ کی خلافت میں وفات پا چکے تھے۔ حرہ کا زمانہ تو بعد میں ہوا۔ یزید بن معاویہؓ کے عہد میں، تو دارمی کا ایام حرہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ فتنہ عہد عثمانؓ کی بات ہے اور دارمی اسے کرامات کے بابوں میں ذکر کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ معجزہ اور کرامت خرق عادت میں سے ہے اور خرق عادت پر قیاس نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ کاش آپؐ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے آپؐ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز فجر سے غافل ہو کر سو جاؤ، بلالؓ بولے کہ میں تم سب کو جگا دوں گا لہٰذا سب لوگ لیٹ رہے اور بلالؓ اپنی پیٹھ اپنی اونٹنی سے ٹیک کر بیٹھ گئے مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی اور وہ بھی سو گئے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت بیدار ہوئے کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے بلال! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ ایسی نیند میرے اوپر کبھی نہیں ڈالی گئی آپؐ نے فرمایا سچ ہے اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کر لیا اور جس وقت چاہا واپس کیا۔ اے بلال! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے لیے اذان دے دو۔ پھر آپؐ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند ہو گیا اور سفید ہو گیا آپؐ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۳)

امام بخاریؒ نے مخصوص مقامات پر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں کچھ باب ص ۱۵۸ و ۱۵۹ میں منعقد فرمائے ہیں جن میں سے ایک باب ہے باب فضل ما بین القبر والمنبر تو مطلب اس باب کے منعقد کرنے کا یہ ہے کہ من جملہ ان فضیلت والے مقاموں کے جہاں نماز پڑھنا افضل ہے، اس جگہ کی فضیلت ہے جو قبر شریف نبویؐ اور منبر کے درمیانی جگہ ہے۔

پھر عبداللہ بن زید مازنی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک

باغ ہے۔ ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ بھی آگے ہے کہ اور میرا منبر (قیامت میں) میرے حوض پر ہوگا۔ علمائے کرام نے اس فرمان کی مختلف تاویلیں کی ہیں مگر خود امام بخاری کا اس حدیث کو اس مقام پر لے آنا بتا رہا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ اس مقام پر نماز پڑھنا بہت ہی فضیلت والا کام ہے کیونکہ سوائے مسجد حرام کے تمام مساجد میں سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنا افضل ترین ہے اور خاصکر یہ مقام جو بیت النبی اور منبر کے درمیان ہے باقی بقعۂ مسجدِ نبوی سے افضل ہے اور اس توجیہ کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۷۰ میں بحوالہ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل یارسول اللہ وما ریاض الجنۃ قال المساجد وما الرتع یارسول اللہ قال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرا کرو اور ان باغوں سے خوب فائدہ اٹھایا کرو۔ صحابہ رضؓ نے عرض کی یارسول اللہ! جنت کے باغ کونسے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا مسجدیں، کسی نے پوچھا مسجدوں میں چرنا کیسے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کلمات ورد کرنا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

تو اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ کی دریافت پر "ریاض" کی خود تشریح مساجد کے ساتھ فرمائی اور اس تشریح نبوی کے بعد اور کسی کی تشریح کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے اب اس تشریح کی روشنی میں اس حدیث شریف کے یہ معنی ہوئے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان والا جو مسجد نبوی کا خطہ ہے (گو تمام مسجدِ نبوی جنت کا باغ ہے مگر یہ خطہ) بہت ہی فضیلت رکھتا ہے تو نہیں چاہیئے کہ اس خاص خطہ میں داخل ہو کر بہ نسبت دوسرے حصہ مسجدِ نبوی کے زیادہ سے زیادہ ذکر میں مشغول رہیں۔

مگر بیت النبیؐ اب مقبرہ ہے سید المقابر۔ دنیا میں ایسا مقبرہ نہیں اس لیے کہ اس میں سید اہل القبور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مقبرہ میں یوں بھی نماز پڑھنا آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسے جامع ترمذی ص ۵۱ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام یعنی زمین ساری کی ساری سجدہ کرنے کی جگہ ہے مگر قبروں کی جگہ اور حمام، لیکن خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کے بارے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد (مشکوٰۃ ص ۷۲) اے اللہ میری قبر کو بت کی طرح عبادت گاہ نہ بنانا کہ لوگ حاجت روائی اور مشکل کشائی اور دعا کروانے اور سفارش کروانے کے لیے مجھے پکارنا شروع کر دیں۔

پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقابر، مساجد نہیں اور پہلی حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مساجد ریاض الجنۃ ہیں، پس نتیجہ یہ نکلا کہ مقابر ریاض الجنۃ نہیں، لیکن دوسری حدیث جو ترمذی ص میں ہے القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران یعنی قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے (مشکوٰۃ ص ۴۵۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبریں جنت کے باغ ہیں، جو پہلے نتیجہ کی صحیح نقیض ہے (سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ) یعنی کوئی ایک فرد بھی افراد مقابر میں سے جنت کا باغ نہیں۔

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ جو بات فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے حقیقۃً یا حکماً اور وحی و وحی کا باہم تعارض و تناقض نہیں ہوتا لیکن یہاں بادی النظر میں (یعنی بظاہر) تعارض و تناقض معلوم ہوتا ہے اس لیے ہمیں اس مقام پر غور کرنا چاہیئے تاکہ المعترض کالاعمی والی صورت نہ بنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا مفہوم واضح ہو جائے۔

سو بعد از تامل علم ہوا کہ جہاں تک قبر کی طرف یا قبر پر نماز کی ممانعت کا تعلق ہے وہاں قبر سے یہ عرفی قبر مراد ہے اور جہاں تک عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف کرنے کا تعلق ہے وہاں قبر سے عالم قبر یا عالم برزخ مراد ہے۔

اور بعض روایات میں جو آتا ہے ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ اس قبر سے مراد مقبرہ ہے نہ کہ خاص قبر اطہر صلوات اللہ علی ساکنہ اور وہ مقبرہ

تمام بیت النبیؐ ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے فرمایا ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض ..... ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسیٰ بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکرؓ وعمرؓ یعنی عیسیٰ بن مریم زمین کی طرف اتریں گے پھر وفات پائیں گے پھر میرے پاس میرے مقبرے میں دفن کیے جائیں گے پھر میں اور عیسیٰؑ ایک مقبرے میں اٹھیں گے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان جو اسی مقبرہ میں مدفون ہیں اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ قبر سے مقبرہ مراد ہے جس میں چار ہستیوں کے دفن ہونے کی جگہ ہے اور وہ ہے بیت النبیؐ۔ آپ اور شیخین وہاں مدفون ہیں اور ایک قبر کی جگہ خالی پڑی ہے اور وہ جگہ کسی کو میسر نہیں ہوئی۔

حفظِ جسدِ عنصری نبویؐ پر اعتراض اور اس کا جواب

از مولانا تھانویؒ

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ سے ایک سوال ہوا تھا کہ اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارے میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ ما سلطت الارض علی اجساد الانبیاء او کما قال لیکن آپؐ کے وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپؐ کے ناخن سبز ہو گئے تھے، ایک یہ ہے کہ انتنا رخصر سے آپؐ کی وفات معلوم ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے حتی ربا قمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتی ربا بطنہ، اور اسی تغیر سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبیؐ کی وفات ہو گئی۔ اور پھر حضرت عباسؓ نے بھی فرمایا کہ ان رسول اللہ یاسن کما یاسن البشر میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مانعین دفن کے لیے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ:

دفن ہو جاتے ہیں اور معراج روحی کے خیال سے باز آجائیں۔ واللہ اعلم۔ ورنہ بالیقین آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ و مصئون ہے۔ زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اُحد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دیدی، جب نہر کے لیے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں پھر انہیں کندھوں پر لاد لاد کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں ..... حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا۔ حالانکہ یہ واقعہ کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے۔ مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس میں اجسادِ شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو۔ جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء علیہم السلام کے اجساد بدرجۂ اولیٰ محفوظ ہوں گے کیونکہ ان کے لیے تو وعدہ بھی ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں آپؒ نے بوادر النوادر ص ۵۰۷ تا ص ۵۰۹ پر یہ جواب تحریر فرمایا:

الجواب: فی التفسیر المظہری اخرج الحاکم وابوداؤد عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء واخرج ابن ماجہ عن ابی الدرداء نحوہ اس باب میں اور بھی احادیث ہیں۔ اور جو تغیرات سوال میں نقل کیے گئے ہیں وہ تاثیرات ارض کی نہیں اس لیے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں۔ ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لیے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ یہ روایات ہی حجت نہیں۔ پس تعارض ہی نہیں۔ باقی شہداء کے لیے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کے لیے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں: فی التفسیر المظہری بروایۃ الطبرانی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤذن

المحتسب کالشہید المتشحط فی دمہ اذا مات لم یدود فی قبرہ ، واخرج ابن مندہ عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات حامل القرآن اوحی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمہ ، فتقول یارب کیف اکل لحمہ وکلامک فی جوفہ وقال ابن مندہ وفی الباب عن ابی ھریرۃ رضؓ وابن مسعود رضؓ واخرج المروزی عن قتادۃ رضؓ قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی الجسد الذی لم یعمل خطیئۃ اور مجھ کو ان روایات کے صحت یا حسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں اس لیے قبول کرنا ضروری ہے اور صاحب روح المعانی کا یہ قول وما یحکی من مشاھدۃ بعض الشھداء الذین قتلوا منذ مات سنین وانھم الی الیوم تشخب جروحھم دمًا اذا رفعت العصابۃ فذالک مما رواہ ھیان بن بیان وما ھو الا حدیث خرافۃ وکلام یشھد علی مصدقیہ تقدیم السخافۃ اھ واجب الرد ہے ، لکونہ مخالفًا للمشاھدۃ المتواترۃ فمنھا ما فی المظھری اخرج عن مالک عن عبد الرحمٰن بن صعصعۃ انہ بلغہ ان عمرو بن الجموح وعبد اللہ بن جبیر الانصاری کان حفر السیل قبرھما الی قولہ فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس وکان بین احد وبین حفرہ عنھما ستۃ واربعین سنۃ ، واخرج البیھقی ان معاویۃ رضی اللہ عنہ لما اراد ان یجری کظامۃ نادی من کان لہ قتیل باحد فلیشھد فخرج الناس الی قتلاھم فوجدوھم رطابًا یتثنون فاصابت المسحاۃ رجل رجل منھم فانبعث دمًا ، واخرج ابن ابی شیبۃ نحوہ ، واخرج البیھقی عن جابرؓ وفیہ فاصابت المسحاۃ قدم حمزۃ رضی اللہ عنہ فانبعث دمًا اھ اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف پایا جائے اس کا جواب بیان القرآن کے متن اور حاشیہ موائد العوائد میں مذکور ہے۔

الحاشیۃ علی قولہ" اور یہ سب جب ہے کہ روایات کے رجال ثقاۃ ہوں ، ورنہ

روایات ہی حجت نہیں اھ

اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہوگئی۔ فی التیسیر لمولٰنا عبدالرؤف القادری۔ طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس کی کوئی سند نہیں کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے۔ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور امہات المؤمنین کے متعلق بعض ایسی روایات اس میں موجود ہیں جن کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا۔ ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا، میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اس لیے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ ہمیں یہ پوری کتاب یورپ کے واسطے سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے۔ حدیث، سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں اور نہ ان پر اعتماد ہے ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند متداول کتابوں میں مل جاوے ملا علی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں، قلت ومن القواعد الکلیۃ ان نقل الاحادیث النبویۃ والمسائل الفقہیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لایجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا من وضع الزنادقۃ والحاد الملاحدۃ بخلاف الکتب المحفوظۃ فان نسخھا یکون صحیحۃ متعددۃ۔

یہ قاعدہ ان کتابوں کے لیے بھی ہے جس کا اتفاقیہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جاوے، مگر وہ کتاب متداول نہ ہو۔ تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو اس کا کیا اعتبار ہے۔

ضمیمہ از مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی رح

تغییر کے متعلق سوال ہے جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسماعیل اور وکیع گو بڑے پائے کے ہیں اور اسماعیل تابعی ہیں مگر بعد ان کے کون ہے؟ اس کا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں؟ اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صدر ثانی میں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بے اصل اور غلط ہے۔

فی نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۹۰ شرح الشفا للقاضی عیاض الشہاب الخفاجی وقد حرم اللہ جسدہ علی الارض واحیاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد رأیت فی بعض الکتب ان السلف اختلفوا فی کفر من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما انتقلت روحہ للملاء الاعلیٰ تغیر بدنہ، وروی ان وکیع بن الجراح حدث عن اسماعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما توفی لم یبق حتی ربا بطنہ وانتثنی خنصرہ واخضرت اظفارہ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین وترکہ لیلۃ الاربعاء لاشتغالہم بامر الخلافۃ واصلاح امر الامۃ وحکمتہ ان جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم قالوا لم یمت فاراد اللہ ان یریہم آیۃ الموت فیہ ولما حدث وکیع بھذا بمکۃ رفع الی الحاکم العثمانی فاراد صلبہ علی خشبۃ نصبھا لہ خارج الحرم فشفع فیہ سفیان بن عیینۃ واطلقہ ثم ندم علی ذالک ثم ذھب وکیع للمدینۃ فکتب الحاکم لاھلھا اذا قدم الیکم فارجموہ حتی یقتل فابرد لہ بعض الناس بریداً اخبرہ بذلک فرجع الی الکوفۃ خیفۃ من القتل وکان المفتی تقتلہ عبد المجید بن ابی الرداد وقال سفیان لا یجب علیہ

القتل وانکر ھٰذا الناس وقالوا ما رأینا بعض الشھداء نقل من قبرہ بعد اربعین سنۃ فوجدہ طریا لم یتغیر فیہ شیئ فکیف بسید الشھداء و الانبیاء علیہ وعلیھم السلام والصلوٰۃ وھٰذہ زلۃ قبیحۃ لاینبغی التحدث بھا اھ

نیز چہارشنبہ کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے، فی الطبقات لابن سعد ج ۳ ص ۳ وتوفی صلوات اللہ علیہ یوم الاثنین حین زاغت الشمس ج ۲ ص ۱۳۰) ودفن یوم الثلثاء حین زاغت الشمس، اھ

چوبیس گھنٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا۔ فکیف بسید المرسلین

ضمیمہ ۲ از مولوی عبدالماجد دریابادیؒ

اس سلسلہ میں عبارت ذیل سیرت ابن ہشام سے مل گئی ہے۔ غسل کے موقع پر ولم یر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئ مما یری من المیت اب اس سے بڑھکر صراحت اور کیا ہوگی؟ پھر یہ لحاظ استناد بھی سیرت ابن ہشام کا پایا طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ یہ کتاب خاص سیرۃ نبویہ ہی پر تحقیق کرکے لکھی گئی ہے۔ طبقات تو دراصل صحابہؓ و تابعینؒ کی تاریخ ہے۔ سوانح نبویہ محض ضمناً آگئے ہیں۔ پھر اسی سیرت ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے جاتے تھے وعلیؓ یقول بابی انت وامی ما اطیبک حیاً ومیتاً اس سے بڑھ کر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے عن علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال لما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذھب یلتمس منہ ما یلتمس من المیت فلم یجدہ فقال بابی الطیب طبت حیاً وطبت میتاً۔ اب تو طبقات کی اس لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہوجاتی ہے۔،

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ معارف القرآن ج ۱ ص ۳۴۱ میں لکھتے ہیں:

شہداء اور انبیاء کی حیاتِ برزخی اور ان کے درجات میں تفاضل

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے اس میں مومن و کافر یا صالح و فاسق میں کوئی تفریق نہیں۔ لیکن اس برزخی حیات کے مختلف درجات ہیں، ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے۔ کچھ مخصوص درجے انبیاء و صالحین کے لیے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے اس مسئلہ کی تحقیق پر علماء کے مقالات و تحقیقات بے شمار ہیں، لیکن ان میں سے جو بات اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے اور شبہات سے پاک ہے، اس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں واضح فرمایا ہے اس جگہ اسی کو نقل کرنا کافی معلوم ہوا۔

ف: ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جیسے انگلیوں کے اگلے پوروں اور ایڑی، اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں، اسی طرح شہداء میں آثارِ حیات عام مردوں سے بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک

اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسم باوجود مجموعۂ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو اَحْیَاءٌ کہا گیا ہے اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی۔ مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں۔ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں یہاں تک کہ سلامتِ جسم کے علاوہ اس حیاتِ برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء، پھر اور معمولی مردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں، سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنیً شہادت میں داخل سمجھیں گے، اس طور پر وہ بھی شہداء ہو گئے، یا یوں کہا جائے کہ آیۃ میں شہداء کی تخصیص عام قرون کے اعتبار سے ہے، شہداء کے ہمرتبہ دوسرے لوگ صالحین و صدیقین کے اعتبار سے نہیں۔

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائطِ شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب روح المعانی کو ہو گیا ہے) تو اس کی وجہ میں کہا جاوے گا کہ حدیث میں جس چیز کی تصریح ہے وہ یہ کہ انبیاء و شہداء کے جسم کو زمین نہیں کھاتی، یعنی مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کر سکتی، اجزاء ارضیہ مٹی وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ان کے جسم کا متاثر ہو کر فنا ہو جانا پھر بھی ممکن ہے کیونکہ زمین میں اور بھی بہت سے

اقسام وانواع کی دھاتیں اور ان کے اجزا اللہ تعالیٰ نے رکھ دیتے ہیں۔ اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس حدیث کے منافی نہیں۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ و اَدْوِیہ و اَغْذِیہ و اخلاط و اجسام بسیطہ مثل آب و آتش و باد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کے اجساد میں بھی ثابت ہے اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاءؑ کی حیات قبل الممات سے اقوی نہیں اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزائے غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مختلف عناصر شامل ہو جاتے ہیں، سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجساد متاثر ہو جائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔

اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجسادِ شہداء کے لیے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں، گو کسی وقت میں ہو جائیں اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جائے کہ ان کی محفوظیت اجساد کی خارقِ عادت ہے اور خرقِ عادت کی دونوں صورتیں ہیں، حفظِ مؤبد اور حفظِ طویل، اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لیے لاتشعرون فرمایا گیا۔

العود الیٰ ما وقع عند وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فرمان

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے:

اب جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضؓ کو جن مشکلات کا سامنا ہوا، حضرت صدیق رضؓ نے ان سب کو حل کیا اور مسلمانوں کو ان کی حیرت و تردد سے خلاصی دی جس سے آپؓ کی قابلیت اور تقدم فی العلم دوسرے صحابہ کرام رضؓ پر بمزید ثابت ہوئی یہاں تک کہ یہ بات روز روشن کی طرح ہویدا ہو گئی کہ آپؓ نے اپنی رعیت کی تربیت منہاج و طریقہ انبیاء علیہم السلام کے مطابق کی۔ سب سے پہلے جو

مشکل پیش آئی وہ یہ امر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لوگوں کے دلوں میں تشویش پھیل گئی، بعض خیال کرنے لگے یہ موت نہیں بلکہ ایک حالت ہے، جو عند الوحی ہوا کرتی ہے۔ بعض نے خیال کیا کہ موت منافی مرتبۂ نبوت ہے اور جو لوگ نفاق پیشہ تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ دین اسلام کو درہم برہم کریں۔ حضرت صدیق رضؓ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر معلوم کیا کہ آپؐ نے اس فانی جہان سے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ کلماتِ جاں فزا سا را مثل وانبیاہ، واخلیلاہ واصفیاہ وغیرہ کہتے ہوئے مسجد میں آئے اور ایک بلیغ خطبہ کہا۔

ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح پرواز کر گئی تو حضرت صدیق رضؓ اس وقت موجود نہ تھے کیونکہ اس وقت آپؓ مدینہ کے گاؤں میں گئے ہوئے تھے جب وہاں سے واپس ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی آئے آپؐ نے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈالا ہوا تھا، حضرت صدیق رضؓ نے کپڑا اٹھایا اور پیشانی مبارک پر منہ رکھ کر چومنے لگے اور روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے بأبی انت و امی طبت حیاً و میتاً آپ کی زندگی بھی پاک تھی اور موت بھی پاک ہے پھر یہاں سے واپس ہو کر حضرت عمر رضؓ فاروق کے پاس آئے، حضرت عمر فاروق رضؓ کہہ رہے تھے کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی اور نہ ابھی وفات پا سکتے ہیں جب تک کہ آپ منافقوں کو قتل نہ کر لیں۔ ابن عمر رضؓ کہتے ہیں کہ منافقین اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر خوش ہو رہے تھے حضرت صدیق رضؓ نے حضرت فاروق رضؓ سے کہا ہوش کی باتیں کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی انک میت وانھم میتون، وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فھم الخلدون پھر اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد بیان کرنے لگے کہ لوگو! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے معبود تھے تو جان لو کہ تمہارا معبود فوت ہو گیا اور اگر تمہارا معبود اللہ تعالیٰ ہے جو آسمانوں پر ہے تو وہ فوت نہیں ہوا (بلکہ زندہ ہے) پھر یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات

او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم الآیۃ یہ آیت پڑھ کر آپ منبر پر سے اُتر آئے۔ آپؓ کی اس تقریر سے مسلمانوں کو خوشی ہوئی اور منافقین جل گئے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم لوگوں پر پردے پڑے ہوئے تھے سو آپؓ کی اس تقریر سے وہ پردہ اُٹھ گیا۔

ابن ابی شیبہ اور اسی طرح ایک جماعت نے بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ روایت کیا ہے۔

انہیں مشکلات میں سے ایک امر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ دفن اور کیفیت نماز جنازہ میں اختلاف واقع ہوا اور حضرت صدیقؓ نے اس اختلاف کو مٹا دیا مسند ابی یعلیٰ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفنا کر سریر پر رکھا گیا اور یہ منگل کے دن کا واقعہ تھا تو اب لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کہ آپؐ کو کہاں دفن کرنا چاہیے بعض نے کہا مسجد میں دفن کرنا چاہیے بعض نے کہا آپؐ کے اصحابؓ کے ساتھ آپؐ کو بھی جنت البقیع میں دفن کیا جائے، حضرت صدیقؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کی روح قبض نہیں کی گئی مگر یہ کہ وہ اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کی رُوح قبض کی گئی ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر استراحت اٹھایا گیا اور وہیں قبر شریف کھودی گئی، اس حفر کے بعد حضرت صدیقؓ نے لوگوں کو جوق جوق بلایا اور اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھتے گئے۔ مردوں کے بعد عورتوں نے اور پھر لڑکوں نے نماز جنازہ پڑھی اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی امامت نہیں کرائی۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدھ کی وسط شب کو دفن کیے گئے (ازالۃ الخفا ترجمہ اردو ص ۴۸ و ۴۹)

ایک اور مقام پر لکھا کہ واقعہ جانکاہ انتقال پر ملال جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات پر اکثر صحابہؓ کرام کے حافظہ نے ذہول کیا ہوا تھا یہاں تک کہ آیات وفات صلی اللہ علیہ وسلم یاد نہیں پڑتی تھیں بجز اس کے کہ حضرت صدیقؓ نے آیۃ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ

انقلبتم الایۃ اور آیت انک میت وانھم میتون تلاوت فرمائی اور تمام صحابہؓ نے اس وقت یہ آیات آپؓ سے سیکھیں، غرض ایسے وقت میں جب کہ اس سانحہ جانکاہ کے سبب لوگوں کے حواس بجا نہیں تھے حضرت صدیق رضؓ کا ان آیات کو تلاوت کرنا آپؓ کا حافظہ قوی ہونے کی بیّن دلیل ہے (۴۵ و ۴۶)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آئے اور بیان کرنے لگے اما بعد! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا سو آپؐ کا انتقال ہو گیا اور جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ تعالےٰ زندہ ہے اور اس نے فرمایا ہے وما محمد الا رسول الآیۃ حضرت صدیق رضؓ کا اس آیت کو پڑھنا تھا کہ تمام لوگ اس آیت کو پڑھنے لگے اس سے پہلے گویا وہ اس آیت کو بھولے ہوئے تھے، اس وقت جس شخص کو میں نے دیکھا وہ اسی آیت کو پڑھ رہا تھا (بخاری) (ازالۃ الخفاء اردو ص ۳۸۱)

پہلا تغیر جو اس امت میں واقع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانا ہے اور کونسا حادثہ اس سے جانکاہ اور کونسا تغیر اس سے زیادہ ہولناک ہوگا کہ اللہ جل جلالہ کی وحی بند ہو گئی اور وہ متواتر آسمانی برکتیں جو نبوت کے ساتھ ساتھ ہیں چھپ گئیں۔ دارمی نے ص ۲۳ پر عکرمہؓ سے ایک بڑی حدیث کے ذیل میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ہے، روایت کی ہے کہ ام ایمن رونے لگیں ان سے کسی نے کہا کیا تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر روتی ہو۔ انہوں نے کہا واللہ! میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں روتی۔ کیا میں نہیں جانتی کہ وہ ایسی جگہ گئے ہیں جو ان کے لیے دنیا سے بہتر ہے بلکہ میں اس بات پر روتی ہوں کہ آسمان کی خبریں بند ہو گئیں۔ اور دارمی ص ۲۴ نے پر انسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور کہا میں اس دن موجود تھا جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ آئے، میں نے کوئی دن اس دن سے زیادہ اچھا اور روشن نہیں دیکھا جس دن کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مدینہ میں تشریف لائے اور میں اس دن میں بھی موجود تھا جب آپؐ کی وفات ہوئی۔ اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے

مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن آپؐ کی وفات ہوئی ہر چیز مدینہ کی تاریک تھی ہم نے اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی بلکہ ہم آپؐ کے دفن میں مشغول تھے کہ ہم کو اپنے دلوں کی حالت بدلی ہوئی معلوم ہوئی۔ اور دارمی نے مکحول سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی پر مصیبت پہنچے تو اس کو چاہیے کہ میرے فراق کی مصیبت یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت ہے (ازالۃ الخفاء اردو ص ۳۴۸)

مولٰنا سید حفیظ الدین احمد کا بیان دربارہ حیاۃ الانبیاء

شائع کردہ در رسالہ ماہوار "تجلی" دیوبند

موت حقیقت میں انسان کی بشریت کا آخری بیّن ثبوت ہے جو شخص انسانی پیدائش اور موت جیسے نمایاں عوارض کو بھی بشریت کی دلیل نہیں سمجھتا، پھر وہ کبھی خالق و مخلوق کے درمیانی فرق کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔

حضرات انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے روحانی مدارج و مراتب، حضرات شہداء عظام رضی اللہ عنہم کے درجات جلیلہ سے بہر حال ارفع و اعلیٰ ہی ہیں، لہٰذا ان کا مقدس مقام بھی عالم قدس میں ان سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہی ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رح کتاب الروح ص ۴۴ میں ارشاد فرماتے ہیں "فمنہا ارواح فی اعلیٰ علیین فی الملاء الاعلیٰ وھی ارواح الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم وھم متفاوتون فی منازلھم کما رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسرآ

بعض ارواح طیبہ اعلیٰ علیین ملاء اعلیٰ میں ہیں اور وہ حضرات انبیاء کرام ع کی ارواح مطہرہ ہیں جو اپنے اپنے منازل و مراتب پر فائز ہیں جیسا کہ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ملاحظہ فرمایا۔

اور زہر الربیٰ حاشیہ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۲۶ میں ہے وکذالک رؤیۃ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء لیلۃ الاسراء فی السمٰوٰت، الصحیح انہ لم یرا فیہا الارواح فی امثال الاجساد یعنی اور اسی طرح النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنا صحیح یہی ہے کہ آپ نے شب معراج میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مطہرہ کو مثالی پیکر میں ملاحظہ فرمایا۔

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب ص ۱۲۰ میں فرماتے ہیں:

وقال الشعبی فی بحر الکلام الارواح علی اربعۃ وجوہ ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا وتصیر مثل صورتھا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل العرش یعنی حضرت امام شعبیؒ کا قول بحر الکلام میں ہے کہ ارواح کے چار مراتب ہیں (اول) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ، اجساد مطہرہ سے جدا ہو کر مثالی پیکر میں پہنچ جاتی ہیں وہ مشک و کافور کی طرح مہکتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی اور جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اور رات کو عرش الٰہی کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

حضرت امام شعبیؒ کا یہ ارشاد گرامی کوئی معمولی چیز نہیں ہے آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور پانچ سو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان سے فیوضات و برکات حاصل کیے ہوئے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷)

ایک غلط فہمی کا ازالہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام موت وارد ہونے کے فوراً بعد زندہ کر دیئے جاتے ہیں، اس کا نقل صریح سے ثبوت ہونا چاہیئے۔

ہاں اجساد مطہرہ کے متعلق صحیح حدیث میں وارد ہے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (سنن ابن ماجہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ کو کسی قسم کا ضرر پہنچائے خود ان الفاظ ہی سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

کے اجساد مطہرہ قبروں میں محفوظ و مصئون ہیں، بالکل صحیح ہے لیکن یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر اجسادِ مطہرہ میں ارواح طیبہ ہوتیں یعنی یہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے تو اجسادِ طیبہ کی پھر اس حفاظت و صیانت کی کیا ضرورت تھی۔ اس حفاظت و صیانت کی صرف یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ اعلیٰ علیین میں ہیں اور اجسادِ مطہرہ مقدسہ قبروں میں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء عظام اپنی عرفی قبروں میں زندہ نہیں،

حضرات انبیاء کرامؑ کا روحانی مقام

اگر حضرات انبیاء عظامؑ کے زندہ ہونے کا عقیدہ رکھا جائے تو ابن ماجہ کی صحیح حدیث کے ان الفاظ ان اللہ حرام علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء سے خود ثابت ہو رہا ہے کہ وہ (ان عرفی قبروں میں) زندہ نہیں۔ اگر ان عرفی قبروں میں زندہ ہوتے تو ان کے اجساد طیبہ کی حفاظت ہی کیوں کی جاتی۔

دیکھیے اگر زندہ آدمی زمین کے گڑھے میں یا یوں ہی زمین پر سویا بیٹھا رہے، یا عبادتِ الٰہی میں مصروف و مشغول رہے تو اس کے جسم کو زمین کے ضرر سے کیا اندیشہ؟

مثال کے طور پر سنیے حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت یرمیاہ علیہ السلام، مشہور قول کے مطابق سیدنا عزیر علیہ السلام ہی کا یہ عجیب واقعہ ہے۔ قرآن عزیز نے سورۂ بقرہ میں او کالذی مرّ علیٰ قریۃ کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ خدائے حی و قیوم نے نیند کی حالت میں ان پر موت وارد فرمائی فاماتہ اللہ مائۃ عام ان کا جسد اطہر بچھونے پر جوں کا توں سو برس تک برابر رکھا رہا اس قانون الٰہی کے مطابق ان کے جسد مطہر کو کسی قسم کا بھی ضرر و نقصان نہ پہنچا۔

جب خدائے حی لایموت نے ان کو پھر زندہ کیا ثم بعثہ فرما کر ان سے دریافت کیا کہ عزیر! تم یہاں کتنی دیر تک ٹھہرے رہے؟ انہوں نے جواب دیا الٰہی! ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، خدائے قدوس نے فرمایا عزیر! تم یہاں سو برس تک ٹھہرے رہے

اگر سیدنا عزیر علیہ السلام کے جسد عنصری میں ادراک و شعور ہوتا تو یہ صحیح جواب دیتے کہ میں یہاں سو برس تک ٹھہرا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد طیبہ میں نہ حیاتِ برزخی ہوتی ہے اور نہ ان میں ادراک و شعور ہوتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ ان کے اجسادِ مطہرہ ان کی قبروں میں محفوظ و مصئون رہتے ہیں اور ان کی ارواح طیبہ اعلیٰ علیین میں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی نبی ہو اس کا جسد اطہر زمین کے اندر ہو یا زمین سے اوپر، قانونِ الٰہی ہر جگہ اپنی کارفرمائی کرتا ہے۔

اور حضرات اصحاب کہف پورے تین سو نو برس تک برابر سوتے رہے ان کے مقدس جسموں کو کسی قسم کا بھی کوئی ضرر و نقصان نہ پہنچا، کیوں؟ اس لیے کہ وہ دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ تھے۔

ہاں سنن ابن ماجہ کی اسی حدیث مبارک کے آخر میں یہ مقدس الفاظ بھی ہیں فنبی اللہ حیٌ یرزق اللہ کے نبی زندہ ہیں اور وہ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ اس زندگی سے اعلیٰ علیین کی مقدس زندگی مراد ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم رح کتاب الروح ص ۵۴ میں ارشاد فرماتے ہیں: اور علامہ سیوطی رح شرح الصدور ص ۹۸ میں ارشاد فرماتے ہیں وقال الحافظ ابن رجب فی بحوال القبور فی الباب التاسع فی ذکر محل ارواح الموتیٰ فی البرزخ اما الانبیاء علیہم السلام فلا شک ان ارواحہم عند اللہ فی اعلیٰ علیین و قد ثبت فی الصحیح ان آخر کلمۃ تکلم بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ انہ قال اللھم الرفیق الاعلیٰ یعنی ارواح موتیٰ کے برزخی مقام کے بارے ابن رجبؒ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ علیین میں ہیں اس میں کچھ شک نہیں، اور صحیح بخاری جلد ۲ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بحالتِ نزع آپؐ کی مقدس زبان فیض ترجمان پر یہ آخری کلمہ تھا اللھم الرفیق الاعلیٰ (ص ۱۴۶)

اور فخر المحدثین خاتم المفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تفسیر فتح العزیز میں علیین کی تشریح فرماتے ہیں،

مقام علیین بالائے ہفت آسمان است و پائیں آں سدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل پایۂ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض در آنجا می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر می مانند (سورہ تطفیف) یعنی مقام علیین ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جس کا نچلا حصہ سدرۃ المنتہیٰ کے متصل ہے اور اس کا اوپر کا حصہ عرش کریم کے سیدھے پائے کے قریب ہے، نیک لوگوں کی روحیں یہاں پہنچائی جاتی ہیں اور مقربان الٰہی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیاء عظام رح کی مقدس روحیں بھی وہیں رہتی ہیں۔

ان حوالجات سے بخوبی یہ ثابت ہوگیا کہ حضرات انبیاء کرامؑ کی ارواح طیبہ اعلیٰ علیین عالم قدس میں مشاہدہ انوار تجلیات الٰہی میں مستغرق ہیں۔ اجسادِ مطہرہ مرقدوں (عرقی قبروں) میں محفوظ ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی

کسی کا یہ کہنا کہ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں تو اگرچہ یہ صحیح ہے کہ حضرت امام بیہقیؒ نے یہ روایت اپنی کتاب الاعتقاد" میں بیان فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں الا نبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اور حضرت امام ابو یعلیٰؒ نے بھی اپنی مسند میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ امام بیہقیؒ نے "حیات الانبیاء" میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اور روایت بیان فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھو عند ربھم کالشھداء یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر موت وارد ہونے کے بعد فوراً ان کی ارواح طیبہ ان کے اجسادِ مطہرہ میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے پروردگار کے پاس حضرات شہداء کرام کی طرح زندہ ہیں۔

(صاحب مضمون لکھتا ہے کہ) اس روایت کا یہ آخری لفظ کالشہداء خود یہ ثابت کر رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام حضرات شہداء عظام کی طرح زندہ ہیں کیونکہ قرآن کریم نے حضرات شہداء کی مقدس زندگی کے متعلق یہ فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ ان کی زندگی کو تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ وہ کیسی زندگی ہے جس کی پوری بحث اوپر گزر چکی ہے۔

اصولِ محدثین: اب ان دونوں روایتوں کو حضرات محدثین کے اصولِ حدیث سے بھی جانچنا ضروری ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ امام بیہقیؒ کی تمام کتابیں اور مسند امام ابی یعلیٰؒ احادیث کے تیسرے طبقے کی کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں، تیسرے طبقہ کی کتابوں میں ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ صحیح احادیث بھی، حسن و ضعیف اور موضوعات بھی، پھر ان کتابوں کے رواۃ کا یہ حال ہے کہ بعض راوی عادل و ثقہ ہیں اور بعض مستور الحال اور مجہول، چنانچہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی عجالۂ نافعہ میں فرماتے ہیں۔

(طبقہ ثالثہ) "احادیثیکہ جماعت از علماء متقدمین بر زمان بخاری و مسلم و معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند و التزام صحت نمودہ و کتب آنہا در شہرت و قبول در مرتبۂ اولیٰ و ثانیہ نہ رسیدہ۔ ہر چند مصنفین آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز در آں کتب یافتہ می شود و در رجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و مجہول و اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہائے شدہ اند۔ بلکہ اجماع بر خلاف آنہا منعقد گشتہ۔ دریں کتب تفاضل و تفاوت ہست بعضے اقوی من بعض، و اسامیٔ آں کتب این است" الخ یعنی تیسرے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں جن کو علماء متقدمین کی ایک جماعت نے جو امام بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے معاصرین یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے اپنی تصنیفات میں روایتیں کی ہیں اور صحت کا بالکل اہتمام نہیں کیا اور ان کی کتابیں شہرت و قبول میں طبقۂ اولیٰ و طبقۂ ثانیہ کی کتابوں کے رتبہ کو نہیں پہنچیں اگرچہ ان کے مصنفین علوم حدیث کے تبحر و وثوق و عدالت و ضبط سے موصوف تھے مگر ان کی کتابوں میں صحیح، حسن اور ضعیف حدیثیں ہیں بلکہ ان میں ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جو موضوع (بنائی ہوئی) کہی جاتی ہیں اور ان کتابوں کے بعض راوی عادل و ثقہ ہیں اور بعض مستور و مجہول اور اکثر حدیثیں ایسی بھی ہیں جو حضرات فقہاء کے نزدیک قابل عمل

نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف پر اجماع ہو چکا ہے اور ان کتابوں میں کچھ فرق و امتیاز بھی ہے۔
ان کتابوں کے نام یہ ہیں: مسند شافعیؒ، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند ابی یعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم۔ کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی۔

ان کتب مذکورہ کے متعلق حضرات محدثین نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ ان کتابوں کی جو حدیثیں طبقۂ اولیٰ و طبقۂ ثانویہ کی کتب احادیث میں روایت کی گئی ہوں، وہ قابلِ سند ہوں گی ورنہ نہیں۔

لہٰذا امام بیہقیؒ اور امام ابو یعلیٰؒ کی یہ دونوں روایتیں طبقۂ اولیٰ اور طبقۂ ثانیہ کی کتب احادیث میں تلاش کی جائیں۔ اگر واقعی ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی یہ دونوں روایتیں پائی جائیں تو یقینی یہ قابلِ احتجاج ہو سکتی ہیں اور ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیحین (بخاریؒ و مسلمؒ) اور جامع ترمذیؒ، سنن ابی داؤدؒ، سنن نسائی، اور موطا امام مالکؒ میں نہیں، لہٰذا یہ دونوں روایتیں قابلِ استناد اور قابلِ اعتبار نہیں ہیں، نیز اس لیے بھی کہ یہ دونوں روایتیں اصولِ روایت و درایت کے اعتبار سے بھی ساقط ہیں۔

اصولِ روایت و درایت

روایت کے اعتبار سے تو اس لیے کہ یہ طبقۂ اولیٰ اور طبقۂ ثانیہ کی کتب احادیث میں کہیں بھی روایت نہیں کی گئیں اور درایت کے اعتبار سے اس لیے کہ یہ عقل و دانش کے خلاف ہیں۔ جو حدیث عقل و دانش کے خلاف ہو وہ حدیث کہلانے کے قابل نہیں، بلکہ وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہوگی۔ حضرات محدثین نے اصولاً یہ تصریح فرمائی ہے کہ واقعہ کی تحقیق سے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل (جانچ پڑتال اور چھان بین) نہیں کرنی چاہیے بلکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہ ہو تو راویوں کا عادل و ثقہ ہونا ہی بے کار و بے سود ہے چنانچہ صاحب فتح المغیث ص ۱۱۴ پر ارشاد فرماتے ہیں:

قال ابن الجوزیؒ وکل حدیث رأیتہ یخالف العقول او ینافی الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر روایتہ ولا تنظر فی جرحھم

یعنی حضرت امام ابن الجوزیؒ جو فنِ روایت کے مسلّم مجتہد اور درایت کے زبردست امام تھے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو عقل کے خلاف دیکھیں تو یہ سمجھ لیں کہ وہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی نسبت اس چھان بین کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کے راوی کیسے ہیں۔

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ تدریب الراوی ص ۹۹ میں فرماتے ہیں ما نقل عن الخطیبؒ عن ابی بکر الطیبؒ ان من جملۃ دلائل الوضع ان یکون مخالفاً للعقل بحیث لا یقبل التاویل ویلتحق بہ ما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او منافیا لدلالۃ الکتاب القطعیۃ او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی۔

یعنی علامہ خطیب بغدادیؒ سے منقول ہے وہ علامہ ابوبکر طیبؒ کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ حدیث کے موضوع ہونے کی سب سے پہلی یہ دلیل ہے کہ وہ عقل کے اس قدر خلاف ہو کہ اس میں تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو اور اس میں شامل ہے جو محسوسات ومشاہدات کے بھی خلاف ہو یا قرآن حکیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے منافی ہو۔

اب آپ ان دونوں روایتوں کو ان اصولِ روایت سے خوب جانچ سکتے ہیں۔

تھوڑے ہی غور وخوض کے بعد آپ پر روزِ روشن کی طرح یہ روشن ہو جائے گا کہ مہبطِ وحی الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بے ربط اور بے جوڑ الفاظ ہو بھی سکتے ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے عقل ونقل کے خلاف ہوں۔ توبہ توبہ العیاذ باللہ۔

حضرت قاسم العلوم والخیرات آبِ حیات ص ۲۹ میں فرماتے ہیں "ہم مطلقاً سلامتِ جسد سے بقاءِ حیات پر استدلال نہیں کرتے جو یہ احتمال ہو کہ شاید اسباب مذکورہ میں سے اور کوئی سبب موجب سلامتِ جسد ہو، حیات نہ ہو، یا حیات ہی ہو پر عرصۂ قلیل کے لیے منقطع ہو کر پھر عود کیا ہو (جیسے احمد رضا خان نے کہا) بلکہ بحکم حدیث زمین پر اجسادِ انبیاء علیہم السلام کے حرام ہونے سے استدلال کرتے ہیں۔

نیلوی ..... جب مدار عقیدۂ حیات النبیؐ اس حدیث پر ہوئی تو اب اس حدیث

میں غور کرنا چاہیئے۔ سو یاد رہے کہ یہ حدیث سنن ابن ماجہ ص ۷۷ میں ہے اور سنن ابی داؤد ص ۱۵۷ میں ہے جو حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی سند ابن ماجہ میں یہ ہے حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا الحسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن شداد بن اوس اور ابوداؤد میں یہ ہے حدثنا ھارون بن عبد اللہ نا حسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس۔

اس سند کو امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر ص ۱۱۶ اور تاریخ کبیر قسم اول جلد ۲ ص ۳۶۵ میں اور ابو حاتم نے علل ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۹۷ میں اور ابوبکر خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۱۲ میں اور ابن العربی نے بقول سخاوی القول البدیع ص ۱۱۹ میں معلول و منکر کہا ہے کیونکہ امام بخاریؒ کو اس ... کا ثبوت ملا ہے کہ اس روایت میں باریک علتِ قادحہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حسین بن علی جعفی اگرچہ فی حد ذاتہ ثقہ، صالح، صدوق اور صحاح ستہ کا راوی ہے مگر آپ کا مسلّم قاعدہ ہے کہ وہم سے کون بچ سکتا ہے تو یہاں حسین بن علی جعفی نے بھی غلطی اور تسامح سے ابن تمیم کی بجائے ابن جابر کہہ دیا حالانکہ حسین بن علی جعفی کوفی ہے اور تاریخ اور استقراء سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کوفہ اور عراق کے کسی راوی کا ابن جابر سے روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔ اہلِ عراق و اہلِ کوفہ کی روایات عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم سے حاصل کردہ ہیں نہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے۔ اس لیے یہ روایت معلول و منکر ہوئی۔ یہی اس میں علت قادحہ دقیقہ ہے جس کی طرف حافظ منذریؒ نے مختصر سنن ابی داؤد ص ۴ اور ترغیب ص ۱۲۹ میں اشارہ کیا ہے وَلَہٗ عِلَّۃٌ خَفِیَّۃٌ اَشَارَ اِلَیْھَا الْبُخَارِیُّ وغیرہ، حافظ علامہ تقی سبکی رحمہ اللہ نے اس علت کی تفصیل بھی حافظ منذریؒ کے حوالہ سے پیش کی وعلتہ حسین بن علی الجعفی لم یسمع من عبد الرحمن بن یزید بن جابر وانما سمع من عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم وھو ضعیف فلما حدث بہ الجعفی غلط فی اسم الجد فقال ابن جابر (شفاء السقام ص ۴۷ اور

امام بخاریؒ فرماتے ہیں واما اھل الکوفۃ فروو عن عبد الرحمن بن یزید

بن جابر وھو ابن یزید بن تمیم لیس بابن جابر وابن تمیم منکر الحدیث (تاریخ صغیر بخاری ص ۱۷۹ ونحوہ فی التاریخ الکبیر لہ ج ۳ ق ۱ ص ۳۶۵ وتہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۹۵)

ابن ابی حاتم نے العلل ج ۱ ص ۹۷ میں کہا عبد الرحمن ابن یزید بن جابر لا اعلم احدا من اھل العراق یحدث عنہ .... وھو حدیث منکر لا اعلم احدا رواہ غیر الجعفی۔

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۱۲ میں لکھتے ہیں، عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر کے بارے حافظ ابوحفص عمرو بن علی سے نقل ہے روی عنہ اھل الکوفۃ احادیث مناکیر.... قلت روی الکوفیون احادیث عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر ووھموا فی ذالک فالحمل علیھم فی تلک الاحادیث۔

علامہ ابن العربی المالکیؒ کا قول علامہ سخاویؒ نے القول البدیع ص ۱۱۹ میں نقل فرمایا ہے انہ لم یثبت ھذا الحدیث نیز دیکھیں نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۳، مزید دیکھیں تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۰۲)

یہ بات ضرور ہے کہ سبکیؒ، ابن قیمؒ، ابن دحیہؒ، ملا علی قاریؒ، ابن حجرؒ اور سخاویؒ نے دارقطنیؒ کی تبعیت میں اس علت کو اٹھانے کی پوری کوشش فرمائی ہے اس بنا پر کہ بعض سندوں میں حسین بن علی جعفی کی عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے تحدیث کی صراحت آگئی ہے لیکن جب گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو جارحین کی جرح کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ ابن قیمؒ نے باوجودیکہ جلاء الافہام میں وہی بات لکھ دی تھی،... قصیدہ نونیہ ص ۱۴۵ میں اس روایت کے ضعیف ہونے کی صراحت کر دی اور فرمایا:

وحدیث ذکر حیوتھم بقبورھم — لما یصح وظاھر النکران
فانظر الی الاسناد تعرف حالہ — ان کنت ذا علم بھذا الشان

اور اس حدیث کو حضرت ابو الدرداء سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹

میں بایں سند مروی ہے حدثنا عمرو بن سواد المصری ثنا عبد اللہ بن وھب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی ھلال عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداء، اس حدیث میں فنبی اللہ حی یرزق کا اضافہ ہے اول تو اس لفظ کے مدرج ہونے کا احتمال قوی ہے یعنی یہ فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فرمودہ نہیں ہے۔ چنانچہ

(۱) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۰۹ میں فرمایا "ایں تتمہ کلام آنحضرتؐ یا قول ابی الدرداء است بعد از روایت حدیث" اور

(۲) مولوی نعیم الدین مراد آبادی کے بڑے حضرت مولوی احمد رضا خاں نے "حیات الموات" حاشیہ ص ۱۷۸ میں اس کو صراحتاً ذکر کیا ہے۔ ان ھذہ القطعۃ مختلۃ الادراج

(۳) سیرۃ محمدیہ ص ۵۴۰ میں اس حدیث کے اخیر میں قال ابن ماجۃ فنبی اللہ حیٌ یرزق اس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ ابن ماجہ کے اپنے ہیں۔

(۴) الصارم المنکی ص ۱۷۷ میں ہے فنبی اللہ حی یرزق قال ھذا لفظ ابن ماجۃ

دوسرے یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح کے لیے سند کا متصل ہونا ضروری ہے۔ صرف راوی کا ثقہ، ثبت، متقن اور مرکزی ہونا کافی نہیں ہے اور اس کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے اس لیے کہ زید بن ایمن کا سماع عبادہ بن نسی سے ثابت نہیں، نہ عبادہ کا ابو الدرداء سے سماع ثابت، سندھیؒ نے ابن ماجہ کے حاشیہ ص ۵۰۰ میں کہا و فی الزوائد ھذا الحدیث صحیح الا انہ منقطع فی موضعین لان عبادۃ روایتہ عن ابی الدرداء مرسلۃ وزید بن ایمن عن عبادۃ مرسلۃ

(۱) امام سخاویؒ نے القول البدیع ص ۱۱۹ میں کہا رجالہ ثقات لکنہ منقطع

(۲) نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۴ میں حافظ عراقی سے منقول ہے کہ اس حدیث کے رجال تو ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸ میں بحوالہ تاریخ کبیر قسم اول ج ۳ ص ۳۵۴ تسلیماً نقل فرمایا زید بن ایمن عن عبادہ مرسل۔

تیسرے اس کا راوی زید بن ایمن کا شاگرد سعید بن ابی ہلال کے بارے تقریب التہذیب ص ۲۷۳ میں ہے ساجی نے احمد سے روایت کی ہے کہ "انہ اختلط" اور تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۵ میں کہا قَالَ ابْنُ حَزْمٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ لَعَلَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى اَحْمَدَ فِيْهِ۔

چوتھے یہ کہ ابن ماجہ نے اس حدیث سے پہلے متصل اوس بن اوس کی روایت نقل فرمائی ہے اس میں فنبی اللہ حی یرزق کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۰۷ میں اوس بن اوس کی حدیث کی شرح میں کہا (ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء) کنایہ است از حیات اشارت است بدان

ایک تیسری روایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو طبرانی سے سخاوی نے القول البدیع ص ۱۹ میں نقل کر کے فرمایا کہ عراقی نے فرمایا ان اسنادہ لا یصح (اسکی سند صحیح نہیں)

حیاتِ برزخیہ مثل حیاتِ دُنیا نہیں

ف: الفاظ مدرجہ محتملہ کی توجیہ وتشریح میں دیگر احادیث صریح وارد ہیں کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام ملاء اعلیٰ کے ساتھ بحیاتِ برزخیہ والیتہ ہیں جو حیاتِ شہداء سے اطیب اعلیٰ، ازکیٰ، ابقیٰ، اقویٰ، اولیٰ، اصفیٰ، اسنیٰ، احلیٰ، اشہیٰ، احظیٰ، انفع، اوقع، افضل، اکمل، اعجل، ادوم اقوم اتم فضیلت رکھتی ہے۔ نہ مماثل حیات دنیا اور اجسامِ مطہرہ ان کے بلا تغیر وتبدل کے صحیح سلامت مدفون ومقبور ہیں۔ فتح الباری پارہ ۱۳ ص ۲۵۸ میں ہے لان الانبیاء احیاء عند اللہ وان کانوا فی صور الاموات بالنسبۃ الی اھل الدنیا، وقد ثبت ذلک للشہداء ولاشک ان الانبیاء ارفع رتبۃ من الشہداء

فتح الباری پارہ ۱۳ ص ۲۷۸ ان الانبیاء افضل من الشہداء والشہداء احیاء عند ربھم فکذالک الانبیاء۔

فتح الباری پارہ ۱۳ ص ۲۷۹ امور الآخرۃ لا تُدرَک بالعقل و احوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرۃ

فتح الباری پارہ ۱۴ ص ۳۸۳ وھٰذا الحیوۃ لیست دنیویۃ وانما ھی اخرویۃ

فتح الباری پارہ ۱۶ ص ۳۶ لانہ بعد موتہ وان کان حیا فھی حیوۃ اخرویۃ لا تشبہ الحیوۃ الدنیا واللہ اعلم

فتح الباری پارہ ۳۰ ص ۲۴۷ الانبیاء والشھداء فانھم احیاء عند ربھم

تلخیص الحبیر ص ۱۶۲ وقال البیھقی فی دلائل النبوۃ الانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء وقال فی کتاب الاعتقاد والانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء

ان سب کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے رب تعالیٰ شانہٗ کے ہاں زندہ ہیں وہ رزق عطا فرمائے جاتے ہیں پس نہیں کوئی امر مانع اس سے کہ وہ اس حال میں حج کریں اور یہی ثابت ہے شہداء کے لیے اور بیشک انبیاء بلند مرتبہ اور افضل درجہ میں ہیں شہداء سے، اور شہداء کے لیے حیات ہے ان کے رب کے پاس تو اسی طرح انبیاء کے لیے ہے کیونکہ امور آخرت ادراکِ عقل سے باہر ہیں اور احوال برزخ مشابہ احوال آخرت کے ہیں، اور یہ حیات دنیوی نہیں بلکہ اخروی ہے کیونکہ بعد وفات کے ان کو جو حیات ہے تو یہ حیاتِ اخروی ہے حیاتِ دنیا کے مشابہ نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ اور کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ انبیاء کے لیے حیات ان کے رب کے پاس ہے جس طرح شہداء کے لیے اور انبیاء کے لیے وفات کے بعد ان کی طرف ان کی ارواح لوٹا دی جاتی ہیں پس ان کے لیے حیات ان کے رب کے پاس ہے جیسے شہداء کے لیے۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ میں فرمایا وقد ثبت فی حدیث الاسراء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتمع بالانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین فی السمٰوٰت وفی بیت المقدس وصلی بھم فلا یبعد ان اللہ تعالیٰ احیاھم کما جاء فی الشھداء

مولوی فضل رسول بدایونی نے تصحیح المسائل ص ۱۲۱ میں کتاب الاعتقاد بیہقی کی عبارت لیکر سند کے ذکر کی ہے۔

نیز تصحیح المسائل ص ۱۳۰ میں بروایت بزار و طبرانی یہ الفاظ نقل ہیں: ارواح الانبیاء فی الرفیق الاعلیٰ فثبت بھذا انہ لا منافاۃ بین کون الروح فی العلیین او الجنۃ او السماء وان لھا بالبدن اتصالاً یعنی ارواح انبیاء کرام علیہم السلام رفیق اعلیٰ میں ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اس میں کوئی امر منافی نہیں ہے کہ روح علیین یا جنت یا آسمان میں ہو اور اس کو بدن سے اتصال ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۵۹ میں کہا:

"ولازم نمی آید از بودن آں حقیقت حیات کہ باشد بر صفتے کہ در دنیا بودہ و نہ در احتیاج بطعام و شراب وغیر ذالک از صفات اجسام چنانکہ مشاہدہ مے کنیم در دنیا بلکہ آنہا را در برزخ احکام دیگر باشد و احتیاج بطعام و امثال آں امر عادی است و حال در آنجا بخلاف عادت باشد"۔

یعنی انبیاء کی حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صفت پر ہو جس صفت پر دنیا میں تھے اور نہ احتیاج کھانے پینے وغیرہ صفات اجسام میں جس طرح ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں، بلکہ ان کے لیے برزخ میں اور احکام ہوتے ہیں اور احتیاج کھانے پینے وغیرہ کی امر عادی ہے اور حال اس جگہ کا خلاف عادت کے ہوتا ہے۔

الحاصل وہاں کی حیات، دنیوی حیات کے مثل نہیں ہے نہ وہاں کا کھانا پینا دنیا کے کھانے پینے کی مثل ہے، یہاں دنیا کی چیزیں محسوس ہیں اور مشاہدہ ہو سکتی ہیں اور برزخی زندگی اہل دنیا کے مشاہدہ سے باہر ہے۔ اسی طرح وہاں کا کھانا پینا نقل و حرکت، میل ملاپ، بات چیت، سرور وغیرہ اہل دنیا سے مستور ہے۔

مولوی عبدالسمیع نے انوار ساطعہ ص ۲۰۰ میں فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا:

امامۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج لارواح الانبیاء علیہم السلام اس سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقام سے سمٹ کر

بیت المقدس میں حاضر ہوگئی تھیں پھر یہ ارواح انبیاء علیہم السلام آسمانوں پر ملیں انتہی

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری پارہ ۲ بل احیاء ولکن لا تشعرون کی آیت کریمہ کے تحت فرمایا ہے: فذھب جماعۃ من العلماء الی ان ھذہ الحیوۃ مختصۃ بالشھداء والحق عندی عدم اختصاصھا بھم بل حیوۃ الانبیاء اقوی منھم۔ فیہ تنبیہ علی ان حیاتھم لیست من جنس ما یحسہ کل احد وانما ھی امر لا یدرک بالعقل ولا بالحس بل بالوحی او الفراسۃ الصحیحۃ المقتبسۃ من الوحی اھ ان کو مردے نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں، علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ حیات شہداء کے ساتھ مخصوص ہے اور میرے نزدیک حق یہ ہے کہ یہ حیات شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے اس میں تنبیہ ہے اس امر کی کہ ان کی حیات اس قسم کی نہیں ہے جو ہر شخص محسوس کر سکے کیونکہ اس امر کا ادراک عقل اور محسوسات سے نہیں ہو سکتا بلکہ وحی یا فراست صحیحہ سے جو وحی سے ماخوذ ہو۔

اور تذکرۃ الموتی والقبور ص ۴۳ میں فرمایا "ونسفی در بحر الکلام گفتہ کہ ارواح انبیاء چوں از جسد بیروں میشوند صورت شان از مشک وکافور می باشد و در بہشت باشند بخورند و بنوشند و تنعم فرمائند و شبانگاہ در قنادیل زیر عرش جا گیرند و ارواح شہداء در شکم پرندہ سبز بخورند و بنوشند و تنعم فرمائند و در قنادیل زیر عرش باشند ---------- یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح جسد عنصری سے باہر آنے کے بعد مشک وکافور کی صورت میں ہوتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی عیش عشرت فرماتی ہیں اور رات کو عرش کے نیچے قنادیل میں آجاتی ہیں اور ارواح شہداء سبز پرندوں کے پوٹوں میں کھاتی پیتی عیش فرماتی ہیں اور شب کو قندیلوں میں عرش کے نیچے رہتی ہیں۔

پھر حضرت حق جل وعلا نے اپنی حکمت بالغہ سے قرآن حکیم میں انبیاء پر باوجود افضل وبرتر ہونے کے موت کا لفظ اطلاق فرمایا:

(۱) اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ

(۲) فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ۔

(۳) اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔

(۴) فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ۔

(۵) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔

(۶) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ

تو کیا اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ بمقابلہ شہداء کے کم ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں! (مرزا قادیانی کا ثبوت مل جائے!!) بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ برزخی اور اتصالِ جسدی معنوی نہایت اعلیٰ وارفع واقوی وافضل ہونا شہداء سے بحکم دلالت نصِ قرآن حکیم واجماعِ امت کے ثابت ہے اور قبور اور برزخ کے حالاتِ خیر وشر اور ایمان وکفر مشاہدہ میں آجائیں تو پھر ایمان بالغیب نہ رہے گا۔ جو مدارِ ایمان ہے۔ اور جزا کا اور سزا کا مرتکب ہونا عقل انسانی کے باعث توحیدِ الٰہی اور آخرت پر ایمان ویقین لانے کا امتحان ہے۔ پھر بھی باوجود اقرار کے جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لوازمِ الوہیت، علمِ غیب، فریاد رسی، مشکل کشائی، حاضر ناظر، بیک وقت سب کی سُن کر اجابت کرنے والا جان کر حیاتِ دنیوی مان کر قبروں پر سجدے کر کے شرک تک نوبت پہنچائی فی الواقع ان پر مقولہ حضرت امام وخلیفہ بلافصل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا صادق ہے "من کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات"

حضرت ... ابن قیمؒ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں ارشاد فرمایا:

آپؐ کی قبرِ اطہر مٹی اور کچی اینٹوں کی ہے اور دیواریں بنی ہوئی ہیں، اگر آپؐ قبرِ اطہر میں ویسے ہی زندہ ہوتے جیسے وفات سے پہلے زندہ تھے تو زمین سے نیچے نہ ہوتے بلکہ موافق عادۃ اللہ کے زمین کے اوپر ہوتے۔

کفایۃ العوام ص ۷۳ میں ہے ومما یجب اعتقادہٗ ایضًا انہ صلی اللہ علیہ وسلم وُلِدَ فی مکۃ وتوفی فی المدینۃ ویجب علی الآباء ان یعلّموا اولادھم ذٰلک یعنی یہ اعتقاد رکھنا بھی واجب اور ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں آپؐ کی وفات ہوئی اور ماں باپ پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کو اس بات کی تعلیم دیں۔

تحقیق المقام حاشیہ کفایۃ العوام ص ۷۳ میں ہے کذا فی متن العباب ومثلہ للسمعانی .... وافق ابن حجر علی الوجوب یعنی متن العباب میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور سمعانی کی کتاب میں بھی اسی طرح ہے اور ابن حجرؒ بھی اس عقیدہ کے ضروری ہونے پر موافقت کرتے ہیں۔

رشحات الاقلام ص ۶ میں ہے وشہادۃ ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم الذی ولد بمکۃ عام الفیل ثم ہاجر الی المدینۃ ومات بہا وقبرہ الآن بہا صلی اللہ علیہ وسلم الی کافۃ العالمین اور شہادت توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اس بات کی شہادت دینا مومن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ کے صاحبزادے حضرت عبد المطلب کے پوتے ہاشم کے پرپوتے جو فیل کے سال مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے پھر مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے گئے اور وہیں وفات پائی اور اسی مدینہ منورہ میں اب بھی ان کی قبر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام جہان کی طرف مسئلہ توحید پہنچانے کے لیے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں۔

اور اسی رشحات الاقلام شرح کفایت العوام علی مذہب ابی حنیفۃ الامام ص ۱۶ میں ہے محمد بن عبد اللہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وھو النبی الباقی علی رسالتہ وان مات صلی اللہ علیہ وسلم الی آخر الزمان وانقضاء الدنیا یعنی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں (صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم) کے خاتم یعنی آخری نبی اور رسول ہیں جن کے آچکنے کے بعد کسی اور کو نبوت اور رسالت کا عہدہ نہ ملے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وفات پا چکے ہیں مگر آخر وقت تک اور دنیا کے ختم ہونے تک آپؐ نبی ہیں اور اپنے عہدۂ رسالت پر بدستور باقی اور قائم و دائم ہیں۔

وفات سے نبوّت زائل نہیں ہوتی

اور یہ مسئلہ بیشک صحیح ہے کہ نبی کی وفات سے نبوت و رسالت، نبی ؑ سے منقطع نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اس کے بعد دفن کرنے تک کم از کم چھ یا سات نمازوں کا وقت گزرا، صحابہ کرام رضؓ نے فرض واجب سنت مستحب (تہجد وغیرہ) نمازیں پڑھیں ان میں ہر قعدہ میں تشہد پڑھتے وقت السلام علیک ایہا النبی ص اور و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ وجوبی طور پر پڑھتے رہے آپؐ کی صفت نبوت و رسالت کا اقرار کرتے رہے حالانکہ سوائے حضرت نانوتویؒ و مثلہٗ کے تمام کا اجماع ہے کہ دفن سے پہلے آپؐ کے جسد عنصری اطہر و طیب میں روح مبارک واپس نہیں آئی اور سب کا اتفاق ہے کہ آپ اس وقت میت تھے اور مسجدوں میں اذانیں بھی دی جاتی رہیں اور صحابہ رضؓ کرام کلمات اذان سن کر ان کا جواب بھی دیتے تھے جس میں یہ شہادت بھی ہے اشہد ان محمداً رسول اللہ۔ اسی طرح اقامت بھی ہوتی رہی اس میں بھی اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا جاتا رہا اور سننے والے جواب میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے اگر وفات کے بعد یعنی جسد عنصری انبیاء کرام علیہم السلام سے مبارک روح کی مفارقت کے بعد نعوذ باللہ نبوت و رسالت کی صفت زائل ہو گئی تھی تو اذانوں، اقامتوں اور تشہد وغیرہ میں اقرار و شہادت رسالت ایک لغو اور خلاف واقع ہوتا والعیاذ باللہ۔ نیز صحابہ کرام رضؓ پر طعن آتا کہ نعوذ باللہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ نبیؐ کی موت سے نبوت کی صفت جاتی رہتی ہے لاعلمی میں اقرار و شہادت رسالت کرتے رہے والعیاذ باللہ مگر یہ بات غلط ہے۔

دراصل صحابہ کرام رضؓ نے ہمیں مسئلہ سمجھا دیا کہ نبی کی موت سے نبوت و رسالت کی صفت نبیؐ سے زائل نہیں ہوتی، نبی بدستور نبی ہی رہتا ہے اور خود نبیؐ و رسولؐ کے الفاظ کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ دونوں صفتیں لازم ذات ہیں کسی عارضہ سے جدا نہیں ہو سکتیں۔

محمد حسن سنبھلیؒ فرماتے ہیں، علمائے حنفیہؒ کہتے ہیں کہ انبیاء اور رسل دار دنیا سے

انتقال کے بعد حقیقی نبی و رسول ہوتے ہیں یا حکمی؟ پھر جواب دیا حنفی مشائخ کا مذہب ہے کہ وفات کے بعد اب بھی انبیاء و رسل حقیقی طور پر نبی و رسول ہیں! حضرت ابو الحسن اشعری اور ان کے متبعین حکمی نبی رسول مانتے ہیں۔ جیسے ابو المعین نسفی حنفی رحمہ اللہ نے بحر الکلام ص ۶۵ و ۶۶ میں لکھا ہے اور امام ابو المحاسن قونوی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں اور دوسرے علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

مشائخ حنفیہ نے اپنے دعوای (انبیاء و رسل کا حقیقی طور پر نبی و رسول ہونے) کی دو دلیلیں دی ہیں۔ ایک دلیل عقلی، دوسری دلیل نقلی، نقلی دلیل قرآنی آیت ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ اس آیت میں رسل کا لفظ ہی خود دلیل ہے اس امر کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں تمام رسول وصف رسالت میں متحد ہیں، اس وصف رسالت میں تمام رسل کے مابین کوئی تفاوت نہیں اس طرح یہ آیت تمام فوت شدہ رسولوں کے بارے میں حکمی رسول ہونے کی نفی کرتی ہے (ورنہ نزول آیت کے وقت جو یقیناً دو رسول تو زندہ تھے یعنی حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو پر تو یقیناً رسول کا اطلاق حقیقی ہے اور باقی رسل پر مجازی اطلاق کریں تو بغیر قرینہ صارفہ داعیہ الی المجاز کے مجازی معنی مراد لینا بے اصولی ہے اور بعض شوافع کے مسلک کے مطابق عموم المجاز مراد لینا بے اصولی ہے اس لیے آیت میں رسل کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ پس تمام کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اسی طرح حقیقی نبی ہیں جس طرح وفات سے پہلے سب حقیقی نبی تھے صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا و علیہم اجمعین (اسی طرح فرمان الٰہی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ الآیۃ اور ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتٰب والنبیین، نیز فآمنوا باللہ ورسلہ، وغیرہ کثیر آیات،

اور عقلی دلیل یہ دی کہ رسالت و نبوت کی موصوف اصلی و حقیقی روح ہے اور وفات کے بعد روح متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی کسی وصف میں تبدیلی آتی ہے چنانچہ شرح عقیدہ طحاویہ میں مذکور ہے۔

اور مشائخ اشاعرہ (اشعریہ) فرماتے ہیں کہ رسالت و نبوت ہر دو عرض تھیں اور ایک

عرض دو مختلف زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی۔ اب اگر کوئی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جائے تو یوں کوئی نہیں کہتا کہ فلاں آدمی اب بھی نماز میں ہے اور اگر اس نمازی کو نماز پڑھتے پڑھتے حدث لاحق ہو جائے (وضو ٹوٹ جائے) اور پھر وضو کرنے چلا جائے تو اس وقت کہتے ہیں کہ یہ شخص اصل نماز میں تو نہیں ہے۔ مگر نمازی کے حکم میں ہے۔

لیکن علمائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اشعریہ کے اس استدلال کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ یہ بات تو ثابت اور محقق ہو چکی ہے کہ رسالت اور نبوت دراصل روح کی صفت ہے (نہ جسد عنصری مع الروح کی) اور موت کا روح کے ساتھ کوئی کچھ تعلق نہیں یعنی روح نہیں مرتی۔ لہٰذا رسالت و نبوت بھی بقائے روح کی وجہ سے اپنے حال پر حقیقی طور پر قائم ہیں۔

مزید براں یہ ہے کہ آیات کریمہ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ" اور اسی طرح دوسری آیت رسل کے حکمی رسول ہونے کے عقیدہ کو رد کرتی ہیں۔ (دیکھو نظم الفرائد و جمع الفوائد ص ۶۶)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۲۳ میں فرماتے ہیں و بقاء النبوۃ والرسالۃ بعد الموت فی حقہ وحق غیرہ من الانبیاء والمرسلین علیہم السلام حقیقۃ مما ذھب الیہ غیر واحد فان المتصف بھما وکذا بالایمان ھو الروح وھی باقیۃ لا تتغیر بموت البدن نعم ذھب الاشعری کما قال النسفی رح الی انھما بعد الموت باقیان حکما انتھی۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماسوا تمام نبیوں اور رسولوں کے بارے ان کی وفات کے بعد ان کی نبوت اور رسالت کا حقیقۃً باقی رہنا اور ان اوصاف کا ان سے زائل نہ ہونا) ان امور میں سے ہے جن کی طرف اتحاد کا نہیں بلکہ کثیر علماء گئے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ نبوت و رسالت اور ایمان دراصل روح کی صفتیں ہیں اور روح ہمیشہ رہتی ہے جو بدن کی موت کے بعد اصلاً تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ ہاں اشعری رحمہ اللہ علامہ نسفی رحمہ اللہ کے کہنے کے مطابق اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء و رسل کی وفات کے بعد نبوت و رسالت حقیقۃً نہیں بلکہ حکماً ہوتی ہے۔

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۰۷ میں اس حدیث کی تاویل فرماتے ہیں جس میں آدم و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی باہم گفتگو کا ذکر آتا ہے چنانچہ فرمایا احتج آدم وموسیٰ ای تحاجا اما ان تکون ارواحہما تحاجت او یکون ذالک یوم القیامۃ والاول اظہر یعنی حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام نے باہم مباحثہ کیا۔ اب وہ مباحثہ کی صورت کیا ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک احتمالی صورت تو یہ ہے کہ ان ہر دو کی ارواح نے باہم مباحثہ کیا۔ دوسری احتمالی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ مباحثہ آئندہ کو قیامت کے روز ہو لیکن ان دونوں احتمالی صورتوں میں سے پہلی صورت زیادہ ظاہر ہے۔

گو یہ دو احتمال بیان کر کے اس اعتراض کا جواب دے گئے ہیں جو ظاہر الفاظِ حدیث پر وارد ہوتا تھا۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عالمِ دنیا میں زندہ تھے اور حضرت آدم علیہ السلام مدت ہوئی کہ عالمِ دنیا کو چھوڑ کر عالمِ برزخ میں تشریف لے گئے اور عالمِ دنیا کا باشندہ عالمِ برزخ کے باشندہ سے کس طرح کلام کر سکتا ہے اور عالمِ برزخ کا باشندہ عالمِ دنیا کے باشندہ کو جواب کس طرح دے سکتا ہے۔ پھر عالمِ دنیا کا باشندہ برزخ والے کا جواب سن کیسے سکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یوں بھی دیا جا سکتا تھا کہ آدم علیہ السلام بجسدہ وروحہ زندہ ہیں بحیاتِ دنیویہ گو ہم جیسے نا اہلوں کی آنکھوں سے غائب ہیں۔ مگر پیغمبر کی شان جدا ہوتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے زندہ تھے بحیاتِ دنیویہ اور حضرت آدم علیہ السلام بھی وفات کے بعد اپنی قبر میں دنیوی حقیقی حسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں تو پھر اشکال کیسا؟ ہم نے تو اولیائے کرام کے بارے سن رکھا ہے کہ جاگتے ہیں ان کی ملاقات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوتی رہتی ہے، بلکہ بعض اولیاء کرام کے ساتھ مصافحہ کرنے کی غرض سے انبیاء کرام نے اپنی قبر سے اپنا ہاتھ بھی نکالا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے ان کے بارے میں تو یہ احتمال اقویٰ ہے۔ مگر علامہ عینی رحمہ اللہ

نے اس احتمال کو کوئی وقعت نہیں دی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد بجسدِ عنصری دنیوی حقیقی حسی حیاۃ کے قائل نہیں تھے، ورنہ اس صاف مفہوم کو چھوڑ کر وہ مذکورہ بالا تاویلیں نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ چونکہ صحیح حدیث میں وارد ہے "الانبیاء احیاءٌ فی قبورہم" اس لیے اس مباحثہ پر کچھ اشکال وارد نہیں ہو سکتا۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۴۲۹ میں اسی مذکورہ حدیث کے بارے علماء محدثینؒ کی بیان کردہ مختلف تاویلیں ذکر فرمائی ہیں وقد اختلف العلماء فی وقت ھٰذا اللفظ، فقیل یحتمل انہ فی زمان موسیٰ علیہ السلام فاحیی اللہ لہٗ آدم معجزۃ لہٗ فکلمہ، او کشف لہٗ عن قبرہ ای مستقر روح آدمؑ فتحدثا، او اراہ اللہ روحہ کما اُریَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج ارواح الانبیاء او اراہ لہٗ فی المنام ورؤیا الانبیاء وحی ..... لو کان ذالک بعد وفاۃ موسیٰ علیہ السلام فالتقیا فی البرزخ اول ما مات موسیٰ علیہ السلام فالتقت ارواحھما فی السماء، ینا لک جزم بن عبد البر والقابسی ....، وذکر ابن الجوزی احتمال التقاء ھما فی البرزخ

یعنی علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ کا یہ مکالمہ ومباحثہ کب ہوا۔ بعض نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا باہم مباحثہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہو جس کی صورت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے معجزہ کے طور پر آدمؑ کو اسی مباحثہ کرنے کو زندہ کر دیا ہو پھر آپ نے ان سے بات کی ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ نے آدمؑ کی قبر سے حضرت موسیٰؑ سے بات کرنے کی خاطر پردہ ہٹا دیا ہو تب ان دونوں نے باہم بات کر لی ہو۔ بعض علماء نے کہا ہو سکتا ہے کہ جس طرح لیلۃ المعراج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرامؑ کے ارواح دکھلائے گئے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی روح دکھا دی ہو پھر آپ نے ان کی روح سے مکالمہ کیا ہو اور آدمؑ کی

روح نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں آدم علیہ السلام دکھا دیئے ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے اور پیغمبروں کی خواب بھی وحی ہوتی ہے الخ اور بعض علماء نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہو تو حضرت آدمؑ و موسیٰؑ کی ملاقات برزخ میں شروع وفات موسیٰؑ کے ہوئی ہو تو آسمان میں دونوں کی ملاقات ہو گئی ہو۔ ابن عبدالبر اور قابسی نے اسی پر یقین کیا .... اور ابن جوزی نے لیس یہی احتمال ذکر کیا کہ برزخ میں ان دونوں پیغمبروں کی ملاقات ہوئی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فیض الباری ج ۳ ص ۳۱۹ میں اور علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹۵ میں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کے بارے لکھتے ہیں کہ وہ صعقہ والی حدیث کو مشکل ترین حدیثوں میں سے ایک حدیث شمار کرتے ہیں قال القاضی (عیاض المالکیؒ) وھٰذا الحدیث من اشکل الاحادیث لان موسیٰ علیہ السلام قد مات فکیف تدرکہ الصعقۃ وانما تدرک الاحیاء۔ مشکل ترین اس لیے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اب وفات کے بعد ان پر بے ہوشی کیسی طاری ہو رہی ہے۔ حالانکہ بے ہوشی تو زندوں کو لاحق ہوتی ہے۔

قاضی صاحبؒ کے اس قول سے بھی معلوم ہو گیا کہ اس جسم عنصری کے ساتھ حیات انبیاء کے قائل نہیں ہیں ورنہ آپ اس حدیث کو مشکل ترین حدیث نہ فرماتے اور نہ یہ سوال اٹھاتے۔

بہر حال یہ اکابر فقہاء و محدثین اور عقائد والے، انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی نبوت اور رسالت کی صفت کو ان کے لیے حقیقی سمجھتے ہیں اس بنا پر کہ دراصل یہ منقبتیں روح کی ہیں اور مرنے کے بعد روح تو باقی ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا اور یہی عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دفن تک کے درمیانی وقفہ میں بھی اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور دعاؤں وغیرہ ہر مقام میں آپؐ کو نبوت و رسالت کی

وصف کے ساتھ ذکر کرتے رہے۔

ان کے اس عمل، عقیدہ اور بیان سے دو باطل فرقوں کی تردید ہو گئی جو قرونِ وسطیٰ میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

فرقہ کرّامیّہ: ایک فرقہ کرامیّہ تھا جس کا عقیدہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ساتھ ہی ساتھ ان کی وصف نبوت و رسالت بھی والعیاذ باللہ زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اوصاف اعراض ہوتے ہیں اور اعراض قائم بالغیر ہوتے ہیں اور عرض جس چیز کے ساتھ قائم ہے اس چیز کے جاتے رہنے سے عرض بھی جاتا رہتا ہے۔

ابن فورک: دوسرا فرقہ ابن فورک کے متبعین ہیں جن کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اپنی قبر اطہر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سچ مچ حقیقی طور پر زندہ ہیں نہ مجازی طور پر۔ محققین علمائے عقائد نے ان دونوں فرقوں کی تردید فرمائی کہ کرامیّہ اور ابن فورک ہر دو کا مذہب باطل ہے۔ جیسے تقریر بالا سے آپ معلوم کر چکے ہیں۔

لیکن ان محققین علماء عقائد کی تردید میں سبکی صاحب نے قلم اُٹھایا اور ابن فورک بدعتی کے ہم نوا ہوئے۔

چنانچہ المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۵۴ میں لکھا ہے وتعقب بان الانبیاء احیاء فی قبورھم فوصف النبوۃ باقٍ للروح والجسد معًا..... نقل السبکیؒ فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ قال انہ علیہ الصلوۃ والسلام حیّ فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ابد الآباد علی الحقیقۃ لا المجاز انتہی یعنی ان علماء پر تعاقب کیا گیا ہے بایں طور کہ انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس لیے نبوت کی وصف روح مع الجسد ہر دو کے لیے بدستور باقی ہے..... سبکی نے اپنی تصنیف طبقات کبریٰ میں ابن فورک سے یہ بات نقل کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں حقیقۃً ابد الآباد تک زندہ ہیں۔

مجازی طور پر ان کی حیاۃ نہیں حقیقی طور پر زندہ ہیں۔ ع

"انبیا حی اند در زیر زمین" (مرزا قادیانی علیہ ما علیہ)

پھر یہ بھی لکھ دیا کہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں (ترجمہ شفاء السقام سبکی از تسکین ص ۲۲۵)

اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ سبکی کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا عنصری جسم زمین کے نیچے اپنی اپنی قبر میں زندہ نماز پڑھتا ہے آسمانوں میں بھی وہی جسم عنصری زندہ موجود ہے۔ حالانکہ جسد واحد کا حقیقۃً مختلف مقامات میں ہونا محال ہے عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔ البتہ بریلوی ذہن کا کوئی آدمی یہ بات کہدے تو بعید نہیں۔

ایک ہی جسد کا مختلف مقامات میں حاضر و موجود ہونے سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ثابت ہوتی ہے نہ معراج نہ غزوہ و سریہ کا فرق، نہ مسجد نبوی سے غیر حاضری نہ حجرۂ نبویہ سے فقدان اور نہ قسم ازواج مطہرات، نہ سفر نہ قصر و اتمام کا قصہ نہ تیمم کا واقعہ وغیر ذالک الی مالا یحصی۔ تو اس معاملہ میں نعوذ باللہ بریلوی سچے ہوئے کیونکہ جب وہی جسد عنصری زمین کے نیچے قبروں میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہی جسد عنصری آسمانوں میں بھی موجود ہیں جو زمین سے پدموں اور سنکھوں میل دور ہیں تو کرۂ ارض میں جو چار ہزار میل ہے حاضر موجود ہونا کونسا بعید امر ہے۔ بلکہ بعض معاصر بریلویوں کی تحریریں ہمارے پاس موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا جسد مبارک ہر جگہ موجود ہے بلکہ ہمارا مطلب ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا یہ ہوتا ہے کہ آپ بہ نفس نفیس اپنے روضۂ اطہر میں تشریف فرما ہیں اور آپ بیک نظر تمام جہان کا ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے ہتھیلی پر دھری ہوئی چیز انسان دیکھ لیتا ہے۔ اور یہ عقیدہ شرک نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف رکھ کر تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اللہ پاک تو مکان و جہت سے پاک ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مدعی ابن فورک اور سبکی کی کتابوں اور قسطلانی و شعرانی و ابن حجر کی

جیسے خالی قسم کے علماء کی کتابوں کا مطالعہ کر کر کے اور کچھ ان کی عبارتوں میں ترمیم کر کرا کے اپنا مذہب ایجاد کر کے اس پر لیبل اہل السنۃ والجماعۃ کا لگا دیا ہو اور اپنے آپ اہل السنۃ والجماعۃ بن بیٹھے اور مخالفین کو وہابی کہہ دیا۔ اعاذنا اللہ منہم۔

اب سوال اٹھتا تھا کہ جب آپ بالکل ہی حقیقی حسی دنیوی اسی جسد عنصری کے ساتھ حیات ہیں تو یہ ایک اصولی بات ہے کہ الشی اذا ثبت ثبت بلوازمہ جب کوئی چیز اپنا وجود پاتی ہے تو اپنے جمیع لوازمات کے ساتھ اپنا وجود پاتی ہے اور جب لازم منتفی ہوتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ ملزوم بھی منتفی ہوتا ہے تو اس اصول کے تحت چاہیئے کہ جسد عنصری کھائے پیئے تو اس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ:

اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی، یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر سکیں۔ اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو، عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو۔

لیکن اگر عقلی امتناع کی بات ہو تو اس صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر اعادۂ روح کے نفس جسد کو عذاب ہو۔ جیسے فرقہ کرامیہ کہتا ہے اور جس نے اسے سفسطہ کہا ہے۔ وہ غلط ہو جیسے لامع الدراری ج ۲ ص ۱۲۰ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا لَا مَانِعَ مِنْ اِنْطَاقِ اللّٰہِ الْجَسَدَ بِغَیْرِ رُوْحٍ یعنی اس بات سے کوئی امر مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ بے روح کے جسم کو گویائی دے دے اور اگر دلیل نقلی ہو تو سبکی کو چاہیے تھا کہ دلیل میں پیش کرتے۔ دوسروں سے نقلی دلیل کا مطالبہ کرنا اور اپنی باری آئے تو عقلاً محال نہ ہونا کہہ کر گلو خلاصی کرنا کونسا قاعدہ ہے۔

اول منکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کے نام پر سب سے پہلے جن لوگوں نے موت کو نبوت کے منافی سمجھا، یا انبیاء علیہم السلام کی موت سے برملا انکار اور حیاۃ النبی کا نعرہ بلند کیا وہ دراصل صدق دل سے

مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ قدم قدم پر انہوں نے مسلمانوں، اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ممکن طریق و کوشش سے انتہائی ضرر پہنچانے اور رسوا کرنے کی کوشش کی۔ یہی وہ گروہ ہے جسے اللہ عزّ وجل نے قرآن مجید میں منافقین کے نام سے اعلان کیا ہے۔ چنانچہ:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۳ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا "بعض منافقان می گفتند کہ اگر محمدؐ پیغمبر بودے وفات نیافتے" یعنی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے (برحق و برگزیدہ سچے) پیغمبر و نبی ہوتے تو ان کو موت ہی کیوں آتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب منافقین کے برپا کردہ فتنہ یا کفر افروز اور ہلاکت افزا نعرہ کی اطلاع ہوئی تو پورے جوش و جلال اور کفر توڑ ہیبت سے شمشیر بکف دروازۂ مسجد پر کھڑے ہو کر لرزہ برپا ہو کر اور شیاطین کو بھگا دینے والی مہیب آواز سے اعلان فرمایا (پڑھو مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۳)

"عمرؓ چوں ایں سخن بشنید تیغ برکشید و بر در مسجد بایستادہ گفت "ہر کس کہ گوید پیغمبر مُرد بایں شمشیر دو نیمش شازم پس مردم بشنیدند ایں سخن در شک و شبہ افتادند در موتِ آنحضرت" یعنی منافقین کا مذکورہ باطل پروپیگنڈہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سُنا تو کفر توڑ و باطل شکن تلوار نکال کر دروازۂ مسجد پر کھڑے ہو گئے اور پُر جوش آواز سے اعلان کر دیا۔ "جو شخص بھی یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے اس کے تلوار سے پُرزے اُڑا دوں گا۔ لہٰذا سننے والے مرعوب و حیران ہو کر شش و پنج میں پڑ گئے۔

واقعۂ وفات سامنے ہے عمرؓ جوش خروش اور غضبناک لہجہ میں انکار پر مجبور کر رہے ہیں بالآخر کیا کیا جائے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سُن کر حضرت عمر و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ

عنہما آئے میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اندر آنے کی اجازت طلب کی پس میں حسب دستور چادر اوڑھ کر حجرہ کے ایک کونہ میں ہوگئی اور اندر آنے کی اجازت دے دی پس جب کہ حضرت عمر رضؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو بنظر فائر دیکھا تو انتہائی پریشانی اور حزن و ملال سے بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا واغشیتاہ قربان جاؤں کس درجہ طویل اور ہوش ربا بے ہوشی طاری ہے۔ پس جب کہ واپس لوٹے اور حجرہ کے دروازے پر پہنچے تو مغیرہ رضؓ نے جرأت سے کہا کہ عمرؓ! غشی اور بے ہوشی نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے۔ مغیرہ رضؓ کی زبان سے موت کا لفظ سن کر انتہائی جوش محبت اور ہیبت ناک آواز سے فرمایا کَذَبْتَ بَلْ اَنْتَ تَحْرِشُ الْفِتْنَۃَ، تو جھوٹ کہتا ہے اور فتنہ کو بھڑکانے والا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت واقع نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اللہ تعالےٰ منافقین کو ختم نہ کر دے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیرون مدینہ اپنے ڈیرہ سنح سے خبر وفات سن کر مسجد نبوی میں تشریف لائے تو اس وقت حضرت عمر رضؓ مسجد کے دروازہ پر کھڑے اعلان کر رہے تھے ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یموت حتی یقتل اللہ المنافقین وکانوا اظہروا الاستبشار ورفعوا رؤسہم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً فوت نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کی موت اس وقت تک واقع ہو سکتی ہے جب تک کہ اللہ تعالےٰ منافقین کو ختم نہ کر دے، حالانکہ منافقین موجود ہیں اور وہ خبر وفات سن کر خوشیاں منا رہے ہیں اور سر اٹھائے بغلیں بجاتے دھائی دے رہے ہیں۔

المرام جن لوگوں نے وفات النبی ؐ کے موقع پر دوامی حیات النبی کا نعرہ، یا موت کو نبوت کے منافی، یا موت کو نبوت کی توہین و تحقیر مشہور کیا وہ شر الناس منافقین تھے اگرچہ ان فتنہ بازوں کا باطل پروپیگنڈہ فاروقی جوش اور ہیبت اور کفر توڑ تلوار و باطل شکن اعلان سے ختم ہو کر رہ گیا اور خطبہ صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان بخش و بصیرت افروز اور حقیقت سے آشنا کرنے والے دلائل قاطعہ نے پوری جماعت

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر متفق و مطمئن کر دیا۔
چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو متفقہ عقیدہ و تعامل بحیثیت عینی شاہد کے بیان فرمایا وہ یہ ہے:

یوں معلوم ہو رہا تھا کہ خطبۂ صدیقؓ سننے سے پہلے گویا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ مذکورہ آیات بھی قرآن مجید میں ہیں۔ پس خطبۂ صدیق رضؓ نے حاضرین کو یہ آیات قرآنیہ یاد دلا دیں اور ازبر کرا دیں حتیٰ کہ سامعین سے ہر ایک کو ہی ان کی تلاوت کرتے ہوئے وفاۃ النبی ؐ کا کما حقہ یقین ہو گیا (وَاللّٰہِ لَکَاَنَّ النَّاسَ لَمْ یَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنْزَلَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ حَتّٰی تَلَاھَا اَبُوْبَکْرٍ فَتَلَقَّاھَا النَّاسُ مِنْہُ کُلُّھُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِّنَ النَّاسِ اِلَّا یَتْلُوْھَا)

بلکہ خود فاروق اعظم رضؓ کو کھلے لفظوں یہ اعلان کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوا کہ جب میں نے خطبۂ صدیقؓ کی آیات سنیں:

فَعَقِرْتُ وَاَنَا قَائِمٌ فَخَرَرْتُ عَلَی الْاَرْضِ مَا یُقِلُّنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۰)

تو میں مارے ہیبت کے تلملا اٹھا اور صدمہ وفات کی زد سے دھڑام سے زمین پر گر گیا پس مجھے کما حقہ یقین ہو گیا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔

اس وقت منافقین کا برپا کردہ فتنہ ختم ہو گیا۔

مولوی احمد اللہ صاحب پشاوری نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر والایمان میں اسی طرح لکھا ہے۔

بیان بالا پڑھ کر امید ہے کہ آپ کے ذہن سے یہ خلش دور ہو جائے گی کہ آخر محدثین کو کیا ہو گیا تھا کہ باب وفات النبی ؐ منعقد کرتے ہیں اور باب حیاۃ النبی ؐ بعد دفنہ کا نام تک نہیں لیتے۔ دراصل منکرین وفاۃ النبی ؐ کا رد ان کا مطمح نظر تھا۔

وفات النبیؐ کے منکرین کا دوسرا گروہ

منافقین کے بعد ایک اور گروہ آیا جس نے اہل نفاق کے برپا کردہ فتنہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور سے تعبیر کرتے ہوئے ان کی ترجمانی کا حق جس خوبی اور کمال سے ادا کیا وہ اصول کافی کتاب الحجۃ باب النہی عن الاشراف علی قبرہ ص ۲۸۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ لکھا ہے عن جعفر بن المثنی الخطیب قال کنت بالمدینۃ وسقف المسجد الذی یشرف علی قبرہ قد سقط والفعلۃ یصعدون وینزلون ونحن جماعۃ فقلت لاصحابنا من منکم لہ موعد یدخل علی ابی عبد اللہ علیہ السلام اللیلۃ فقال مہران بن ابی نصر انا و قال اسماعیل بن عمار اخبرنی انا فقلنا لہما سلاہ لنا عن الصعود لنشرف علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما کان من الغد لقینا ھما واجتمعنا جمیعا فقال اسماعیل قد سالنا لکم فقال ما احب لاحد منکم ان یعلوا فوقہ وما آمنہ ان یری شیئا یذھب منہ بصرہ ویراہ قائما یصلی ویراہ مع بعض ازواجہ (اس کا فارسی ترجمہ حیات القلوب میں ہے۔

اسی طرح حیات القلوب ج ۲ ص ۸۷۲ میں ہے۔ کلینی بسند معتبر روایت کردہ (کافی ص ۲) است از جعفر بن مثنی خطیب کہ گفت من در مدینہ بودم کہ خراب شد سقف مسجد رسول ؐ از موضعے کہ نزدیک قبر شریف آنجناب و بنایاں و کارکنان بالا می روند و فرو می آمدند پس من اسماعیل بن عمار را گفتم کہ از حضرت جعفر صادق سوال کند کہ آیا می توانیم بار رفتن کہ بر قبر مقدس آنحضرت ؐ مشرف شویم و نظر کنیم۔ روز دیگر اسماعیل برائے ما خبر آورد کہ حضرت ؑ فرمود کہ آں دوست نمی دارم برائے احدے کہ بر قبر آنجناب مشرف شود و ایمن نیستم کہ ببیند چیزے کہ دیدہ اش نابینا شود بسبب آں یا آں کہ ببیند کہ آنجناب ایستادہ است و نماز می کند یا آں کہ ببیند کہ آنجناب ایستادہ است و نماز می کند یا آں کہ ببیند کہ با بعضے از زنان طاہرہ نشستہ

یعنی جعفر بن مثنی خطیب روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی ایک جماعت کے ہمراہ

ان دنوں مدینہ منورہ میں موجود تھا جب کہ مسجد نبوی کی چھت کا وہ حصہ جو قبر شریف پر حاوی ہے شکستہ تھا اور اس کی تعمیر کے لیے معمار و مزدور اتر چڑھ رہے تھے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اسماعیل بن عمار کو حضرت جعفر صادق رضؓ کی خدمت میں بھجوا کر دریافت کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم مسجد کی چھت پر چڑھ کر شکستہ چھت سے قبر شریف کو جھانک کر دیکھنے کی سعادت حاصل کر پائیں۔ حضرت صادقؒ نے فرمایا کہ میں ہرگز قطعاً کسی ایک کو قبر شریف کو جھانک کر دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ جھانک کر دیکھنے والوں کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہے یا پھر دیکھنے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں نماز پڑھتا دیکھے یا پھر بعض ازواج مطہرات کے ساتھ صحبت میں مشغول پائے۔ (نعوذ باللہ)

اس گروہ کی ایک گپ کہ قبر سے ہاتھ نکلا اور آواز آئی

در کتاب اختصاص و بصائر الدرجات و سائر کتب بسند ہائے معتبر از صادق روایت کردہ اند کہ چوں گریبان حضرت امیر المومنینؓ را گرفتہ برائے بیعت ابوبکرؓ بسوئے مسجد کشیدند حضرت در برابر قبر رسول خدا ایستادہ و گفت آنچہ ہارونؑ در جواب موسیٰؑ گفت کہ یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادو یقتلوننی الآیۃ یعنی اے برادر من بدرستیکہ قوم مرا ضعیف گردانید و نزدیک شد کہ مرا بکشند پس دستے از قبر رسول خدا بیروں آمد بسوئے ابوبکر کہ ہمہ شناختند کہ صدائے آنحضرت است۔

یعنی کتاب اختصاص اور بصائر الدرجات بلکہ تمام کتب میں یہ روایت حضرت صادق سے منقول ہے کہ جب امیر المومنین (علی رضؓ) کا گریبان پکڑ کر ابوبکرؓ کی بیعت کے لیے ان کو کھینچ کر لایا گیا تو آپ نے قبر رسولؐ کے برابر کھڑے ہو کر وہی کہا جو کہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے جواب میں کہا تھا یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی الآیۃ یعنی اے میرے بھائی اور اماں کے بیٹے! قوم نے مجھے اس درجہ ضعیف اور کمزور سمجھ لیا ہے کہ میرے قتل کے درپے ہے پس اس کے جواب میں قبر شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا ہاتھ نکالا اور ابوبکر کو اشارہ سے روک دیا اور آواز بھی دی (منع کیا) چنانچہ سب نے آپ کے دست مبارک اور آواز کو پہچانا۔

حیاۃ النبیؐ سے ایک قدم آگے

روافض نے حیات النبیؐ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حیات النبیؐ کو محروم کر کے قرار دیکر اپنے ائمہ کو زندہ درگور ثابت کرنے کی غرض سے ائمہ کو موت کی دست برد ہی سے محفوظ و بالاتر قرار دیتے ہوئے یا علی، یا حسین کا نعرہ جس طرح بلند کیا اور قبر پرستی کو جیوں کر فروغ دیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا فمنهم الغالية وقد ادعت ان عليًا افضل من الانبياء صلوات الله عليهم اجمعين... ... وان عليا وسائر الائمة لم يموتوا بل هم باقون الى ان تقوم الساعة ولا يتطرق عليهم الموت یعنی ان رافضیوں کا ایک غالی فرقہ ہے جس کا دعوی ہے کہ حضرت علیؓ تمام انبیاء سے افضل ہیں..... نیز علی اور دوسرے تمام ائمہ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ قیامت تک اپنی اپنی قبروں میں دنیا کی طرح باقی ہیں اور ان کے پاس موت کے آنے کا راستہ ہی نہیں ہے (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۶۱ طبع مصر)

نیز فرمایا واما الناؤسية فقيل لانهم نسبوا الى ناؤس البصري الذي هو رئيسهم ويقولون بامامة جعفر وانه حي لم يمت بعد وانه قائم یعنی ناؤس بصری کے تابعین جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور تا حال جعفر فوت نہیں ہوئے وہ زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے قبر سے نکل کھڑے ہوں گے۔

الملل والنحل ج ۱ ص ۱۵۰: سید حمیری کہتا ہے کہ حضرت محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ (اپنی قبر شریف میں) زندہ موجود ہیں۔

الملل والنحل ج ۱ ص ۱۵۲: عبداللہ خراسانی کے متعلق ان کے چیلے کہتے ہیں کہ وہ (اپنی قبر میں) زندہ ہے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۵۹ محمد بن عبداللہ کے متعلق اس کے چیلے کہتے ہیں کہ وہ قبر میں بحیاۃ دنیوی زندہ ہے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۷۰: اثنا عشریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ سرے سے فوت ہی نہیں ہوئے اور اتھی کا ایک دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ فوت تو ہو چکے ہیں مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گئے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۷۴: ابن سبا کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضؓ زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے اور اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ علی خدا میں سے ہے خدا کی جزو ہے وفات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۷۸: مغیریہ فرقہ کہتا ہے کہ محمد بن علی فوت نہیں ہوئے ہم ان کے منتظر ہیں، واپس آئیں گے۔ جبرائیل و میکائیل رکن اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان ان سے بیعت کریں گے اور وہ امام منتظر مردوں کو زندہ کریں گے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۸۰: بزیغیہ فرقہ کا تو عقیدہ ہی یہی ہے کہ جب انسان کمال کو پہنچتا ہے اور پھر مر جاتا ہے تو اس کے بارے میں اس طرح نہ کہنا چاہیے کہ مر گیا ہے بلکہ وہ عالم ملکوت کو پہنچتا ہے۔ مرتا نہیں ہے۔

الملل والنحل ج ا ص ۱۹۱: اسماعیلیہ فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر تا حال وفات نہیں پائے۔

غنیۃ الطالبین جلد ا ص ۹۰: ویسمون الرافضۃ لوقوفہم علی موسی بن جعفر وقولہم ہو حیٌ لم یمت ولا یموت: یعنی ایک رافضی فرقہ موسیٰ بن جعفر کے بارے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ قبر میں زندہ ہیں نہ اب تک مرے اور نہ ہی مریں گے۔

اصول کافی ص ۱۵۸: ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون متی یموتون و انہم لا یموتون الا باختیارھم منہم۔ یعنی یہ مشاہیر ائمہ علیہم السلام اپنی موت کے اوقات کو جانتے پہچانتے ہیں بلکہ ان کی موت خود ان کے قبضہ و اختیار ہی میں ہے (چاہیں مریں چاہیں نہ مریں)

منکرِ وفاۃ النبیؐ کا ایک دیگر فرقہ

ان فرقوں کے بعد معتزلہ وجہمیہ جیسے بدترین گمراہ فرقوں کے اختلاط سے ایک اور فرقہ معطلہ کے نام سے پیدا ہوا جس نے اپنی دیگر محدثات واختراعات کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی زور شور سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں اسی طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دنیا میں تھے اور یہی عقیدہ ابن فورک کا تھا۔ جیسے مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۵۴ میں مذکور ہے اور طبقات کبریٰ میں علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے وان بن فورك كان رجلا صالحا ثم قال (الذهبي) كان مع دينه صاحب نحلة وبدعة ج ۱ ص ۵۴) یعنی ابن فورک نیک آدمی تھا مگر علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابن فورک باوجود دینداری اپنی کے بے سوچے بولنا لغزش وغلطی کا شکار ہوتا اور بدعتی بھی تھا۔

ابن قیمؒ نے قصیدۂ نونیہ میں معطلہ کے اس واہی اور موہوم عقیدہ کی تردید کتاب و سنت کے مصرح دلائل وحقائق وشواہد سے باحسن طریق بیان فرمایا۔

لو كان حيًّا في الضريح حياته ... قبل الممات يغيرما فرقان

ما كان تحت الارض بل من فوقها ... والله هذا سنة الرحمن

اتراه تخف الارض حيًّا ثم لا ... يفتيهم بشرائع الايمان

ويريح امته من الآراء ... والخلف العظيم وسائر البهتان

ام كان حيًّا عاجزًا عن نطقه ... وعن الجواب لسائل الدهقان

وعن الحراك كما الحياة اللات قد ... اثبتوها اوضحوا ببيان

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں زندہ تھے وفات سے پہلے تو قبر کی بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے کیونکہ اللہ رحمن کا طریقہ یہی ہے۔ ذرا اتنا تو سوچ اور خیال کر کہ اگر آپ قبر شریف میں زندہ موجود ہیں تو پھر مسائل ایمان کے فتاوے کیوں نہیں دے رہے؟ امت آئے دن فتنوں اور

اختلافات کا شکار ہے۔ مگر آپ خاموش ہیں۔ کیا آپ کو والعیاذ باللہ خاکم بدہن بولنے اور جواب دینے کی توفیق نہیں۔ اگر حس و حرکت نہیں پھر زندگی کے کیا معنی؟ سوچ سمجھ کر جواب دے۔ (آگے فرمایا:)

ولقد اتوا یوماً الی العباس یستسقون من قحط وجدب زمان
هذا و بینهم و نبیهم عرض الجدار وحجرة النسوان
ننبیهم حتی فیستسقون غیر نبیهم حاشا اولی الایمان

یعنی قحط و خشک سالی سے مجبور صحابہؓ حضرت عباسؓ کے پاس استسقاء کے لیے آئے حالانکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں بذات خود بہ نفس نفیس زندہ موجود تھے اور فرق اور فاصلہ بھی صرف حجرات کی دیوار ہی کا ہے اس سے بڑھکر حیرت انگیز امر اور کیا ہو سکتا ہے کہ زندہ ہستی (نبی پاکؐ) کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعا کرائی جا رہی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے اسلیے ابن قیمؒ ان معطلہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والترب تحتهم وفوق رؤسهم وعن الشمائل ثم عن ایمان
مثل الذی قد قلتموه معاذنا باللہ من افک ومن بهتان
بل عندربهم تعالی مثل ما قد قال فی الشهداء فی القرآن

یعنی جن کے نیچے بھی مٹی ہو اور ان کے سروں پر بھی اور دائیں اور بائیں بھی غرض مٹی میں محصور اور گھرے ہوئے بھی کوئی زندگی ہے۔ تمہارے اس افک اور بہتان سے خدا کی پناہ! حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند اللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی کا قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے۔

چونکہ یہ عقیدہ معطلہ اور ابن فورک کا عقل و نقل کے سراسر خلاف ہے اسلیے حافظ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ کو جوش آتا ہے اور انتہائی غصے سے فرماتے ہیں:

یا قومنا استحیوا من العقلاء والمبعوث بالقرآن والرحمان
واللہ لاقدر الرسول عرفتم کلا ولا النفس والانسان
من کان هذا القدر مبلغ علمه فلیستتر بالبیت والکتمان

ولقد ابان اللہ ان رسولہ حیث کما قد جاء فی القرآن

یعنی اے قوم! تمہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل دانش و عقل مندوں سے شرم آنی چاہیئے۔ کیونکہ نہ ہی تو تم نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدر و مرتبہ کو پہچانا اور نہ ہی تم نے انسانیت کی قدر و عظمت اور نفس یا روح کی شان و کمال کو سمجھا۔ جو کوئی اس درجہ عقل و فہم سے محروم ہے تو اسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گزارنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا اعلان فرما کر نبی کریم کی وفات ظاہر فرمادی، مگر تم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رٹ لگا رہے ہو کہ آپ زمین کے نیچے زندہ ہیں۔

ایک قدم اور آگے

چودھویں صدی میں بریلویوں کا مجدد فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۱۱ میں لکھتا ہے ف۳

عقائد: انبیاء علیہم السلام کی موت یعنی ان کے اجسام طیبہ سے ارواح طاہرہ کا جدا ہونا صرف ایک آن کے لیے ہوتا ہے پھر ویسے ہی زندہ ہو جاتے ہیں جیسے حال ظاہری میں تھے جسم روح سے معاً۔ ولہٰذا ان کا ترکہ نہیں بٹتا، نہ ان کے بعد ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے۔

ایک قدم اور آگے

ملفوظات ج ۳ ص ۲۶ میں احمد رضا خان نے لکھا: انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں وہ ان سے شب باشی کرتے ہیں۔

ایک قدم اور آگے

نیز ملفوظات ج ۳ ص ۲۴ و ۲۵ میں لکھا سید احمد بدوی کبیر کی قبر پر دھوم دھام سے سالانہ عرس ہوتا ہے اور امام عبدالوہاب شعرانی رح ہر سال حاضر ہوتے۔ یہ میلہ (عرس) تین دن ہوتا ہے ایک سال حضرت شعرانی کو تاخیر ہو گئی اور آخری دن پہنچے جو اولیاء کرام مزار مبارک پر (پہلے دن سے) مراقب تھے انہوں نے فرمایا آپ کہاں تھے دو روز سے؟ حضرت مزار مبارک کا پردہ (غلاف یا اچھاڑ) اٹھا اٹھا کر فرماتے ہیں۔ عبدالوہاب آیا، عبدالوہاب آیا؟ انہوں نے (حضرت شعرانی نے) فرمایا۔ کیا حضرت کو میرے آنے کی اطلاع ہوتی ہے؟ انہوں نے (پہلے روز سے آنے والوں نے) فرمایا اطلاع کیسی؟ حضور (سید احمد کبیر بدوی) فرماتے ہیں، کتنی ہی منزل پر کوئی شخص میرے مزار پر آنے کا ارادہ کرے، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہوں۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا رسی کا بھی جاتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا (یہ کیوں گم ہوا)

نیز لکھا: حضرت شعرانی رح ایک مرتبہ اسی عرس (میلہ) پر حاضری کے لیے چلے آتے تھے کہ ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑ گئی۔ فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

النظرۃ الاولیٰ لک والثانیۃ علیک (پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری تجھ پر) یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مؤاخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی۔ مگر وہ لونڈی آپ کو پسند آئی و دل نشین ہو گئی، جب مزار شریف پر حاضر ہوئے (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا اے عبدالوہاب! وہ کنیز تمہیں پسند ہے؟ (علامہ شعرانی نے جواباً) عرض کی ہاں جناب بہت پسند ہے اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے ... (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کر دی۔ اب آپ (شعرانی) سکوت میں ہیں (خاموش و متفکر ہیں) کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور (صاحب قبر) ہبہ فرماتے ہیں (مجھ کو بخش رہے ہیں) معاً وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز

مزار اقدس کی نذر کر دی۔ خادم کو صاحب قبر کی طرف سے اشارہ ہوا۔ انہوں (خادم) نے آپ (شعرانی) کی نذر کر دی (خادم نے وہ لونڈی شعرانی کے سپرد کر دی) ارشاد (صاحب قبر نے) فرمایا اے عبدالوہاب! اب دیر کاہے کی ہے، فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

محمد عمر اچھروی نے مقیاس الحنفیہ ص ۲۸۲ میں لکھا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم زوجین کے جفت ہونے کے وقت بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔

مولوی سرفراز صاحب نے تسکین الصدور طبع اول ص ۱۶۵ میں لکھا:

"بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا، اور یہی حالت قبر میں بھی ہے۔"

حیات النبیؐ کے بارے مرزا قادیانی کا عقیدہ

ایک مرزائی نے اپنی تصنیف "احمد صادق" صفحہ ۴۹ میں مرزا قادیانی کا کلام نقل کیا ہے جس میں سے ایک یہ مصرعہ بھی ہے ع

کاملاں حیّ اند در زیر زمین

یعنی جتنی کامل ہستیاں ہیں اولیاء، صلحاء، شہداء، صدیقین اور انبیاء یہ سب کے سب زمین کے نیچے (قبر عرفی میں) زندہ جاوید ہوتی ہیں۔

شانِ خاتم الانبیاء ص ۱۶ میں مرزا قادیانی نے لکھا ہے۔

قد مات عیسیٰ مطرقاً و نبیّنا حیٌّ و ربی انہ وافانی

واللہ انی قد رأیت جمالہ بعیون جسمی قاعداً بمکانی

یعنی عیسیٰ تو بیشک سر نگاہ جھکاتے ہوئے خاموشی کے ساتھ مر گیا ہے، لیکن ہمارا نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زندہ ہے، میرے رب کی قسم سچی بات ہے کہ وہ خود میرے پاس آئے ہیں اور اللہ کی قسم میں نے اپنی اس جسم کی آنکھوں کے ساتھ ان کا جمال دیکھا جب کہ وہ میرے مکان میں بیٹھے تھے۔

پھر کہا ہمارے نبی زندہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

محامد خاتم النبیین صفحہ ۱۲۹ میں مرزا قادیانی کا قول نقل ہے "انبیاء بحیات جسمانی مشابہ حیات دنیوی زندہ ہیں"

جاودانی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (ہم مسلمان ہیں ص ۲۴) یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے (کشتی نوح ص ۱۱۳) ہم مسلمان ہیں ص ۲۵) اعلیٰ درجہ کا جوان مرد نبی زندہ نبی (ہم مسلمان ہیں ص ۲۳) اگر کوئی نبی زندہ ہیں تو وہ ہمارے ہی نبی ہیں اکثر اکابر نے حیاۃ النبی پر کتابیں لکھی ہیں۔ (ہم مسلمان ہیں ص ۲۴) دنیا کی صرف دو زندگیاں قابل تعریف ہیں ایک خدا کی، دوسری محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ہم مسلمان ہیں ص ۲۳ و ۲۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خدائے تعالیٰ مجھے قبر میں میت نہیں رہنے دے گا اور زندہ کر کے پھر اٹھائے گا (ازالۃ الاوہام ص ۲۵۰ و محامد خاتم النبیین ص ۱۲۹ و ۱۳۳) آپ کی توجہ روحانی نبی تراش (مجموعہ تقاریر ص ۴۷ جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ ۱۹۶۱ء) آپ کی روح پھر امت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئی (سیرۃ النبی ص ۶۰ از مرزا رفیع احمد)

ہندوؤں کا عقیدہ ان کے پیغمبروں کی حیات کے بارے

سری کرشن متھرا میں پیدا ہوا بعض تو کہتے ہیں کہ وہ تمام فریبیوں کا سردار تھا لیکن بعض کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھا بلکہ بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کا اوتار تھا وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔

پھر بعض کہتے ہیں کہ راجہ سری کرشن ۱۲۵ سال کی عمر میں دریودھن کی ماں رانی گندھاری کی بددعا سے مر گیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ راجہ سری کرشن پیغمبر زندہ ہیں روپوش ہو گئے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے، اسی طرح بیاس کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بیاس بڑا پاکیزہ فطرت اور عارف کامل تھا اور وہ زندہ جاوید ہے۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی اور مسئلہ حیاۃ النبی ؐ

نوٹ: ہمارے عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یہ عقیدہ کہ والعیاذ باللہ آپ مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے ہیں، خاکم بدہن۔

بانی تحریک خاکسار علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اپنی کتاب تذکرہ کا حصہ اردو کے ص ۵۷ پر لکھا ہے "اسلام کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بحث نہ تھی اس کو اس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں مل کر مٹی ہونے والا تھا"

نیلوی کہتا ہے حاشا وکلا ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہمارے اکابر نے علامہ مشرقی پر کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند اور کفایت المفتی میں اس امر کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

علامہ مشرقی کے کفر کے کئی وجوہات ہیں جو اس کی تصنیف کردہ کتاب "تذکرہ" کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ علامہ مشرقی حدیث نبوی علی صاحبہ الف صلوٰۃ وتحیہ کا بھی انکار کرتا ہے اور یہ بھی اس کا عقیدہ ہے کہ والعیاذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی ہو گئے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں سے بیزار ہیں۔ اور اس کے باوجود جو لوگ ہمیں متہم کرتے ہیں یا ہمارے اکابر میں سے کسی کو اس مسئلہ میں خواہ مخواہ متہم کرتے ہیں (جیسے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو متہم کیا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صحیح محکم اور مدلل جواب دینے کے باوجود اس نازیبا حرکت سے باز نہیں آتے تو انہیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیئے اور قیامت کے روز جب مدعی و مدعا علیہ سب خدا کے حضور پیش ہوں گے وہاں کسی کی رو رعایت نہیں ہو گی۔

وہاں سب پردے ہٹا دیئے جائیں گے۔

بیت النبیؐ کی بجائے قبر النبیؐ کا بولنا ہی وفات کا اقرار ہے

قبر کہنا ہی دلیل ہے اقرار وفات کی۔

حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے عقیدۃ الاسلام ص ۲۱ میں لکھا کہ حضورؐ نے حضرت موسیٰؑ و یونسؑ کے حج کا ذکر اس لیے فرمایا کہ لعلہما لم یحجا فی حیاتہما الدنیویۃ شاید ان دونوں نے اپنی دنیوی زندگی میں حج نہ کیا تھا۔ اس لیے اب برزخی زندگی میں حج کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔ آگے ص ۲۱ ہی میں لکھا اور حضرت عیسیٰؑ کی نماز کا ذکر فرمایا پھر ص ۲۲ میں لکھا حضرت عیسیٰؑ کی قبر کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ عیسیٰؑ تو ابھی زندہ ہیں اور زندوں کی قبر نہیں ہوتی، قبر ہوتی ہے ان کی جو فوت ہو جائیں۔ انتہیٰ۔

اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اس لیے انؐ کی قبر ہے اور اس پر صحابہ کرام رضؓ نے بھی قبر کا اطلاق فرمایا، مرثیوں میں بھی قبر کا اطلاق فرمایا، چنانچہ حضرت ابو سفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فقبرا بیک سید کل قبر وفیہ سید الناس الرسول

اے فاطمہؓ! تمہارے ابا جانؐ کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے اور اس میں سید الناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں۔

اسی طرح حضرت نائلہ جعدی رضی اللہ عنہ (صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین (امام اول ابوبکر صدیق و امام ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما) کی قبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فیا قبرا النبی و صاحبیہ الا یا غوثنا لو تسمعونا

پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دونوں مصاحبوں (امام ابوبکر و امام عمر رضی اللہ عنہما) کی قبرو! کاش تم سنتے ہوتے اور ہماری فریاد سنتے تو (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اور مجھے کوڑے لگائے ہیں اس سب کی) فریاد تمہارے آگے کرتا مگر اب میں کس کے پاس جا کر اپنی فریاد سناؤں تم تو سنتے نہیں ہو۔

اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے آپ کی قبر اطہر پر حدث کا اطلاق فرمایا اور عربی زبان میں "حدث" قبر کو کہتے ہیں،

افاطمُ صلی اللہ رب محمد علیٰ حدث امسیٰ بیثرب ثاویا

اے بیٹی فاطمہ! صبر کر اور یوں کہو کہ خدا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار ہے اس صاحب تربت (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل فرماوے جو مدینہ میں مقیم ہے (یعنی آپ کا جسد اطہر) کیونکہ اس شعر کے بعد فرماتی ہیں

علیک من اللہ السلام تحیۃ وادخلت جنات من العدن راضیا

خدا کی طرف سے آپ پر سلام تحیہ ہے اور آپ تو خوشی خوشی جنات عدن میں داخل کیے گئے یعنی آپ کی روح مبارک (صلی اللہ علیہ وعلیٰ روحہ وعلیٰ جسدہ)

صحابہ کرام وفاۃ النبیؐ کے بعد

دنیوی جسمانی عنصری زندگی کے قائل نہ تھے

انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی مثالی اجسام کی تصریح جو کافور و کستوری سے ذکر ہوئی اس کی سند و دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو مسند احمد ج ص میں ذکر ہے فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُہٗ لَمْ اَجِدْ رِیْحًا قَطُّ اَطْیَبَ مِنْہَا یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر جسد اقدس سے نکلی تو اس درجہ مشک بیز خوشبو مہکی کہ اس کی مثل ہرگز پائی ہی نہیں گئی جس سے روز روشن کی طرح آشکار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جسم سے نکلتے ہی جنت کی کستوری و کافور کے مثالی جسم سے فائز ہوتی ہے عند اللہ اپنے مثالی مستقر میں تشریف فرما ہو کر رفیق اعلیٰ کی ملاقات و مسرتوں میں محو ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مشکوٰۃ ص ۵۵۵ میں ہے قال (ابن عمرؓ) کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہٗ

ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اس وقت ہم کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین امت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں پھر دوسرے نمبر پر عمرؓ پھر تیسرے نمبر پر عثمانؓ ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مشکوٰۃ ص ۳۲۵ میں ابن موہب سے روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے قاضی اور حاکم بن جاؤ تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا اے امیر المومنین مجھے معاف کریں اس کام سے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ تم قضا کو کیوں ناپسند کرتے ہو حالانکہ آپ کے والد ماجد بھی عہد نبویؐ میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو قاضی انصاف کا فیصلہ کرے تو بھی اس لائق ہے کہ نکلے اس سے برابر کہ نہ فائدہ دے نہ نقصان اور نہ ثواب پاوے اور نہ عذاب۔

نیز دوسری روایت میں یہ جواب منقول ہے کہ میرے باپ پر اگر مشکل قضیہ ہو جاتا تو اس زمانہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر قضیہ مشکل ہو جاتا تو جبرائیلؑ سے دریافت کر لیتے اور میں ایسا شخص نہیں پاتا جس سے پوچھ لوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکل قضیے اور عقدے حل نہیں کرائے جا سکتے اور نہ ہی آپؐ سے یہ عرض کی جا سکتی ہے کہ آپؐ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے سیدھی راہ سمجھائے۔

مشکوٰۃ ص ۴۷۷: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دجال کے بارے انکشاف سنایا اور پھر فرمایا کہ حضورؐ بیان کر کے کسی مطلب کو باہر نکلے پھر واپس آئے لوگوں کو مغموم پایا پوچھا اسماء کیا بات ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! دجال کا ذکر کر کے آپ کے ہمارے دل نکال دیئے۔ فرمایا اگر بالفرض

دجال اس وقت آیا کہ جب میں زندہ ہوں تو حجۃ کے ساتھ میں اس کو مٹا دوں گا اور اگر میں زندہ نہ رہا تو میرا رب میرا وکیل (حافظ، حامی و کارساز) ہے ہر مومن پر انتہی

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اب حیٌّ فی قبرہٖ نہیں ہیں ورنہ آپؐ وَاِلَّا الخ نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ تم کیوں گھبراتے ہو میں خود زندہ ہوں گا میں اس کو باذن اللہ قابو کر لوں گا۔ جیسے مرنے سے پہلے۔

مشکوٰۃ ص ۲۷۴ و صحیح بخاری ص ۵۹۳ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے ایک جہاد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے بخوف حمل رہنے کے لونڈیوں سے عزل کرنا چاہا پھر دل میں یہ سوچا کہ بھلا ہم اس وقت میں عزل کریں جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہوں اور پوچھ نہ لیا ہو ان سے کہ آیا عزل جائز ہے یا نہ پھر ہم نے حضورؐ سے عزل کے جواز کا مسئلہ پوچھا الیٰ آخر الحدیث۔ مگر آپؐ کی وفات کے بعد کوئی مشکل واقعہ پیش آجاتا تھا تو کسی روایت میں نہیں آیا کہ صحابہؓ نے حضورؐ کی آرامگاہ پر آکر مشکل حل کرالی ہو۔ حالانکہ مشکل مسائل کا حل کرانا اور صحابہؓ کا باہم اختلاف و نزاع کو مٹانا بہ نسبت رد سلام کے بدرجہا اہم اور ضروری ہے۔ صحابہؓ کی باہم جنگیں ہوئیں، ہزاروں مسلمان جانبین میں شہادت کے رتبہ کو پہنچے مگر کسی صحابیؓ سے ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیکر جہاد میں گئے ہوں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آپ اپنی آرامگاہ (قبر) شریف میں دنیوی، عنصری جسمانی حقیقی حسی حیات کے ساتھ قبل از وفات سے بھی اکمل طریق سے زندہ ہیں تو صحابہؓ سے زیادہ اولیاء اللہ کوئی نہیں تھا جب وہ عرض معروض کرتے تو حضرتؐ ضرور جواب بھی دیتے۔ اگر جواب سلام کا دیتے ہیں۔ پندرھویں صدی کے گئے گزرے مسلمانوں کی شفاعت سن لیتے ہیں، اور سعید بن مسیبؒ جیسے تابعی اندر سے حضورؐ کی اذان سن لیتے ہیں تو امام عثمانؓ کے حامی صحابہؓ حضورؐ کی آرامگاہ پر عرض کر سکتے تھے اور اندر سے حضورؐ بھی مشورہ دے سکتے تھے مگر مع ہذا کسی صحابیؓ نے آپؐ کی آرامگاہ پر دستک نہیں دی نہ حضورؐ سے مشورہ لیا نہ حضورؐ نے مشورہ دیا تو اب

دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو صحابہؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ کی یہ حیات دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی نہیں ہے وہ برزخی حیات ہے حیاتِ شہداء کی جنس میں سے گو نوع اور صنف حیاتِ انبیاء کا کوئی اور ہو اور ایسی حیات میں نہ حضورؐ ہماری سنتے ہیں اور نہ ہم حضورؐ کی سنتے ہیں۔ نہ حضورؐ سے ہم مشورہ لے سکتے ہیں نہ ہم کو حضورؐ مشورہ دے سکتے ہیں۔ وہ عالم برزخ میں، ہم عالم دنیا میں۔

یا پھر صحابہؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ بحیاتِ دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی اپنی آرامگاہ میں بہ نفس نفیس تشریف فرما ہیں امت کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں اور امت کے لیے استغفار بھی کر رہے ہیں خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں جو آتا ہے اسے جانتے پہچانتے بھی ہیں، خاص کر صحابہ کرامؓ کو جو سفر و حضر میں، نماز میں، جہاد میں، حج میں آپؐ کے ساتھ رہے ہیں ان کو تو بلاشبہ جان پہچان لیتے ہیں کیوں نہ پہچانیں جب کہ مال جان بچے وغیرہ سب کچھ آپؐ پر قربان کرتے رہے ہیں۔ وہ اگر آپؐ سے مشورہ لیتے تو صحابہؓ کو یقین تھا کہ اپنے جان نثاروں کو اپنے زرین و مفید مشوروں سے حضورؐ ضرور مستفید و مستفیض فرمائیں گے۔ ہماری بات کو رائیگاں نہ جانے دیں گے۔

اگر مؤخر الذکر صحابہؓ کا عقیدہ تھا تو پھر یہ لازم دار ہیں حضرت عثمانؓ کا رہنا دیکھ کر حضورؐ کو اطلاع نہ دی، یہ صحابہؓ کے حق میں بہت بڑا والعیاذ باللہ الزام ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجود اس بات کے کہ حضورؐ کو اطلاع دے سکتے تھے، اطلاع نہ دی اور اپنے امیر المومنین کو ذبح کروا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس مفروضہ میں صحابہؓ کا دامن بھی قتل امیرؓ میں داغدار ہو جائے گا۔

لیکن یہ بے ہودہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس میں رتی بھر ایمان نہ ہو جب یہ شق باطل ہوئی تو دوسری شق معین ہو گئی کہ صحابہ کرامؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ اپنے حجرہ شریفہ کے اندر آرامگاہ (قبر اطہر) میں دنیوی حسی حقیقی عنصری جسمانی حیات کے ساتھ تو بہ نفس نفیس بجسدہ و روحہ زندہ تشریف فرما نہیں۔ نہ وہ ہماری سنتے ہیں نہ ہم ان کی، نہ ہم ان کو دیکھتے ہیں نہ وہ ہم کو۔ البتہ اعلیٰ علیین میں تمام مقبول بندوں سے بدرجہا بلند و بالا

ارفع و اعلیٰ مقام میں تشریف فرما ہیں جہاں کسی کا مقام نہیں، اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارک وسلم علیہ۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲ میں ہے: حضرت انسؓ نے فرمایا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے (اس وقت مجھے مرض ذات الجنب کی وجہ سے داغ دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حیات فی القبر العرفی کا نہ تھا ورنہ سننے والا کہہ سکتا تھا کہ حضورؐ! آپؐ تو اب بھی زندہ ہیں۔ پھر ذکر رسول اللہ حیٌّ کا اضافہ کویت من ذات الجنب کے بعد کس مطلب کے لیے ہے۔ ہاں آپؓ یوں کہتے حینَ نزل الوحی یا والوحی ینزل۔

اسی طرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۴۲ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی روایت ہے خَسَفَ الشمس فی حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورج بے نور ہوگیا۔

اسی طرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۱ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کان الرجل فی حیاۃ النبیؐ اِذا رأی رؤیا قصّھا علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں معمول تھا کہ جب کوئی آدمی خواب دیکھتا تو حضورؐ کو بتاتا تھا۔ اب خود حضرت ابن عمرؓ جو اس روایت کے راوی ہیں سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۷۴ھ تک زندہ رہے آپؓ کو خوابیں بھی آتی ہوں گی مگر کسی حدیث میں نہیں آیا کہ حضرت ابن عمرؓ خود یا دوسرے صحابہؓ نے آپؐ کی آرامگاہ پر کبھی اپنی خواب آپؐ کو سنائی ہو پھر آپؐ نے سن کر اس خواب کی تعبیر فرمائی ہو۔ صحیح بخاری ص ۵۲۹ میں بھی یہی حدیث ہے۔

جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۰ میں ہے: قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ محمد بن کعب قرظی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جن میں فی حیوٰۃ النبی کے الفاظ ہیں۔ نمونہ کے لیے اتنا کافی ہے۔

حضرت ثوبان بن بُجدُد ابو عبداللہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے ساتھ

سفر حضر میں رہتے تھے۔ وفاۃ النبیؐ کے بعد شام چلے گئے تھے اخیر حمص چلے گئے وہیں وفات پائی۔

جس غلام پر حضورؐ کی اتنی شفقت اور احسان واکرام ہو کہ اس کو خرید کر آزاد فرمایا ہو اور سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھا ہو۔ کیا ایسا غلام احسانات میں دبا ہوا صحابی اتنی بے رخی کر سکتا تھا؟ حضورؐ بھی سوچتے ہوں گے کہ جب سے میں عزلت نشین ہوا ہوں ہر وقت میرے ساتھ رہنے والا ایسا غائب ہوا کہ کبھی میری آرامگاہ کی طرف رُخ تک نہیں کیا۔

سہیل بن بیضاء فہری کے متعلق آتا ہے مات فی حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد رجوعہ من تبوک سنۃ تسع، یعنی سہل رضؓ ۹ھ میں تبوک سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے (اکمال ص ۵۹۷)

مشکوٰۃ ص ۳۴۵ میں حضرت مروان بن الحکم اور مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ قوم ہوازن مسلمان ہو کر آئی اور حضورؐ سے کہا کہ ہمارے مال اور قیدی واپس کر دو تو حضورؐ نے فرمایا دو چیزوں میں سے ایک چن لو یا قیدی یا مال، ہوازن نے کہا چلو ہمیں قیدی لینے منظور ہیں۔ تب آپؐ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اللہ کی حمد وثنا کی جیسے وہ اہل ہے پھر فرمایا تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہوازن شرک اور گناہوں سے توبہ کر کے آئے ہیں اور میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کے قیدی ان کی طرف واپس کر دوں۔ اب تم میں سے جو شخص اپنے قیدی بخوشی واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے اور جو تم میں سے چاہے کہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ ہم کو سب سے پہلے جو غنیمت عطا فرماوے گا اس کو ہم ان قیدیوں کے عوض میں دیں تو وہ بھی بتا دے۔ تو ان صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم خوش دلی سے قیدی واپس کرنے کو تیار ہیں، حضورؐ نے فرمایا ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کون راضی ہوا اور اسے ہم جدا کر نہیں سکتے اس سے جو راضی نہیں ہوا۔ اس لیے ایسا کرو جا کر اپنے اپنے سرداروں کو بتاؤ وہ تفصیل کے ساتھ تم سب کی رائے ہم کو بتائیں گے چنانچہ سب

لوگ گئے پھر ان کے سرداروں نے ان سے بات چیت کی پھر ان سرداروں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ سب کے سب قیدی پھیرنے پر بخوشی رضامند ہیں۔

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ حضورؐ اپنی دنیوی زندگی میں سب کی بات یعنی ہر فرد کی بات بیک وقت نہیں سنتے تھے اسی لیے فرمایا کہ اس شور میں میں نہیں جان سکتا کہ کون راضی ہے اور کون ناراض، اس لیے اپنے اپنے قبیلے کے سرداروں کو بتا دو وہ مجھے تفصیل سے بتا دیں گے کہ فلاں فلاں راضی ہے۔ اب مابعد الوفات جو آپ کی آرامگاہ پر ہر وقت رات دن تانتا بندھا رہتا ہے سلام کہنے والوں کا جن میں سے بعض موحد ہوتے ہیں اور بعض مشرک اور بعض دوسرے کافر مرزائی غالی شیعہ وغیرہ کیا آپ فرداً فرداً ہر ایک کا سلام سن کر ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟

حدیث "ما من احد یسلم علیّ" تو یہ بتاتی ہے کہ آپؐ ہر ہر فرد کا سلام سنتے ہیں اور ہر ہر فرد کے سلام کا ایک ایک کر کے جواب بھی دیتے ہیں لیکن ان سلام دینے والوں میں مختلف عقائد کے لوگ ہیں بعض ردِ سلام کے اہل ہیں اور بعض نااہل ہیں، اب آپؐ سب کو ایک طرح کا جواب تو دے نہیں سکتے کیونکہ دنیا میں مسلمان اور کافر کے جواب کا فرق تھا اب کیا فرق نہ ہوگا۔؟

اگر فرق نہیں تو حضرتؐ کی دعا ان کے حق میں قبول ہوگی کہ آپؐ مستجاب الدعوات ہیں تو سب مسلم، کافر، مشرک، مرزائی، شیعہ سلام کرنے کے بعد بخشے جائیں گے، حالانکہ مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ برابر مرتے دم تک کافرانہ عقیدے پر جمے رہتے ہیں اور اسی عقیدہ پر مرتے ہیں، بیسیوں مرزائی حاجی تھے جو روضۂ رسول پاکؐ پر سلام کر آئے اور سلام کے بعد بھی اسی عقیدہ پر رہے اور اسی عقیدہ پر مر گئے۔ مرزائیت سے تائب ہو کر نہیں مرے۔

اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلم کافر کا فرق کر کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ مابعد الوفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے دلوں میں چھپے ہوئے عقیدہ کا علم ہے کہ یہ مسلمان موحد ہے یہ مشرک ہے، یہ مرزائی ہے یہ غالی شیعہ ہے

کیا یہ علمِ غیب نہیں ؟ نیز اگر اتنا ان کو خدا کے بتانے سے علم ہوتا رہتا ہے تو دنیا کے کونے کونے میں رہنے والوں کا علم ہونا خدا کے بتانے سے ہونا کوئی کہدے تو وہ شرک کیوں ہو جاتا ہے جب کہ وہ لوگ اپنے اس عقیدہ کے دلائل حدیثوں ہی سے دیتے ہیں اور آپ ان حدیثوں اور اقوال رجال کی تاویلیں کرتے ہو۔ اور بعض کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہو، کیونکہ مخالف قرآن ہیں اور اب اس کے برعکس آپ ان فریق مخالف کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے ساقط الاعتبار حدیثوں کو معتبر قرار دیتے ہو اور آیاتِ قرآنیہ میں تاویل کرتے ہیں، سچ ہے من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔

متبعین ابنِ فورک وسبکی اور

دیوبند کے ٹھیکہ داروں کے دو نظریئے

ترجمان الاسلام لاہور ۱۹۶۰ء جلد ۳ شمارہ ۶۱/۶۲ صفحہ ۴ کالم اول میں ہے :

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل حضرات دو طرح بات کرتے ہیں بعض کا ارشاد ہے کہ موت تو قطعی وارد ہوئی لیکن جیسے حضور پر نور کی اور خصوصیتیں تھیں اسی طرح آپ کی موت بھی دوسرے طریقہ سے ہوئی۔ آپ اس جہان سے دوسرے عالم کو تشریف لے گئے لیکن روح مبارک جسم سے خارج نہیں ہوئی۔ بلکہ مستور ہو گئی۔ چراغ بجھایا نہیں گیا بلکہ چھپا دیا گیا۔ دوسرے بزرگوں کا کہنا ہے کہ روح مبارک عام لوگوں کی طرح ہی نکل سہی لیکن روحیں سوال جواب کے لیے جب حدیث شریف کی تصریح کے مطابق دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں تو آپ کی روح مبارک پھر واپس نہیں لی جائے گی۔

ان نظریوں کا رد

آپ کو جب مرض الموت کے آخری دنوں میں قدرے افاقہ ہوا تو مسلمانوں میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حالاتِ انبساط کو دیکھ کر حضرت عباسؓ نے خاندان بنی ہاشم کی

موت سے متعلق فرمایا و انی واللہ لاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوف یتوفی فی وجعہ ھذا انی لاعرف وجوہ بنی عبد المطلب عند الموت (صحیح بخاری ج ص)

یعنی بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض سے انتقال فرمانے والے ہیں مجھے خوب تجربہ ہے کہ ہمارے خاندان بنی عبد المطلب کے افراد پر جب موت آتی ہے تو ان کے چہرے بالکل ایسے ہی ہو جایا کرتے ہیں جیسے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی حالت ہے۔

پس اس قول سے ان لوگوں کو جواب مل گیا جو کہتے ہیں کہ جیسے حضور پرنور کی اور خصوصیتیں تھیں اسی طرح آپ کی موت بھی دوسرے طریقے سے ہوئی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ان من نعم اللہ علیّ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی فی بیتی و فی یومی وبین سحری ونحری (مشکوٰۃ ص ۵۴۷) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کئی ایک مخصوص نعمتوں اور فضائل سے نوازا ہے مگر ان میں سے انتہائی نعمت و فضل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے حجرہ اور میری باری کے دن میرے سینہ سے تکیہ لگائے اور میری ٹھوڑی کے درمیان واقع ہوئی۔

نیز فرمایا: مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین حاقنتی و ذاقنتی فلا اکرہ شدۃ الموت لاحد ابدًا بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری ص ۶۳۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے پھیپھڑوں اور ٹھوڑی کے درمیان واقع ہوئی، آپ کی شدت سکرات، بے ہوشی اور سختیاں اس قدر تھیں کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھنے کے بعد میں نے کسی مرنے والے کی شدت موت کو مکروہ نہیں سمجھا۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لما ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل یتغشاہ الکرب فقالت فاطمۃ رضی اللہ عنہا وا کرب اباہ فقال لہا لیس علی ابیک

کرب بعد الیوم، فلما مات قالت یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ (بخاری ص ۶۴) یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدتِ مرض وسکرات کا غلبہ ہوا اور بیہوشیاں بڑھ گئیں تو حضرت فاطمہ زہرا رضؓ نے یہ دیکھ کر انتہائی بے قراری کے عالم میں یہ فرمایا وا کرب اباہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی کرب نہیں، پھر جب حضورؐ کا انتقال ہوا تو بیٹی غم وصدمہ سے بے حد نڈھال ہو گئیں اور پریشان حالی میں ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے "اے میرے ابا جان آپؐ اپنے رب کی دعوت قبول کرتے ہوئے جنت الفردوس تشریف لے گئے لہٰذا میں جبریلؑ کو آپؐ کی موت کی خبر دیتی ہوں۔

تو ان ہستیوں کے فرمان سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی موت ہی متعارف موت تھی کوئی علیحدہ نوعیت کی موت نہ تھی جو آپؐ ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ نیز اصولی قاعدہ بھی ہے کہ اثباتِ خصوصیات کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اور بغیر دلیل کے خصوصیت کا قول درست نہیں ہے۔

چنانچہ حضورؐ صومِ وصال رکھتے تھے، بغیر وضو کیے سو کر اٹھنے کے بعد نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔

مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۲ میں ہے پس فرمود اے ملک الموت پیشتر بیا و بآنچہ مامور شدہ بکن، پس ملک الموت روح اطہر وے را (صلی اللہ علیہ وسلم) قبض کرد و باعلیٰ علیین برد۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کو جسدِ اطہر سے روح مبارک نکالنے کا حکم فرمایا۔ پس ملک الموت نے آپؐ کی روحِ مطہر کو جسدِ عنصری سے نکالا اور اعلیٰ علیین میں پہنچا دیا۔

اسی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول فرمایا کہ "چوں روحِ اطہر و مطیب آنحضرت مفارقت کرد، آں چنیں بوئے خوش از وے شمیدم کہ ہرگز مثل آں بوئے خوش نہ شمیدہ بودم ..... یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مطہر و مطیب جب کہ جسدِ مبارک سے خارج (جدا) ہوئی تو ایسی مشک بیز مہک (خوشبو) ظاہر ہوئی کہ دنیا میں اس کی

مثال و نظیر ہی نہیں ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے اصل واقعہ یعنی موت متعارف سے آگاہ ہونے کے لیے مُہر نبوت کا جائزہ لیا۔ اور اسماء بنت عمیسؓ در دو کتفِ مبارک آنحضرتؐ در آورد و مُہر نبوت نیافت آواز بر آورد کہ مُہر نبوت مرتفع گشت و آنحضرتؐ از عالم انتقال نمود (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۳) یعنی حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان جو دیکھا تو مُہر نبوت مفقود پائی اور حاضرین مجلس سے بآواز بلند کہا "چونکہ مُہر نبوت اُٹھ چکی ہے لہٰذا آپؐ پر متعارف موت واقع ہو چکی۔ یعنی آپؐ اس دارِ فانی سے انتقال فرما کر عند اللہ تشریف لے جا چکے ہیں۔

ابن حجرؒ فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ میں لکھتے ہیں ان ابا بکرؓ مرّ بعمرؓ وھو یقول ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یموت حتی یقتل اللہ المنافقین وکانوا اظھروا الاستبشار ورفعوا رؤسھم فقالؓ ایھا الرجل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد مات الم تسمع اللہ تعالیٰ یقول انک میت وانھم میتون ۰ یعنی حضرت امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے پاس سے گزرے تو حضرت عمر فاروقؓ اعلان فرما رہے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ شانہٗ منافقین کو ختم نہ کر دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ناممکن ہے اور اس وقت یہ حال ہے کہ منافق لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سُن کر سر اونچا کر کے خوشیاں منا رہے ہیں، حضرت عمرؓ سے یہ بات سُن کر صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا! اے مردِ خدا! آپؐ کی وفاۃ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیا تو نے خدائے پاک کا یہ فرمان نہیں سُنا کہ اے میرے حبیب! اگر آپؐ پر موت آنے والی ہے تو آپؐ کے مخالف بھی ضرور مرنیوالے ہیں

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ رضؓ حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میت مطہر و مطیب سے چادر اُٹھا کر چہرۂ انور کو دیکھا اور دونوں ابروؤں کے درمیان بوسہ دیتے ہوئے بآواز بلند فرمایا کہ زندگی اور موت ہر حال میں آپؐ مطہر

ومطیب ہیں لا یذیقک اللہ موتتین یعنی جو موت بحکم کل نفس ذائقۃ الموت آپ پر آنے والی تھی وہ آچکی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دوسری مرتبہ موت ہرگز وارد نہیں فرمائے گا۔

پھر مسجد میں تشریف لیجا کر موت متعارف کا اعلان کیا اور مجمع کو یقین دلانے کی کوشش فرمائی، مگر حضرت عمرؓ کا جوش وخروش دیکھ کر حیران ہوئے آخر منبر نبوی پر تشریف لاکر حمد وثنائے باری تعالیٰ کے بعد جامع بلیغ باطن شکن اور فیصلہ کن خطبہ ارشاد فرمایا کہ من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت قال اللہ تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الی قولہ الشاکرین وقال واللہ لکأن الناس لم یعلموا ان اللہ انزل ھذہ الآیۃ حتی تلاھا ابوبکرؓ فتلقاھا الناس منہ کلھم فما اسمع بشرًا من الناس الا یتلوھا فاخبرنی سعید بن المسیب ان عمرؓ قال واللہ ما ھو الا ان سمعت ابا بکرؓ تلاھا فعقرت حتی ما تقلنی رجلای وحتی اھویت الی الارض حین سمعتہ تلاھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد مات یعنی جو شخص حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوجا کرنے والا ہے وہ جان لے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو چکے ہیں، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اس کی ذات کے لیے تو موت کا امکان ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گذشتہ رسولوں کی طرح اللہ کے رسول ہیں اگر ان پر موت واقع ہو جائے یا شہید کیے جائیں تو کیا پھر تم مرتد ہو جاؤ گے؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت پڑھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامعین حضرت صدیق اکبرؓ کی تلاوت سے پیشتر یہ جانتے ہی نہ تھے کہ یہ آیت بھی قرآن میں موجود ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے سن کر سب کو ازبر ہو گئی اور ہر ایک خود بخود پڑھنے لگا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروقؓ

نے فرمایا جب میں نے یہ آیت حضرت صدیق رضؓ کی زبان سے سُنی تو ہیبت اور دہشت کے مارے سہم گیا، زمین پاؤں تلے سے نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جب یہ پتہ چلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں تو میں بے خود ہو کر زمین پر گر پڑا۔

فتح الباری میں بروایت عائشہ صدیقہ رضؓ مذکور ہے کہ جب یہ آیت حضرت عمر رضؓ نے حضرت صدیقؓ کی زبان سے سُن کر بے ساختہ بولے اَوَ انہا فی کتاب اللہ ما شعرت انہا فی کتاب اللہ مجھے تو خیال تک نہ تھا کہ یہ آیت بھی کتاب اللہ میں ہے ....

فاستبشر المسلمون واخذ المنافقین الکآبۃ یعنی خطبہ صدیقی رضؓ سے تمام صحابہؓ کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم متعارف موت سے وفات پا چکے ہیں۔ پس صحابہ کرام رضؓ کے اجماعی عقیدہ سے منافقین کو انتہائی صدمہ اور کوفت ہوئی یعنی ان کا فتنہ پرور نعرہ کہ "اگر محمدؐ اللہ تعالےٰ کے رسول ہوتے تو ان کو موت ہی کیوں آتی" ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔ ویسے ہی مابعد کے جملہ فتنے بھی عہد صدیقی کے متفقہ تعامل یعنی فیصلہ سے کالعدم ہو گئے۔

بخاری ج ۱ ص میں ہے وما کانت من خطبتہما من خطبۃ الا نفع اللہ بہا لقد خوّف عمرُ الناسَ وان فیہم لنفاقًا فردّہم اللہ بذٰلک ثم لقد بصر ابو بکر الناس الہدٰی وعرّفہم الحق الذی علیہم وخرجوا بہ یتلون وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الٰی الشاکرین، یعنی حضرت عمر رضؓ کے پُرجوش خطبہ سے منافقین کا پورا شر و فتنہ ختم ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضؓ کے مدلل و معنی خیز خطبہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبل الرسل الآیۃ نے مسلمانوں کو ہدایت، راستی کا ایسا بیّن راستہ دکھا دیا جو اُن کیلئے انتہائی مفید ایمان افروز اور بصیرت افزا تھا اور اس کے بعد نہ کسی صحابی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعارف موت میں شک رہا نہ کسی صحابی نے اُٹھ کر یہ کہا کہ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتقال تو ضرور فرما چکے ہیں۔ مگر میں نے آنحضرتؐ سے یہ سُن رکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں مثل دنیا کے اجسادِ عنصریہ سے زندہ ہو جاتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی

ہیں، بلکہ ان کی قبور میں والعیاذ باللہ خاکم بدہن ان کی ازواج مطہرات رضی ان پر پیش کی جاتی ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم،

ازواج مطہرات بعد از وفات سرور کائنات صلعم تا حین حیات قبر شریف سے ملحقہ اپنے سکونتی حجروں میں قیام پذیر رہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی اس قسم کی روایت کتب حدیث میں نہیں ملتی کہ فلاں وقت فلاں دن حضور نے خود سلام فرمایا اور خیر و عافیت دریافت فرمائی یا فلاں امر میں ہمیں مشورہ دیا یا فلاں کام سے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی جو اس حجرۂ شریفہ میں قبر شریف اور اپنی سکونتی جگہ کے درمیان کپڑے کا پردہ حائل کر کے تا وفات قیام پذیر رہیں۔ ان سے بھی قطعاً یہ مروی و منقول نہیں کہ قبر شریف میں آپ صلعم کو زندہ مانتے ہوئے فلاں وقت میں نے آنحضرت صلعم کو سلام عرض کیا اور آپ صلعم نے باآواز بلند مجھے ویسے ہی جواب دیا۔ یا فلاں پریشانی میں قبر شریف میں زندہ ماننے کے خیال سے میں نے بعد از سلام مشورہ طلب کیا اور آپ صلعم نے اس میں یہ مفید رائے دی۔

اور نہ ہی یہ منقول ہے کہ آپ صلعم نے از خود ہی کبھی مجھ سے سلام فرمایا اور فلاں امر میں یوں مشورہ دیا۔

اور نہ ہی یہ منقول ہے کہ حضرت امام عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ کے موقع پر حضرت عثمان رضی کو کوئی مشورہ دیا۔

اور نہ ہی حضرت امام علی رضی و طلحہ رضی و زبیر رضی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کو جنگ سے روکا۔

المختصر آپ صلعم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی پر بڑے بڑے آزمائشی اور مشکل ترین مصائب کے وقت آئے مگر آپ صلعم نے قبر میں زندہ ہونے کے باوجود ان کو کوئی مشورہ نہیں دیا اور نہ ہی کسی وقت کوئی مدد فرمائی۔

اگر بقول غلاۃ روافض و بریلویہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی کے باہمی اختلافات اور خون ریز لڑائیاں خاموشی سے دیکھتے

اور گوارا کرتے رہے تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خاکم بدہن اس سے بڑھ کر بے وفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ فلاۃ روافض و بریلویہ اس بات پر غور کریں اور ایسی جرأت و بغاوت سے توبہ کریں۔

دوسرے گروہ کی تردید

اور یہ کہنا کہ قبر میں دوسرے اموات کی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواح بھی نکیرین کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے لوٹائی جاتی ہے یہ وہم باطل ہے اور اس میں آپ کی بے ادبی تحقیر اور گستاخی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حسب حدیث صحیح حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عیادت (بیمار پرسی) کے لیے اور حضرت ملک الموت ان کے ہمراہ روح قبض کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام حسب دستور حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر سلام عرض کرتے ہوئے بیمار پرسی کے بعد مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ ملک الموت دروازے سے باہر کھڑے ہیں اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ بلا لیجئے تب ملک الموت حاضر ہو کر سلام اور بیمار پرسی کے بعد عرض کرتے ہیں کہ آپ کا وقت پہنچ گیا ہے اور مجھے بھجوایا گیا ہے۔ مگر حکم یہ ہوا ہے کہ آپ کے حکم کی اطاعت کروں حضورؐ فرماتے ہیں پھر کیا مرضی ہے۔ ملک الموت عرض کرتے ہیں کہ آپ جو فرمائیں، حضورؐ جبریلؑ کی طرف دیکھتے ہوئے مشورہ چاہتے ہیں۔ جبرائیلؑ عرض کرتے ہیں یا محمد ان اللہ قد اشتاق الیٰ لقائک حضورؐ! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں، پس جب آپؐ نے ملاقات الٰہی کی بشارت سن پائی تو ملک الموت کو حکم دیا امض بما اُمرتَ بہ فقبض روحہ" اے ملک الموت امر بجالا جس کے لیے تو مامور ہو کر آیا ہے" پس یہ حکم پا کر حضرت ملک الموتؑ نے روح اطہر قبض کر کے اعلیٰ علیین میں پہنچا دی۔

سوچو! جہاں ملک الموت بھی مارے ہیبت کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کی

جرأت وہمت نہیں کر پاتے اور تعمیل ارشاد کے مامور ہیں وہاں نکیرین کا قبر شریف میں بغرض سوال آنا چہ معنے؟ پھر امتی کا آپؐ سے اجازت لیے بغیر اندر چلا جانا اور بغیر اجازت کے آپؐ کی آرامگاہ پر جا کھڑا ہونا کس طرح جائز ہوگا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سلام کہنا تو بعد کا مسئلہ ہے اور اگر باہر سے آواز دیتا ہے تو ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون کا حکم اس پر نافذ ہوگا۔

عام بنی نوع انسان سے تو آپؐ کی رسالت کے اقرار لینے کی ضرورت تھی خود آپؐ سے اقرار لینے کی کیا ضرورت آپؐ کا تو قرین شیطان بھی مسلمان ہے جیسے صحیح مسلم میں ہے مامنکم من احد الا و قد وکل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملک قالوا و ایاک یا رسول اللہ قال و ایای ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم یعنی ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن (شیطان) مقرر ہے پس یہ فرمان سن کر صحابہ کرام نے دریافت کیا حضورؐ! آپؐ کے ساتھ بھی شیطان ہے آپؐ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے تو ضرور مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ مسلمان ہے پس جہاں شیطان بھی مسلمان ہو پھر وہاں من ربک وغیرہ سوالات کی ضرورت چہ معنے دارد؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و اسلام کا ادنیٰ مظہر تو یہ ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے موقع پر انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار و میثاق لیا جسے قرآن مجید میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اس میثاق کے وقت تمام ملائکہ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد تھا جن میں نکیرین بھی موجود تھے۔ لہٰذا اس مشاہدہ کے بعد نکیرین کے سوال امتحان اور جائزہ کا شبہ امکان ہی نہیں ہو سکتا۔

غلاۃ کا یہ باطل عقیدہ کہ جسد عنصری میں بعد از موت قبل از حشر پھر روح آجاتی ہے اور اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں تھا، قرآن کی رو سے مردود ہے

اللہ پاک کا فرمان ہے کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون یعنی پہلے تم بے جان تھے پھر اللہ نے تمہارے خاکی جسموں میں (روح) ڈال کر تم کو زندہ کر دیا پھر تمہارے ان خاکی جسموں سے جان (روح) اللہ نکال بھی دیں گے پھر تمہارے انہی خاکی جسموں میں دوبارہ روح ڈال کر زندہ کر دیں گے پھر اللہ ہی کی طرف حساب دینے کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی جسدِ عنصری و خاکی میں روح آنے کے دو ہی مرحلے ہیں، تیسرا کوئی مقام و موقع نہیں۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ ثم یحییکم سے وہ زندگی مراد ہے جو قبر میں نکیرین کے سوال کا جواب دینے کے لیے تھوڑے وقت کے لیے عند الجمہور دی جاتی ہے یہ کئی وجوہ سے مرجوح ہے (۱) ایک تو اس لیے کہ وہ زندگی تو تمام دنیا کے عالم سے نکلتے ہی بلا مہلت و بلا تاخیر حاصل ہوتی ہے جیسے قرآن پاک میں اُغرقوا فادخلوا نارًا فرمایا کفار ادھر پانی میں ڈوبے اُدھر آگ میں داخل کر دیئے گئے فوراً بلا تاخیر اور اس مقام پر ثُمَّ کا لفظ بتا رہا ہے کہ دنیا میں جسم خاکی سے روح نکلنے کے بعد مدت گزرے گی جو خدا کو معلوم ہے تب جا کر کہیں اس خاکی جسم میں دوبارہ روح پڑے گی لہٰذا ثُمَّ یحییکم میں وہی احیاء مراد ہے جو حشر میں ہوگا نہ قبر کا احیاء۔

(۲) دوسرے یہ کہ خصم کو یہ بات مسلم ہے کہ قبر کا احیاء ناقص ہے اصل اور کامل احیاء حشر ہی میں ہوگا اور اس جگہ ثم یحییکم مطلق فرمایا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے نہ فرد ناقص، اس لیے ثم یحییکم سے وہی کامل احیاء مراد ہے جو حشر میں ہوگا نہ وہ ناقص احیاء جو قبر میں سمجھا گیا ہے۔

(۳) یہ کہ مفسرین نے اس قول کو کہ ثم یحییکم میں احیاء سے قبری احیاء مراد ہے قیل بصیغۂ تمریض بیان فرمایا ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ بیضاویؒ کی عادت ہے کہ جس قول کو مرجوح سمجھتا ہے اس کو راجح قول کے بعد ذکر کرتا ہے اور اس مقام پر بیضاویؒ نے احیاء قبری کا قول بعد میں نقل فرمایا ہے۔ بیضاویؒ کی اس روش سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام بیضاوی رحمہ اللہ کے

نزدیک احیاء سے احیاء قبری مراد لینا قول ضعیف ہے۔

اور غلات کے عقیدہ کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے زندگی کے تین دور تسلیم کرنے پڑتے ہیں بایں طور کہ ایک دنیوی زندگی، دوسری قبوری زندگی، تیسری اخروی زندگی، جو عقل و نقل کے سراسر خلاف اور بالکل برعکس ہے۔

اسی لیے امام ابن قیمؒ اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے قصیدۂ نونیہ میں اس طرح ارشاد فرمایا:

اثلاث موتات تکون لرسلہ ولغیرہم من خلقہ موتان
اذ عند نفخ الصور لا یبقی امرؤ فی الارض حیًا قط بالبرہان
افہل یموت الرسل ام یبقوا اذا مات الوریٰ ام ہل لکم قولان
فکلموا بالعلم لا الدعوی اجیبوا بالدلیل فنحن ذو اذہان

یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے لیے تین موتیں ہیں اور ان کے سوا دوسری مخلوق کے لیے صرف دو موتیں؟ کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی دلیل کے ساتھ ثابت ہے کہ نفخۂ صور کے وقت کوئی ایک شخص بھی زمین میں زندہ نہیں رہے گا۔ کیا جب نفخۂ صور کے وقت لوگ مریں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام بھی وفات پا جائیں گے اور یا کہ وہ زندہ رہیں گے۔ کیا تم انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسری مخلوق کے بارے دو قول رکھتے ہو؟ پس علم کے ذریعے ہم سے بات کرو نہ خالی دعوے سے۔ اور دلیل سے جواب دو کیونکہ ہم بھی سمجھ رکھتے ہیں۔

نیلوی کہتا ہے کہ اگر آپ اس قاعدہ کلیہ اور ضابطۂ قرآنیہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مستثنیٰ فرماتے ہو تو اس کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے جیسے عہد موسیٰ میں بنی اسرائیل کے بعض گستاخوں کا مر کر پھر زندہ ہونا نص قطعی قرآنی سے ثابت ہے

(۱) واذ قلتم یاموسیٰ لن نومن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون ثم بعثناکم من بعد موتکم

(۲) اسی طرح واذ قتلتم نفسًا فادّارأتم فیہا واللہ مخرج ما کنتم

تکتمون فقلنا اضربوہ ببعضھا۔

(۳) اسی طرح الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم

(۴) اسی طرح او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ،

(۵) اسی طرح قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء ثم ادعھن یاتینک سعیًا۔

(۶) اسی طرح حضرت عیسےٰؑ کے متعلق فرمایا: واذ تخرج الموتی باذنی

(۷) اسی طرح فتیٰ موسیٰؑ کی مچھلی کے بارے میں فرمایا نسیا حوتھما فاتخذ سبیلہ فی البحر سربًا۔

(۸) اسی طرح حضرت ایوبؑ کے بارے فرمایا فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر واتیناہ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بالکل دنیوی زندگی بسر کرنا وفات کے بعد اگر صحیح ہے تو اس کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوگی اور قطعی دلیل دو ہی ہیں ایک صریح نص قرآنی، دوسری حدیث متواتر۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں کوئی نص صریح ایسی نہیں ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد اور قیامت کے روز شق قبور سے پہلے اس درمیانی وقفہ میں ان کی دنیوی زندگی ہو اور حدیث متواترہ بھی اس بارہ میں مفقود ہے۔ یہ حدیث خیر القرون میں مستور رہی، نہ موطا امام مالکؒ میں ہے نہ صحیح بخاری میں، نہ صحیح مسلم میں نہ مسند احمد میں نہ جامع ترمذی میں، نہ سنن ابی داؤد میں نہ سنن نسائی میں نہ سنن دارمی میں، نہ مسند ابی داؤد طیالسی میں نہ مسند ابی عوانہ میں۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے تلویح حاشیہ توضیح شرح تنقیح طبع مصر ج ۲ ص ۲۴۶ میں لکھا ہے اما بعد القرون الثلاثۃ فاکثر اخبار الاحاد نقلت بطریق التواتر

لتوفر الدواعی علی نقل الاحادیث وتدوینها فی الکتب۔ وفیہ اشارۃ الی ان خبر الواحد اذا لم یکن راویہ الاول متنزھا عن وصمۃ الکذب لا یفید علم الطمانینۃ وان دخل بعد ذلک فی حد التواتر کما یشتھر من الاخبار الکاذبۃ فی البلاد۔ یعنی قرونِ ثلاثہ۔ صحابہ تابعین وتبع تابعین کے مبارک عہد) کے بعد اکثر اخبار (احادیث) تواتر سے نقل ہونے لگیں کیونکہ ان احادیث کو نقل کرنے اور کتابوں میں مدوّن اور جمع کرنے کے کافی اسباب پیدا ہو گئے تھے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس قول میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ خبر واحد کا پہلا ہی راوی جب جھوٹ کے عیب کے ساتھ ملوث ہو وہ اگرچہ اخبار متواترہ کی حد میں آجائے پھر بھی اس سے اطمینان نہیں ہوتا چہ جائیکہ تیقن کا درجہ حاصل ہو جیسے شہروں میں جھوٹی حدیثیں مشہور ہو رہی ہیں۔

قرونِ ثلاثہ کا مسئلہ تو رہا درکنار حضرت محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ جو تابعین میں سے ہیں اور براہ راست صحابہؓ کے شاگرد رشید ہیں، اولیاء اللہ ہیں، اپنے عہد میں بھی کئی نالائقوں کے ایسے کرتوتوں کو دیکھا تو فرمایا کتاب وسنت صحیحہ کو معیارِ حق سمجھو اس کے علاوہ جو کوئی کتاب تمہیں دکھائے اس سے بچو، ایاکم والکتب فانہ قد تاہ من کان قبلکم بالکتب او قال ضل من کان قبلکم بالکتب (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۹۴) کیونکہ تم سے پہلے پیغمبروں کی امتیں ایسی ہی کتابوں کی وجہ سے گمراہ اور تباہ ہوئی ہیں۔

مناقب کردری ج ۱ ص ۹، والجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۴۶۵ میں ہے کان العلامۃ یقول لا یھولنکم اسماء الرجال عند قوۃ الدلیل وکشف المقال فان کتاب اللہ حاکم ببطلان ھذا القول یعنی جب تمہارے پاس قوی دلیل موجود ہے اور بات واضح اور کھلی ہوئی ہے تو پھر دوسری طرف بہت کثیر تعداد میں لوگوں کے ناموں سے نہ گھبرانا چاہیئے اس لیے کہ ان اکثر کی بات کو باطل کرنے پر اللہ کی کتاب فیصل ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۶ میں ہے عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علی رضی فاخبرتہ فقال اوقد فعلوھا؟ قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یقول الا انها ستکون فتنة ! قلت ما المخرج منها یا رسول الله؟ قال کتاب الله فیه نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم هو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله الله وهو حبل الله المتین وهو الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم هو الذی لا تزیغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا یشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد ولا تنقضی عجائبه هو الذی لم تنته الجن اذا سمعته حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا ومن عمل به اجر ومن حکم به عدل ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم ۔

حاصلِ کلام در حیاۃ انبیاء کرام علیہم السلام

اس دنیائے آب وگل سے رحلت وانتقال کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کے لیے ایک ہی مقرر فرمائی ہے اور وہ ہے موت، اور اس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں جیسا کہ ارشاد ہے کل نفس ذائقة الموت (انبیاء رکوع ۳) یعنی ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے خواہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام پیغمبر ساغر موت نوش فرما چکے ہیں (حضرت ادریس، الیاس، اور خضر علیہم السلام کے بارے میں محقق اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں) چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت (بقرہ رکوع ۱۶) کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب پر موت کا وقت آیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا حتی اذا هلک قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا (مومن رکوع ۴) یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے، تم کہنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے فلما قضینا علیه الموت ما دلهم علی موته الا دابة الارض تاکل منسأته (سبا رکوع ۲) پس جب ہم نے

اس (سلیمانؑ) پر موت کا حکم جاری کر دیا تو ان (جنوں) کو اس کی موت کا پتہ کسی نے نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا تھا۔

اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا انک میتٌ وانھم میتون (زمر رکوع ۳) آپؐ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی ہو چکا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صدمۂ جانکاہ کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور از خود رفتہ ہو کر اعلان کرنے لگے "خبردار کوئی یہ مت کہے کہ حضورؐ فوت ہو گئے ہیں ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صورتِ حال دیکھی تو آپؓ نے تمام صحابہ کرام رضؓ کے سامنے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌ لا یموت وقال انک میت وانھم میتون ۰ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۷) تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ آپؐ تو فوت ہو گئے اور آپؐ پر موت وارد ہو چکی اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ زندہ جاوید ہے۔ اور یہ آیت بھی پڑھی بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خطبہ دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کی کسی بات پر انکار نہیں کیا اور حضرت عمر رضؓ نے بھی تسلیم کر لیا کہ واقعی آپؐ وفات پا چکے ہیں۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام رضؓ نے بھی سمجھ کر کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں، آپؐ کے جسدِ اطہر کو قبر مبارک میں دفن کر دیا۔

الغرض موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام بنی آدم اسی دروازے سے گزر کر عالم برزخ میں پہنچے اور جو باقی ہیں وہ بھی اسی دروازے سے گزریں گے۔

موت کے معنی

اور موت کے معنی ہیں روح کا بدن عنصری سے نکل جانا اور اس سے جدا ہو جانا۔

(۱) امام راغب اصفہانیؒ اس آیت میں موت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں: وقولہ کل نفس ذائقۃ الموت فعبارۃ عن زوال القوۃ الحیوانیۃ وابانۃ الروح عن الجسد (مفردات ص ۴۹۴) یعنی موت، قوت حیات کے زائل ہو جانے اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا نام ہے۔ (۲) محمد بن علی بن حزم ۴۹۶ھ نے بھی عصمت انبیاء ص ۹۷ میں یہی لکھا کہ موت نام ہے روح کے جسم عنصری سے جدا ہونے کا۔

(۳) علامہ ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں: واجل الموت ھو الوقت الذی فی معلومہ سبحانہ ان روح الحی تفارق جسدہ (قرطبی ج ۴ ص ۲۲۶) اجل موت اس وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق جان دار کی روح اس کے بدن سے جدا ہو گی۔

(۴) علامہ سیوطی فرماتے ہیں قال العلماء الموت لیس بعدم محض ولا فناء صرف وانما ھو انقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقتہ وحیلولۃ بینھما وتبدل حال وانتقال من دار الی دار (شرح الصدور ص ۵ وبشری الکئیب ص ۱۵، ۱۶) علماء نے کہا ہے کہ موت عدم محض اور فناء صرف کا نام نہیں، بلکہ موت بدن سے تعلق روح کے منقطع ہو جانے، ارواح اور بدن میں جدائی اور پردہ حائل ہو جانے اور ایک دار (دنیا) سے دوسرے دار (عالم برزخ) کی طرف منتقل ہونے سے عبارت ہے۔

(۵) اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی رقمطراز ہیں الاماتۃ بمعنی اخراج الروح وسلب الحیاۃ (روح ج ۳ ص ۲۱) اماتت کے معنی ہیں روح کا نکال لینا اور زندگی کا سلب کر لینا۔

اور پھر موت کی یہ کیفیت مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ سب کے لیے یکساں ہے اور تمام بنی آدم، انبیاء علیہم السلام ہوں یا شہداء اور دیگر عامۃ المسلمین پر موت

اخراجِ روح از بدن اور اماتتِ روح از جسد ہی کے طریق پر وارد ہوتی ہے البتہ اعزاز و اکرام اور تحقیر و تذلیل کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام، شہداء اور دیگر مومنین سے قبضِ روح کا معاملہ علی حسب المراتب اعزاز و اکرام سے کیا جاتا ہے اور کفار و مشرکین سے تذلیل و اہانت کے ساتھ۔

فرق صرف اعزاز و تذلیل کا۔

شہداء کے بارے میں تو پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی روحیں ان کے ابدانِ عنصریہ سے نکال کر مثالی قالبوں میں داخل کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ بھی ان کے ابدانِ طاہرہ سے نکال کر جدا کر لی جاتی ہیں۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی اللہ تعالیٰ کی عادتِ مستمرہ اور دستورِ متعارف کے مطابق اسی طرح واقع ہوئی کہ آپؐ کی روحِ طیبہ و طاہرہ آپؐ کے بدن مبارک سے نکالی گئی جیسا کہ خود آپؐ کا ارشاد ہے ان جمیع الانبیاء قبض ارواحھم ملک الموت و ھو الذی سیقبض روحی (قرطبی ج ۴ ص ۲۷۶) یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی روحیں ملک الموت نے قبض کیں اور وہی میری روح کو بھی قبض کرے گا۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ فقبضہ اللہ وان راسہ بین سحری ونحری (صحیح بخاری ج ۱ ص) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض فرمائی اس وقت آپؐ کا سرِ مبارک میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا۔

اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں فی روایۃ ھمام عن ھشام بھذا الاسناد عند احمد نحوہ وزاد فلما خرجت نفسہ لم اجد ریحا قط اطیب منھا (فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۲) اس روایت کو امام احمد نے بھی اس اسناد کے ساتھ ہشام سے بواسطہ ہمام روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) جب آپؐ کی روح مبارک (بدن سے) نکلی تو ایسی خوشبو آئی کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ یہ خوشبو آپؐ کی روحِ طیبہ کی تھی۔

اور حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اخرجت الینا عائشۃ رضؓ کساء وازارا غلیظا فقالت قبض روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۲)

حضرت عائشہؓ نے ایک چادر اور ایک موٹا تہبند دکھایا اور کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ ان دو کپڑوں میں قبض ہوئی۔

باقی رہی یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کے ابدان سے نکلنے کے بعد کہاں رہتی ہیں اور ان کا مستقر کہاں ہے۔

تو اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان کی ارواح کو ان کے عنصری بدنوں کے ہم شکل اور مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام عطا کیے جاتے ہیں اور ان کا مقام و مستقر جنت کا اعلیٰ ترین اور سب سے اونچا درجہ اعلیٰ علیین ہے۔ ویسے جنت میں وہ جہاں چاہیں آتے جاتے اور جنت کے میوے تناول فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ اور علامہ سید محمود آلوسیؒ امام تستریؒ سے ناقل ہیں ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا وتصیر مثل جسدھا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم الخ (شرح الصدور ص ۱۰۴ وبشری الکئیب ص ۱۳۴ وروح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲ وتفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴) یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کے بدنوں سے نکل کر ان کے مماثل مشک و کافور کے جسموں میں متشکل ہو جاتی ہیں اور جنت میں کھاتی پیتی ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن القیم اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں الانبیاء علیہم السلام فلا شک ان ارواحھم عند اللہ فی اعلیٰ علیین، وقد ثبت فی الصحیح ان آخر کلمۃ تکلم بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ انہ قال اللھم الرفیق الاعلیٰ (روح ج ۱ ص ۱۶۱ وشرح الصدور ص ۱۰۴)

ان روایتوں اور عبارتوں سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

ایک یہ کہ شہداء اور دیگر اموات کی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواح بھی ان کے ابدان سے نکالی جاتی ہیں۔

دوم یہ کہ ان کی ارواح کو ان کے اصلی ابدان کے مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام دیئے جاتے ہیں۔

سوم یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا مستقر اعلیٰ علیین ہے نہ کہ ان کے ابدان عنصریہ کیونکہ ابدانِ عنصریہ مبارکہ تو قبور ارضی میں مدفون ہوتے ہیں لیکن دیگر اموات کے برعکس ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت اور شرف عطا فرمایا ہے کہ ان کے ابدانِ مبارکہ قبروں میں بالکل اسی طرح صحیح سالم رہیں گے جس طرح رکھے گئے تھے اور مٹی ان کو نہیں کھائے گی ان کے ابدان کو محفوظ رکھنے کی اللہ کی طرف سے ضمانت ہے اور اگر کسی صدیق و شہید کا یا کسی اور برگزیدہ خدا کا بدن قبر میں محفوظ رہے اور مٹی اسے نہ کھائے تو یہ بھی کوئی بعید نہیں۔ بلکہ عین ممکن ہے۔

مسئلہ تعلق روح بجسدِ عنصری

باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ، تو اس کے متعلق۔

تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات و اقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً و اثباتاً ذکر اذکار ہے، برزخ میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور حیاتِ شہداء کرام کی جو کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ اوپر مذکور ہو چکی ہے قرونِ ثلاثہ میں یہ اسی طرح منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔

البتہ چوتھی صدی کے بعد شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصالِ معنوی سے کسی نے اشراق، کسی نے اشراف سے اور کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ و عاشق بمعشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے البتہ اس پر متفق ہیں کہ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ حیاتِ دنیا میں تھا بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت و کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس لیے عالم برزخ میں تعلق ارواح بابدانِ عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے کیونکہ قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر اذکار نہیں لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں۔ کیونکہ

متقدمین میں کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے لیکن اس تعلق کے باوجود ان کے مدفون فی القبور ابدان میں کسی قسم کی حرکت یا جنبش پیدا نہیں ہوتی اور نہ قیامت سے پہلے ان کے یہ ابدان قبروں سے باہر نکلیں گے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور تسلیم شدہ ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ کہ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہے وہ ہمارے ادراک وحواس سے بالا ہے۔ لیکن حیاتِ شہداء سے بہت بلند اور اعلیٰ ہے اور پھر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت ارفع و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے والمراد بتلك الحياة نوع من الحيوة غير معقول لنا، وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا صلى الله عليه وسلم اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام (روح ج ۲۲ ص ۳۲)

ایک اشکال

یہاں ایک اشکال ہے جس نے بڑے بڑوں کو متحیر و سرگردان کر رکھا ہے اور جسے حل کرنے کے لیے بڑے بڑے شہسواران قلم رہوارِ قلم دوڑا چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا مقام و مستقر اعلیٰ علیین ہے اور وہ نہ ان کے عنصری ابدان میں موجود ہیں اور نہ قبروں کے قرب وجوار میں، اور ان کے ابدان قبروں میں مدفون و محفوظ ہیں اور ارواح کا ابدان میں اعادہ نفخۂ ثانیہ پر ہوگا اور اس وقت وہ قبروں سے نکلیں گے اس سے پہلے نہیں، لیکن صحیح حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں مختلف آسمانوں پر کئی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی، اور بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت بھی فرمائی۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے کثیب احمر کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔ نیز آپ نے فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور وادی میں اتر رہے ہیں اور بعض کاملین نے حالت بیداری میں حضور علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔

بعینہٖ یہی اشکال غیر انبیاء کے بارے میں ہے کیونکہ بعض کاملین کو بھی بیداری کی حالت میں دیکھا گیا ہے تو ان مشاہدات اور منصوصات سے بظاہر یہ قاعدہ ٹوٹتا ہوا نظر آرہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اموات کے ابدانِ عنصریہ میں نہ قبروں میں جنبش ہوتی ہے اور نہ ہی قیامت سے پہلے وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔

اشکال کا حل

اس اشکال کے کئی حل پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن بیشتر توجیہات دل کو مطمئن نہیں کر سکتیں بلکہ ان سے مزید پیچ در پیچ اشکالات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں صرف ایک حل ایسا ہے جس سے یہ اشکال نہایت عمدہ طریقہ سے حل ہو جاتا ہے اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ محققین علماء اور صوفیاء نے بھی اسے ترجیح دی ہے اور وہ یہ ہے:

جس طرح حیاتِ دنیا میں ارواح ابدانِ عنصریہ کے ذریعے متحرک ہوتی ہیں اور تمام اعمال و تصرفات بجالاتی ہیں، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور بعض کاملین کی ارواح وفات کے بعد عالمِ برزخ میں مثالی اور برزخی اجسام کے ذریعے حرکت کرتی اور نماز پڑھتی، تلاوتِ قرآن، حج اور کئی دوسرے اعمال بجالاتی ہیں۔

اگر کسی کامل بزرگ کو حالت بیداری میں کسی پیغمبر یا کسی فوت شدہ ولی کی زیارت بشکلِ انسانی نصیب ہو جائے تو یہ شکل اس کی مثالی شکل ہے اور اس کی روح جسم میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آئی ہے اور اس کا عنصری جسم قبر میں بلا حرکت و جنبش موجود ہو گا۔

(۲) علامہ آلوسی رح فرماتے ہیں وعندی ان الحیوٰۃ فی البرزخ ثابتۃ لکل من یموت من شہید وغیرہ وان الارواح وان کانت جواھر قائمۃ بانفسھا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن لکن لا مانع من تعلقھا ببدن برزخی مغایر لھٰذا البدن الکثیف (روح ج ۲ ص ۲۱) یعنی میرے نزدیک برزخ میں ہر میت کو حیات حاصل ہے اور ارواح اگرچہ جواہر ہیں اور قائم بانفسہا ہیں اور ابدانِ

محسوسہ کے مغایر ہیں، لیکن اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ ارواح کا تعلق برزخی جسم سے ہو جائے جو اس عنصری جسم سے مغایر ہو۔

(۲) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: الارواح المقدسة قد تتمثل متشكلة و يجتمع بها الكاملون من العباد وقد صح انه صلى الله عليه وسلم رأى موسى عليه السلام قائما يصلي في قبره ورآه في السماء ورآه يطوف بالبيت (روح ج ۱ ص ۳۲۷) پاکیزہ روحیں کبھی متشکل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور کامل بندے ان سے ملاقات کرتے ہیں اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور (شب معراج) ان کو آسمان پر بھی دیکھا اور انہیں خانہ کعبہ کا طواف کرتے بھی دیکھا۔

(۳) بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کے بارے میں آپ کا اپنا ارشاد ہے جس کی امام ابو یعلیٰ نے مسند میں، امام طبرانی نے کبیر میں تخریج کی ہے قال مُثِّلَ لِيَ النبيون فصليت بهم (بیضاوی ج ۲ ص ۱۲ و مظہری ج ۵ ص ۳۹۵) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میرے لیے مثالی اجسام میں حاضر کیے گئے اور میں نے انہیں نماز پڑھائی۔

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: لكن تمام هذا التوجيه ان يقال ان المنظور اليه هي ارواحهم فلعلها مثلت له صلى الله عليه وسلم في الدنيا كما مثلت له ليلة الاسراء واما اجسادهم فهي في القبور۔

(۵) قال ابن المنير وغيره يجعل الله لروحه مثالاً فيرى في اليقظة كما يرى في النوم (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے اور ان کو اور حضرت یونس علیہ السلام کو حج کرتے دیکھنے کی پوری توجیہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے دیکھا، وہ ان کی ارواح تھیں تو شاید دنیا میں آپ کے لیے ان کو مثالی شکلیں دی گئی ہوں جیسا کہ شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آپ نے مثالی اجسام میں دیکھا لیکن ان کے ابدان عنصریہ قبروں میں موجود تھے۔

(اور وہ قبروں میں سے نہیں نکلے) ابن کثیر وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میت کی روح کو مثالی جسم عطا فرماتا ہے اور جس طرح خواب میں دکھائی دیتا ہے اسی طرح بیداری میں بھی نظر آتا ہے (۶) اور علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں وکذالک رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء فی لیلۃ الاسراء فی السموٰت الصحیح انہ رأی فیھا الامداح فی مثل الاجساد (شرح الصدور ص ۱۰۰) اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنا، تو اس کے متعلق صحیح بات یہ ہے کہ وہاں آپ نے ان کی ارواح کو دیکھا تھا جو مثالی اجسام میں متمثل تھیں۔

اسی طرح اگر کسی خوش بخت انسان کو بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے تو اکثر صوفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے آپ کے جسم مثالی کی زیارت کی ہے نہ کہ جسم عنصری کی۔

(۷) چنانچہ امام غزالی فرماتے ہیں لَیْسَ الْمُرَادُ اَنَّہٗ یَرَاہُ جِسْمَہٗ وَبَدَنَہٗ بَلْ مِثَالًا لَہٗ صَارَ ذَالِکَ الْمِثَالُ اٰلَۃً یَتَأَدّٰی بِھَا الْمَعْنٰی الَّذِیْ فِیْ نَفْسِہٖ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷)

(۸) اور شیخ علاؤ الدین قونویؒ فرماتے ہیں: وسادۂ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم عالمے متوسط در عالم اجساد و ارواح ثابت کردہ اند کہ آں را عالم مثال گویند الطف از عالم اجساد و اکثف از عالم ارواح، و ظہور ارواح در صور مختلفہ متبنی بر آں ساختہ ظہور جبرائیل علیہ السلام بصورۃ دحیہ کلبی و تمثل او مریم را بصورت بشر سوی الخلق از آں عالم می پندارند و بناءً علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السلام با وجود استقرار در آسمان ششم بہ شبح و پیکر مثالی در قبر متمثل باشد و آنحضرتؐ او را در ہر دو مکان مشاہدہ فرمودہ۔ و بعد از اثبات عالم مثال جواب از مسائل کثیرہ بیروں آید و اشکالات بسیار مثل بیان وسعت جنت در دنیا ..... او در غرض حائط مثلاً متحمل گردد۔ انتہیٰ کلام الشیخ (جذب القلوب ص ۲۰۹) صوفیاء کرام عالم اجساد اور عالم ارواح کے درمیان ایک اور عالم تسلیم کرتے ہیں جسے وہ عالم مثال کہتے ہیں جو عالم اجساد سے زیادہ لطیف لیکن عالم ارواح کے مقابلہ میں کثیف ہے اور ارواح کا مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا ان کے نزدیک اسی عالم مثال کے وجود پر مبنی ہے اور حضرت

جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں اور حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بشر سوی کی صورت میں متمثل ہونا اسی قبیل سے ہے اور اس بنا پر یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر موجود ہونے کے ساتھ ساتھ پیکر مثالی کے ساتھ قبر میں بھی متمثل ہو کر نماز پڑھ رہے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو اور عالم مثال کا وجود تسلیم کر لینے سے بہت سے مسائل کا جواب نکل آتا ہے اور بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں مثلاً جنت کی وسعت کا بیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں جنت کو دیوار کی عرض میں دیکھنا وغیرہ یہ سب عالم مثال کی چیزیں ہیں۔

(۹) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں طویل بحث و تمحیص کے بعد اصل حقیقت کی اس طرح ترجمانی فرماتے ہیں:

وحقیقت آں است کہ تحقیق مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام و غیر ایشاں موقوف بمعرفت ایں عالم است و تحقیق دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ و یونس را علیہ و علیہما السلام بمعرفت زمان و مکان روحانیات و تمیز و فرق آنہا از زمان و مکان جسمانیات چنانچہ محققین صوفیہ کردہ اند دست دہند الخ (جذب القلوب ص ۲۰۹) اور حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کی عالم برزخ میں حیات کا مسئلہ اس عالم مثال کی پہچان پر منحصر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ اور یونس علیہما السلام کو دیکھنے کی تحقیق روحانیات کے زمان و مکان کی معرفت اور محققین صوفیہ کے بیان کے مطابق جسمانیات کے زمان و مکان سے ان کے امتیاز ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کئی بزرگوں نے عالم بیداری میں دیکھا ہے تو چونکہ قول محقق اور مسلک صحیح کے مطابق ان کی وفات ہو چکی ہے اس لیے صوفیائے کرام میں سے بعض کاملین نے فرمایا ہے کہ خضر علیہ السلام کی رؤیت مثالی اور عالم مثال کی چیز ہے جسد عنصری کے ساتھ نہیں جیسا کہ حضرت شیخ صدر الدین اسحاق قونوی اپنی کتاب تبصرۃ المبتدی و تذکرۃ المنتہی میں فرماتے ہیں ان وجود الخضر علیہ السلام فی عالم المثال (روح ۱۵ ص ۳۲۶) یہ سارا مضمون جواہر القرآن سے نقل کیا گیا ہے (نیلوی)

حضرت حکیم الامتؒ کی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حکیمانہ تقریر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت بھی آپ کی ایک قسم کی ولادت ہی ہے ....
اور تحقیق یہ ہے کہ ولادت کی ایک حقیقت صوریہ ہے اور ایک حقیقت معنویہ ہے۔ حقیقت صوریہ تو یہ ہے کہ مرد و عورت ہمبستر ہوں اور حمل قرار پائے پھر ایک مدت معتد بہا کے بعد بچہ ماں کے پیٹ سے نکلے اور لغوی حقیقت بھی ولادت کی یہی ہے۔ اور حقیقت جو کہ ولادتِ صوریہ کی روح ہے یہ ہے کہ وہ ابتداء ہے حیات کی اور چونکہ حیات برزخیہ بھی ایک حیات ہے تو اس کی ابتداء بھی ولادت میں معنیً داخل ہوگی اور اس کی ابتداء ہے وفات تو اس بنا پر وفات بھی ولادت ہے اور اس کو وفات کہنا ولادتِ صوریہ کے اعتبار سے ہے یعنی جس حیات کی ابتداء ولادتِ صوریہ سے ہوئی تھی اس وقت اس کا انقطاع ہو جاتا ہے لیکن دوسری حیات کے اعتبار سے یہ بھی ولادت ہوگی۔ تو وفات میں دو حیثیتیں ہوئیں ایک یہ کہ منتہی ہے ایک حیاۃ کا اور وہ حیاتِ ناسوتیہ ہے اس حیثیت سے وہ بیشک واقعہ غم ہے .... چنانچہ یہ اثر عقلاء میں بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ حضرات صحابہؓ جیسے مستقل اور حکیم اور عارف جماعت پر بھی ہوا۔ چنانچہ احادیث میں ایسے ایسے غم کے قصے مذکور ہیں جن کی نظیر نہیں مگر ساتھ ہی خلافِ صبر ان کا ایک قول یا فعل بھی منقول نہیں۔ پس ایک حیثیت تو وفات میں یہ ہے۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ مبدا ایک حیات کا اور وہ حیاتِ ملکوتیہ ہے اور اس حیثیت سے وہ بھی معنیً ولادت میں داخل ہے .... یہ ولادتِ ملکوتیہ ولادتِ ناسوتیہ سے اہم و اعظم ہے حقیقت کے اعتبار سے بھی اور آثار کے اعتبار سے بھی۔ حقیقت کے اعتبار سے تو اس لیے کہ جس حیات کی یہ ابتداء ہے یعنی حیاتِ ملکوتیہ وہ بہ نسبت اس حیات کے جس کی وہ ولادت ابتداء ہے یعنی حیاتِ ناسوتیہ، اقوی و ابقی و اصفی و اکمل ہے۔ چنانچہ وہ اقوی تو اس طرح ہے کہ جو تصرفات و افعال انسان سے اس حیات میں صادر ہوتے ہیں وہ حیاتِ ناسوتیہ میں صادر نہیں ہوتے۔ چنانچہ حدیث میں ہے ادوا

الشہداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی قنادیل تحت العرش (رواہ مسلم) یعنی شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے حواصل میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں، عرش کے نیچے قندیلوں میں آکر قرار پکڑتی ہیں۔ بھلا یہ قوتِ طیران یہاں کہاں؟ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومنین کی روحیں سبز پرندوں کے حواصل میں جنت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں (اخرجہ الطبرانی) اور اسی سے اصفیٰ ہونا معلوم ہوگیا کیونکہ اتنی راحت اور بے فکری یہاں کہاں؟ غرض دنیا میں نہ تو اتنی قوت انسان میں ہوتی ہے نہ اتنی راحت و بے فکری۔ بلکہ یہاں تو مشقت و محنت اور تکلیف کا ہی حصہ غالب ہے چنانچہ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں لقد خلقنا الانسان فی کبد، کبد کے معنی تعب و مشقت کے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو بڑی تعب میں پیدا کیا ہے۔ واقعی اگر دیکھا جائے تو حیوانات اپنے اسباب معیشت میں انسان سے زیادہ آزاد ہیں، جانوروں کا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی کھانا پینا چلنا پھرنا شروع کر دیتا ہے اور انسان کا بچہ عاجز و محتاج ہوتا ہے پھر جانوروں کو نہ لباس کی ضرورت نہ غذا کے لیے سامان کی ضرورت، اور انسان ایک دن کی غذا بھی بدوں ہزاروں مخلوق کی امداد کے حاصل نہیں کر سکتا اور دوسرے افکار اس کے علاوہ ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ..... کوئی انسان خواہ کیسا ہی عیش و آرام میں ہو مشقت و فکر سے خالی نہیں..... اور اس حیات میں غم کا نام ہی نہیں، لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ اور اکمل اس طرح کہ ولادت ناسوتیہ میں آثارِ حیات یعنی کمالات متصلاً و فوراً ظاہر نہیں ہوتے چنانچہ بچہ نہ کچھ افعال کر سکتا ہے نہ چلتا پھرتا ہے نہ خود کھاتا پیتا ہے نہ بولتا ہے بلکہ جمادات کے ساتھ ملحق ہوتا ہے حیوانات سے بھی زیادہ بیکار ہوتا کیونکہ جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہیں اچھلنے کودنے پھرنے لگتے ہیں اور آدمی کا بچہ سوائے ٹیں ٹیں کے کچھ نہیں کر سکتا۔

اور مرنے کے بعد جو ولادت ملکوتیہ ہوتی ہے اس کے آثار متصلاً ظاہر ہو جاتے ہیں کہ روح پھر سے اِدھر اُڑ گئی پھر سے اُدھر اُڑ گئی..... مرنے کے بعد ارواح کی یہ حالت

دلیل ہے حیات ملکوتیہ کے اکمل ہونے کی۔ اور

حیاتِ ملکوتیہ البقیٰ اس طرح ہے کہ اس کے لیے فنا نہیں ہے اور حیاتِ ناسوتیہ کے لیے فنا لازم ہے۔ یہاں کی صبح کے لیے تو شام بھی ہے وہاں ایسی صبح ہوگی جس کی شام ہی نہیں۔

اس پر شاید یہ اشکال ہو کہ ایک عاشق تو یوں فرماتے ہیں ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ہرگز نہ میرد سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاق کی یہ زندگی بھی فنا نہیں ہوتی۔

سو سمجھ لیجیے! کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ زندہ دلانِ عشق کو موت نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصلی حیات تو آخرت کی حیات ہے مگر یہاں کی زندگی جب آخرت کی معین ہوگی اور اس کے انقطاع کے متصل ہی وہ حیات شروع ہوگئی پس گویا یہ موت موت نہیں، جس سے گھبراہٹ اور پریشانی ہو بلکہ موت شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے کیونکہ عاشق جانتا ہے کہ اس موت سے وہ موانع وصال ممکن مرتفع ہو جائیں گے جو حیاتِ ناسوتیہ میں قربِ خاص سے مانع تھے۔ پس وہ موت کو حیات اور یہاں کے بقا کو فنا سمجھتا ہے پھر مرنے کے بعد جو حیات حاصل ہوگی وہ تو البقیٰ ہے ہی کیونکہ اسکے بعد پھر موت نہیں ہوگی۔

ایک شبہ

اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ بعض نصوص سے تو اس حیات کا بھی منقطع ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد ہے کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے کل شیئ ھالک الا وجھہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں گی تو پھر حیاتِ ملکوتیہ بھی البقیٰ نہ ہوئی۔

اس کا جواب

اس کا جواب بعض نے تو یہ دیا ہے کہ اس آیت میں استثنار بھی وارد ہے ... حق تعالیٰ فرماتے ہیں و نفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت و من فی

الارض الا من شاء اللہ کہ جب نفخ صور ہوگا تو آسمان و زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے یہاں صعقہ سے صعقۂ موت مراد ہے اس کے بعد استثناء ہے الا من شاء اللہ کہ جس کو حق تعالیٰ چاہیں گے وہ اس صعقہ سے بھی مستثنیٰ ہوگا۔ پس ارواح الا من شاء اللہ میں داخل ہیں ان کو موت نہ آئے گی۔

مگر ہم اس جواب پر مجبور و مضطر نہیں ہیں بلکہ ہم تسلیم کے بعد دوسرا جواب دیتے ہیں کہ اگر نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں تب بھی اس سے انقطاع حیات لازم نہیں آتا کیونکہ وہ فنا تھوڑی دیر کے لیے ہوگا۔ ممتد نہ ہوگا۔ اور امور عادیہ میں زمان لطیف کا انقطاع مانع استمرار نہیں۔ موٹی بات ہے کہ اگر ایک شخص پانچ گھنٹے تک تقریر کرے اور درمیان درمیان میں سکنڈ سکنڈ سکوت کرے تو یہ سکوت مانع استمرار تقریر نہیں بلکہ محاورہ میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے پانچ گھنٹے تک مسلسل تقریر کی۔ اس پر اگر کوئی کہنے بھی لگے کہ واہ صاحب! اس نے درمیان درمیان میں دس دس پانچ پانچ منٹ سکوت بھی کیا تھا پانچ گھنٹے مسلسل تقریر کہاں کی؟ تو ہر شخص یہ کہے گا تم احمق ہو کہیں دس پانچ منٹ کے سکوت کا بھی اعتبار ہوا ہے۔ اسی طرح جب آپ چلتے ہیں تو حرکت کے ساتھ درمیان میں ایک زمان لطیف کا سکون بھی ہوتا ہے کیونکہ ایک پیر کی حرکت کے بعد بدوں اس کے سکون کے دوسرے پیر کو حرکت نہیں ہو سکتی مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہم مسلسل بارہ کوس تک چلتے رہے غرض احکام عرفیہ عادیہ میں استمرار و دوام کے لیے زمان لطیف کا تخلل مخل نہیں ہوتا تو نفخ صور کے وقت ارواح کا فنا تھوڑی دیر کے لیے یا ایک لمحہ کے لیے ہوگا محض تحلل قسم کے طور پر یہ جواب محققین کا ہے۔ یعنی ارواح کا بقا زمانی ہے اور فنا آنی ہے تو استمرار و بقا حقیقۃً بھی منقطع نہ ہوئے اور حیات ملکوتیہ کے ابقیٰ ہونے پر جو شبہ تھا وہ رفع ہو گیا اور اس کے ابقیٰ ہونے کا دعویٰ بحالہ باقی رہا۔

حیاۃِ ناسوتیہ وحیاۃ ملکوتیہ کے مابین فرق

حیاۃِ ناسوتیہ کے ابتداء کے وقت کامل انسان بھی کمالات سے خالی ہوتا ہے اور حیات ملکوتیہ کی ابتداء میں مکمل حالت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ موت کے بعد عقل وغیرہ سب کامل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ قبر میں تمہارے پاس دو فرشتے گرجتے کڑکتے آئیں گے اور تم کو ہلا ڈالیں گے اور حاکمانہ گفتگو کریں گے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت ہماری عقل بھی درست ہوگی یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم کھیئتکم الیوم یعنی اس وقت ایسی عقل ہوگی جو آج ہے! انہوں نے عرض کیا کہ بس کام چلا لوں گا (اخرجہ احمد والطبرانی)

اور ولادت ناسوتیہ کے وقت متصلاً بدیہیاتِ اولیہ تک کا بھی ادراک نہیں ہوتا۔ چنانچہ حکماء کا قول ہے کہ اس وقت عقل بھی بالکل نہیں ہوتی محض استعداد ہوتی ہے جس کا نام عقل ہیولیٰ ہے ..... تو یہ ولادتِ ناسوتیہ ایسی ناقص ہوئی کہ اس کے ساتھ متصلاً کمالات حاصل نہیں ہوتے اور ولادتِ ملکوتیہ کے متصل بھی آدمی جامع کمالات ہوتا ہے۔

غرض حیات ملکوتیہ، حیاتِ ناسوتیہ سے اقدم بھی ہے اور اتم بھی اور اقوم بھی اور افضل بھی اور اکمل بھی اور اجمل بھی اور ابقیٰ بھی اور اقویٰ بھی اور اعلیٰ بھی اصفیٰ بھی ازکیٰ بھی اسنیٰ بھی انفع بھی ارفع بھی اوقع بھی اجلیٰ بھی اشہیٰ بھی احظیٰ بھی ....

جب حیاۃ ملکوتیہ، حیاتِ ناسوتیہ سے اعظم ہے تو ولادتِ ملکوتیہ یعنی حیاتِ ملکوتیہ کی ابتداء کہ سفرِ آخرت یا وفات ہے، ولادتِ ناسوتیہ یعنی حیاتِ ناسوتیہ کی ابتداء سے کہ ولادتِ متعارفہ ہے تیز اہم اور اعظم ہوگی اور اس سے زیادہ قابلِ ذکر ہوگی۔

موت وحیاۃ میں سے افضل کون ہے؟

علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ موت وحیات میں افضل کون ہے حیات افضل ہے یا موت؟ اس میں دو قول ہیں۔ بعض نے حیات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے موت کو۔ دلائل فضیلتِ حیات میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ طولِ حیات میں تکثیر اعمال ہے جس سے ثواب بڑھتا ہے اور موت سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اس سے حیاۃ من حیث ہی حیات کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایک عارض کی وجہ سے فضیلت ثابت ہوئی اور عارض بھی عند التامل راجع ہے فضیلت موت ہی کی طرف۔ کیونکہ اعمال کا ثمرہ موت ہی کے بعد ملے گا۔ تو اس میں خود اقرار ہے فضیلتِ موت کا اور موت کی فضیلت ذاتی ہے جس کی صریح دلیل نص ہے کہ حدیث میں آیا ہے تحفۃ المومن الموت (اخرجہ ابن المبارک وابن ابی الدنیا والطبرانی والحاکم) کہ موت مومن کے لیے تحفہ ہے پس مسلمان کو خدا کی طرف سے جو چیز بطور تحفہ کے ملتی ہے وہ موت ہی ہے حیات کو کہیں تحفہ نہیں کہا گیا اور ذاتی فضیلت کے علاوہ موت کے لیے عارضی ترجیح بھی ثابت ہے۔ چنانچہ میں نے ثابت کر دیا کہ موت کے بعد جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ اس حیات سے افضل واکمل وابقیٰ وادوم ہے۔ جب ہر طرح حیات ملکوتیہ کا حیاتِ ناسوتیہ سے اکمل ہونا ثابت ہو گیا تو میرا یہ دعویٰ لزوماً ثابت ہو گیا کہ ولادتِ ملکوتیہ ولادتِ ناسوتیہ سے اہم واعظم ہے یہ اہمیت باعتبار حقیقت کے ہے۔

اور آثار کی حیثیت سے اہمیت اس لیے ہے کہ ولادتِ ناسوتیہ جن منافع کا مقدمہ ہے حیاتِ ملکوتیہ ان منافع سے افضل واکمل منافع کا مقدمہ ہے۔

حیاۃ آنجا مماثل حیاۃِ دنیا نیست

(۱) مولٰنا حافظ عزیز الرحمٰن صاحب مرادآبادی اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان

ص ۱۸۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اور مراد حیاتِ قبر سے حیاتِ برزخی ہے نہ مماثل حیاتِ دنیوی۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۱۳ ص ۲۵۸ میں مرقوم ہے:

ولا شک ان الانبیاء ارفع رتبہ من الشہداء یعنی اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ شہداء سے بلند درجہ میں ہے۔

(۲) ایضاً پارہ ۱۶ ص ۳۶ میں مرقوم ہے۔

فھی حیاۃ اخرویۃ لاتشبہ الحیوٰۃ الدنیا یعنی یہ حیاتِ اخرویہ ہے نہیں ہے مشابہ حیات دنیا کے۔

(۳) خود مولٰنا محترم نے تسکین الصدور ص ۳۵۱ طبع دوم میں فتح الباری ج ۴ ص ۳۶ کے حوالے سے لکھا ہے لانہ بعد موتہ وان کان حیًّا فھی حیوٰۃ اخرویۃ لاتشبہ حیوٰۃ الدنیا کیونکہ آپ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے، اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ھٰذہ الحیوٰۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اخروی ہے۔

(۴) مولٰنا کا مصدقہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۷ میں حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے:

ایشاں را در برزخ حیاتِ ابدی ثابت شد کہ دیگراں را سوائے شہداء فی سبیل اللہ ثابت نیست وحال آنکہ حیاتِ آنجا مماثل حیاتِ دنیا نیست بلکہ احکام حیاتِ دنیا دیگر است و احکام حیاتِ آنجا دیگر۔

(۵) حضرت مولٰنا محمد اسحاق صاحبؒ جو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اربعین مسائل میں بعینہٖ یہی ارشاد کہا۔

(۶) حضرت مولٰنا نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ نے بھی الہدیۃ المکیہ ملحقہ ... مفتاح الصلوٰۃ میں یہی فرمایا۔

حرمین شریفین کے اماموں کا فتویٰ

در بارہ حیاتِ انبیاءؑ

زندگی تین قسم کی ہے۔ دنیوی، برزخی، اخروی، اور ان تینوں کے اپنے اپنے خواص اور مراسم ہیں اور بفرق مراتب یہ تینوں زندگیاں نیک و بد سب کو یکساں حاصل ہیں۔ اس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ان سب میں نفس حیات کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ جن خوش فہموں نے حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ کا میدان گرم کر رکھا ہے وہ غالباً اس مبحث کے اس پہلو کو کم ملحوظ رکھتے ہیں کیونکہ اس میں اختلاف کسی کو بھی نہیں ہے۔ ہاں آج کل جو بات اختلافی ہے اور جس میں ناحق اختلاف پیدا کر لیا گیا ہے وہ مسئلہ دنیوی حیات کے انقطاع کا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف لے گئے تو کیا دنیوی زندگی کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا یا نہیں؟ یہ اختلاف نہ علمی ہے نہ عقلی، نہ پہلے زیر بحث آیا نہ اسلاف میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بلکہ یہ سرتاپا مصنوعی اور خوش جہلا اور عجوبہ پسند طبائع کی اختراع ہے۔ کیونکہ یہ بات قرآن حکیم اور اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (پارہ ۴ سورہ آل عمران رکوع ۱۵) پس ان سے پہلے اور بھی رسول ہو گزرے ہیں پس اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں مڑ جاؤ گے؟ انک میت و انھم میتون (پارہ ۲۳، زمر، ع ۳) اے پیغمبرؐ! کچھ شک نہیں آپ کو بھی وفات پانا ہے اور کچھ شک نہیں کہ ان کو بھی مرنا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر حضرت عمرؓ گھبرا گئے تھے اور وہ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو شخص کہے گا آپؐ وفات پا گئے ہیں ان کی وہ خبر لیں گے۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے تو خطبہ دیا اور آیات متعلقہ کی تلاوت کے بعد فرمایا من کان

یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات (بخاری) جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا تو وہ آج وفات پا چکے ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے اما الموتۃ الاولیٰ فقد ذُقتَھا تو آپ ایک موت کا مزہ چکھ چکے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ اعلان تمام موجود صحابہؓ کے سامنے ہوا۔ سب نے سُنا۔ مگر کسی نے بھی اِس سے اختلاف نہ کیا۔ اگر بات غلط ہوتی تو کوئی بھی صحابی چپ نہ رہتا اسلیے اس بات پر صحابہ کا اجماع ثابت ہو گیا۔

بہر حال "حیات النبی" کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ جاہلوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک سبیل ہے یا ان کی خوش فہمیوں کا نتیجہ۔ ورنہ یہ مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں۔ فللہ الحمد (امام مین حرمین کی آمد ص۴۹ تا ص۵۱)

مفتی اعظم ہندؒ و مفتی محمد شفیعؒ کی صریح عبارتوں میں مولٰنا کی کھینچا تانی

تسکین طبع دوم ص ۲۷۶ میں اپنی بات (کہ انبیاء کرام کی حیات دنیوی برزخی ہے) کی تائید میں حضرت استاذی المفتی الاعظم ہند اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دو فتوے پیش کیے لیکن دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ دعوای تو ہے حیاتِ دنیوی جسمی برزخی کا اور تائید میں جو فتوے پیش کیے ہیں ان کی عبارت میں حصر کا کلمہ موجود ہے۔

(۱) "جو بھی قائل حیات ہیں، حیاتِ برزخی ہی کے قائل ہیں" اور جہاں حصر ہوتا ہے وہاں دو جملے ملحوظ ہوتے ہیں ایک مثبت دوسرا منفی، تو یہاں بھی اسی طرح ہے یعنی حیاتِ برزخی کے قائل ہیں اور حیاتِ دنیوی کے قائل نہیں ہیں۔

اور حضرت استاذ صاحبؒ کی عبارت تو بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیاتِ برزخی حاصل ہے.... لیکن حیاۃِ دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

دیکھا حضرت استاذ صاحبؒ نے لیکن سے استدراک فرمایا یعنی اس وہم کو دور فرمایا جو پہلی عبارت سے پیدا ہو سکتا ہے کہ حیاتِ برزخیہ کہنے سے شاید حیاتِ دنیویہ کی نفی نہ ہو اور اس طرح آپ کو حیاتِ برزخی بھی ہو اور دنیوی بھی اس لیے تصریح سے جواب دیا کہ حیاتِ دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ اب خواہ مخواہ صاف عبارت میں تاویل کرنا کونسا انصاف ہے؟

اب محترم مولٰنا صاحب کا حضرت استاذ صاحبؒ کی صریح عبارت میں اپنی طرف سے "ظاہری" کی قید بڑھانے کی لوگوں کو تلقین کرنا یہ ایسی بات ہے جس پر نہ خود استاذ صاحب رضامند ہیں اور نہ ہی ان کی کسی عبارت سے یہ قید مفہوم ہوتی ہے خاصکر جب کہ مولٰنا ان کی طرزِ گفتگو سے ہی ناواقف ہیں۔

نیز استاذ جیؒ نے کفایت المفتی ج ۱ ص ۶۸ میں لکھا ہے کہ وہ حیات دنیوی نہیں بلکہ

برزخی ہے۔" یہاں بھی استاذ جیؒ نے ظاہری کی قید نہیں لگائی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارت میں جو ظاہری کا لفظ ہے یہ قید نہیں بلکہ تشریح ہے یعنی دنیوی سے مراد وہی حیات تو ہے جو ہر کسی کو ظاہری طور پر محسوس ہوتی ہے انبیاء کرام ؑ کی حیات دنیوی نہیں، دنیوی ہوتی تو ہر کسی کو محسوس ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے محسوس کیا کہ آپؐ میں کوئی اثر دنیوی زندگی کا نہیں رہا تب آپؓ نے آنحضرتؐ پر میت کا لفظ اطلاق فرمایا اور آپؐ کے ساتھ موتیٰ کا سا معاملہ شروع کیا اور یوں نہیں کہا کہ آپ کی حیات دنیوی تو ہے مگر ظاہری دنیوی نہیں۔ انہوں نے تو ظاہری اور دنیوی حیات میں کوئی عموم خصوص کی نسبت نہیں نکالی تھی اور نہ یہ کہا کہ دفن کے بعد یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی کہ حیات دنیوی تو ہوگی مگر ظاہری اور محسوس نہ ہوگی۔

المہند پر مفتی اعظم ہندؒ کی تقریظ کا جواب

استاذ صاحب کے فتویٰ واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کی زندگیاں دنیوی نہیں ہیں، برزخی ہیں اور دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ اب بھی المہند سے استاذ جیؒ کے دستخط کرنا فضول سی بات ہے کیونکہ کسی معتمد علیہ کی تصنیف شدہ کتاب کو تقریظ کرنے والا تقریظ کرتے وقت من اولہ الیٰ آخرہ ایک ایک حرف کر کے کوئی نہیں دیکھتا، خصوصاً وہ ہستیاں جن کے سر پر بیسیوں ذمہ داریاں ہوں گھر کی مدرسہ کی افتاء کی، سیاست کی، دُور دراز علاقوں میں تبلیغی دَوروں کی، کئی مدارس کی نظامت کی۔ طلباء کے اشکالات حل کرنے کی، ایسی مصروف زندگی والا کسی کے رسالہ کا حرف حرف نہیں دیکھ سکتا۔ پھر استاذ پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس اعتماد پر دستخط کر دیتے۔ اعتبار اس صریح عبارت کا ہوگا جو خود تحقیق کر کے اپنی صواب دید کے مطابق لکھا ہو۔ ایک موقعہ پر حضرت تھانویؒ نے بھی اپنی تقریظ شدہ کتاب کا جواب اسی طرح دیا ہے۔ (دیکھو بوادر النوادر) پھر خود المہند میں ایسی غلطیاں ہیں جن کی نسبت ان جید علماء کی طرف

کرنا ان کی توہین ہے۔ پھر اس میں کئی کتابت کی غلطیاں ہیں۔

تعلیم الاسلام

تعلیم الاسلام ج ۳ ص ۱۳ میں ہے۔

س: وحی نازل ہونے کے بعد کتنے دنوں تک حضورؐ زندہ رہے؟

ج: تیئیس ۲۳ برس، تیرہ ۱۳ برس مکہ معظمہ میں اور دس ۱۰ سال مدینہ منورہ میں!

عالمِ برزخ میں حیات کی کیفیت

عالمِ دنیا سے جب عالمِ برزخ میں آدمی جاتا ہے تو دنیا والوں کے خیال میں تو مر گیا ہے مگر وہ اس عالم سے منتقل ہونے کے بعد عالمِ برزخ میں جا بستا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حیات کس کیفیت کی ہے۔ نفسِ حیات میں تو تمام اہل السنۃ والجماعۃ متفق ہیں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف ہے تو کیفیت میں ہے۔ چنانچہ خود محترم جناب مولانا صاحب نے تسکین الصدور طبع اول ص ۱۴۷ میں لکھا تھا "کیفیتِ حیات میں اختلاف ہے" پھر تفصیل بیان کرتے وقت صرف دو گروہ ظاہر فرمائے۔ اور تین گروہ اور ہضم کر گئے۔

گروہ **نمبر ۱**: جسدِ اطہر سے روح مبارک حضرتؐ کی خارج ہی نہیں ہوئی بلکہ اندر ہی سمٹ کر رہ گئی اور پہلے سے زیادہ حیات قویہ ہو گئی ہے۔ یہ ہے مسلک حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مگر!

صاحب تسکین نے حضرت نانوتویؒ کے مسلک کے بیان میں دیدہ دانستہ بہت گڑبڑ کی ہے جو حضرت کی کتب دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔ جمال قاسمی ص ۱۵ میں واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں "انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا۔ حضرت نانوتویؒ جس معنی سے موت مانتے ہیں وہ بمعنی متعارف نہیں بلکہ حضرتؒ موت بمعنی "سترالحیات" لیتے ہیں اور اس معنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت ثابت

کرتے ہیں۔ اب صاحب تسکین کا یہ کہنا کہ نانوتویؒ موت مانتے ہیں محض دھوکہ دہی ہے کیونکہ اس سے تبادر عوام معنے متعارف موت کا سمجھ لیتے ہیں حالانکہ حضرتؒ متعارف معنے سے موت کے طاری ہونے کے انبیاء کے حق میں مطلقاً قائل نہیں، کیونکہ موت کے متعارف معنی خود صاحب تسکین علماء کے حوالہ سے لکھتے ہیں" علماء نے موت کا معنیٰ کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے۔" (تسکین ص۱۰) اب حضرت نانوتویؒ سے پوچھیے، کیوں جی حضرت! آپ اس متعارف معنیٰ سے موت کا انبیاءؑ پر طاری ہونے کے قائل ہیں؟ آیا روح کا تعلق انبیاء کے جسم سے کسی وقت منقطع ہوا تھا؟ تو اب حضرتؒ جواب یہ دیتے ہیں کہ انبیاء بدستور زندہ ہیں (آب حیات ص۳۶) ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف وجوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے۔

سکتہ سے تشبیہ: اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کیجیے چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماع مدت اور ہی قوت ہو جاتی ہے (جمال قاسمی ص۱۲) موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہے جیسا چراغ کے ظرف گلی میں مستور ہو جاتے اور گل ہو جانے میں فرق ہے (لطائف قاسمی ص۵) مابین روح اطہر حضرت سرور عالم اور جسد مطہر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی حائل اور حاجب کی گنجائش نہیں، جو موت بمعنی انقطاع علاقہ حیات متصور ہو، کیونکہ اس علاقہ کے انقطاع کی کوئی صورت نہیں۔ تعلق حیات و بدن نبویؐ قابل انفکاک نہیں۔ پھر موت جسمانی حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم، جو کسی طرح قابل انکار نہیں بجز اس کے متصور نہیں کہ حیات مذکور زیر پردہ موت مستور ہو جائے اور موت جسمانی حبیب ربانی صلعم میں بھی مثل موت روحانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استتار حیات بدستور مستور سمجھی جائے۔ وعدہ الٰہی یہی ہے کہ علاقہ روح و جسد نبویؐ منقطع نہ ہو گا۔

علی العموم آیت والذین یتوفون منکم تو بعد عدت درصورت زوال حیات انقطاع نکاح پر شاہد ہے اور آیت ولا تنکحوا ازواجہ حرمت نکاح ازواج مطہرات پر الی الابد دال ہے۔ پھر تطبیق کی بجز اس کے اور کیا صورت ہے کہ نکاح منقطع نہ ہوا ہو اور بقائے نکاح بے بقائے علاقہ روح وجسد متصور نہیں۔ مگر اجازت نکاح ازواج شہداء اور تقسیم اموال شہداء بقدر میراث جو احادیث صحیحہ اور اجماع سے ثابت ہے... انقطاع حیات پر دال ہے (آب حیات صـ۱۲۶) سو جب روح کو شہداء کے اس جسم سے تعلق ہی نہ رہا تو یہ ازواج واموال روح کے حق میں بیکار محض ہو گئے اور دوسرے عالم کے اجسام سے اگر تعلق پیدا ہو گیا ہے تو وہ اس باب میں (باب منافع دنیویہ میں) کچھ مفید نہیں کیونکہ اس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعۂ انتفاع ہو سکتا ہے تو وہیں کے ازواج واموال کے انتفاع کا ذریعہ بن سکتے ہیں (آب حیات صـ۱۳) بعد اسکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال حسب فرمودۂ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچی اس حیات کو یا تو حیات ثانی کہا جائیگا یا مثل حیات شہداء سمجھا جائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں مفید مطلب صاحب رسالہ نہیں۔ اس کی غرض تو اس رد و کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔

یعنی غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعت طعن میراث فدک تھی سو وہ جبھی ہو سکتی ہے کہ حیات نبوی حیات دنیوی ہو اور پھر وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو ورنہ حیات شہداء اور حیات ثانی مانع ترتب میراث نہیں، اور علی ہذا القیاس مانع اجازت نکاح ازواج نہیں چنانچہ ظاہر ہے (آب حیات صـ۲۷) آپ کے تمام خصائص حرمت نکاح ازواج ہو یا اور کچھ، ازواج مطہرات کا امہات ہونا ہو یا کچھ اور سب اسی بات پر متفرع ہیں کہ آپ کی حیات قابل زوال اور ممکن الانفکاک نہیں۔ (اب تسکین الصدور طبع اول ص ۱۴۷ بھی دیکھ لیں) سو اگر متقدمین نے حرمت نکاح ازواج

...مطہرات کو انکے امہات ہونے پر متفرع کیا ہے تو یہ انکا اپنے تقدمین و متاخرین انکے امہات ہونے کو آپ کی حیات پر متفرع دیکھتے ہیں (آب حیات صـ۴۱)

کیا صاحبِ تسکین اور حضرت نانوتوی کا عقیدہ ایک ہے

مختلف اقتباسات آپؒ کی کتب سے ناظرین دیکھ چکے، مفصل بحث حضرتؒ کی کتب دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ پھر اب یہ سمجھائیں کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ آیا اسی متعارف معنی کے رو سے موتِ نبیؐ کے قائل ہیں یا موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختمِ نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

اب صاحبِ تسکین کا یہ رویہ اختیار کرنا کہ موت کے وہی متعارف معنی جو علماء نے کیے ہیں لکھ کر یہ کہہ دینا کہ حضرت نانوتویؒ بھی موت کے قائل ہیں سخت دھوکا ہے جس سے عوام یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہی عقیدہ ہے کہ جو صاحبِ تسکین کا۔

جیسے کوئی مسلمان خاتم النبیینؐ کے صحیح معنی بیان کرنے کے بعد کہدے کہ میرزائی بھی ختمِ نبوت کے قائل ہیں۔ مگر اس مسلمان کا یہ قول صریح اس کی دھوکہ دہی ہے، کیا اس قول میں اور صاحبِ تسکین کے قول میں کوئی فرق ہے؟

اب میرے اس قول سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت نانوتویؒ کے حق میں گستاخی کر گیا ہے اور مرزا گاماں کے مساوی قرار دے گیا ہے والعیاذ باللہ۔ میرے ہاتھ اور زبان جل جائیں اگر ان کے حق میں گستاخی کروں۔ ہمیں قرائن قویہ سے یہ تیقن ہے کہ آپ فنا فی الرسول تھے، حدِ عشق رسولؐ میں انتہا کو پہنچ چکے تھے بخلاف مرزا گاماں کے کہ وہ کفر کی ندی میں غوطے کھاتا رہا اور اپنی خواہشات نفسانیہ سے بلند دعاوی فرعونیہ کرتا رہا۔ فافترقا!

گروہ **نمبر ۲** (روحِ مبارک جسدِ اطہر سے پرواز کر گئی لیکن دفن ہو چکنے کے بعد پھر حضورؐ زندہ ہو گئے اور ان کے جسدِ اطہر کی طرف روح واپس کر دی گئی یعنی (البیہقی) ان النبیؐ عقب ما دفن ردّ اللہ علیہ روحہ لاجل سلامہ

من سلم علیہ استمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسے صاحب تسکین نے صـ۱۶۲ میں تحریر فرمایا۔[۵]

گروہ **نمبر ۳**: آپؐ کی وفات کے بعد آپ کی رُوح پرفتوح تو ملاءِ اعلیٰ علیین اور جنت میں ہے اور جسدِ اطہر قبر مبارک میں محفوظ ہے لیکن روح مبارک کا جسدِ اطہر سے ایسا تعلق واتصال ہے کہ عندالقبر صلوٰۃ وسلام بنفسِ نفیس خود سُن لیتے ہیں یعنی تعلق اشراقی واشراقی ہے (خلاصہ تسکین صـ۱۲۵)

مگر اس کی دلیل نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے ہے نہ اجماع سے۔ ہاں کسی بزرگ کا قول ہے جو نقلاً چلا آرہا ہے۔ اب ناظرین خود سوچ سکتے ہیں کہ دلائل اربعہ سے باہر کسی بزرگ کا قول حجت ہے؟ خصوصاً اعتقادیات میں۔

نیز اس کی تخصیص بے وجہ ہے کہ قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں کیا اور باتیں نہیں سنتے؟ اگر نہیں سنتے تو استشفاع عندالقبر بے سود، اور اگر سنتے ہیں تو تخصیص بے سود۔ مگر جن کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ سب صلوٰۃ وسلام سننے کی قید لگاتے ہیں۔ آخر اس تقیید کی وجہ کیا ہے؟

نیز جو سننے کے قائل ہیں وہ دیکھتے اور باقی حواس کے منکر کیوں ہیں؟ جیسے فیض الباری ج ۴ ص ۹۰، ۹۱ میں ہے لَاخِلَافَ فِی نَفْیِ سَائِرِ الصِّفَاتِ غَیْرِ السَّمَاعِ فَالْاَیَاب والذہاب والمعرفۃ..... ونحوہا منفی عنہم رأساً۔ اب بتایئے باقی صفات کی نفی سے

---

[۵] شاید ان کی دلیل یہ حدیث ہو عن انس رض ما من نبی یموت فیقیم فی قبرہ اربعین صباحًا حتی تردہ الیہ روحہ اس حدیث کی بابت محمد بن طاہر فتنی رحمہ اللہ (تلمیذ ابن حجر رح) فرماتے ہیں فیہ الحسن بن یحیٰی منکر الحدیث جدًا۔ (تذکرۃ الموضوعات صـ۸۶) یروی عن الثقات مالا اصل لہ۔ قلت روی لہ ابن ماجہ وقیل صدوق یخطی الحفظ (تذکرۃ الموضوعات صـ۲۵) قال النسائی لیس بثقۃ وقال الدارقطنی متروک وقال عبدالغنی بن سعید لیس بسعید ذکر ابن حبان حدیثہ عن یزید بن ابی مالک عن انس ما من نبی یموت فیقیم فی قبرہ اربعین صباحًا الحدیث وقال ہذا باطل موضوع (تہذیب التہذیب صـ۳۲۷ ج ۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم نہیں آتی ؟

گروہ **نمبر ۴** : اجساد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دفن کے بعد قبروں سے نکال کر اعلیٰ علیین میں پہنچا دیئے جاتے ہیں، اب وہ وہیں اپنے ان عنصری ابدان کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ یہ قونوی کا مذہب ہے مگر صاحب تسکین نے اس مذہب کا نام ظاہر نہیں کیا اور اس مذہب کو چھپا ڈھکا ہی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اس مذہب کے اظہار میں ان کا مطلب فوت ہوتا ہے یعنی قبر میں جب جسد ہی نہ رہے تو سماع صلوٰۃ وسلام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز جس اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

گروہ **نمبر ۵** : آپ کی حیات شہداء کی حیات کی طرح ہے بلکہ شہداء کی حیات سے کئی درجہ اعلیٰ اولیٰ ازکیٰ اطیب اعظم اہم ادوم اتم اقوم افضل اکمل اعجل ابقیٰ اقویٰ، اصفیٰ اسنیٰ انفع ارفع اوقع اشہیٰ احفیٰ حیات حقیقی اشرف۔ یہی مسلک ہے اہل حق کا کثرہم اللہ وفضلہم تفضیلا۔

صاحب تسکین کا کتمان حق

صاحب تسکین حوالوں کے ضمن میں اندر ہی اندر اس گروہ کا ذکر کر جاتے ہیں مگر جہاں کیفیت حیات کا اختلاف بتایا ہے وہاں صراحت اور وضاحت سے اس گروہ نمبر ۵ کا نام نہیں لیا کیونکہ اس مذہب کو دراصل واضح کرنا ہی نہیں چاہتے کیونکہ ان کے بھائی ناراض ہوتے ہیں۔ حوالجات شاید اس لیے لکھ دیئے تاکہ اہل حق کو کہہ سکیں کہ میں نے ان کتابوں کا مطالعہ کر رکھا ہے اور میں اس گروہ سے واقف ہوں مگر میرا اس گروہ کے ساتھ اتفاق نہیں ہے۔

تفصیل مسلک اہل حق

علامہ بدرالدین محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۱۳

ص ۱۱۲ میں مسلکِ اہلِ حق کی تفصیل یوں فرمائی کہ شہداء کی زندگی میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ ان عنصریہ اجساد کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے ارواح وجسمہ کو عالمِ برزخ میں نئے نورانی اجساد مرحمت کیے جاتے ہیں جو مشابہ ہیں اجسامِ عنصریہ کے، اُن اجسام میں اڑنے کی بھی طاقت ہوتی ہے اور ان عنصری اجساد میں اُڑنے کی طاقت نہیں وہ موہوبہ اجسام کے ذریعے جنت کی سیر کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور اپنے دوستوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اس عالمِ برزخ کے آسمان زمین اور جنت میں جہاں جی چاہے جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی یاوری کرتے ہیں۔ انبیاء کی شان تو بہت رفیع ہے ان کے موہوبہ اجسام مجسم مشک و کافور بلکہ ان سے بھی زیادہ معطر و خوشبو ناک ہیں انہی موہوبہ اجسام نورانیہ کافوریہ کے ساتھ جنت کی سیر کرتے کھاتے پیتے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی کے مارے اس ذات کے مداح اور اسی کے آگے سربسجود رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جنت کی نعمتیں اس ترابی معصوم منہ مبارک کے ذریعے کھاتے ہیں اور وہاں کی خوشبوئیں اس خاکی معصوم ناک مبارک کے ذریعے سونگھتے ہیں اور وہاں کے پھلوں کو ان خاکی معصوم مبارک ہاتھوں سے پکڑتے ہیں اور وہاں کی سیر ان خاکی معصوم مبارک قدموں سے کرتے ہیں، ورنہ تو قونوی کا مذہب اختیار کرنا پڑتا ہے کہ یہی جسمِ عنصری بعینہٖ جنت میں چلا جاتا ہے اور وہاں کا رزق کھاتا پیتا ہے اور وہاں کی سیر کرتا ہے، حالانکہ اس مذہب کی سب تردید کرتے ہیں۔ بلکہ یہ مسلک قونوی کے مسلک سے بھی گرا ہوا ہے کیونکہ قونوی تو معصوم جسدِ عنصری کا جنت میں پہنچنے کا قائل ہے اور آج کے معاصرین آپ کے جسدِ مطہر معطر مقدس کو جنت سے محروم رکھتے ہیں اور اسی خاک مدینہ طیبہ میں آپ کے جسدِ اطہر کو مقید رکھتے ہیں۔

ے فالحیاۃ المذکورۃ فی الآیۃ مذکورۃ علی ما حصل للروح (تحریرات حدیث ص ۲۰۹) بل احیاء ان اللہ تعالیٰ یعطی لارواحہم قوۃ الاجساد فیذہبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءہم (اکلیل ص ۶۹) یہ ارض و سماء و جنت سب برزخی ہیں نہ یہ دنیوی۔ خوب سمجھ لو (نیلوی)

اور حضرت نانوتویؒ کے مسلک کو بھی کسی نے نہیں اپنایا۔

اور امام بیہقیؒ کا مذہب بھی شاید کسی نے اختیار کیا ہو۔ ورنہ تو حسب فرمان علامہ ابن قیمؒ کے، سنۃ اللہ اس طرح جاری ہے کہ جس انسانی جسم میں روح ہو اسے زمین کے اوپر رکھتے ہیں۔ دیکھو قصیدۂ نونیہ۔

ہاں رہا جسد اطہر کے ساتھ روح پُرفتوح کا تعلق۔ سو اس تعلق سے کونسا تعلق مراد ہے؟ اگر تعلق عشق و محبت والا اور معنوی اتصال ہے جیسے ملا علی قاری رحؒ نے مرقاۃ جلد ۴ ص ۲۵ میں فرمایا رلکل روح بجسد باتصال معنوی۔ اسی طرح ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا۔ اور خود صاحب تسکین نے طبع ۲ ص ۸۹ میں فرمایا روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں، اور ص ۱۴۰ میں ہے کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ نظر و عنایت کے اعتبار سے اپنے حال پر رہتا ہے اور ص ۱۴۴ میں کہا ایسا تعلق جیسا عاشق کا معشوق کے ساتھ یا مالک کا مملوک کے ساتھ یا صاحب خانہ کا اپنے گھر کے ساتھ، اور جیسے حضرت نانوتویؒ نے جمال قاسمی ص ۱۱ میں فرمایا۔ البتہ علاقہ محبت باقی تھا الخ

تو یہ سب کو مسلّم ہے نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے اور نہ ہی اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کوئی خصوصیت ہے کیونکہ اس قسم کا تعلق تو تمام اموات کے ارواح کو ان کے اجسادِ عنصریہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اب رہا یہ امر کہ اس تعلق کی وجہ سے آپ زائر کو پہچانتے ہیں اور زائر کا سلام سنتے ہیں..... سو یہ امر محلِ تامل ہے کیونکہ اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لیے دلیل اور برہان قاطع کی ضرورت ہے۔ لیکن مطالبہ دلیل و برہان قاطع سے پہلے ہم ان بزرگوں سے پوچھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیویہ جسمانیہ عنصریہ مانتے ہیں کہ صرف سماعِ صلوٰۃ وسلام پر اس قدر زور دینے کا کیا مطلب؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ عنصریہ حقیقیہ جسمانیہ حسیّہ دنیویہ کاملہ ثابت ہو چکی تو حسب قاعدہ مجمع علیہا "الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ" جو کہ حضرت نانوتوی کو بھی مسلم ہے

آپؐ کی معصوم ذات کے لیے حیاتِ حسیہ جسمانیہ دنیویہ عنصریہ حقیقیہ کاملہ کے تمام لوازمات کے ثبوت سے کیوں کتراتے ہیں۔ یا پھر بول کہو کہ یہ قاعدہ ہمیں مسلم نہیں آپ کے ہاں اس قاعدہ کا مسلم نہ ہونا بھی ہمیں مسلم نہیں، کوئی چودہ صدیوں میں ہمیں ایسا عالم بتاؤ جس نے اس قاعدہ کو رد کیا ہو یا پھر حضرت نانوتویؒ کی بابت کذب یا افترا کا حکم لگاؤ جنہوں نے اس قاعدہ کا مجمع علیہا ہونا تسلیم فرمایا ہے۔

اب اگر یہ قاعدہ مسلم ہے تو پھر جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ حسیہ حقیقیہ جسمانیہ عنصریہ کاملہ کے مدعی ہیں ان کا فرض تھا کہ انبیاءؑ کو خصوصاً اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو قبر مبارک سے باہر بلا لیتے تاکہ لوگ بھی آپؐ کی زیارت سے مشرف ہو کر صحابیت کا درجہ حاصل کر لیتے اور مختلف فیہا مسائل کا تصفیہ حضورؐ سے کروا لیتے جیسے وفات سے پہلے اپنے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حل کروائے جاتے تھے۔ زائرین بھی حضرت سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کر لیتے اگر وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ الآیۃ حال حیات و بعد ممات ہر دو کو شامل ہو سکتا ہے۔ جیسے صاحب تسکین کا عقیدہ ہے تو یہ آیت فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ہر دو حال حیات و بعد ممات کو کیوں شامل نہیں ہو سکتا۔ جیسے عموم جَآءُوْكَ میں ہے ایسا ہی عموم رُدُّوْهُ میں بھی ہے پھر رُدُّوْهُ میں عموم کا مانع کونسی چیز آ گئی ہے اور جَآءُوْكَ میں عموم کا مقتضی کونسی چیز ہے۔

نوٹ: ندائے حق طبع اول میں یہ لفظ لکھے گئے تھے "قبر مبارک سے نکال لیتے" لوگوں نے اودھم مچا دیا کہ نیلوی نے توہین کر دی حضرتؐ کی کہ حضرتؐ کو قبر سے نکالنے کا منصوبہ یہود نے بنایا تھا۔ لہٰذا نیلوی یہودی ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ آپؐ کے جسدِ اطہر کو قبر اطہر سے نکالنے کا نامبارک منصوبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی بنا پر تھا اسی لیے مذموم تھا۔ لیکن یہاں حصولِ فیض کے لیے ہے جیسے کہ ساتھ ہی یہ لفظ متصل ذکر ہیں" تاکہ لوگ بھی آپؐ کی زیارت سے مشرف ہو کر

صحابیت کا درجہ حاصل کر لیتے۔" اور ظاہر ہے کہ علت کے اختلاف سے معلول کا اختلاف ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی دونوں علتوں کے درمیان کون بعید ہے۔

اگر نفس اخراج جسد نبی ؑ توہین ہے تو یہ توہین حضرت موسیٰ ؑ پر بھی ہوگی جنہوں نے حضرت یوسف ؑ کو قبر سے نکال کر کنعان میں[1] جا دفن کیا تھا دیکھو روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶ قال الہیثمی مرفوعاً ان موسیٰ ؑ نقل یوسف من قبرہ بمصر یعنی ہیثمی نے کہا نبی پاک ؐ نے فرمایا کہ حضرت یوسف ؑ کی قبر جو مصر میں تھی اس میں سے نکال کر کنعان کی طرف موسیٰ ؑ لے گئے۔ ابو یعلیٰ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

معترض کے اعتراض کی وہی مثال ہے جو بریلوی اپنے زعم کے مطابق حضرت شاہ اسماعیل شہید ؒ پر توہین نبی ؐ کا الزام دھرتے ہیں کہ اسماعیل کہتا ہے کہ نماز میں گائے اور گدھے کا خیال آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن والعیاذ باللہ نبی پاک ؐ کا خیال آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ محض الزام ہے شاہ صاحب پر کیونکہ شاہ صاحب ؒ کا اس الزام سے دامن پاک ہے۔

اگر خواہ مخواہ بولنا ہی ہے تو یہ بتاؤ کہ جمال قاسمی ص ۱۵ میں نبی پاک ؐ کی قبوری زندگی کو سکتہ کے مرض والے کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ توہین نہیں؟

نیز جمعیت العلماء اسلام کے ترجمان الاسلام میں حضرت عزیر ؑ کے بارے لکھا: جسم بے روح بنے وہیں پڑے رہے ان کی ہڈیوں کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے تھے جسم کا بند بند ٹوٹ گیا تھا..... اس بے جان لاشے میں اپنی روح پھونک دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہٹا کٹا مرد بنا دیا۔ کیا حضرت عزیر پیغمبر ؑ کے بارے میں یہ تعظیمی الفاظ ہیں؟ اسی طرح "خدام الدین" جو حضرت لاہوری ؒ کا جاری کردہ ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں جو لکھا۔ دریں اثنا جسم زخم آلودہ سے ایک کیڑا زمین پر گر گیا.... حضرت

---

[1] بیان القرآن ص ۳۹ میں ہے "زمانہ فرعون تک آپ (یوسف ؑ) کی نعش یہاں ہی مدفون تھی" ظاہر ہے کہ نعش کے معنی جسد بے روح ہی کے ہیں۔

ایوبؑ کے زخموں کی عفونت ہوا میں مل کر نزدیکی گاؤں کی طرف گئی ۔۔۔۔ حضرت ایوبؑ نے لوگوں کو فرمایا مجھے اپنے گاؤں کے کوڑے کرکٹ پر پھینک دو۔ سمجھنا کہ معاذ اللہ گلا سڑا کتا پڑا ہوا ہے ۔۔ کیا یہ تعظیمی الفاظ ہیں ؟ وہ ہاتھ جل جائیں جنہوں نے خدام الدین جیسے اسلامی رسالہ میں یہ لکھا ہے ۔

نیز یہ بتائیں کہ صحابہ کرامؓ کا آپؐ کی قبر لحد بنانا پھر آپؐ کو لحد میں رکھنا پھر مٹی سے آپؐ کے جسدِ اطہر کو چھپا دینا تو یقیناً توہین نہیں لیکن آپؐ کے جسدِ اطہر سے مٹی ہٹانا کیونکر توہین ہے ۔

ہاں تو ایک اور بات رہ گئی کہ آپ کا فتویٰ ہے کہ ہمارے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور مسئلہ ہے کہ نبیؐ کی توہین کرنے والا کافر ہے ۔ کافر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہونے کا کیا مطلب ؟ کافر کے پیچھے تو نماز ہوتی ہی نہیں ۔ لیکن آپ جو ہمارے پیچھے نماز کو مکروہ تحریمی کہتے ہو تو معلوم ہوا کہ آپ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ نبیوں کی توہین کرنے والا فاسق، فاجر، مبتدع تو ہو سکتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا ۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ترجمان الاسلام میں اور خدام الدین میں کھل کر نبیوں کی توہین کی گئی ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپؐ کی حیات دنیویہ جسمانیہ عنصریہ حقیقیہ جسیہ ہے اور عشق نبیؐ کا دم بھرتے ہیں اور کہتے ہیں " مکھڑا دکھا دے یا رسول اللہ " وہ تو دل میں یہی سوچتے ہوں گے کہ کاش صحابہؓ آپؐ کو دفن نہ کرتے ۔ آپؐ کا جسدِ اطہر طیب و معطر تو تھا ہی اور صحابہ کرامؓ کو بھی علم تھا کہ آپؐ کے پاک جسم میں کسی طرح تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور تعفن کا بھی خطرہ نہیں اور حجرہ شریفہ میں معتکف ہیں اذان و اقامت کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں، چاہیے تھا کہ حجرہ شریفہ میں چارپائی پر تشریف رکھتے، ہم مُردہ دل آپؐ کے معصوم چہرہ کی زیارت کر کے زندہ دل ہو جایا کرتے اور یہ فیض تا قیامت رہتا ۔

مع ہٰذا صحابہ کرامؓ روتے رہے اور مرثیہ پڑھتے رہے خصوصاً آپؐ کی سب سے

زیادہ پیاری اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو یہ کہہ کر روتی تھیں۔
صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا ...
حضرتؐ نے کسی ایک کو بھی تسلی نہ دی، یہ مانا کہ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ کے مطابق دنیوی خوراک استعمال نہ فرماتے مگر باقی امور میں تو تمام حواس ظاہریہ و باطنیہ جو آپؐ کو حاصل ہیں تو بر حال رہتیں اور عاشقوں خصوصاً خیر القرون صحابہ، تابعین و تبع تابعین کو محسوس ہوتیں اور وہ حضرتؐ کی مجلس شریف میں رہ کر اپنے مدارج و مقامات عالیہ میں اور کمالات حاصل کرتے اور لوگ دوسرے پیروں اور مشائخ و مرشدین کی بیعت کی بجائے حضرتؐ سے براہِ راست بیعت ہو کر مقامات طے کرتے۔ جیسے صوفیاء کے طریقے ہیں بلکہ صحابۂ کرام کی طرح پہلی نظر ہی سے سب مقامات طے ہو جاتے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی سُنیئے!

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے صراطِ مستقیم ص ۵۱ میں لکھا: ہر چند اولیاء و مقبولانِ بارگاہِ حق را موت جسر ہے است کہ بہ حبیب می رساند و ایشاں را آنچناں انعاماتِ الٰہیہ و معارف ربانیہ عطا می شود کہ دریں عالمِ احیاء و زندگاں را کمتر نصیب می شود، بنا بر علیہ آنہا را احیاء می تواں گفت لیکن بلا ریب بہ نسبتِ احکامِ این عالم مردگاں اند۔ قدرتے و قوت کہ احیاءِ ایں عالم را حاصل است ایشاں را ہرگز نیست و اگر فی الواقع ہمیں قسم قوت و قدرت متحقق مے بود و مجاورتِ مزارات مدعا حاصل می شد، تمام عالم قصد مدینہ منورہ می کرد، و سلسلۂ تربیت و ارشاد لغو و بے حاصل مے شد۔ پس واضح گردید کہ عادۃ اللہ در تربیت و ارشاد خلق بر ہمیں منوال جاری است کہ استفاضۂ فیوض از زندگانی شود، و اگر احیاناً کسے را ایں چنیں زندہ کہ کشود کار از وے منظور بود میسر نیاید پس قصدِ مزارات از امکنہ بعیدہ نہ کند، بلکہ متابعتِ قرآن و حدیث را لازم گیرد کہ مفتاحِ مغلقات است پیغمبرؐ خدا فرمود تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ کِتَابَ اللّٰہِ الخ

جواب دیگر علیٰ سبیل التسلیم

خلافِ قیاس کو اپنے مورد پر بند رکھنے کا حکم!

اگر کہو کہ ہم حضرتؐ کی قوتِ سماع کے قائل محض حدیث کی رو سے ہوئے ہیں اگر سماع کے علاوہ دوسری قوتوں کا ثبوت بھی حدیثوں سے مل جائے تو ہمیں ان کے ماننے سے بھی کوئی عذر نہیں۔ تو ہم پوچھیں گے کہ سماع کی حدیث تھوڑی دیر کے لیے صحیح مان بھی لیں تو اس حدیث میں صرف صلوٰۃ وسلام عند القبر سننے کا ذکر ہے جو خلافِ قیاس ہے اور قاعدہ ہے کہ جو حدیثِ صحیح خلافِ قیاس وارد ہو اسے اپنے مورد پر بند رکھتے ہیں، تو اب اس قاعدہ کے مطابق صلوٰۃ وسلام کے سوا کسی اور بات کے سماع کا قائل نہ ہونا چاہیے اور سماع کو صرف صلوٰۃ وسلام پر بند رکھتے۔ دوسری چیزوں کے سماع کے قائل نہ ہوتے مگر اس قاعدہ کا پاس نہ رکھتے ہوئے ہر چیز کے سماع کے قائل ہوئے بلکہ سماع سے تجاوز کر کے دیکھنے پہچاننے اور بولنے کے بھی قائل ہو گئے اور عقیدہ بنایا کہ:

"چونکہ آنحضرتؐ کی قبر مبارک کا علم تواتر سے ثابت ہے اس لیے آپؐ کی قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر یہ کہنا کہ حضرتؐ! آپ میری مغفرت کی شفاعت کریں جائز اور درست ہے اور متعدد کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے (تسکین ص ۱۹۶)

تواتر کی دوسری دلیل بھی سنیئے۔ فرماتے ہیں:

اطراف واکنافِ عالم کے لوگوں کو بھی آپ جانتے ہیں پھر عالمگیری کے حوالہ سے لکھا کہ ...."جس شخص نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید کی ہے آپؐ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس یوں کہے کہ یا رسول اللہؐ فلاں بن فلاں نے آپؐ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید کی ہو۔ آپؐ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس سفارشی بنا تا ہے۔ سو آپؐ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے شفاعت کریں (تسکین ص ۱۹۹)

اسی پر بس نہیں بلکہ اور ترقی کر کے حضورؐ کو کہتے ہیں کہ تم اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو سماع صلوٰۃ وسلام کی خصوصیت اڑتے اڑتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی اڑ گئی اور ابوبکر صدیق رضؓ و عمر فاروق رضؓ کو بھی سلام سنا کر کہنے لگے کہ:

"ہم تم دونوں کے پاس آئے ہیں تمہیں بطور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ہمارے لیے شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا رب ہے سوال کریں کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ کی ملت پر زندہ رکھے۔ اور اسی پر وفات دے الخ (تسکین ص۲۰)

خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) سے درخواست کہ تم حضورؐ کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے یعنی واسطہ در واسطہ۔ بریلویوں سے ایک قدم آگے وہ تو کہتے ہیں اے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دعا والتجاء) ہے اور یہ نیا سنیتی دیوبندی فرماتے ہیں ہماری ابوبکرؓ و عمرؓ کے آگے اور ان کی حضورؐ کے آگے اور پھر حضورؐ کی اللہ کے آگے۔

ناظرین اب انصاف سے بتائیں کہ مشرکین مکہ کو جو کوسا جاتا ہے ان کا کیا قصور تھا جو حضرت ابراہیم و اسماعیل و دیگر انبیاء و اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے... وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ۔ فرق اگر ہے تو اسی قدر کہ وہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو کہتے تھے یا ابراھیم اغثنی یا ابراھیم اسألك الشفاعة یا اسماعیل اغثنی اسألك الشفاعة واشفع لی و لفلان وغیرہ وغیرہ۔

جیسا کہ شیخ ابوالمعالی سلامی رحؒ نے غایۃ الامانی ج ۱ ص ۲۵۳ میں لکھا ہے کہ نصاریٰ حضرت مریمؑ کو پکار کر کہتے ہیں یا والدۃ الاله اشفعی لنا الی الاله اے خداوند یسوع مسیح کی والدہ! خداوند خدا کے آگے ہماری سفارش کیجیو! آگے لکھا فهم طلبوا منها الشفاعة والجاه لیس الا وهذا من کفرهم وشرکهم (یعنی نصاریٰ نے بھی والدہ عیسیٰ علیہما السلام سے سوائے شفاعت وجاہ کے اور کچھ نہیں کیا پھر بھی ان کا یہ کفر اور شرک ہے (یعنی ہٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ میں داخل ہے یہ عقیدہ مشرکانہ ہے)

یہ بتائیں کہ وفات کے بعد جب حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کو شفیع بنانا منع ہے جب کہ عیسائی ہر سال امّ عیسیٰؑ کی قبر پر میلہ لگاتے ہیں اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر صرف شفاعت اور جاہ کا مطالبہ کرتے ہیں، وہ تو ہو گئے کافر اور مشرک، کیا نبی پاکؐ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں؟ کیا دلیل ہے کہ طلب شفاعت مریمؑ سے تو شرک ہو مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت شرک نہ ہو۔

زمانۂ حال کے بریلوی تو یہی کہتے ہیں بلکہ طلب شفاعت کے علاوہ بھی آپ سے امداد و استعانت امور دنیا میں مانگتے ہیں اور قول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ کا پیش کرتے ہیں، جواز استمداد از انبیاء علیہم السلام کے بارے۔

مگر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے شیخ کی ذات کو نہیں دیکھا اور نہ یہ کہا کہ وہ قرآن و حدیث کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں اس لیے اگرچہ یہ بات قرآن و سنت کے خلاف لگتی ہے مگر شیخ کے علم و تقویٰ و امانت و دیانت کو دیکھتے ہوئے ان کی ہی بات مان لیتا ہوں اور انبیاء سے استمداد کو جائز کہہ دوں بلکہ قرآن و سنت و علماء امت کے خلاف پا کر شیخ کے قول کی تردید فرما دی۔

یوں اگر علماء کے عندیوں کو دین سمجھ لیں تو بہت سا فتور پیدا ہو جائے گا۔

بہر حال آج کے بعض نام نہاد دیوبندی حضرات نے صلوٰۃ و سلام پر سماع کا حصر اُڑایا اور پھر نبیؐ کے سماع کے حصر کو بھی اُڑا دیا۔ پھر فاعلی، مفعولی، ذاتی عرضی، الغرض تینوں حصر تم نے ختم کیے۔ اب جب دروازہ ختم حصر کا کھلا پایا تو اب بریلوی برادرز نے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے لگے ہاتھوں عِندَ القبر کا حصر بھی اُڑا دیا اور کہنے لگے کہ حدیث میں قید "عند القبر" اتفاقی ہے اور جہاں آیا ہے کہ دور سے فرشتے پہنچا دیتے ہیں وہاں سماع کی نفی نہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ خود بنفس نفیس بھی ہر جگہ کی بات سن لیتے ہیں اور فرشتے بھی پہنچا دیتے ہیں اور جیسے اتنے پردوں میں گنبد خضراء کے پاس آنے والے کو دیکھ پہچان لیتے ہیں اور ان کی درخواستیں سن لیتے ہیں اسی طرح تمام دنیا آپ کے سامنے ایسی ہے جیسے ہتھیلی، الی غیر ذالک من الخرافات والوابیات

تصدیق کے لیے مقیاس الحنفیۃ مصنفہ محمد عمر اچھروی دیکھ لیں۔

سو جیسے بریلویہ کی تعمیم بلا دلیل و خلافِ قاعدہ ہے اسی طرح آپ کی تعمیم بھی بلا دلیل اور خلافِ قاعدہ ہے۔ جیسے وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں شیخ عبدالحق محدث بلویؒ کی عبارات میں باغیانہ تدسیسات کر کے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور عوام کو اہل حق سے متنفر کرتے ہیں۔ حالانکہ شیخ جیسے محدث محقق ایسے غلط عقیدے سے مبرا ہوتے ہیں وہ قرآن و سنت کے خلاف بات نہیں کر سکتے۔ لیکن بریلویوں کو جب مطالعۂ قرآن و سنت کی دعوت دی جاتی ہے تو جواب دیتے ہیں کیا شیخؒ قرآن و سنت نہ جانتے تھے؟ چونکہ انہوں نے شیخؒ کی کتب میں تدسیس کی ہے جو قرآن کے خلاف ہے اور قرآن کا مطالعہ کرنے والے پر وہ بات آشکارا ہو جاتی ہے اس لیے اپنی نازیبا حرکت پر پردہ ڈالنے کے لیے شیخ جیسے علماء کی علمیت و امانت و دیانت کا رعب دکھاتے ہیں ان کی دس شدہ کتابیں آگے آگے کرتے ہیں اور قرآن کے مطالعہ سے روکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن مشکل ہے ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا جو یہ علماء قرآن سمجھے ہیں یہی ٹھیک ہے اگرچہ تمہاری سمجھ میں قرآن کے خلاف ہے۔

بعینہٖ اسی طرح آج یہ نام نہاد دیوبندی ہیں جو قرآن کو چھوڑ کر کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں جب قرآن کے مطالعہ کو کہیں تو وہی بریلویوں کا سا جواب دیتے ہیں۔ تشابہت قلوبہم۔ یہود و نصاریٰ بھی توریت و انجیل چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی پوتھیاں ہی پیش کرتے تھے۔

حضرت مولانا حسین علیؒ نے اپنی خود نوشت تفسیر بے نظیر ص۴۸ میں لکھا ہے کہ ہر نبیؑ کو خداوند کریم نے یہ فرمایا ہے کہ خاص اللہ کو پکارو اور کتابوں میں بھی یہی حکم بھیجا ہے۔ باغیوں نے خلاف کیا اور لکھ دیا کہ جن کو ان کا لکھا ہوا مل گیا ان کو شک پڑ گیا۔ لیکن علمائے ثقات نے بیان فرما دیا کہ یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے ..... اب جو شخص خلافِ قرآن کے لکھا ہوا دکھاوے اس کو کہو یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے"۔ اگر جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں وہ مقبول الٰہی ہے (تو کہو کہ) اس کی طرف کسی باغی نے نسبت کیا ہے۔ اگر آیت الٰہی کے مقابلہ میں صحیح حدیث لائیں کہ مطلب اس حدیث کا آیت کے مخالف ہو

تو کہہ دو کہ ہم ظاہر معنی والی آیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا معنی علمار کرام بیان کریں گے۔ اگر تاویل صحیح معلوم ہو سکے تو بیان کرے نہیں تو علمائے کرام کے بیان پر حوالہ کر دے۔

مولٰنا کے اعتراض کے جوابات

اور تدلیس فی الکذب کا اثبات

یاد رہے کہ اس عبارت سے غلط مطلب نکال کر عوام کو متنفر کرنے کی ناکام سعی کی گئی ہے کہ نیلوی نے تمام فقہار علمار، صوفیا، محدثین مفسرین کو خاکم بدہن باغی لعدیا خدا غارت کرے اس کو جو ایسا کچھ ۔۔۔ خیال ایسی پاکباز ہستیوں کے بارے میں رکھتا ہے۔ نیلوی یہ نہیں کہتا کہ یہ نامور ہستیاں باغی ہیں۔ بلکہ نیلوی یہ کہتا ہے کہ باغی لوگوں نے اپنی شرارتوں سے نیک لوگوں کی کتابوں میں اضافے کیے اور کہیں عبارتیں کاٹ دیں۔ میرے پاس اس دعوٰی کے بے شمار شواہد ہیں جن میں سے بعض علی سبیل الاختصار بیان کرتا ہوں۔

غنیۃ الطالبین میں دسّ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں بیس ۲۰ تراویح پڑھنا مسنون ہے۔ پھر کراچی میں بعض غیر مقلدین نے اس کا ترجمہ کیا۔ جب تراویح کی جگہ یہ ترجمہ کرتے کرتے پہنچے تو انہوں نے عربی عبارت بدل ڈالی، پھر اپنی طرف سے عربی عبارت بنا کر ساتھ ہی ترجمہ لکھ دیا کہ رمضان کی راتوں میں آٹھ رکعت تراویح پڑھنا سنت ہے۔

صاحبِ قاموس پر دَسّ

النافع الکبیر ص ۱۶ میں مولینا عبدالحیؒ نے فرمایا: دسّوا علیٰ شیخ الاسلام مجدالدین الفیروزآبادی کتاباً فی الرد علیٰ ابی حنیفۃؒ وتکفیرہ ودفعوہ الی ابی بکر بن الخیاط الیمنی فارسل یلوم مجدالدین فکتب الیہ ان کان بلغک ھذا الکتاب فاحرقہ فانہ افتراء علیّ من الاعداء، وانا من اعظم المعتقدین فی ابی حنیفۃ رح وذکرت مناقبہ فی مجلدٍ (البواقیت والجواہر للامام الشعرانی رحمہ اللہ یعنی حضرت مجدالدین فیروزآبادی شافعی رح پر امام ابوحنیفہ رح کے رد اور ان کی تکفیر میں ایک کتاب لکھ کر تفویض دی اور ابن خیاط یمنی کو بھیج دی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر مجدالدینؒ کو ملامت کا خط بھیجا تو مجدالدین رح نے خط کے جواب میں لکھا اگر یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے تو اسے فوراً جلادو کیونکہ یہ دشمنوں کا مجھ پر جھوٹا بہتان ہے۔ میں تو امام ابوحنیفہ رح کا بہت بڑا معتقد ہوں میں نے تو ان کے مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

شرح فقہ اکبر میں دسّ

اسی طرح شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۷۷ سطر ۲۰ میں وذلک حین اجتمعوا فی سقیفۃ الخ سے ص ۸۵ سطر ۳ وثبت عن علیؓ تک کی عبارت مطبع لکھنؤ سے مطبع مجتبائی دہلی طبع محرم سنہ ۱۳۴۸ھ میں جو کسی رافضی کا اضافہ ہے بڑھادی حالانکہ اتنی عبارت (۸ صفحات والی) مصر کے مطبع دارالکتب العربیۃ الکبریٰ میں رمضان ۱۳۲۷ھ میں شرح فقہ اکبر میں موجود نہیں پھر جب دوبارہ مصریوں نے کتاب طبع کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے سامنے کہیں مطبع مجتبائی کی مطبوعہ کتاب بھی نہ تھی، جب انہوں نے اس کا مقابلہ اپنی قدیم مطبوعہ کتاب کے ساتھ کیا۔ قدیم نسخہ میں یہ عبارت نہ پائی اور مجتبائی طبع میں مل گئی تو اب اس جدید طبع میں درج کر دیا۔

میزان الاعتدال میں دسّ

نیز علامہ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال ج ۴ ص ۲۶۵ میں کسی متعصب نے یہ نمبر ۹۰۹۲ اضافہ کرکے اس کے تحت لکھ دیا النعمان بن ثابت (ت۔س) بن زوطی ابو حنیفة الکوفی امام اهل الرائی۔ ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی و آخرون وترجم له الخطیب فی فصلین من تاریخه واستوفی کلام الفریقین معدلیة ومضعفیه یعنی امام ابوحنیفہؒ امام اہل الرائے ہے، ان کے ضعف حافظہ کی وجہ سے نسائی نے انہیں ضعیف کہا اور ابن عدی اور دوسروں نے بھی۔ اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام ابوحنیفہؒ کو عدل کہنے والوں کا بھی ذکر کیا اور ضعیف کہنے والوں کا بھی۔

اور دلیل اس امر کی یہ عبارت کسی اور نے اس کتاب میں لکھ دی، یہ ہے کہ خود حضرت علامہ ذہبیؒ نے مقدمہ ص ۲ میں پہلے لکھ دیا ہے وکذا لا اذکر فی کتابی من الائمة المتبوعین من الفروع احد الجلالتهم فی الاسلام وعظمتهم فی النفوس مثل ابی حنیفة رح والشافعیؒ والبخاریؒ یعنی ابوحنیفہ وشافعی وبخاری جیسے متبوع فی الفروع اماموں کا تذکرہ انہی اس کتاب میں نہیں کروں گا اس لیے کہ اسلام میں یہ ہستیاں جلیل القدر ہیں اور دلوں میں ہمارے ان کی عظمت ہے۔

مثنوی مولانا رُوم میں دسّ

نیز سب کو علم ہے کہ حضرت جلال الدین رُومی رح اہل سنت وجماعت میں سے بڑے عالم فاضل اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ صحابہ کرام رضؓ کے بارے میں ان کا وہی عقیدہ تھا جو اہل سنت والجماعت کا ہے۔ مگر کسی نے ان کی مثنوی میں یہ شعر بھی ٹھونس دیا۔

چوں صحابہؓ حُبّ دُنیا داشتند!
مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند

پیر جیلانیؒ پر دس

پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے بلغۃ الحیران ص ۳۴۲ میں لکھوایا:
"کہتے ہیں کہ حضرت عبد القادر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت مجھے پکارو یہ اس طرح نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اول تو ثبوت اس امر کا نہیں۔ بہجۃ الاسرار والے کے حق میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ مشائخ حدیث بہجۃ الاسرار والے کو معتبر نہیں سمجھتے مع ہذا اس نے جو سند لکھی ہے رُواۃ کا پتہ نہیں کہ وہ کیسے ہیں۔ اور اصل عبارت یوں لکھتے ہیں اذکرنی اس کا معنی یہ ہے کہ بتوسل میرے دُعا مانگو۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اور بلاغ المبین میں ہے کہ یہ اندراج بعض مجاوروں فاسدوں کا ہے نہ کہ پیر صاحبؒ کا فرمودہ ہے نہ بہجۃ الاسرار والے نے لکھا ہے۔

بعض عبارات وکتب کی غلط نسبت
ذمہ دار علماء وصوفیاء کرام کی طرف

الیانع الجنی برہامش کشف الاستار ص ۷۶ میں ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ایک کتاب ہے جس میں کئی کتے ہیں اس میں دس کیا گیا ہے۔
نیز ص ۷۷ میں ہے کہ بعض کتابوں میں کچھ خدشات ہیں اور ان کتابوں کی نسبت حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی طرف کی جاتی ہے حالانکہ ایسی باتیں ان کی شان سے بعید ہیں۔ حاشیہ میں ہے کہ مائۃ اور اربعین دونوں حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہیں جن میں کئی باتیں غلط نقل ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے مجلس نشینوں میں کئی بُرے لوگ تھے اور حضرت شاہ صاحب ان کے حق میں حُسن ظن رکھتے تھے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو جواب لکھنے کے لیے ان کے حوالے کر دیتے تو وہ حاشیہ نشین اپنی آراء کے مطابق اس کے جواب کے مطابق کوئی بات ملا دیتے تھے۔
سر الشہادتین کسی غالی شیعہ نے لکھ کر اس کی نسبت حضرت شاہ عبد العزیز صاحب

محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف کردی۔

قصیدۂ امام اعظمؒ کسی مبتدع نے لکھا اور اس کی نسبت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کردی اور اس بات کو خود حضرت محترم نے بریلویوں کے رد میں لکھا ہے۔

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ کی نسبت علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم المعروف بابن اثیر المؤرخ المشہور کی طرف غلط ہے (الفوائد البہیہ ص ۱۴)

کتاب اوزجندی کی نسبت ملا علی قاریؒ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ اس نام کی کوئی کتاب ان کی تصنیف نہیں ہے (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۴)

تحفہ اثنا عشریہ دراصل ایک کابلی عالم کی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف اس لیے نسبت کی گئی ہے کہ ترتیب انہوں نے دی ہے قاضی علامہ شمس الدین صاحبؒ دام فیضہ العلمی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند نے یہ بات بتائی۔

"ہفت مسئلہ" کی نسبت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی طرف غلط ہے۔

(فتاوی رشیدیہ)

فتاوی نقشبندیہ کی نسبت جناب خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی طرف غلط ہے دراصل یہ کتاب خواجہ معین الدین کشمیریؒ (متوفی ۱۰۰۵ھ) کی ہے (رسالہ الحق اکوڑہ خٹک)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح تجرید کی نسبت میر سید سند کی طرف کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب ص ۱۷۸ میں لکھ دیا "شفاء السقام فی زیارۃ سید الانامؐ" تاج الدین سبکیؒ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ دراصل یہ کتاب ان کے والد صاحب کی ہے۔ کذا فی الفوائد البہیہ ص ۱۹۶)

کتاب البرہان المؤید لصاحب مدالید احمد رفاعی کی نہیں ہے۔ کذا فی غایۃ الامانی ج ۲ ص ۲۷۴)

ترجمہ شیخ سعدیؒ کا عام مشہور ہے۔ دراصل یہ ترجمہ میر سید سندؒ کا ہے طالبین نے شیخ سعدی کی طرف غلط نسبت کردی۔ کما حققہ صاحب تفسیر حقانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

منبہات اصل تصنیف ابن حجیہ کی ہے۔ ابن حجر تصحیف ہوئی پھر عسقلانی کا لفظ قیاساً ٹانک دیا۔ کذا افادنی القاضی المحترم مولٰنا شمس الدین دام فیضہ عن السید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالٰے۔

مسند الامام الاعظم و مسند الامام الشافعیؒ ہر دو کتابوں کی ان دو مشہور اماموں کی طرف نسبت کرنا غلط ہے۔ دیکھو کتاب تعجیل المنفعہ از حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

شرنبلالی نے رسالہ "سعادۃ اہل الاسلام بالمصافحۃ عقیب الصلوٰۃ والسلام" میں کہا کہ کفایہ شرح ہدایہ تاج الشریعہ کی تصنیف ہے حالانکہ درحقیقت یہ تصنیف سعد خدبوشی خوارزمیؒ کے استاد سید جلال الدین کرلانی خوارزمیؒ کی ہے اور تاج الشریعہ کی تصنیف ... نہایۃ الکفایہ ہے کذا فی النافع الکبیر لمولٰنا عبد الحی اللکھنوی رحمہ اللہ ص ۱۵ اور بعض نے کہا ہے کہ کفایہ کا مصنف علی بن عثمان رح متوفی سنہ ۶۶ھ ہے اور یہ بھی غلط ہے۔

فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۷ میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ کتاب الحیل کی نسبت امام محمدؒ کی طرف غلط ہے۔

اسی طرح امام شافعیؒ کی طرف منتسب متاخرین نے اِدھر اُدھر سے مستشرقین سے اکثر حیلے حاصل کر کے اپنے مذہب میں داخل کر دیئے۔ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۱۸ و ۱۱۹ میں اور ج ۲ ص ۱۷۸ میں اسی طرح ہے۔ عبارت یہ ہے "و اکثر الحیل التی ذکرھا المتاخرون المنتسبون الی مذھبہ رای مذھب الشافعی من تفرقاتھم تلقوھا من المستشرقین وادخلوھا فی مذھبہ

آثار الصنادید دراصل مرزا سنگین بیگ شاہجہاں آبادی کی ہے جس نے بحکم سر جان چارلس مٹکاف کے لکھا۔ سر سید احمد خان کی طرف کل کتاب کی نسبت غلط ہے البتہ اخیر میں "حضرات دہلی کے حالات" سر سید کی ذاتی تحقیق ہے (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۱۲)

"الاقتصاد فی الاعتقاد" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں۔

"دیوانِ علی" رافضی شعراء نے اپنی طرف سے لکھ کر حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر دی۔

مصحف فاطمہؓ بھی رافضیوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف غلط نسبت کر دی ان کا علیحدہ کوئی مصحف نہیں ہے۔

فقہ اکبر کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف غلط ہے۔ دراصل یہ کتاب ان کے شاگرد ابوالمطیع البلخی کی تصنیف ہے۔ دیکھو امام ذہبی رحمہ اللہ کی العبر ج ۱ ص ۲۳۰)

اسی طرح بعض مناجات کے اشعار حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں حالانکہ آپ نے نہ عہد جاہلیت میں شعر کہا اور نہ عہد اسلام میں۔ نہ بت پرستی کی نہ شراب پی عہد جاہلیت میں بھی۔ نیز اس ص ۲۸۵ حاشیہ ۵ میں ہے:

قال السیوطیؒ عن عائشۃؓ قالت عائشۃؓ وانھما قال ابوبکرؓ شعر قط فی الجاھلیۃ ولا فی الاسلام ولقد ترک ھو وعثمان شرب الخمر فی الجاھلیۃ اخرجہ ابن عساکر بسند صحیح: حاشیہ مغنی اللبیب ص ۱۶۶ و ص ۱۷۸ میں ہے لم یقل ابوبکر ولا عمر ولا عثمان شعراً ولم یشربوا خمراً لا جاھلیۃ ولا اسلاماً

ایک لمبی تقطیع کی موضح القرآن تفسیر لکھی ہوئی ہے اور اس کی نسبت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے سو وہ نسبت غلط ہے وہ تصنیف حضرت شاہ صاحب کی نہیں۔

اور جو مختصر تفسیر قرآن اور حمائل کے حاشیہ پر لکھی ہے جس میں ہر حاشیہ کے اختتام پر (۱۲ منہ) لکھا ہوتا ہے اور شروع میں موضح القرآن لکھا ہوتا ہے وہ حضرت شاہ صاحب کا ہے مگر اس میں بھی یار لوگوں کو اپنی آراء ٹھونسنے کا موقع مل گیا ہے جیسے سورۂ ص میں حضرت داؤدؑ اور اوریا کے واقعہ میں۔۔۔۔ دراصل ترجمہ وہ ہے جو شروع شروع میں ۱۸۶۲ء میں کلکتہ کی پریس سے طبع ہوا تھا۔

اور ایک ترجمہ مع حاشیہ کے مزنگ چونگی لاہور کے قریب عبدالعزیز نے حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ کا نام کر کے چھاپا اور اس میں شرکیہ باتیں داخل کر دیں۔

ایک مظاہر حق شرح اردو مشکوٰۃ شریف نواب قطب الدین دہلوی تلمیذ حضرت شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ نے لکھی تھی۔ اب لاہور والوں نے بھی شرح اردو مشکوٰۃ شریف

مظاہر حق نے نام ہی سے چھاپی ہے مگر اس میں اپنی بدعات کی خوب تشہیر کی ہے۔

غنیۃ الطالبین کے متعلق حضرت مولانا صاحب پرہاروی نے فرمایا کہ اس کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف غلط ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہی لکھا ولا یغرنک وقوعہ فی غنیۃ الطالبین المنسوبۃ الی الغوث الاعظم عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ العزیز فالنسبۃ غیر صحیحۃ والاحادیث الموضوعۃ فیہا وافرۃ۔ نبراس ص ۴۷۵ نیز حاشیہ نمبر ۳ اسی صفحہ کا دیکھیں۔

اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف قصیدہ غوثیہ کے نام سے غلط منسوب ہے۔

سید مسلم نظام دہلوی نے انوار الفرید میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار ص ۸۱ و ۸۰ میں لکھا ہے کہ یہ (ملفوظات عثمانی ہرونی) ان (عثمان ہرونی) کے لکھے ہوئے نہیں ہیں اور ص ۲۰، انوار الفرید میں ہے نظام الدین اولیاء بلکہ ہمارے شجرہ کے کسی خواجہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

بلاغ المبین ص ۲۴۵ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا۔ قبر پرستوں کی کتابیں بہت ہیں جس میں انہوں نے بزرگوں پر افترا کیا اور یہ چیز خود حضرت شیخ نصیر الدین کے قول سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اخبار الاخیار میں خیر المجالس سے نقل کیا ہے کہ ایک عزیز نے شیخ نصیر الدین محمود کی خدمت میں عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات میں لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے دو گائے ذبح کیں اس نے ایک خون کیا اور جس نے چار گائیں ذبح کیں اس نے دو خون کیے اور جس نے دس بکرے ذبح کیے اس نے ایک خون کیا۔۔۔۔ اولاً خواجہ نے فرمایا یہ لفظ ہارونی نہیں ہے ہرونی ہے ہرون اس دیہات کا نام ہے جہاں خواجہ رہتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ یہ ان کی باتیں نہیں۔ یہ باتیں مجھ تک بھی پہنچی ہیں اور اس میں بہت سی باتیں نقل کی ہیں جو ان کے شایاں نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ نے شیخ نظام الدین کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اس لیے کہ شیخ فرید الدین اور شیخ

قطب الدین اور خواجگان چشت میں سے کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔

تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۰ میں لکھا ہے **ایک شبہ**: بعض مبتدعین یہاں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی ایک عبارت پیش کر کے اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے اس آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے "یعنی و باشد رسولؐ شما بر شما گواہ۔ زیرا کہ او مطلع است بہ نور نبوت بہ رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ الخ (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۶۳۶) یعنی اور ہو رسولؐ تمہارا تم پر گواہ کیونکہ آپؐ نور نبوت سے اپنے ہر امتی کا رتبہ جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ پر پہنچا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ ہر امتی کے تفصیلی حالات سے آگاہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔

جواب شبہ: یہ عبارت حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے بلکہ مدرج ہے۔ بعد میں کسی نے بڑھائی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آگے چل کر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "شہادت دریں جا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است تا از جادۂ حق بیروں نہ روند چنانچہ واللہ علی کل شیئ شہید و در مقولہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم ..... شہید (تفسیر عزیزی ص ۶۴۱) یعنی اس آیت میں شہادت کے معنی گواہی کے نہیں بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے ہیں تاکہ وہ راہ حق سے باہر نہ جا سکیں جیسا کہ واللہ علی کل شیئ شہید میں اور حضرت عیسیٰؑ کے قول کنت علیہم شہیدا میں شہید بمعنی گواہ نہیں بلکہ اس کے معنی نگران اور نگہبان کے ہیں۔ یہ عبارت اس بات کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ پہلی عبارت حضرت شاہ صاحبؒ کی نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری عبارت میں انہوں نے لفظ شہید کا جو مفہوم بیان فرمایا ہے وہ پہلی عبارت کے بالکل منافی ہے۔

خود محترم بھی عبارات اکابر میں کمی بیشی کے عادی ہیں جیسے حضرت پیر طریقت کی بلغۃ الحیران ص ۳۳۷ کی عبارت اپنے مطلب کے مطابق لکھ دی اور اس کے بعد تردیدی عبارت ہضم کر گئے اور وہ یہ ہے اور بلاغ المبین میں ہے کہ یہ اندراج

بعض مجاوروں فاسدوں کا ہے نہ پیر صاحب کا فرمودہ ہے نہ بہجۃ الاسرار والے نے لکھا۔
کتاب العاقبۃ کی نسبت امام عبد الحق اشبیلی کی طرف کی جاتی ہے مگر حافظ بن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ان کی نہیں ہے۔

ردالمحتار کتاب اللقطہ کے اخیر میں اب جدید نسخوں میں عبارت بڑھا دی گئی جو قدیم نسخوں میں نہ تھی۔

انوار الفرید ص ۳۹۸ میں ہے بابا فرید کی طرف اردو اشعار غلط منسوب ہیں۔ انہیں تو عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتا اور ص ۱۴۵ میں ہے ان کی طرف مبالغہ آمیز عبارت منسوب ہے اور ص ۱۰ میں ہے بابا فریدؒ کے حالات کی بابت جو کتابیں بازار میں مل رہی ہیں ان میں رطب و یابس ہر قسم کی روایات درج کی گئی ہیں۔ ص ۱۱ میں ہے تاریخ گواہ ہے کہ بے دین حکمرانوں کے عہد میں درباری علماء کی ایک جماعت نے ان کے غلط اعمال پر شریعت کی مہر ثبت کر دی۔

اور اکثر ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اسی کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آئی اور اسی حسن ظن پر آنے والے اپنی اپنی کتب میں درج کرتے چلے گئے حتیٰ کہ وہی غلط قول مشہور ہو گیا۔ جیسے غلط العوام ہو۔

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کثیرا ما یقلدون الساھون الساھین (فتح القدیر ص ۲۷۰)
بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی بات کو تقلیدی طور پر مانتے اور لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ابن نجیم فرماتے ہیں و قد یقع کثیرا ان موثقا یذکر شیئا خطأ فی کتابہ فیاتی من بعد من المشایخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لھا واصلھا ناقل مخطئ (بحر الرائق ص ۱۸۵)
اور کثرت سے یہ بات ہوتی رہتی ہے کہ ایک مؤلف اپنی کتاب میں غلطی سے کوئی بات لکھ جاتا ہے پھر اس کے بعد جو مشائخ آتے ہیں تو بغیر کسی تبدیلی کے اور تنبیہ کے بعینہٖ وہی عبارت نقل کرتے جاتے ہیں اس واسطے اس عبارت کے ناقل بہت ہو جاتے ہیں

مگر شروع میں اس عبارت کے ایک ناقل کی غلطی تھی جس کو کثیر ناقلین نے نقل کر دیا اور وہ غلط عبارت اکثر کتابوں میں درج ہو گئی۔

صاحب تسکین کا دعوٰی

کہ انبیاءؑ کی حیات دنیوی بھی ہے اور برزخی بھی

صاحب تسکین نے ص ۱۳۸ میں کہا، انبیاء کو دنیوی و برزخی دونوں طرح کی زندگی حاصل ہے۔ برزخی اس حیثیت سے کہ وہ عالم برزخ میں ہے ادراک شعور اور علم وغیرہ میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے۔ اور ص ۱۲۸ میں کہا گو یہ حیات کامل ہے مگر تمام لوازمات دنیوی اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ اس میں دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت بھی رہے۔ پھر ص ۱۲۹ میں ہے یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے اور ص ۱۳۰ میں ہے حضرات انبیاء کرامؑ کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ

خلاصہ یہ نکلا کہ خورد و نوش کے اعتبار سے حیات برزخی ہے کہ یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے مگر سمع و بصر کلام شعور ادراک کے اعتبار سے حیات دنیوی ہے (ص ۱۵۰ میں ہے کھانے اور پینے وغیرہ تمام امور میں وہ حیات دنیوی نہیں بلکہ علم و شعور اور ادراک و سماع میں وہ دنیوی ہے)

صاحب تسکین کے دعوٰی پر ہمارے چند اشکالات

اشکال نمبر ۱

اب یہ سوال تو علیحدہ ہے کہ اس طرح برزخی دنیوی زندگی کی تفسیر سے انبیاء شہداء

ؔ حالانکہ عالم برزخ بین بین ہے عالم شہادت اور عالم غیب کے ۱۲

اور دوسرے اموات کی حیات میں مابہ الامتیاز کیا چیز ہے جب کہ دوسرے اموات کے لیے بھی یہی سمع وبصر کلام شعور وادراک بعینہٖ ثابت کی گئی ہیں۔ تو ان کی حیات تو برزخی کی برزخی ہی رہے مگر انبیاء وشہداء کے لیے بھی وہی سمع وبصر کلام شعور و ادراک کے اثبات کے لیے دنیوی حیات بن جائے۔

مولٰنا کی دورنگی چال

پھر ایک اور سوال بھی ہے کہ اس تقریر کے بعد صاحب تسکین فرماتے ہیں:

بالفاظ دیگر" یعنی اسی پہلے مفہوم کو دوسرے لفظوں میں ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اب ہم عبارت لکھتے ہیں پھر خود ہی اندازہ لگائیے کہ پہلی عبارت کا مفہوم اور بالفاظ دیگر کے بعد آنے والی عبارت کا مفہوم ایک ہے جس کو دو عبارتوں کے ذریعے ادا کیا گیا؟

عبارت ذیل دیکھیے۔

"بالفاظ دیگر ان کے ارواح طیبہ کا تعلق ان کے ابدان دنیویہ سے ہے اور دنیا کی زندگی کی طرح ادراک وشعور اور علم ان کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی تو اس کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے بلکہ اس معنی میں وہ برزخی اور اخروی ہے (ص ۱۳۸ و ۱۳۹)

اب سوچیے کہ پہلی عبارتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ سمع وادراک کے اعتبار سے دنیوی ہے اور کھانے پینے وغیرہ کے اعتبار سے برزخی حیات ہوئی اور اب بالفاظ دیگر کہہ کر فرماتے ہیں کہ دوسروں کے حق میں چونکہ غیر محسوس ہے برزخی ہے اور خود ان کو چونکہ اپنی حیات محسوس ہوتی ہے اس لیے دنیوی ہے۔ بتاؤ ان دونوں تعبیروں میں فرق ہے یا نہ؟ اب بتلائیے کہ کھانا پینا ان کا ہمیں تو محسوس نہیں ہوتا خود انبیاء و شہداء کو محسوس ہوتا ہے یا نہ؟ کہ ہم جنت کے میوے کھا رہے ہیں۔ پہلی تقریر کی

رُو سے حیاتِ برزخی ہے دنیوی نہیں۔ دُنیوی تو صرف سمع وادراک کے اعتبار سے ہے اور دوسری تقریر کی رو سے دنیوی ہوئی مگر اس طرح تمام اموات کے متعلق حیاتِ دنیویہ کا قائل ہوتا ہوگا۔ کیونکہ ان کو دُکھ سُکھ محسوس ہو رہا ہے۔ ان کو گرز لگتے محسوس ہو رہے ہیں گو ہمیں محسوس نہیں ہو رہے ان کے آگے جنت و دوزخ پیش کی جاتی ہے اور انہیں محسوس ہوتی ہے۔ ہم نہیں دیکھتے اگر ان کو محسوس ہونے کا نام دنیوی حیات ہے تو سب اموات کی دنیوی حیات مانو۔ اگر کہو انہیں محسوس نہیں ہوتا تو پھر عذاب ثواب قبر کا اگر صاف لفظوں میں انکار نہیں تو ہیرا پھیری سے عذاب وثواب قبر کے انکار کا راستہ تلاش کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

نیز یہ جو فرمایا اگر کوئی شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے الخ ذرا یہ سمجھائیں وہ دیکھے گا کیسے؟ قبر اطہر سے مٹی ہٹا کر یا بغیر مٹی ہٹانے کے اگر مٹی ہٹا کر دیکھے گا تو توہین نہ ہوگی؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ نماز بھی اسی جسدِ عنصری سے پڑھتے ہیں تو قیام رکوع سجود وقعود میں یہی جسدِ عنصری متحرک بھی ہو اور ساکن بھی یہ اجتماعِ نقیضین کیسے؟

اشکال نمبر ۲

مُہنّد کی عبارت بتاتی ہے کہ انبیاء وشہداء ہر دو کی حیات ایک جنس کی ہے یعنی دنیویہ، حالانکہ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ شہداء کی زندگی جسدِ عنصری کے ساتھ نہیں۔ جیسے حضرت نانوتویؒ وغیرہ علماء کی عبارات گزر چکی ہیں۔ اب فرمائیے کہ شہداء کی زندگی کو دنیوی برزخی کہیں گے یا صرف دنیوی کہیں گے اگر دنیوی برزخی کہیں تو حضرت نانوتویؒ کے قول کی کیا توجیہ ہے اگر صرف دنیوی یا صرف برزخی کہیں تو المہنّد کی عبارت کی کیا توجیہ ہے؟

اشکال نمبر ۳

دنیویہ واخرویہ کا باہمی تقابل وتباین تو ظاہر ہے دنیویہ اور برزخیہ کی باہمی کونسی نسبت ہے (اگر "کما ھی لسائر المؤمنین" کو "برزخیۃ" کی صفت مخصصہ نہ بنائیں)

اور بعد کی عبارت فثبت بھذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیویہ و برزخیہ کی باہمی نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے جس کے تین مادے ہوتے ہیں ایک اجتماعیہ دوافتراقیہ۔ جیسے اہل دنیا کی زندگی دنیوی ہے برزخی نہیں۔ اور دوسرے اموات کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ انبیاء کی زندگی دنیوی بھی ہوئی اور برزخی بھی تو اس سے عالم کی تقسیم کا مسلم انحصار باطل ہو جاتا ہے۔ عالم اجساد، عالم ارواح، عالم مثال، عالم آخرت، ایک پانچواں عالم منشعب ہوا۔ عالم اجساد مع البرزخ جس کا آج سے پہلے ظہور نہیں تھا۔ علماء نجد کی عبارت ص۱۴۴ میں آپ نے اپنی تائید میں پیش کی ہے اس میں بھی دنیوی اور برزخی کا تباین واضح ہے پھر لطف یہ کہ ص۱۴۵ میں مان رہے ہیں کہ علمائے نجد حیات برزخیہ کے قائل ہیں۔

یاد رہے! کہ صاحب تسکین اثبات حیات عنصریہ میں علمائے نجد کی عبارت مثبت حیات برزخیہ بطور دلیل کے پیش فرما رہے ہیں۔ اب ناظرین خود ہی اندازہ لگائیں کہ تقریب تام ہے؟ دلیل دعویٰ کے ساتھ منطبق ہے؟ نہ ہم سے پوچھیے نہ صاحب تسکین سے۔

اشکال نمبر ۴

آپ نے سبکی کی تقلید میں دنیوی و برزخی کی تشریح فرمائی ہے یہی تشریح کسی اور نے بھی کی ہے یا صرف آپ کی اپنی خانہ زاد ہے۔ اگر کسی نے یہی تشریح کی ہے تو وہ مجتہد ہے یا غیر مجتہد؟ اگر مجتہد ہے تو اس کی یہ تشریح کس کتاب میں ہے اگر غیر مجتہد ہے تو اس کی تشریح غیر مقبول ہے۔ لا عبرۃ لغیر الفقہاء یعنی المجتہدین (رد المحتار ص۴۲۸ ج۳)

اشکال نمبر ۵

سبکی کا قول ص۱۲۰ میں نقل فرمایا کہ انبیاء کی حیات اس لیے اتم و اعلیٰ و اکمل ہے کہ علی الدوام روح اور جسد دونوں کے لیے ہے انتہی..... معلوم ہوا کہ دوسروں کے لیے علی الدوام روح و جسد ہر دو کے لیے نہیں۔ اس کی کئی شقیں ہیں (۱) دوسروں کی حیات صرف روح کی علی الدوام ہے (۲) دوسروں کی حیات صرف روح کی علی الانقطاع ہے۔

(۳) دوسروں کے صرف جسد کی حیات علی الدوام ہے (۴) دوسروں کے صرف جسد کی حیات علی الانقطاع ہے (۵) دوسروں کی حیات روح مع الجسد کی ہے علی الانقطاع ... تیسری اور چوتھی صورت وفاقاً باطل ہے۔ پہلی دوسری صورت بھی صاحب تسکین کو تسلیم نہیں، پس پانچویں صورت (حیات روح مع الجسد علی الانقطاع) ہی متعین ہوئی اب سوال یہ ہے کہ جسد عنصری سے روح کا انقطاع کس وقت ہوتا ہے؟ اگر نکیرین کے سوال کے بعد علاقہ منقطع ہو تو تعذیب و تنعیم قبر کی نفی لازم آتی ہے اور یہ صاحب تسکین کو بھی مسلم نہیں کیونکہ ص۱۲۷ میں لکھتے ہیں کہ جمہور اس کے خلاف ہیں۔ اگر یہ مفہوم نہیں تو دوسرے اموات کے لیے جسد عنصری سے انقطاع روح کا کونسا وقت ہے؟ اگر انقطاع نہ مانو تو روح کا جسد عنصری سے دائمی اتصال ہوگا (والا لزم ارتفاع النقیضین وہو محال) جب علی الدوام اتصال ثابت ہوا تو سبکی کی اثبات حیات انبیاء کی دلیل دعوے کے ساتھ منطبق نہ ہوئی کیونکہ دعوی خاص ہے اور دلیل عام، تقریب تام نہ ہوئی پھر شہداء کو انبیاء کے حکم میں بناؤ گے یا عام اموات کے، شاید برخلاف حضرت نانوتوی کے یہ جواب ملے کہ انبیاء و شہداء ایک زمرے میں ہیں یعنی دونوں کی روح مع الجسد کے دائمی حیات ہے۔ تو حیات انبیاء کی دلیل پھر بھی دعوی کے ساتھ منطبق نہ ہوئی پھر سبکی اور اس کے اتباع پر لازم ہے کہ کوئی اور دلیل ایسی پیش کریں جس سے حیات انبیاء کا حیات شہداء سے امتیاز ہو جائے اور انبیاء کی حیات کی اکملیت اعلویت اتمیت ثابت ہو جائے۔

اشکال نمبر ۶

قول سبکی فان الصلوۃ تستدعی جسداً حیاً سے صاحب تسکین جسد خاکی عنصری سمجھے لیکن اس کے ساتھ ہی سبکی کے الفاظ ہیں وکل تلک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلہا صفات الاجسام ولا یلزم من کونہا حیاۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان معہا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف (ص۱۲۱) یہاں اجسام عنصریہ مراد ہیں یا نہ؟ اگر نہیں تو اجسام عنصریہ کی حیات ثابت کرنے کے لیے یہ عبارت پیش کرنا

غلط ہے اور سارا بنا بنایا کھیل ختم۔ اگر اجسام عنصریہ ہی مراد ہیں تو ابن قیم ابو یعلیٰ، ابن منیر سیوطی، غزالی، طیرانی، قونوی، ابن حجر، بیضاوی، آلوسی وغیرہم سب محدثین مفسرین صوفیا اور محققین علماء کے اس قول کا کیا جواب ہے کہ شب معراج میں بیت المقدس کے اندر انبیاء کے ارواح متشکل ہو کر آئے تھے ایسے نہیں ہوا کہ اپنی اپنی قبروں میں رکھے ہوئے اجساد مطہرہ قبریں شق کر کے باہر نکل آئے ہوں کیونکہ یوں کہنے سے یوم البعث سے پہلے ہی بعث کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ بعث کا روز ایک ہی ہے وھو یوم القیامۃ (ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون) قالوا ھذہ الرویۃ (رؤیۃ النبی فی المعراج) الانبیاء انما ھی لارواحھم دون اجسادھم و الاجساد فی الارض قطعًا انما تبعث یوم بعث الاجساد ولم تبعث قبل ذٰلک اذ لو بعث قبل ذالک لکانت قد انشقت عنھا الارض قبل یوم القیامۃ وکانت تذوق الموت عند نفخۃ الصور وھٰذہ موتۃ ثالثۃ وھو باطل قطعًا ولو کانت قد بعثت الاجساد من القبور لم یعدھم اللہ الیھا بل کانت فی الجنۃ وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم الجنۃ علی الانبیاء حتی یدخلھا ھو وھو اول من یستفتح باب الجنۃ وھو اول من تنشق عنہ الارض علی الاطلاق ولم تنشق عن احد قبلہ ومعلوم بالضرورۃ ان جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم طری مطر اوقد سالہ الصحابۃ کیف تعرض صلواتنا علیک وقد ارمت معًا فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسدہ فی ضریحہ لما اجاب بھٰذا الجواب (کتاب الروح ص۶۹ لابن قیم) (خوف طوالت سے دوسری عبارات ترک کر دیں)

پس قول ابن قیم وغیرہ درست ہے مگر آپ کا جسد سے عنصری مراد لینا غلط ہے۔ وھو المطلوب۔

اشکال نمبر ۷

صاحب تسکین نے ص۱۵۱ میں لکھا ہے: "جس طرح انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں اپنے

تمام اعضائے مبارکہ میں حیات کے آثار معلوم ہوتے ہیں اسی طرح قبر میں جو حیات ان کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں ....
بخلاف عام مردوں کے کہ ان میں حیات کا اثر صرف اس جزء سے وابستہ ہوتا ہے جس سے فہم خطاب اور الم وراحت کا ادراک ہو سکے اور ص۱۰۵ میں لکھا کہ روح مبارک کو جسد اطہر کے تمام اطراف وجوانب سے سمیٹ کر مثلاً دل پر اکٹھا کر دیا اور اعضاء پر موت طاری ہوئی اور وہ بے حس وحرکت ہو گئے لیکن دل مبارک کی بھی بظاہر حرکت باقی نہ رہی جس طرح کہ بعض اوقات سکتہ کے مرض میں ہوتی ہے[عہ] اور ص۱۰۲ میں ہے پھر اگر حضرت مولانا نانوتویؒ کے ارشاد کے مطابق روح سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاعِ تعلق یا قبض روح سمجھا جائے تو اس سے کونسا اشکال لازم آتا ہے۔ ادھر عام برزخی حیات کے متعلق لکھتے ہیں اس میں روح کا اتصال ربط اور تعلق بدن عنصری کے ان اہم اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے جن سے فہم شعور اور ادراک ہو سکے اور قبر کی راحت وکلفت کا ادراک ہو سکے اور اس حیات میں بدنِ عنصری نہ تو دنیوی خوراک اور لباس وغیرہ کا محتاج ہے اور نہ ظاہری طور پر حس وحرکت اور جنبش کرتا ہے جس کا احساس اور مشاہدہ کیا جا سکے (ص۵۳) پھر اس بدن عنصری کے اہم اجزاء کا بیان فرماتے ہیں جس سے فہم شعور اور ادراک ہو سکتا ہے۔ عذاب کا ادراک کرنے والی جزء دل یا باطن میں ہوتی ہے۔ (ص۷۷)

اب سوال یہ ہے کہ جب حضرتؐ کی ساری کی ساری حیات دل میں مرکوز ہو جائے اور باقی حواس معطل ہو جائیں یعنی اپنا اپنا کام چھوڑ دیں یعنی کان سننا چھوڑ دیں آنکھیں دیکھنا چھوڑ دیں زبان بولنا چھوڑ دے ناک سونگھنا چھوڑ دے۔ ہاتھ پکڑنا چھوڑ دیں، پاؤں چلنا چھوڑ دیں اور عام مردوں کی حیاتِ برزخیہ بھی یہی ہو کہ روح کا ربط اتصال تعلق بدن عنصری کے اہم جزء دل کے ساتھ ہو جس سے فہم شعور ادراک کر سکے تو انبیاء اور عام مردوں کی حیات میں کونسا مابہ الامتیاز فرق رہ گیا۔ اگر کہو کہ دل میں حیات اس طرح مرکوز رہتی ہے کہ اس کا اثر تمام بدن پر ایسا پڑتا ہے کہ زندگی کے آثار

عہ لا ینبغی لفظ لکن ۔ فانہ للاستدراک وہ مقام الترقی

حضرتؐ کو محسوس ہوتے ہیں تو یہ بات تو عام مردوں میں بھی ہے۔ کیوں کہ آپ ہی فرماتے ہیں کہ زائر کے سلام وغیرہ کی آواز مردہ کو سنائی دیتی ہے۔ مُردہ زائر کو دیکھتا پہچانتا ہے اور جب اس کو گرز لگتے تو اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر اُدھر کی اِدھر ہو جاتی ہیں وہ اس قدر روتا چلاتا ہے کہ جن وانس کے سوا سب اس کی آواز سنتے ہیں۔ گرز لگ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے پھر فرشتے اس کو جوڑتے ہیں۔ سو اس طرح بھی بالامتیاز کوئی فرق نہیں ہوا۔

پھر کمال یہ کہ اسی عدم فرق کو دلیل الطالب ص۸۸۶ کے حوالے سے ص۹۸ میں مان بھی لیا" تمام مُردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر، علم، شعور، ادراک سننے، اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں۔ اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں۔

اشکال نمبر ۸

تسکین ص ۳۶ میں ہے کہ قبر میں میت کی طرف اس کی رُوح لوٹائی جاتی ہے۔

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ میت کو دفن کرنے سے پہلے رُوح میت ہے یا نہ؟ اگر روح میت ہے تو عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۱۰ میں جو نبی پاکؐ سے حدیث بیان ہے کہ میت پہچانتی ہے جو اسے اٹھاتا ہے، نہلاتا ہے اور قبر میں رکھتا ہے اس کے کیا معنی؟ نیز مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جب میّت مرجاتا ہے تو قبر میں پہنچنے تک وہ سب کو نہلاتے اور اُٹھاتے وقت پہچانتا دیکھتا ہے اس کے کیا معنی؟

اور اگر روح میت نہیں جسد کے اندر ہے اور زندہ دیکھتا سنتا پہچانتا ہے تو کیا زندہ رُوح مع الجسد کو دفن کرتے ہیں۔ پھر تسکین ص۳۶ کی مندرجہ بالا عبارت کے بھی خلاف ہے کہ بعد دفن کے رُوح لوٹتا ہے۔

اشکال نمبر ۹

آپ حیات النبیؐ بالجسد العنصری کے قائل ہیں اور موت طاری ہونے پر ایمان

لانا ضروری بھی کہیں اور یہ ماننا بھی لازم سمجھیں کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کر سکتا پھر کہیں جمہور علمائے اسلام موت کا معنی انفکاک الروح عن البدن ہی کرتے ہیں۔ پھر کہیں لیکن وفات کے بعد آپ کو پھر حیات مرحمت ہوئی۔ ملکہ فرماتے ہیں دلائل صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے اور اس کے مستقر پر (جو علیین و سجین ہے) پہنچا دی جاتی ہے مگر یہ بھی صحیح براہین سے ثابت ہے کہ قبر میں میت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب دلائل صریحہ سے موت کے وقت روح کا نکالا جانا ثابت ہے تو حضرت نانوتوی کا قول دلائل صریحہ کے خلاف ہے یا نہ؟ اگر خلاف نہیں تو توجیہ کیا ہے؟ نیز جب روح میت کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو علیین و سجین مستقر کیسے کہلائے؟ نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کے بعد حیات مرحمت ہوئی ہے تو ابوبکر صدیق کا طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا قبل از دفن کہنا کس چیز کو خطاب تھا جب کہ آپ کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات یعنی روح مع الجسد پر دلالت کرتی ہے اور ادھر آپ کے قول کے مطابق دفن سے پہلے حیات مرحمت نہیں ہوئی کیا جسد بے روح و بے حیات کو خطاب تھا یا روح بے جسد کو؟ اور پھر فداک ابی و امی جسد بے روح کو تفدیہ کیسے؟ جب آپ کے مقتدا پروفیسر خالد محمود صاحب "مقام حیات" میں لکھ رہے ہیں حقیقۃ التفدیۃ بعد الموت لا تتصور (فتح الباری ص ۸۹) نیز جب موت طاری ہونے پر ایمان لانا بھی ضروری ہوا اور موت سے روح کا جسم سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دلائل صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے تو انبیاء کی وراثت کیوں جاری نہیں ہوتی؟ حالانکہ حضرت نانوتوی فرماتے ہیں "اموال انبیاء کرام میں میراث کا جاری نہ ہونا اور اوروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد ہے کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کے ارواح کو خارج کر دیتے ہیں (جمال قاسمی ص ۱۰) معلوم ہوا کہ جب روح خارج ہو گئی تب وراثت قائم ہو گئی لیکن

وراثت انبیاء تو قائم نہیں پس انبیاء کی ارواح بھی اجسادِ عنصریہ سے خارج نہیں ہوئیں (رفع تالی منتج رفع مقدم ہے) مگر آپ خروج روح کے بھی قائل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وراثت انبیاء سے انکاری بھی ہیں۔ کیا منطق میں کوئی قاعدہ بھی ہے کہ وضع مقدم منتج ہو رفع تالی کا؟

اگر کہو کہ نفی وراثت انبیاء حدیث سے ثابت ہے نہ قیاس استثنائی سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسب فرمان حضرت نانوتوی رح اس حدیث کی مدار اصلی بھی وہی حیات النبیؐ اور عدم خروج روح من الجسد العنصری ہی ہے۔ تو گویا حدیث میں وراثت انبیاء کی نفی کا مطلب ہی یہی ہے کہ انبیاء کی ارواح ان کے جسد عنصری سے خارج نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی بدستور علی الاتصال قائم رہتی ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہماری نظروں سے آپؐ کی حیات مستور ہو گئی اس لیے موت سے تعبیر کرنا درست ہے۔ مگر صاحب تسکین تو بالکل حضرت نانوتوی رح کے خلاف پہلے جسد عنصری سے روح کے نکلنے کے قائل ہیں پھر بعد از دفن دوبارہ حیات مرحمت ہونے کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ دفن ہونے کے بعد پھر سے جو حیات مرحمت ہوئی ہے وہ حیات اول نہیں بلکہ وہ حیات ثانیہ ہے جیسے حضرت نانوتوی رح فرماتے ہیں "وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیات ثانی ہے۔ چنانچہ ارواح شہداء کا ان اجسام سے جدا کر کے اجواف طیر خضر میں داخل کر دینا جو ایک قسم کا تناسخ ہے بشہادت احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہے (آب حیات ص۱۳) اور ظاہر ہے کہ حیات ثانیہ مانع میراث نہیں۔ مانع میراث اگر ہے تو وہی حیات اولیٰ ہے جو بدستور علی الاتصال بغیر انقطاع علاقہ روح و جسد کے بحال خود رہے تو اب صاحب تسکین یا تو صاف صاف حضرت نانوتوی رح کے متبع بن کر حیات اولیٰ کے قائل ہو جائیں اور ایک آن کے لیے بھی روح اور جسد کا علاقہ منقطع نہ مانتے اس طرح علاقہ دنیویہ تسلیم کر کے تمام لوازمات حیات اولیٰ کے تسلیم کریں عدم جریان میراث حرمت ازواج مطہرات حرمت اکل اجساد علی الارض وغیرہا ع.....

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

حضرت نانوتویؒ کے نزدیک حیاتِ انبیاء اور حیاتِ شہداء میں بہت فرق ہے

اگر حیاتِ اولیٰ نہ مانتے تو حضرت نانوتویؒ کو اپنی تائید میں پیش نہ فرماتے۔ کیونکہ حضرت نانوتوی کے نزدیک حیاتِ انبیاء و حیاتِ شہداء کے درمیان کئی وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) ارواحِ انبیاء اجسادِ عنصریہ سے خارج نہیں ہوئے اور ارواحِ شہداء اجسادِ عنصریہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔

(۲) ارواحِ انبیاء کسی دوسرے جسد میں داخل نہیں ہوئے بدستور سابق پہلے جسم میں مستور ہیں اور ارواحِ شہداء ان اجسادِ عنصریہ کو چھوڑ کر دوسرے اجساد میں داخل ہو جاتے ہیں جو سبز پرندوں کی شکل میں ہیں

(۳) حیاتِ انبیاء حیاتِ اولیٰ ہے نہ حیاتِ ثانیہ اور حیاتِ شہداء حیاتِ ثانیہ ہے نہ حیاتِ اولیٰ۔

(۴) حیاتِ انبیاء حیاتِ دنیویہ ہے نہ برزخیہ اور حیاتِ شہداء حیاتِ برزخیہ نہ دنیویہ۔

(۵) حیاتِ انبیاء مانع جریانِ میراث، محرم نکاح ازواجِ مطہرات مع الغیر محرم اکل اجساد علی الارض اور حیاتِ شہداء اس طرح کی نہیں۔

صاحبِ تسکین کے نزدیک بالکل معمولی سا فرق ہے

مگر صاحبِ تسکین کے نزدیک سوائے جریان و عدمِ جریانِ میراث و حلت و حرمتِ نکاح ازواجِ مطہرات مع الغیر کوئی وجہ فرق کی نہیں۔ ان کے نزدیک انبیاء ہوں یا شہداء، نیک و بد سب کی روحیں قفسِ عنصری سے نکل کر پرواز کر جاتی ہیں۔ پھر دفن کے بعد انبیاء شہداء بلکہ نیک و بد سب کی روحیں واپس قفسِ عنصری میں بند کر دی جاتی ہیں۔ دونوں کی بلکہ نیک و بد سب کی حیاتِ ثانیہ ہے۔ دونوں کی

حیات دنیویہ بھی ہے برزخیہ بھی ہے۔ دونوں بلکہ سب زائر کو دیکھتے پہچانتے ہیں دونوں ہر بلکہ ہر مومن زائر کا سلام سن کر سلام زائر کا جواب دیتے ہیں دونوں بلکہ سب کی حیات ایسی ہے کہ دیکھنے والوں کو محسوس نہیں ہوتی مگر خود ان کو تمام اعضاء میں اپنی حیات کے آثار محسوس ہوتے ہیں۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ زکجا است تا بہ کجا

نیز یہ سوال ہے کہ جب روح نے واپس اسی جسد عنصری میں واپس آنا ہی ہے پھر نکالنے میں کیا حکمت ہے پھر علیین وسجین کے دفتر میں بغیر روح نکالے اور دفتر میں حاضر کرانے کے نام درج نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دفن کے بعد روح واپس کیوں ہوتی ہے۔ اگر دس روز تک میت دفن نہ ہو دس دن تک نہ روح بدن عنصری میں واپس ہوگی اور نہ منکر نکیر آئیں گے۔ نکیرین اس میت کے دفن کے منتظر ہیں کہ کب دفن ہو اور اس سے سوال کریں۔ اور عذاب کے فرشتے گرز لیے کھڑے ہیں کہ کب دفن ہو اور کب ہم اپنی ڈیوٹی پہ لگیں۔ یہ نہیں کہ صاحب تسکین کا ہی یہ مسلک ہے بلکہ بعض کتابوں والے یہی بات لکھ گئے ہیں۔

چنانچہ فتاوی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۲۶ میں ہے والسوال فی القبر بان مات ولم یدفن ایاما بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر آخر مالم یدفن لم یسال۔

نامعلوم ان کی نظر میں قرآن کی کونسی آیت یا حضورؐ کی کونسی حدیث تھی جس کے ماتحت یہ مسئلہ لکھا۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں محقق ہے۔

کہ مرنے کے بعد قبر ہی حساب کتاب ثواب وعذاب شروع ہو جاتا ہے اگر دفن کی شرط تھی تو نوحؑ کی قوم اور فرعونیوں کو عذاب نہیں ہونا چاہیے اور ہندو اور سکھ قوم کو عذاب نہ ہونا چاہیے کیونکہ دفن نہیں کیے گئے اغرقوا فادخلوا نارا میں فاء تعقیب بلا مہلت کے لیے ہے۔ صاحب تسکین کو بھی مسلم ہے پھر معلوم نہیں کہ دفن کے مقابل میت کو کس خبر مشہور یا متواتر سے مستثنیٰ فرماتے ہیں۔ رہی خبر واحد سو اس کے ساتھ زیادتی کرنا مطلق کتاب اللہ پر ناجائز ہے اور نسخ بن جاتی ہے۔

جو بندے کا کام نہیں اور قطعی کو ظنیت کی طرف اتارنا خبر واحد یا رائے سے منع ہے
اور علامہ عینی رح نے عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹ میں جو لکھا ہے وہ بالکل قرآن وسنت
کے مطابق ہے فالکافر ومن شاء اللہ تعذیبہ من العصاۃ یعذب بعد موتہ
ولو لم یدفن ..... قال الزمخشری یلحقھم فیہ العذاب فی البرزخ
والقیامۃ یعنی کافر اور جس گنہگار کو اللہ عذاب دینا چاہے اس کے مرنے کے بعد ہی
فوراً ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے اگرچہ دفن نہ ہو۔ زمخشری بھی عذاب برزخ کا قائل
ہے۔

عارفوں کا قول "العارفون لا یموتون" صحیح ہے؟

فائدہ عجیبہ

الجواہر والیواقیت ج ۲ ص میں حضرت عبدالوہاب صاحب رحمہ اللہ (شعرانی) کی
طرف منسوب عبارت پیش کرتے رہتے ہیں کہ اس میں عارفون کا مقولہ منقول ہے۔
العارفون لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار عارف باللہ مرا
نہیں کرتے بلکہ وہ تو ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر چلے جاتے ہیں۔
اس کلام میں دو جملے ہیں۔ دوسرا جملہ بلاشک صحیح ہے مگر عارفین باللہ کے
ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر نیک وبد کو شامل ہے کیونکہ ہر شخص دار دنیا سے منتقل
ہو کر دار برزخ میں جا بستا ہے۔ نیک روح علیین میں اور بد روح سجین میں اور اسی
بات کو مقدمہ میں خوب بسط سے بیان کیا جا چکا ہے۔
رہا پہلا جملہ یعنی العارفون لا یموتون سو جب تک اس کی کوئی تاویل نہ کی
جائے تب تک یہ ظاہر عبارت نص قرآنی کے خلاف بھی ہے کہ قرآن مجید میں تصریح
ہے کل نفس ذائقۃ الموت نیز فرمایا ہے وھو الذی احیاکم ثم یمیتکم
یہ تو عام ہے سب کو عارف ہوں یا غیر عارف پھر فاماتہ اللہ مائۃ عام حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے، اذ حضر
یعقوب الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے، فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ حضرت سلیمان علیہ
السلام کے بارے حتی اذا ھلک حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے انک میت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ...

بارے صراحتاً موت کا اطلاق ہوا جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ سب نبیوں کے بارے ہے اور نبیوں سے بڑھ کر کوئی عارف باللہ ہو ہی نہیں سکتا جب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے موت اور میت کا اطلاق نص قرآنی میں ہے تو دوسرا اور کون عارف باللہ ایسا ہے جو موت سے بری ہو اور زندہ جاوید ہو۔

نیز یہ جملہ احادیث صحیحہ متواترہ کے بھی خلاف ہے۔ نیز اجماع امت کے بھی خلاف ہے نیز مشاہدہ کے بھی خلاف ہے کہ سب اولیاء اللہ عارف باللہ جو جو بھی دار دنیا میں تشریف لائے اپنی اپنی ڈیوٹی پر رہ کر زندگی پوری کی اور اس جہان سے جب رخصت ہوئے تو ان کی روح ان کے جسموں سے نکلی پاس والوں نے دیکھا کہ اب روح نکل چکی ہے پھر وہ اس عارف باللہ کو نہلانے کفنانے کا انتظام کرتے ہیں پھر ان پر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں جس میں وہی دعا پڑھتے ہیں جو عام اموات پر پڑھتے ہیں مثلاً اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا الخ پھر کس طرح کہا جاتا ہے عارف باللہ مرا ہی نہیں کرتے۔

لیکن بعض علماء نے جب دیکھا کہ یہ قول قرآن پاک کی صریح آیات کے بھی خلاف ہے تو چونکہ یہ مقولہ کسی ولی اللہ کے منہ سے نکلا تھا اس لیے ادباً اس مقولہ کو صراحتاً تردید سے بچاتے ہوئے راہ تاویل اختیار کی تاکہ دلائل بھی اپنی جگہ صحیح اور معتقد رہیں اور تاویل کے ذریعے بزرگ کو بچایا جائے تاکہ اس پر یہ زد نہ پڑے کہ فلاں بزرگ کی بات قرآن وسنت اور اجماع ومشاہدہ کے خلاف ہے۔

اور وہ تاویل یہ ہے: من مات الموت المعنوی بمخالفۃ نفسہ حتی لم یبق لہ مع اللہ تعالیٰ اختیار ولا ارادۃ لا یعظم تألمہ عند طلوع روحہ لانہ عجل یموت نفسہ حین قتلھا بسیف المجاھدۃ واما من وافق نفسہ فی ھواھا وشھواتھا فیشتد علیہ الالم عند الموت لاجتماع تلک الآلام التی فاتتہ حین لم یجاھد

یعنی عارف باللہ کے اس قول "العارفون لا یموتون" کی تاویل یہ ہے کہ جو عارف اپنے نفس کی مخالفت کر کے معنوی موت مرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے

آگے اس کا بالکل اختیار اور ارادہ نہیں رہتا تو ایسے عارف باللہ کی جب روح نکلتی ہے تو اسے دکھ درد کچھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ اس نے تو اپنے نفس کو پہلے سے ہی مجاہدہ کی تلوار کے ساتھ مار رکھا ہے لیکن جو شخص اپنی خواہشات نفسانیہ کے موافق چلتا ہے تو وہ جب مرنے لگتا ہے تو اس نے چونکہ زندگی میں محنت مشقت اور مجاہدہ نہیں کیا اب موت کے وقت وہ تمام دکھ درد جمع ہو جاتے ہیں جنہیں سہہ نہیں سکتا تو بڑی مشکل سے مر مر کے گویا اس کی روح نکلتی ہے۔

حیاۃ شہداء اور قرآن حکیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں (پارہ نمبر ۴ رکوع ۸ میں فرمایا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ یعنی اے مخاطب! اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ ان کو مردہ خیال نہ کرنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں اور جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس پر خوش ہیں۔

شہداء کے بارے منافقین کا غلط نظریہ

مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے لیے منافق لوگ ایک شبہ پیش کرتے تھے اور وہ یہ شبہ تھا کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی نسبت جو کہ جنگ میں شہید ہو گئے یہ کہا کرتے تھے کہ آہا وہ بیچارے مارے گئے دنیا کی عیش و عشرت سے محروم ہو گئے اور ان کی کئی امنگیں اور مرادیں دل ہی دل میں رہ گئیں ہیں، بال بچے بیوی وغیرہ سے جدا ہو گئے دوستوں یاروں کا ساتھ چھوٹ گیا انہوں نے ہمارا کہا نہ مانا۔ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو مارے نہ جاتے۔

چونکہ حیات دنیوی ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی امر ہے پھر جب

اس کو اس شبہ سے تقویت ہو گئی تو اس غلط نظریہ کا جواب خود اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں صراحتاً ارشاد فرمایا تاکہ معترض کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے۔

بل احیاءٌ : تو مقتول فی سبیل اللہ کی زندگی قرآن پاک اور حدیث نبوی میں مقطع ہے۔ جو شخص قرآن کریم کو خدا کا کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا رسول برحق جانتا ہے وہ اس میں تردد نہیں کر سکتا۔

ہاں اس کی کیفیت کے سمجھنے میں دو مسلک ہو سکتے ہیں ایک تفویض کا دوسرا تاویل کا۔ تفویض یہ کہ جو کچھ خدا اور اس کے رسول برحق نے فرمایا ہے اس پر صدق دل سے ایمان رکھیں اور اس کے خلاف لب کشائی نہ کریں اور اس کی حقیقت اور کیفیت و نوعیت کا علم سپرد خدا کریں، اور تاویل یہ کہ اس سے مجازی معنی مراد لیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے ان کو مردہ کہنے سے منع جو کیا تو صرف اعزاز و اکرام کے لیے کیا اور تاکہ دوسرے لوگوں اور ان کے پس ماندگان پر برا اثر نہ پڑے اور نہایت خوشی اور شوق سے جہاد کا سلسلہ قائم رہے۔

اور یہ مسلک تاویل اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں بلکہ یہ مسلک تاویل اسلام میں ایک بدعی **فرقہ معتزلہ** کا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحق حقانی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر حقانی میں پارہ نمبر ۴ ص ۱۰۸ میں کہا:

فوائد (۱) ان شہیدوں کے زندہ ہونے سے ابوالقاسم وغیرہ معتزلہ نے یہ مراد لی ہے کہ وہ قیامت کو زندہ کیے جائیں گے کیونکہ منافق بعث و حشر کے قائل نہ تھے سو وہ اس موت کو راہگان سمجھتے تھے اس لیے خدا نے ان کے قول کو رد کر دیا

لیکن اس جگہ تاویل جائز نہیں، سب سے پہلے اس وجہ سے کہ علم معانی کی رو سے بل احیاءٌ قصر قلب ہے جس میں متکلم پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی مراد کی تصریح کرے۔ اگر ناموری اور نیک نامی کا دوام مراد ہوتا تو اس کی تصریح ضروری تھی لیکن خدا تعالیٰ نے اسے ترک کر کے صرف احیاءٌ فرمایا جو اموات کی ضد ہے پس معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک لفظ احیاءٌ حقیقی معنی میں ہے نہ کہ مجازی

معنی میں، دوسری وجہ یہ ہے کہ ائمہ فن نے تاویل کے محل اور قواعد پوری وضاحت سے بیان کر دیئے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہے۔ جن کا خلاصہ ان تین امروں میں آجاتا ہے (۱) اول حقیقت محال بالذات ہو (۲) قرینہ صارفہ موجود ہو (۳) تیسرے سلسلہ کلام اس کی شہادت دیتا ہو جس سے متکلم کا منشاء معلوم ہو سکتا ہو لیکن اگر حقیقت مجہول الکیف ہو اور اس کا علم انسانی شعور اور عقل و ادراک سے بالاتر ہو تو اس جگہ بالاتفاق تاویل جائز نہیں کیونکہ محال اور مجہول الکیف میں فرق ہے۔

اس کی مختصر تفصیل یوں ہے کہ ہم کسی ایسی شئے کو جو عقل اور مشاہدے کے خلاف ہو تو اس کو دلائل اور براہین سے محال تو قرار دے سکتے ہیں لیکن اگر کوئی ایسی شے ہو کہ ہم اس کی حقیقت و کیفیت سمجھ ہی نہیں سکتے تو یہ دونوں باتیں ایک نہیں ہیں پہلی بات یعنی کسی شئے کو دلائل و براہین سے محال قرار دینا مقتضائے علم سے ہے لیکن دوسری بات یعنی حقیقت و کیفیت کو نہ سمجھنا عدم علم کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ عدم علم کی وجہ سے کسی شئی پر انکار کا حکم نہیں لگا سکتے خدائے تعالیٰ قرآن مجید کے منکروں کے حال میں فرماتا ہے بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ یعنی انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلا دیا کہ انہوں نے اس کے علم کا احاطہ نہیں کیا۔ (سورہ یونس)

اسی طرح قیامت کے دن خدائے تعالیٰ ان سے زجراً سوال کرے گا اَکَذَّبْتُمْ بِاٰیَاتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِھَا عِلْمًا (سورہ نمل پارہ ۲۰ رکوع ۷/۳) یعنی کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا حالانکہ تم نے ان کے علم کا احاطہ نہیں کیا تھا۔

پس جب خدائے تعالیٰ نے ولکن لا تشعرون سے فرما دیا کہ تم اس نوع حیات کو نہیں سمجھ سکتے تو شہداء کی زندگی مجہول الکیف ہوئی نہ کہ ممتنع بالذات، اور کارخانہ قدرت میں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں کہ ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے لیکن ان کی حقیقت و کیفیت ہمارے علم سے بالاتر ہے۔

مثلاً روح کہ اس کی وجود و بقاء اور بدن سے اس کے تعلق کی کیفیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کی حقیقت اور بدن سے اس کے تعلق کی کیفیت راز

قدرت ہے جو علم انسانی سے بالاتر ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے اے ہمارے حبیب پاک ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۱۰) یعنی لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں آپ فرمائیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم لوگوں کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ پس تم اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔

تیسری وجہ اس جگہ تاویل نہ ہو سکنے کی یہ ہے کہ عالم برزخ کی روحانی زندگی اور دنیا میں نیک نامی اور ذکر خیر کے دوام میں مقتولین فی سبیل اللہ کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام جو ان سے بلند مرتبہ پر ہیں بلکہ ائمہ عظام اور صالحین کرام بھی شریک ہیں لیکن باوجود اس کے ان کے ذکر میں قرآن وحدیث میں موت کا لفظ متعدد مقامات پر صریحاً وارد ہے اور ان کے حق میں اموات کہنے کی ممانعت مذکور نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ کی برزخی زندگی ایک دیگر نوع کی ہے جو انہیں سے مخصوص ہے اور اس کی وجہ سے ان کو "اموات" کہنا منع ہے۔

چوتھی وجہ تاویل جائز نہ ہونے کی یہ ہے کہ موت جس کی حقیقت روح اور جسم کی مفارقت ہے اس سے جسمانی متعلقات یک قلم چھوٹ جاتے ہیں لیکن شہداء فی سبیل اللہ کی حالت اس میں دگرگوں ہے جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ الآیہ (آل عمران پارہ رکوع ۸/۱۳) بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک رزق دیئے جاتے ہیں۔ اور ان نعمتوں کی وجہ سے جو خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں خوش ہوتے ہیں۔ نیز صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ آل عمران کی اس مذکورہ بالا آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کے متعلق سوال کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح من الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل یعنی ان کی روحیں سبز جانوروں کے پیٹوں

میں رہتی ہیں جو ان قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے ہیں جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتے رہتے ہیں پھر ان قنادیل میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶)

یہ وہ امتیازی انعام ہے جو صرف مقتولین فی سبیل اللہ سے مخصوص ہے۔ دیگر کسی کے حق میں وارد نہیں ہوا پس جس معنی میں دوسرے صالحین کو میت کہا جاتا ہے کہ وہ تمتعات جسمانیہ چھوڑ چکے ہیں جب وہ معنی شہداء میں نہ پائے گئے بلکہ جو کھانا پینا ان کو اس دارِ دنیا میں جسم اور روح کے تعلق کے وقت حاصل تھا وہ ان کو عالم برزخ میں بھی اعلیٰ حیثیت میں میسر ہے اور وہ ان سے خوش و خرم ہو کر حسب مرضی متمتع ہوتے رہتے ہیں تو ان کو مردہ کہنے سے منع کر دیا اور اس کی تاویل "دوام ذکر خیر" سے کرنی جائز نہ ہوئی۔

دفع وہم تناسخ: شاید کسی کو خیال گزرے کہ جب شہداء کے ارواح دوسرے جانوروں کے بدنوں میں چلے گئے تو اس میں اور ہندوؤں کے تناسخ میں کیا فرق رہا تو اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ

تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح اس دار العمل میں ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں جا داخل ہو اور اس میں زندگی کے آثار و تصرفات پیدا کرے اور پھر اس بدن کو چھوڑ کر تیسرے میں جائے وہلم جرا۔ لیکن شہداء کے ارواح جو حواصل طیور میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتے ہیں تو اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ وہ بہشتی طیور بارواح خود آگے ہی زندہ ہیں اور شہداء کے ارواح کا سریان ان کے ابدان میں بمعنی زندگی بخشنے کے نہیں بلکہ ان کے حواصل (پوٹیں) ان کے لیے ظروف ہیں جس طرح کہ قنادیل عرش ان کے لیے ظروف ہیں اور وہ قیامت کے دن انہی بدنوں سے کھڑے کیے جائیں گے جن کو وہ دنیا میں چھوڑ کر رخصت ہوئے تھے چنانچہ یہ بات خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ طیبہ میں بالتصریح موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حتی یرجعہ اللہ الی جسدہ یوم یبعثہ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶) یعنی وہ شہید انہی حالات میں رہے گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس کے (اصلی) بدن میں

واپس لا کھڑا کرے گا۔ یہی جواب امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ سے تناسخ کے جواب میں نقل کیا ہے۔

نوٹ: نیلوی کہتا ہے کہ علمائے کرام کا اس مقام پر تناسخ کا وہم پیدا کر کے اس کا جواب دینا صریح دلیل ہے اس امر کی کہ ان کا یہ مسلک ہرگز نہیں ہے کہ یہ روح واپس اسی بدن عنصری میں آجاتی ہے خوب سمجھ لیجیے!

(۱) مولوی عبدالحق حقانی رح

مولوی عبدالحق حقانی رح نے فرقہ معتزلہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"اہل سنت کے نزدیک یہ قول غلط ہے، کس لیے کہ خدا تعالیٰ ان کو احیاء... (یعنی بالفعل زندہ ہیں) فرما رہے ہیں۔

(۲) فرقہ معتزلہ کی ایک اور توجیہ

معتزلہ کبھی بالذین لم یلحقوا بھم سے یہ مراد لیتے کہ شہید تو جنت میں پہلے جاویں گے مگر جو لوگ ہنوز جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے ان کی طرف سے انہیں فکر ہوگی سو اس لیے ان کو بشارت دی جائے گی کہ وہ بھی تمہارے پاس آتے ہیں۔

اس توجیہ کی تردید

یہ توجیہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ وہ احادیث جو شہیدوں کے بالفعل زندہ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں، صحاح و دیگر کتبِ حدیث ان سے مالا مال ہیں۔

(۳) فرقہ معتزلہ کی ایک اور توجیہ

بعض محققاء نے اس سے مجازی معنی مراد لیے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے کیونکہ قوم اور ملت پر قربان ہوئے ہیں۔

اس توجیہ کی تردید

مگر یہ بھی لغو۔ کیونکہ سیاق اور سباق کلام اور احادیث اور اجماعِ امت

کے برخلاف اور تاویل باطل ہے۔ پھر جو ان کو بالفعل زندہ مانتے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسی جسم میں حیات دی جاتی ہے۔ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ شہیدوں کی روحانیت اور یقار باللہ کا اثر بعض اوقات ان کے اجسام تک بھی پہنچتا ہے اس لیے سیکڑوں برسوں کے بعد جو کبھی شہیدوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں تو ان کا جسم بھی تر و تازہ پایا گیا ہے۔

چنانچہ امام مالکؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ اُحد پہاڑ کے نیچے جو برساتی نالہ بہتا ہے۔ ایک بار جو اس نے زور دیا تو جنگ اُحد کے بعض بعض شہیدوں کی لاشیں نکلی جس سے بدستور خون جاری تھا اور یہ معاملہ بنی امیہ کے عہد سلطنت میں ہوا ہے۔ اور یہی سر ہے کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی لاشوں میں بھی وہ اثر ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو پھول کا اثر مٹی میں ہو جاتا ہے روح تو بڑی چیز ہے۔

ہم اہل السنت والجماعت کا مسلکِ حق

جمہور اہل السنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ ان کو حیات روحانی نصیب ہوتی ہے یوں تو ہر شخص کافر و مومن کی روح نہیں مرتی، کس لیے کہ اصل انسان روح کا نام ہے کہ جو ایک جوہر لطیف ہے اور جس کا علاقہ جسم سے وہ ہے جو آگ کا لکڑی دہکتی سے یا خوشبو کا پھول سے یا علاقہ تدبیر و تصرف اور مرکب و راکب کا ہے۔

جس کو موت کہتے ہیں اس سے وہ علاقہ جسمی منقطع ہو جاتا ہے اور روح قائم و سالم دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہاں جو کافر و منافق یا گنہگار ہیں، وہاں ان کی روح اپنے اعمال کے اس رنگ سے جو دنیا میں اس پر چڑھا تھا، عذاب پاتی ہے۔ جہنم کی دہکتی آگ میں جلتی ہے اور جو ابرار اور نفوس قدسیہ ہیں وہ انوار الٰہیہ اور عالم نورانی میں مسرور ہوتے ہیں اور مشاہدۂ جمال سے لذت اٹھاتے ہیں اور ان کی روح اپنے جسم لطیف کے ساتھ جنت اور عالم قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہے عیش مناتی پھرتی ہے چنانچہ ..... وہ جو احادیث میں آیا ہے

کہ شہیدوں کی رُوح سبز پرندوں کے قالب میں آشیانۂ عرش میں رہتی ہیں اور جنت میں جہاں سے چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں) اس سے یہی مراد ہے۔ بلکہ کبھی اس عالم میں بھی صورت جسدانیہ میں سیر کر جاتی ہیں، جیسا کہ ثقات کو بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔

نوٹ: نبلوی کہتا ہے کہ وہ خود ارواح نہیں ہوتیں بلکہ ان کی امثال ہوتی ہیں۔ چونکہ جسم سے علاقہ منقطع ہو جاتا ہے اس لیے ان کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح درست ہو جاتا ہے۔

برجندی ص ۱۸۴ میں ہے حیاتھم فی حکم الآخرۃ لا فی حکم الدنیا ولذا قسمت اموالھم کذا فی الحصر یعنی شہداء کی حیات آخرت کے حکم میں ہے نہ دنیا کے حکم میں اسی لیے ان کے مال وارثوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

عین الہدایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۷۳۵ میں ہے اگر کہا جائے کہ شہید تو زندہ ہیں اور نماز مُردوں پر ہوتی ہے، **جواب** یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح مُردہ پر نماز ہے اسی طرح شہید بھی مردہ ہے حتیٰ کہ اس کی عورت غیر سے نکاح کر سکتی ہے اور اس کا ترکہ میراث ہے اور مانند اس کے احکام سب مثل مردہ کے یکساں ہیں۔

رہا ان کا زندہ ہونا تو وہ یہ دنیاوی زندگی نہیں، بلکہ آخرت کی ہے لقولہ تعالیٰ احیاء عند ربھم اور وہ زندگی جس شان سے ہو صحیح قطعی ہے۔ اور غسل و نماز دنیوی احکام ہیں۔ م۔ مفع)

سرخسیؒ و کاسانی کا فرمان

امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط ج ۲ ص ۵۰ میں اور علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے البدائع والصنائع ج ۱ ص ۳۲۵ میں فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ زندہ پر وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لا یصلی علیہ (الشہید) لان اللہ تعالیٰ

وصف الشهداء بانهم احياء فقال ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين والصلوة علی الميت لا علی الحی۔

اور ہمارے حنفیہ نے اس مذہب کے خلاف اپنا مذہب بیان کیا اور فرمایا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے پھر اس کی عقلی و نقلی دلیل بیان کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا دلیل کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ شہید کی زندگی اخروی احکام میں سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے "احیاء" کے ساتھ "عند ربھم" فرمایا ہے لیکن دنیا کے اعتبار سے وہ میت ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا مال دوسرے اموات کی طرح وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور عدت گزارنے کے بعد یعنی حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل کے بعد اور دوسری حالتوں میں چار ماہ اور دس دن گزارنے کے بعد دوسری جگہ اس شہید کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت ہے اور نماز جنازہ کا پڑھنا بھی احکام دنیا میں سے ایک حکم ہے تو اس اعتبار سے شہید میت ہے اس لیے شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

ولنا..... الشهيد حی فی احكام الآخرة كما قال تعالیٰ بل احياء عند ربهم قاما فی احكام الدنيا فهو ميت يقسم ميراثه وتتزوج امرأته بعد انقضاء العدة وفريضة الصلوة عليه من احكام الدنيا فكان فيه ميتا فيصلی عليه۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع صنائع ج ۱ ص ۳۲۴ میں فرمایا واما حكم الشهادة فی الدنيا فنقول ان الشهيد كسائر الموتی فی احكام الدنيا وانما يخالفهم فی حكمين احدهما انه لا يغسل عند عامة العلماء..... والثانی انه يكفن فی ثيابه..... قاما فی ما سوا ذالك فهو كغيره من الموتی وقال الشافعی رحمه الله تعالیٰ لا يصلی عليه كما لا يغسل..... لان الله تعالیٰ وصف الشهداء بانهم احياء فی كتابه والصلوة علی الميت لا علی الحی ولنا..... وانما وصفهم بالحيوة فی حق احكام الآخرة الا ترای الی قوله تعالیٰ بل احياء عند ربهم يرزقون قاما فی حق احكام الدنيا فالشهيد ميت يقسم ماله

وتنکح امرأته بعد انقضاء العدة ووجوب الصلوٰة علیه من احکام الدنیا فکان میتاً فیه فیصلی علیه۔

یعنی دنیا کے احکام میں شہید بھی دوسرے اموات کی طرح ایک میت ہے۔ صرف دو حکم ایسے ہیں جن میں شہید کا حکم دوسرے اموات سے خلاف ہے ایک تو یہ کہ دوسرے اموات کو نہلایا جاتا ہے۔ لیکن شہید کو اکثر علماء کے ہاں نہیں نہلایا جاتا۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ دوسرے اموات کو نہلانے کے بعد باقاعدہ کفن دیا جاتا ہے مرد کے لیے ردا، ازار قمیص اور عورت کے لیے سر بند و سینہ بند بھی لیکن شہید کو اس کے انہیں کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے خون سمیت۔ اور ان دو حکموں کے سوا باقی امور میں شہید بھی دوسرے اموات کی طرح ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہید پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے جس طرح اس کو نہلایا نہیں جاتا، کیونکہ قرآن پاک میں شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور نماز جنازہ کی اموات پر پڑھی جاتی ہے نہ احیاء پر۔

اس کا جواب ہمارے فقہاء حنفیہ اس طرح دیتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو اللہ تعالیٰ نے شہداء کو حیات کی وصف کے ساتھ متصف فرمایا ہے وہ اخروی احکام کے بارے ہے دیکھو قرآن پاک میں احیاء کے ساتھ عند ربھم مذکور ہے جو اسی جانب مشیر ہے لیکن احکام دنیا کے اعتبار سے تو شہید میت ہے اس کا مال وارثوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور عدت گزار کر اس کی بیوی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور نماز جنازہ کی فرضیت بھی احکام دنیا میں سے ایک حکم ہے اس لیے اس حکم میں شہید بھی میت ہے۔ پس اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کا بیان

اور حضرت قاسم العلوم والخیرات نے خود آب حیات ص ۱۳ میں فرمایا: لفظ عند ربھم جو کلام اللہ میں واقع ہے اس جانب مشیر ہے کہ وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیات ثانی ہے (یعنی اخروی حیات) چنانچہ ارواح

شہداء کا ان اجسام (عنصریہ) سے جدا کر کے اجواف طیر خضر میں داخل کر دینا جو ایک قسم کا تناسخ ہے بشہادت احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہے اور ص ۱۶۷ میں لکھا حیات شہداء ہو تو یوں ہو کہ اس حجاب کو رفع کر کے چاہیں تو یوں ہی رکھیں چاہیں کسی اور بدن کے ساتھ چھوڑ دیں اور بظاہر شہداء کے لیے یہی ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث مشعر ادخال اجواف طیر خضر اور لفظ عند ربھم جو آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا میں واقع ہے اس پر دال بھی ہیں۔

اور جمال قاسمی ص ۱۳ میں فرمایا حیات شہداء، اجسام یعنی اجواف طیر خضر کے اعتبار سے ہے چنانچہ حدیثوں میں مصرح اور قرآن میں لفظ عند ربھم جو احیاء کے ساتھ ہے اس طرف مشیر ہے اور جب حیات شہداء کی کیفیت یہ ہے تو ان کے ازواج و اموال اوروں کے ازواج و اموال کی طرح بمجرد مرگ ان کے ملک سے نکل جائیں گے البتہ ازواج کو نکاح ثانی میں اتنا انتظار کرنا پڑے گا جس میں اختلاط نطفۂ شوہر اول و شوہر ثانی باقی نہ رہے۔

نیز ص ۱۴ میں فرمایا: وجہ تساوی کی جو شہداء اور اموات باقیہ میں ملحوظ رہی وہی ہے کہ اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں۔ بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو تعجب نہیں کیونکہ ان کو جب نعم البدل عنایت ہو گیا تو اب اس جسم کی کیا محبت رہی ہوگی۔

حضرت شیخ مشائخنا شیخ الہند محمود الحسن رح کا بیان

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ف ولا تقولوا لمن یقتل میں فرمایا "یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

اور ولا تحسبن الذین قتلوا کے تحت حضرت شیخ الہند نے ف لکھا:

شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی

ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے۔ جس طرح ہم اعلیٰ درجے کے جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اُڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح "حواصل طیور خضر" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ ان طیور خضر کی کیفیت و کلاتی کو اللہ ہی جانے وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں آسکتی ہیں اس وقت شہداء بیحد مسرور و مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ جو وعدے شہیدوں کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی زبانی کیے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی نعمت ضائع نہیں کرتا بلکہ خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاصی خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پُر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے ان کو نہ اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم الخ

نیلوی کہتا ہے کہ یہ ان کا سوچنا اسی تعلق کی بنا پر ہے جو ان شہداء کا اہل دنیا کے ساتھ تھا "قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ" کی طرح۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا بیان

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے:

فوائد: شہید اگرچہ ظاہراً مر گیا۔ لیکن اس کی موت عام لوگوں کی موت نہیں۔ مرنے کے بعد انسان کی ترقی رُک جاتی ہے اس لیے کہ روح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے جب روح کا تعلق بدن سے ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہو گئی۔ مگر شہید کی ترقی برابر

جاری رہتی ہے جس عمل میں اس نے جان دے دی اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا اب بھی وہ عمل کر رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے (بخاری و مسلم)

احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دی جاتی ہیں اور جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا۔ حق تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلے ایک دوسرا عنصری بدن اس کی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے بمنزلہ ایک طیارہ کے ہے کہ جس کے ذریعے سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے۔ اور یہ روح اس نئے جسم میں مدبر اور متصرف نہیں تاکہ تناسخ کا شبہ ہو۔ اس لیے کہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کہ دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کے نشو و نما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں مدبر و متصرف ہو۔ اور ارواح شہداء میں یہ بات نہیں اس لیے کہ جس جسم طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہوا ہے اس جسم طیوری کی روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور جسم طیوری کے نشو و نما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں اس کا تعلق پرندہ کی اصلی روح سے نہیں پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے۔ اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور اس میں سوار ہے اور وہ سبز پرندہ مع اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کے لیے سواری ہے خوب سمجھ لو۔

الحاصل ابرار کا اس عالم سرور میں جانا اصل زندگی ہے اسی لیے ان کو بالتخصیص زندہ کہہ سکتے ہیں خصوصاً شہید فی سبیل اللہ کو جو اپنی حیات کو اللہ کی نذر کر دیتا ہے اس لیے اس کو حیات ابدی اس کے بدلے نصیب ہوتی ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

علامہ محدث سندھیؒ شارح صحیح مسلم کا بیان

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کے بارے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اوپر سوال کیوں ہوا؟ اس کی وجہ علامہ سندھی نے حاشیہ صحیح مسلم میں لکھی ہے ولعل سبب السؤال ان بقاء الروح مشترک بین تمام الاموات وبقاء الجسد غیر موجود فی احد فما بال تخصیص الشہداء بکونہم احیاء یعنی منشاء سوال کا یہ ہے کہ روح تو جیسے شہداء کی باقی رہتی ہے ایسے ہی دوسرے اموات کی بھی باقی رہتی ہے اور رہا جسم سو وہ نہ شہیدوں کا باقی رہتا ہے نہ دوسرے اموات کا، پھر شہیدوں کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے کہ وہ زندہ ہیں تو اس کا جواب دیا۔ حاصل الدفع ان ارواحہم فی اجساد یتلذذون نعیم الجنۃ بخلاف سائر الاموات فحصل الفرق بین الشہداء وغیرہم وبہ خصت الشہداء بانہم احیاء یعنی ان شہیدوں کے ارواح تو دوسرے اجساد میں رہ کر جنت کی نعمتوں کا مزہ لیتے ہیں، دوسرے اموات کا یہ حال نہیں ہے یہی فرق ہے شہداء اور دوسرے اموات کا اسی وجہ سے شہیدوں کی تخصیص کی گئی کہ وہ زندہ ہیں۔

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا بیان

تحقیق حیاۃ شہداء

حیاتِ شہداء کے بارے میں قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں ایک تو یہی زیر تفسیر آیت اور دوسری آیت سورہ بقرہ رکوع ۱۹ میں گزر چکی ہے یہاں فرمایا کہ شہداء کو مردے مت سمجھو اور وہاں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو۔ حالانکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شہداء قتل کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے ابدانِ عنصریہ سے پرواز کر جاتی ہیں اور ان کے ابدان سے اس طرح جدا ہو جاتی ہیں کہ ان سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ علامہ بیضاوی کا قول آگے آرہا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کرام

کی دنیوی زندگی تو اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے اور روح کے بدن سے نکل جانے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ شہادت کے بعد جو ان کو زندگی اور حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیوی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مختلف ہوتی ہے، جب وہ دنیا میں زندہ تھے تو ان کی زندگی بھی دنیوی تھی یعنی روح اور بدن دونوں کے ملاپ سے وہ زندہ تھے لیکن موت سے دنیوی زندگی ختم ہو گئی اور برزخ کا زمانہ شروع ہو گیا اس لیے اب اس زندگی کو برزخی زندگی کہا جائے گا اور یہ زندگی بلا مشارکت بدن عنصری صرف روح کے لیے ہو گی۔ یہ معاملہ چونکہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ برزخ عالم غیب کی چیز ہے اس لیے اس برزخی حیات کی کیفیت کے بارے میں عقل و فکر رائے اور قیاس سے کچھ کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس معاملہ میں نصوص کتاب و سنت سے جو کچھ ثابت ہوا اس سے تجاوز کرنا جائز ہے۔ علامہ سید محمود آلوسیؒ سورہ بقرہ میں ولکن لا تشعرون کے تحت فرماتے ہیں ای لا تحسون ولا تدرکون ما حالھم.... بالمشاعر لانھا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیھا ولا طریق للعلم بھا الا بالوحی (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

حیاتِ شہداء کی کیفیت کی طرف قرآن مجید میں تو چند اجمالی اشارات ہی ہیں تفصیل نہیں ہے۔ مثلاً: قرآن مجید میں اس طرف اشارہ ہے کہ قتل کے بعد شہداء کو جو حیات ملتی ہے وہ دنیوی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عالم غیب کی ایک حالت ہے احیاء عند ربھم میں عند ربھم سے اسی طرف اشارہ ہے وہ اپنے مہربان رب کے پاس اور عالم غیب میں زندہ ہیں۔ علامہ خازنؒ لکھتے ہیں انھم احیاء عند اللہ تعالیٰ فی عالم الغیب لانھم صاروا الی الآخرۃ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۰۹)

قرآن مجید میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ شہداء عالم برزخ میں کھاتے پیتے بھی ہیں۔ حیاتِ شہداء کی تفصیلی کیفیت سب سے عمدہ اور صحیح ترین وہی ہے جو خود صاحب وحی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے حضرت رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ کس طرح زندہ ہیں؟ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ وہ قتل ہو چکے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا وہ اس طرح زندہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم عطا فرما کر ان کو جنت میں آزاد چھوڑ دیا ہے وہ جنت میں جہاں چاہیں آتے جاتے اور سیر کرتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں وقال آخرون ارواحھم فی اجواف طیر خضر وانھم یرزقون فی الجنۃ ویاکلون ویتنعمون وھذا ھو الصحیح من الاقوال لان ماصح بہ النقل فھو الواقع (قرطبی ج ۴ ص ۲۷)

اور علامہ ابو السعود حنفی امام واحدی سے ناقل ہیں الاصح فی حیاۃ الشھداء ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ان ارواحھم فی اجواف طیور خضر وانھم یرزقون ویاکلون ویتنعمون (ابو السعود ج ۴ ص ۱۳۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا الآیۃ کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح من الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ - جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۱ ابن ماجہ ص ۲۰۱ - تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۱۰۶ و ۱۰۷)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ارواح الشھداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنۃ او شجر الجنۃ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۷ - وابن ماجہ ص ۲۰۴ و ۳۱۶ ونسائی ج ۱ ص ۲۹۲ - موطا امام مالک ص ۸۴ - مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۶)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لما اصیب اخوانکم باحد جعل اللہ ارواحھم فی اجواف طیر خضر ترد انھار الجنۃ وتاکل من ثمارھا وتاوی الی قنادیل من ذھب فی ظل العرش الحدیث (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۸۸ و ص ۲۹۷ تفسیر ابن جریر ج ۴ ص ۱۰۶ و مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶ و ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۸

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ملاحظہ ہو در منثور ج ۲ ص ۹۶)

ان حدیثوں کے الفاظ میں اگرچہ خفیف سا اختلاف ہے لیکن ماحصل سب کا وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ان حدیثوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت وضاحت سے شہداء کی برزخی زندگی کی حقیقت بیان فرمادی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے بھی یہی منقول ہے اور اسی کو محققین، مفسرین نے راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، کعب احبار، عکرمہ، سدی کبیر، ابوالعالیہ، قتادہ، ربیع وغیرہم کے اقوال کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۳ و ج ۴ ص ۱۰۶ و ۱۰۷ و تفسیر در منثور ج ۱ ص ۱۵۵ و ج ۲ ص ۹۶)

حاصل کلام یہ کہ عالم برزخ میں شہداء کی حیات کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ارواح کو پرندوں کی شکلیں عطا ہوتی ہیں جن میں داخل ہو کر وہ جنت میں گھومتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہیں اور رات کو عرش کے نیچے قنادیل میں بسیرا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ طیوری اجسام مثالی ہیں نہ کہ عنصری۔ کیونکہ شہداء کے عنصری ابدان تو قبروں میں مدفون ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں حیات محض روحانی اور برزخی ہے، جسمانی نہیں۔ ان کے ابدان قبروں میں ہیں لیکن ان کی ارواح طیوری قالبوں میں نعیم جنت سے متمتع ہو رہی ہیں، علامہ بیضاوی سورہ بقرہ میں فرماتے ہیں ولکن لا تشعرون ما حالھم وھو تنبیہ علی ان حیاتھم لیست بالجسد ولا من جنس ما یحس بہ من الحیوانات وانما ھی امر لا یدرک

یا تعقل بل بالوحی (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۰۱) لیکن تم نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں اور یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ ان شہداء کی حیات جسمانی نہیں اور نہ زندوں کی مانند ظاہری حواس سے محسوس قسم کی زندگی ہے اور نہ اس کا ادراک عقل سے ہو سکتا ہے۔

اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں "حیاتِ شہداء بمعنی تعلق ارواح بابدان است برائے استیفاء لذاتے کہ موقوف بر آلاتِ بدنی است نہ تعلق ارواح بابدانِ سابقہ و نہ بقائے روح بادراک و شعور الی آخرہ (عزیزی ص ۶۸۵) یعنی حیاتِ شہداء کا مطلب یہ ہے کہ وہ لذات حاصل کرنے کے لیے جن کا حصول آلات پر موقوف ہے، ارواح ابدانِ مثالیہ سے متعلق ہو جائیں، یہ مطلب نہیں کہ ارواح سابقہ عنصری ابدان سے متعلق ہو جائیں اور نہ یہ کہ روح کا ادراک و شعور باقی رہے۔

کیفیت حیات شہداء کرام

نیلوی کہتا ہے ہماری تقریر بالا سے یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں کے سب فرقے حیاتِ شہداء پر متفق ہیں، اختلاف ہے تو اس بات میں ہے کہ معتزلی لوگ شہداء کی حیات مجازی مانتے ہیں جیسے تفصیل گذر چکی۔ اور ہم اہل السنۃ والجماعۃ شہیدوں کو حقیقی معنوں میں زندہ مانتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اس زندگی حقیقی کی کیفیت کیا ہے؟ دنیوی یا برزخی؟ اس جسدِ عنصری کے ساتھ یا کسی اور جسد کے ساتھ؟ گو اس سے پہلے بھی ہم نے اکابر کی عبارت کا ذکر کیا ہے تاہم اور مستند علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

فتح الملہم ج ۲ ص ۴۶۹ میں ہے واذا فسدت ھٰذہ الاعضاء بسبب استیلاء الاخلاط العلیظۃ علیھا وخرجت من قبول تلک الآثار فارق

الروح البدن وانفصل الی عالم الارواح، قال وھذا ھو الصواب فی المسئلۃ وھو الذی لا یصح غیرہ ؛ وکل الاقوال سواہ باطلۃ ؛ وعلیہ دل الکتب والسنۃ واجماع الصحابۃ وادلۃ العقل والفکر وذکر لہ مائۃ دلیل۔

یعنی جب اعضاء پر غلیظ اخلاط ۔۔۔ کے غلبہ کی وجہ سے ان اعضاء میں فساد آجاتا ہے اور ان کے آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں رہتی تو اس وقت بدن سے رُوح جدا ہو جاتی ہے اور جدا ہوتے ہی عالم ارواح کو پہنچ جاتی ہے فرمایا یہی بات عین صواب صحیح اور ٹھیک ہے اس مسئلہ میں اور یہی وہ بات ہے جس کا غیر صحیح نہیں ہے اور اس کے سوا تمام اقوال باطل ہیں اور قرآن مجید اور فرمان نبیؐ اور اجماع صحابہؓ اور عقل و فکر کے دلائل سب اسی بات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں پھر اس کے سو دلائل لکھے :

مولٰنا عبد الحق حقانیؒ

اور ولا تحسبن الذین قتلوا کی تفسیر میں مولٰنا عبد الحق صاحب حقانی لکھتے ہیں

خدا تعالےٰ شہیدوں کے درجات بیان فرماتا ہے کہ اے مخاطب! تو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور زندگی کچھ فرضی نہیں جیسا کہ نیک نام کو مجازاً زندہ کہہ دیا کرتے ہیں اس معنیٰ سے کہ لوگوں میں اس کا نام زندہ ہے بلکہ ان کو حیات جاودانی اور حقیقی زندگی ہے وہ بین رزقون روزی دیئے جاتے ہیں اور وہ روزی مشاہدۂ انوار اور خدا کی تجلی اور حیات کی بے شمار نعمتیں ہیں اور ان کو وہاں ہر وقت خدا کی بے شمار نعمتوں سے فرحت و سرور بھی ہے الخ آگے فوائد لکھتے ہیں ۔

پیر طریقت مولٰنا حسین علیؒ

اور تحقیق بل احیاءٌ کی مختصر یہ ہے کہ احیاء سے مراد یہ بالکل نہیں کہ اس

جسم کے ساتھ زندہ ہیں، باقی رُوح خود زندہ ہوتے ہیں مع النفس یا بدون النفس اور نفس اور روح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے: باقی خاص ان کو اس معنیٰ کے ساتھ زندہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ یہ زیادہ عیش وخوشی میں ہوتے ہیں (بلغۃ الحیران، ص ۲۸ من امالی مولینا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

الانبیاء بمقام ارواح الانبیاءؑ

فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۱ و ۲۵۲ میں حدیث[1] ہے قلت طوّ فتمانی اللیلۃ فاخبرانی عمار ایتُ قالا نعم اما الذی رایتہ یشق شدقہ فکذاب یحدث بالکذبۃ فتحمل عنہ حتی تبلغ الآفاق فیصنع بہ ما رایت الی یوم القیامۃ والذی رایتہ یشدخ راسہ فرجل علمہ اللہ القرآن فنام عنہ باللیل ولم یعمل فیہ بالنہار یفعل بہ الی یوم القیامۃ والذی رایتہ فی الثقب فہم الزناۃ والذی رایتہ فی النہر آکل الربوا والشیخ فی اصل الشجرۃ ابراہیم علیہ السلام والصبیان حولہ اولاد الناس والذی یوقد النار مالک خازن النار والدار الاولی التی دخلت دار عامۃ المومنین واما ہذہ الدار فدار الشہداء وانا جبریل وہذا میکائیل فارفع راسک فرفعت راسی فاذا فوقی مثل السحاب، قالا ذاک منزلک قلت دعانی ادخل منزلی قالا انہ بقی لک عمر لم تستکملہ فلو استکملت اتیت منزلک (بخاری ص ۱۸۵) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا تم دونوں ساری رات مجھے گھماتے

---

[1] مشکوٰۃ ۳۹۶ بخاری ۱۸۵

پھرتے رہے ہو اب اتنا تو مجھے بتاؤ کہ جو کچھ میں نے یہ دیکھا یہ سب ہے کیا؟ دونوں فرشتے لگے بہت اچھا سنو! سو وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا تھا کہ اس کے گال پھاڑے جا رہے ہیں وہ کذاب تھا جھوٹی باتیں بیان کرتا تھا اور ان باتوں کو لوگ لے اڑتے تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا چرچا ہوتا تھا تو اس کے ساتھ آپ نے جو ہوتے دیکھا ہے وہ قیامت تک ہوتا رہے گا، اور جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا یہ وہ شخص تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا تھا لیکن وہ راتوں کو قرآن سے غافل بن کر سوتا رہا اور دن کو اس کے مطابق اس پر عمل نہ کیا یہ عمل قیامت تک اس کے ساتھ ہوتا رہے گا اور جن کو آپ نے سوراخ میں دیکھا تھا وہ زناکار تھے اور جس کو آپ نے دریا میں دیکھا وہ سود خوار تھا اور وہ شیخ جو درخت کی جڑ کے پاس تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور بچے جو ان کے ارد گرد تھے وہ انسانوں کی اولاد تھے اور جو آگ بھڑکا رہے تھے وہ مالک داروغۂ جہنم تھے اور وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ عام مومنین کا گھر تھا اور یہ گھر شہداء کے گھر ہیں اور میں جبرائیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر مبارک اوپر کو تو اٹھائیے میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اوپر ایک بادل سا دیکھا ان دونوں نے کہا کہ یہ آپ کا مقام ہے میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا ہے اگر اس کو آپ پورا کر لیں تو اپنے اسی گھر میں آ جائیں گے (بخاری ج ۱ ص ۱۸۵)

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم الرفیق الاعلیٰ.... اخبرنی سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر فی رجال من اھل العلم ان عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو صحیح لن یقبض نبی قط حتی یری مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر فلما نزل بہ ورأسہ علی فخذی غشی علیہ ساعۃ ثم افاق فاشخص بصرہ الی السقف ثم قال اللھم الرفیق الاعلیٰ قلت اذا لا یختارنا وعلمت انہ الحدیث الذی کان یحدثنا وھو صحیح قالت فکانت تلک اٰخر کلمۃ تکلم بھا.....

اللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔

بہت سے اہلِ علم میں بیٹھ کر حضرت سعیدؒ بن مسیب اور عروہؒ بن الزبیرؓ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تندرستی کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کو کبھی وفات نہیں دی جاتی جب تک کہ اسے جنت میں اس کا مقام نہیں دکھایا جاتا۔ پھر مقام دکھانے کے بعد اسے انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر چاہے دنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ تعالےٰ کی ملاقات کو ترجیح دے) پس آپ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں کہ جب آپؐ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا آپؐ کو تھوڑی دیر کے لیے غش آگیا پھر آپؐ ہوش میں آئے اور نگاہیں اوپر چھت کی طرف گاڑ دیں اور فرمایا اللھم الرفیق الاعلیٰ پس میں نے سمجھا کہ اب آپ اس کہنے کے بعد ہم دنیا والوں کی رفاقت کو اختیار نہ کریں گے میں نے جان لیا کہ جو بات آپ فرمایا کرتے تھے اپنی صحت کے زمانہ میں وہ اس کا وقت آگیا۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ مبارک جس کے بعد آپؐ نے کوئی بات نہیں کی وہ یہی کلمہ تھا: اللھم الرفیق الاعلیٰ (بخاری ص ۶۴۸)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا نظریہ!

فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱: واما بعد وفاته صلی الله علیه وسلم فروحه المقدسة قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ولا یتوهم من هذا انکار حیوته صلی الله علیه وسلم فی قبره الشریف فان لروحه علیه السلام اشراقاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً به ویدنصلی الله علیه وسلم فی ضریحه غیر مفقود واذا سلم علیه المسلم رد الله علیه روحه صلی الله علیه وسلم حتی یرد علیه السلام کما ورد فی الحدیث و لم یفارق الملأ الاعلیٰ۔

حضرت سیف الدین ابو معینؒ کا نظریہ

بحر الکلام ص ۸۷ و روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲ و مظہری ج ص ۲۲۵ فتاویٰ عبدالحی

ج ۲ ص ۱۱ بحوالہ خزانۃ الروایات ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا و تصیر صورھا مثل المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقۃ تحت العرش انبیاء کا روح بدن سے نکل کر صورت میں کافور کا سا اور خوشبو میں کستوری کا سا ہوتا ہے پھر جنت میں جاکر کھاتا ہے اور رات کو عرش کی قنادیل میں آرام کرتا ہے۔

حضرت سید محمود آلوسی رح کا نظریہ

روح المعانی ج ۵ ص ۱۶۱ اما مستقر ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات فی اعلیٰ علیین وصح ان اٰخر کلمۃ تکلم بھا صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ وھو یؤیدہ رای الجماعۃ[1] مع الانبیاء الذین یسکنون اعلیٰ علیین

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نظریہ

لمعات برہامش مشکوٰۃ ص ۸۶ لیس المراد بعود الروح عودھا بعد المفارقۃ عن البدن، وانما المراد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ مشغول حول الملکوت مستغرق فی مشاھدۃ رب العزۃ عزوجل کما کان فی الدنیا فی حالۃ الوحی وفی الاحوال الاُخر فعبر عن افاقتہ عن تلک المشاھدات وذالک الاستغراق بردّ الرُّوح

حضرت سید محمد انور شاہ رح کا نظریہ

فیض الباری ج ۲ ص ۶۵ لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجہ من ذالک الجانب الی ھذا الجانب کیونکہ ایک ہی روح بیک وقت دونوں طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام بیہقی کا نظریہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب ما دفن ردّ اللہ علیہ روحہ لاجل

---

[1] جماعۃ الانبیاء الذین یسکنون اعلیٰ علیین۔ النہایہ جزری ج ۲ ص ۲۲۴۔

سلام من سلم علیہ واستمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم (تسکین الصدور طبع اول ص ۱۶۲)

لیکن حضرت بیہقی کا یہ نظریہ اگر اس حدیث پر مبنی ہے جو درج ذیل ہے تو صریح مردود ہے۔ امام ابن جوزی نے الموضوعات میں لکھا ہے۔

باب رد الارواح الانبیاء الیہم فی قبورہم انبأنا محمد بن عبد الملک قال انبانا الجوہری عن الدارقطنی عن ابی حاتم بن حبان انبأنا الحسن بن سفیان حدثنا ہشام بن خالد الازرق ثنا الحسن بن یحییٰ الحستی ابو عبد الملک عن سعید بن عبد العزیز عن یزید بن ابی مالک عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن نبی یموت فیقیم فی قبرہ الا اربعین صباحًا حتی یرد الیہ روحہ: قال ابو حاتم ھذا حدیث باطل موضوع، والحسن بن یحییٰ یروی عن الثقاۃ مالا اصل لہ وقال یحییٰ الحسن لیس بشیئ وقال دارقطنی متروک (موضوعات ابن جوزی ج ۲ ص ۲۳۹)

یعنی یہ حدیث کہ وفات کے بعد کوئی نبی چالیس دن بھی قبر میں اقامت پذیر نہیں رہتا حتیٰ کہ اسکی روح اس کی طرف واپس کر دی جاتی ہے، باطل من گھڑت ہے حسن بن یحییٰ بے اصل و بے سند باتیں ثقہ راویوں سے بیان کرنے کا عادی ہے۔ یحییٰ نے کہا یہ ہیچ ہے۔ دارقطنی نے کہا متروک ہے۔

بانیٔ دار العلوم دیوبند کا نظریہ

جمالِ قاسمی ص ۱۵ ارواح انبیاء علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا۔ فقط مثل نورِ چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔

آبِ حیات ص ۲۶ سلامت احیاءِ انبیاء علی الاتصال استمرارِ حیات پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر لمحہ دو لمحہ، بلکہ پہر دو پہر کے لیے روح کو بدن سے کچھ تعلق نہ رہے اور

انقطاع کلی ہو جائے اور بعد ازاں پھر بدستور روح و بدن میں وہی علاقہ سابق عود کر آئے تب بھی بدن میں کچھ فساد نمایاں نہ ہوگا۔ لیکن اس صورت میں نہ نکاح قائم رہے گا نہ ملک اموال باقی رہے گی، بلکہ یہ تعلق ثانی از قبیل حیات اخروی ہوگا (نہ دنیوی)

قیدیوں کے ازواج و اموال ان کی ملک سے خارج نہیں ہوتے۔ سکتہ والے کے ازواج و اموال بدستور اس کے ملک میں باقی رہتے ہیں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہوتے ہیں۔ اور سکتہ والے کی روح مقید ہوتی ہے مگر اس کا قید خانہ بھی جسم خاکی ہوتا ہے اس لیے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعالِ اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب و قمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے ایسی طرح بند ہو جاتا جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھ دینے کے وقت اس کے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے۔ سو یہی صورت بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کی موت کی سمجھیے۔ اتنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضاء میں سے روح کھینچ لی جاتی ہے اور تمام قوائے روحانی کو مثل قوتِ سامعہ و قوتِ باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے اگر تدبیر مناسب بن نہ پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کر دیتے ہیں۔ اور ارواحِ انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیاتِ جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرفِ مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے، جیسے فرض کیجیے چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہر حال ارواحِ انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیتِ حیات بعد بوجہ اجتماع مدت اور بھی قوت آ جاتی ہے اور مثل نورِ چراغ و ظلمتِ ظرفِ محیطِ حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

(جمال قاسمی ص ۱۲)

لیکن حضرت نانوتوی رح کا یہ نظریہ صریح خلاف ہے اس حدیث کے جو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے۔

اور فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۸ میں بھی مسند احمد کے حوالہ سے ابن حجر رح نے نقل فرمایا

فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُہٗ لَمْ اَجِدْ رِیْحًا قَطُّ اَطْیَبَ مِنْہَا یعنی آپ کی روح مبارک جسد اطہر سے خارج ہوئی تو ایسی پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی کہ اس جیسی پاکیزہ خوشبو عمر بھر میں کبھی میں نے نہیں پائی۔

فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۲ الرفیق الاعلیٰ الجنۃ، الانبیاء، الملائکۃ، اہل الجنۃ، سبحانہ وتعالیٰ کل ماسما، مع جبرائیل وغیرہ، مع الذین انعم اللہ علیہم۔

عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۶۴ قولہ الرفیق الاعلیٰ، قال الجوہری الرفیق الجنۃ وقیل الرفیق الاعلیٰ اسم جنس والمراد بہ الانبیاء۔ وقال الخطابی یعنی الملائکۃ۔ وقال الکرمانی اے ادخلنی فی جملۃ اہل الجنۃ من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین، وقیل المراد بالرفیق الاعلیٰ سبحانہ وتعالیٰ۔ وقال الداؤدی ہو اسم لکل ماسمی وقال الاعلیٰ لان الجنۃ فوق ذالک منہا حدیث رواہ احمد من روایۃ المطلب عن عائشۃ مع الرفیق الاعلیٰ مع الذین انعم اللہ علیہم الخ ومنہا حدیث رواہ النسائی وفیہ فقال اسال اللہ الرفیق الاعلیٰ مع جبرائیل ومیکائیل واسرافیل۔

رفیق اعلیٰ کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔ جنت، ملائکہ، انبیاء صدیقین، شہداء و صالحین کا مقام، باری تعالیٰ، بلندی جبرائیل ومیکائیل واسرافیل، آنحضرتؐ نے بوقت وفات فرمایا یا اللہ! مجھے مذکورہ مقاموں میں سے جگہ عطا فرما۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور ص ۴۱ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے کہا: انبیاء وشہداء را ہر چند ارواح در اعلیٰ علیین باشند (انبیاء وشہداء کے ارواح اعلیٰ علیین میں ہوتے ہیں)

کتاب الروح ص ۱۰۰ روحہ فی اعلیٰ علیین مع ارواح الانبیاء وہو الرفیق الاعلیٰ، آپ کا روح اعلیٰ علیین میں ہے دوسرے انبیاء کے ارواح کے ساتھ اور وہی ہے رفیق اعلیٰ۔

مقدمہ تفسیر حقانی ص ۱۲۸ آنحضرتؐ مہینوں پیشتر اپنی رحلت سے مطلع فرما چکے تھے اور لوگوں سے رخصت ہوتے تھے اور وقت اخیر میں یہی کلمہ ورد زبان تھا اللھم الرفیق الاعلیٰ کہ جلد مجھے بارگاہ قدس میں پہنچا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت یوسفؑ جبکہ خواب میں حضرت یعقوبؑ اور اسحاقؑ اور ابراہیمؑ اور اپنی والدہ ماجدہ کو دیکھا کہ ایک عمدہ اور دلکش مقام

میں کرسیوں پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے تو اس عالم کے شوق میں بیدار ہو کر یہی دعا مانگی توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحین الٰہی مجھے اپنی نیاز مندی میں موت دیجیے اور ابرار سے ملا دے۔

فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱ واما بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فروحہ المقدس قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جا کر رہی ہیں۔

عقاید الاسلام ص ۱۶۰ میں حقانی رح نے لکھا: "جیسا کہ انبیاء و صدیقین یا جس کو اللہ چاہے اس کو بھی جنت میں مقام ملتا ہے۔

فتح العزیز ص ۹۹ پارہ عم میں شاہ عبدالعزیز رح نے لکھا: مقام علیین بالا ہفتم آسمان است و بائیں آں متصل سدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل بہ پایہ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض در آنجا می رسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء در آں مستقر می مانند یعنی علیین ساتویں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ اور عرش معلی سے ملا ہوا ہے۔ نیک بندوں کی ارواح وہاں جا رہتی ہیں۔ انبیاء و اولیاء بھی وہیں رہتے ہیں۔

تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۲۳ قولہ یشہدہ المقربون قال البغوی الملائکۃ قلت وارواح الانبیاء والشہداء والصالحین والصدیقین ایضًا فان ھناک غیرھا وفی ص ۲۲۴ قلت وھذا الحکم غیر مختص بالشہداء قلت الانبیاء والصدیقین اعلیٰ منھم منزلۃ ---- وقال الشعبی فی بحر الکلام الارواح علیٰ اربعۃ اوجہ الخ

امام بغوی نے مقربون کے معنی ملائکہ کیے ہیں یا مراد ارواح انبیاء و شہداء و صالحین و صدیقین ہوں گے۔ یہ حکم شہداء سے مخصوص نہیں ہے جو ان سے رتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان کو تو مقام بلند یقینًا حاصل ہوگا۔ ارواح کے چار درجے ہیں (۱) ارواح انبیاء وہ نکلنے کے بعد کافور اور مشک کی شکل میں ہو کر جنت میں جا کر کھاتے پیتے ہیں اور رات کو عرش کی قنادیل میں آرام کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ ص ۱۱۷ عن عائشۃ رض قالت سمعت النبی ص یقول مامن نبی

یمرض الا خُیّر من الدنیا والآخرۃ قالت فلما کان مرضہ الذی قبض فیہ اخذتہ بحّۃ فسمعتہ یقول مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین فعلمت انہ خُیّر۔ یعنی ہر پیغمبر کو بوقت مرض الموت اختیار دیا جاتا ہے کہ کہاں رہنا چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بوقت مرض الموت اختیار دیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا یا اللہ میں وہاں رہنا چاہتا ہوں جہاں انبیاء صدیقین، شہداء، صالحین رہتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے۔ اب دنیا میں رہنے کا آخری وقت ہے۔

روح المعانی ج ۵ ص ۱۴۸) البحث السادس فی مستقر الارواح بعد مفارقۃ الابدان الذی دلت علیہ الاخبار ان مستقر الارواح بعد المفارقۃ مختلف ... فمستقر ارواح الانبیاء فی اعلیٰ علیین وصح ان آخر کلمۃ تکلم بہا صلی اللہ علیہ وسلم اللھم الرفیق الاعلیٰ وھو یؤید ما ذکر یعنی بحث ۶ مستقر ارواح میں ہے کہ بدنوں سے جدا ہو کر روحیں کہاں رہتی ہیں؟ سو ارواح انبیاء اعلیٰ علیین میں جا کر رہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ اللھم الرفیق الاعلیٰ اسی کا مؤید ہے۔

حاشیہ بخاری مصری جلد ۵ ص ۱۳۸ قولہ الرفیق الاعلیٰ ای الجماعۃ من الانبیاء الذین یسکنون اعلیٰ علیین ویحتمل ان یراد بہ حظیرۃ القدس یعنی الرفیق الاعلیٰ..... ..... جماعت انبیاء ہے جو اعلیٰ علیین میں رہتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا پڑوس ہو۔

لمعات ص ۸۶۱ ردّ اللہ علیّ روحی لیس المراد بعود الروح عودھا بعد المفارقۃ عن البدن وانما المراد انہ فی البرزخ مشغول حول الملکوت مستغرق فی مشاھدۃ رب العزۃ کما کان فی الدنیا فی حالۃ الوحی وفی احوال الآخرۃ فعبّر عن افاقتہ من تلک المشاھدۃ وذالک الاستغراق برد الروح یعنی کے ردِ روح کا یہ مطلب نہیں کہ روح بدن میں واپس آجاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ برزخی حالات میں استغراق سے کچھ افاقہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں وحی کے وقت استغراق ہو جاتا تھا۔ اسی افاقہ کو ردِ روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کتاب الروح ص ۱۸۴ فمنها ارواح فی اعلیٰ علیین فی الملأ الاعلیٰ وهی ارواح الانبیاء وهم متفاوتون فی منازلهم کما رآهم النبی ﷺ فی لیلة الاسراء۔
انبیاءؑ کی ارواح اعلیٰ علیین میں ملأ اعلیٰ کے ساتھ رہتی ہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات میں آسمانوں پر ارواح انبیاءؑ کو دیکھا تھا۔

مقام ارواح شہداء

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹۲ عن ابن عباس رضؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشهداء علی بارق نهر بباب الجنة فیه قبة خضراء یخرج الیهم رزقهم من الجنة بکرة وعشیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء کی ارواح سبز رنگ کے قبہ میں جنت کے دروازے پر جس کے نیچے نہریں ہیں رہتی ہیں صبح و شام جنت سے ان کو رزق ملتا ہے۔

کتاب الروح ص ۱۵۴ و ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۸ میں بحوالہ صحیح بخاری حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حارثہؓ کی والدہ ام الربیعؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں:
فقالت یا نبی اللہ ﷺ الا تحدثنی عن حارثة وکان قتل یوم بدر اصابه سهم غرب فان کان فی الجنة صبرت وان کان فی غیر ذلک اجتهدت علیه فی البکاء فقال علیه السلام یا ام حارثة انها جنان وان ابنک اصاب الفردوس الاعلیٰ ارواح الشهداء یجول فی اجواف طیر خضر فی ثمر الجنة پوچھا حارثہ مقتول کا کیا حال ہے جو بدر میں شہید ہوا تھا، اگر جنتی ہے تو صبر کروں ورنہ اس پر خوب روؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے، شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں بیٹھ کر جنت میں رہتی ہیں۔

کتاب الروح ۲۹۴: لا تحسبن الذین قتلوا یخبر تعالیٰ عن الشهداء... بانهم وان قتلوا فی هذه الدار فان ارواحهم حیة مرزوقة بکرة و عشیا اللہ تعالیٰ شہداء کے بارہ میں خبر دیتے ہیں کہ دنیا کی حیات سے تو وہ چل بسے

لیکن ان کی ارواح زندہ ہیں، جنت میں صبح و شام ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

خازن ج ۱ ص ۲۲۶ اخبار ربہ سبحانہ عن الذین قتلوا فی سبیلہ انہم احیاء عند ربہم یرزقون وانہم فرحون مستبشرون باخوانہم وھذہ الارواح قطعًا لان الابدان فی التراب تنتظر عود ارواحہا الیہا یوم البعث جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں وہ خدا کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے، خوش و خرم اپنے احباب سے ملتے ہیں۔ ہاں یہ تو قطعًا روح ہیں بدن تو زیر زمین ارواح کے لوٹنے کا انتظار کرتے ہیں تا قیامت۔

فان قلت نحن نراہم موتی فما معنی قولہ تعالیٰ بل احیاء وما وجہ النہی فی قولہ تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات: قلت معناہ لا تقولوا امواتا بمنزلۃ غیرہم من الاموات بل ہم احیاء تصل ارواحہم الی الجنان کما ورد ان ارواح الشہداء فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ فہم احیاء فی ھذہ الجہۃ وان کانوا امواتًا من جہۃ خروج الروح من اجسادہم

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شہید مردہ ہیں پھر بل احیاء کا کیا مطلب؟ تو جواب یہ ہے کہ دوسرے اموات کی طرح نہیں ہیں ان کے ارواح کو بڑا درجہ ملتا ہے جو جنت میں سیر کرتی ہیں، ارواح کا جنت میں سیر کرنا، رزق کھانا، خوش و خرم رہنا اللہ تعالیٰ سے کلام کرنا یہ ہے حیات۔ اگرچہ وہ دنیا کے اعتبار سے مر چکے ہیں کہ ان کی ارواح ان کے ابدان سے نکل چکی ہیں۔ الحاصل حیات روحانی برزخی ہے، نہ دنیاوی بالاجساد۔

پ۱۴ نحل ع ۴ : الذین تتوفٰھم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ کفر و شرک سے پاک ہوتے ہیں تو سلام علیکم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ (دخول کے معنی یاد کر لو)

پ۲۷ واقعہ ع ۳ فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم خدا کے مقربوں کے لیے تو آرام خوشبودار پھل اور جنت کے باغات ہیں۔

پ۳۰ فجر : یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اے اطمینان پانے والی روح اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا، اور میرے بہشت میں آجا۔

مؤطا امام مالکؒ ص ۸۴ قم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسمۃ المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ الی جسدہ یوم یبعثہ (ابن کثیر ص ۳۹۳ ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح اڑتی جنت کے درختوں میں کھاتی پیتی ہے قیامت کو اللہ تعالیٰ روح جسم کی طرف لوٹائے گا۔

ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲ قد روینا فی مسند الامام احمد حدیثا فیہ بشارۃ لکل مؤمن بان روحہ تکون فی الجنۃ تسرح ایضا فیھا وتاکل من ثمارھا وتری ما فیھا من النضرۃ والسرور وتشاھد ما اعدہ اللہ لھا من الکرامۃ و ھو باسناد صحیح عزیز عظیم اجتمع فیہ من الائمۃ الاربعۃ واصحاب المذاھب السبعۃ مسند احمد میں حدیث ہے جس میں ہر مومن کے لیے بشارت ہے کہ اس کی روح جنت میں سیر کرتی ہے اور جنت کے میوے کھاتی ہے اور عجائبات دیکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

معالم التنزیل پ۹ ص ۲۰۳ و خازن ص ۵۱۱ عن عبید بن عمیر اذا توفی

العبد المومن ارسل اللہ عزوجل مَلَکَیْنِ وارسل الیہ بتحفۃ فیقال لہ اخرجی یا ایتہا النفس المطمئنۃ اخرجی الی روح وریحان والرب عنک راضٍ فتخرج کاطیب ریح مسک وجد احد فی انفسہ والملائکۃ علی ارجاء السماء یقولون قد جاءنا من الارض روح طیبۃ فلا تمر بباب الا فتح لہا ولا بملک الا صلی علیہا حتی تؤتی بہا الرحمن فتسجد ثم یقال لمیکائیل اذہب بہذہ فاجعل مع انفس المومنین ثم یؤمر فیوسع علیہ قبرہ سبعون ذراعًا عرضہ وسبعون ذراعًا طولہ۔ بوقت قبض روح ملائکہ کو اللہ تعالےٰ بھیجتے ہیں ان کے پاس تحائف ہوتے ہیں اور کہتے ہیں یا ایتہا النفس المطمئنۃ الآیۃ بوقت خروج روح مشک جیسی خوشبو ہوتی ہے ملائکہ آسمان کے کنارے پر کھڑے ہو کر دعائیں کرتے ہیں، ہر آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر فرشتہ دعا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ روح خدا تعالےٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاتی ہے۔ پھر میکائیل کو کہا جاتا ہے کہ اس روح کو مومنوں کی ارواح میں داخل کر دو پھر اس روح پر قبر (اس کی رہائش گاہ) وسیع کر دی جاتی ہے، ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی .....

قبر کا مفہوم سمجھ لیا آپ نے؟

کتاب الروح ص ۱۵۹، وقال الطبرانی حدثنا ابو زرعۃ الدمشقی حدثنا عبد اللہ بن صالح قال حدثنی معاویۃ بن صالح عن ضمرۃ بن حبیب قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ارواح المومنین فقال فی طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت قالوا یا رسول اللہ! ارواح الکفار؟ قال محبوسۃ فی السجین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومنین کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟ فرمایا جنت میں سیر کرتی ہیں جہاں چاہیں، پھر عرض کی گئی کہ کفار کی ارواح کہاں رہتی ہیں تو فرمایا سجین میں بند ہیں۔

کتاب الروح ص ۱۶۰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا عرج ملک الموت بروح المؤمن الی السماء استقبل جبرائیل فی سبعین الفا من الملائکۃ

کل منھم یأتیہ بشارۃ من السماء سوی بشارۃ صاحبہ فاذا انتھی بہ الی العرش خرّ ساجداً فیقول اللہ عزوجل لملک الموت انطلق بروح عبدی فضعہ فی سدر مخضود وطلح منضود وظل ممدود وماء مسکوب

یعنی جب ملک الموت مومن کی روح کو آسمان کی طرف لے جاتا ہے تو جبرائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں ہر ایک اس روح کو نئی سے نئی بشارت سناتے ہیں۔ جب روح عرش کے قریب پہنچتی ہے تو خدا کے آگے سجدہ میں گر جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ملک الموت! اس میرے بندے کی روح کو بے خار بیریوں اور تہ بتہ کیلوں اور لمبے لمبے سایوں اور پانی کے جھرنوں میں رکھ دو۔

مقام ارواح کفار

پ انعام ع ۱۱ ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون اور کاش تم ان ظالم (مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں اور فرشتے ان کی طرف عذاب کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لیے کہ تم خدا پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے۔

پ ۲۷ واقعہ ع ۳ واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم اور اگر وہ روح جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے اور جہنم میں داخل کیا جانا۔ یہ یقیناً صحیح حق الیقین ہے۔

پ ۲۸ تحریم ع ۲ وقیل ادخلا النار مع الداخلین اور نوحؑ و لوطؑ کی کافر بیویوں کو حکم ہوا کہ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔

پ ۸ اعراف ع ۴ حتی اذا جاءتھم رسلنا یتوفونھم قالوا اینما کنتم

تدعون من دون اللہ قالوا ضلوا عنا وشھدوا علیٰ انفسھم انھم کانوا کافرین قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کفار کی روحیں قبض کرنے کے لیے ان کے سامنے آموجود ہوں گے تو ان سے پوچھیں گے کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم.... خدا کے سوا حاجت روائی کے لیے بلایا کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے غائب ہوگئے اور اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیں گے یعنی اقرار کریں گے کہ بے شک وہ کافر تھے، اس پر خدا ان کو حکم دے گا اور کافر انتیس ارشتم جن وانس جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان میں مل کر تم بھی دوزخ میں جا داخل ہو۔

ابن کثیر ج ۷ ص ۳۰۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے فرمایا ان ارواح آل فرعون فی اجواف طیر سود تغدو علی جہنم وتروح علی جہنم وذالک عرضھا۔ آل فرعون کی ارواح کو سیاہ قالبوں میں صبح وشام جہنم پر پیش کیا جاتا ہے یعرضون علیھا سے یہی مراد ہے ثوری نے ابی حسین سے آل فرعون کی ارواح کے بارے اسی طرح روایت کیا۔

معالم التنزیل ج ۷ ص ۳۰۱ میں اسی طرح ہے اور قتادہ، مقاتل، سدی اور کلبی کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور تفسیر ابن جریر پ ۲۴ ص ۴۶ میں یہ لکھا ہذیل بن شرحبیل سے بھی اسی طرح نقل کیا۔ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹ میں ابن عباس رضؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا۔

تبصیر الرحمان ج ۲ ص ۲۲۹ حاق بآل فرعون احاط بالطالبین لہ من قومہ سوء العذاب قتل فرعون فی الحال وقتل النار فی البرزخ والقیامۃ اذ النار یعرضون بعد جعل ارواحھم فی اجواف طیر سود علیھا فی البرزخ غدوًا وعشیا فقتلھم کل یوم مرتین۔ یعنی ان کی ارواح کو سیاہ پرندوں کے پوروں میں رکھ کر برزخ میں روزانہ دو بار مار پڑتی ہے۔

تبصیر الرحمان ج ۲ ص ۳۶۸ اغرقوا فی بحر الطوفان للمعاقبۃ الدنیویۃ فادخلوا نار المعاقبۃ البرزخیۃ۔ سمندر میں غرق ہوئے دنیوی سزا دینے کے لیے پھر آگ میں داخل کیے گئے برزخی سزا دینے کے لیے۔

صحابۂ کرام رضؓ کے اشعار

مشعرہ مقام ارواح مومنین و کافرین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہؓ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے اپنے برادر سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مرثیہ میں فرمایا:

فقال الخبیران حمزۃ قد ثوی — وزیر رسول اللہ خیر وزیر
دعاہ الٰہ الحق ذوالعرش دعوۃ — الی جنۃ یحیی بہا وسرور

یعنی واقف کار نے بتایا کہ حضرت حمزہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور بہتر وزیر کا انتقال ہوگیا۔ ان کو سچے اور برحق معبود مالک عرش نے جنت کی طرف جس میں وہ زندہ رہیں گے اور دائمی فرحت و سرور کی طرف بلالیا (ابن ہشام ج ۲ ص ۵۷)

حضرت حسان بن ثابت رضؓ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابن الزبعری کو جواباً جو اشعار سنائے تھے ان میں یہ بھی تھے:

فلا تذکروا قتلی وحمزۃ فیھم — قتیل ثوی للہ وھو مطیع
فان جنان الخلد منزلۃ لہ — وامری الذی یقضی الامور سریع
وقتلاکم فی النار اقصل رزقھم — حمیم معًا فی جوفھا وضریع

یعنی پس تم ہمارے شہداء کا اور خصوصاً ان میں حمزہ رضؓ کا جو کہ ایک جلیل القدر شہید ہیں جنہوں نے خدا کے لیے اطاعت خدا کرتے کرتے جان دے دی، برائی سے ذکر نہ کرو کیونکہ ان کا مقام جنت الخلد ہے کیونکہ ان کے لیے خدا کی طرف سے جنت کا حکم ہو چکا ہے

اور خدا جو کہ معاملات کا فیصلہ کرتا ہے اس کا حکم بڑی تیزی سے نافذ ہوتا ہے اور فوری طور پر اس حکم پر عملدرآمد شروع ہو جاتا ہے اس لیے ضرور ان کو جنت مل چکی ہے۔ اور اے ابن زبعری! تمہارے مقتول تو دوزخ (برزخیہ) میں پڑے ہیں جہاں ان کا بہترین رزق گرم کھولتا ہوا پانی اور کھانے کو جھاڑ کانٹے ہیں۔

نیز حضرت سعد بن معاذ و دیگر شہداء کا ذکر خیر کرتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صبابۃ وجد ذکرتنی اخوۃ ۔۔۔ وقتلی مضی فیہا طفیل ورافع

وسعد فاضحوا فی الجنان واوحشت ۔۔۔ منازلہم فالارض منہم بلاقع

یعنی رقت شوق نے مجھے بھائیوں کی اور ان شہداء کی یاد دلائی جن کے ضمن میں طفیل، رافع، اور سعد بھی چل دیئے ہیں اور جنت میں جا بسے ہیں اور ان کے مکانات ان سے خالی ہو گئے ہیں اور ان سے زمین ویران ہو گئی ہے۔

حضرت امام علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب

حضرت امام علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اپنے اشعار میں یہ شعر بھی بیان فرمایا ہے:

فان تبغوا وتفتخروا علینا ۔۔۔ بحمزۃ، فھو فی الغرف العوالی

اب اگر تم سرکشی کرو اور ہمارے مقابلہ میں حمزہ کو شہید کر کے فخر کرو تو یہ تمہارا فخر بے جا ہے۔ کیونکہ اس سے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا اس لیے کہ وہ تو جنت کے عالی شان بالاخانوں میں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علیک سلام ربک فی جنان ۔۔۔ مخالطھا نعم لا تزول

اس جنت میں خدا کا سلام تجھ کو پہنچے جس میں دولت و نعمت بے زوال ملی ہوئی ہے۔

حضرت کعب بن مالکؓ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فخرتم بقتلی اصابتھم فواضل من نعم المفضل
دخلوا جنانا وابقوا لکم اسودا تحامی عن الاشھل

یعنی تم ان شہیدوں کے قتل ہونے پر فخر کرتے ہو جن پر صاحب انعامات کثیرہ یعنی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بہت سے انعامات ہوئے ہیں اور اب وہ جنت میں مقیم ہو گئے ہیں اور تمہارے لیے وہ شیر چھوڑ گئے ہیں جو اپنے بچوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔

نیز ضرار بن الخطاب کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما تقتلوا سعدا سفاھا فان اللہ خیر القادرینا
سیدخلہ جنانا طیبات تکون مقامۃ للصالحینا

اے کفار اگر تم سعدؓ بن معاذ کو حماقت سے قتل کر دو تو اس سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر قادر ہیں کہ وہ ان کو پاکیزہ جنت میں داخل کریں گے جو کہ نیک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

صحابہؓ کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس سلام سن لیتے ہیں

اہل حق سے آپ اور آپ کے ہم خیال یہ سوال بڑے شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی ایک صحابی ایسا بتاؤ جو سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو۔ مگر اہل حق کا اس سوال کا جواب دینے سے پہلے آپ اور آپ کے ہم خیال

لوگوں سے بڑے عاجزانہ طور سے سوال ہے کہ جن صحابہ کرام رضؓ کی طرف آپ لوگ یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ وہ حیات النبی بحیاتِ دنیویہ عنصریہ حقیقیہ جسمیہ اور سماع عند قبر النبیؐ کے قائل تھے تو وہ صحابہ کرام رضؓ اپنے اس نظریہ کے موافق عمل بھی ضرور کرتے ہوں گے کیونکہ بمطابق شعر مشہور ع۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

اگر صحابہ کرام رضؓ ہی اپنے علم کے موافق عمل نہ کریں گے تو دوسروں کو تو اور آزادی مل جائے گی

اہل اصول کا اصل عظیم

ہمارے فقہائے کرامؒ نے تو اس بات سے ایک قانون مستخرج کیا ہے کہ جو روایت خود راوی کے عمل کے خلاف ہو تو وہ روایت حجت نہیں ہوتی بلکہ وہ عمل صحابی اس روایت کے استناد سے مانع ہے اگر وہ روایت سچ مچ ہی سنداً صحیح ہو تو یہ کہا جائیگا کہ یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اگر اس روایت کو معمول بہا سمجھیں تو صحابی پر زد پڑتی ہے کہ خود صحابی ہو کر سنتِ نبویہؐ کی مخالفت کرتا ہے حالانکہ اس صحابی کو اس سنت کا علم بھی ہے اور خود روایت کرتا ہے۔

یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے ..... مگر ان کے شاگرد فرماتے ہیں کہ دس سال میں اپنے استاذ عبداللہ بن عمر رضؓ کی صحبت میں رہا آپؓ کا یہی معمول دیکھا کہ نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت تو ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد کسی موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ تو ہمارے علماء کرام فقہاء حنفیہ یہ لکھتے ہیں کہ آپؓ کا اپنی روایت کے خلاف معمول یہ دلیل اس امر کی ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے یعنی ابتداء میں آنحضرتؐ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر بعد میں حضورؐ نے ان دونوں حالتوں میں ہاتھ اٹھانا ترک کر دیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ یادداشت کے طور پر فرماتے ہیں کہ ایک وہ وقت بھی تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان

دو حالتوں میں بھی ہاتھ اُٹھاتے تھے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے، دُوسری حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مابین السجدتین بھی رفع یدین کرتے تھے۔ لیکن اہل سنت میں سے جو لوگ رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کے قائل اور عامل ہیں وہ اس کا یہی جواب دیتے ہیں کہ مابین السجدتین رفع یدین کا حکم شروع شروع میں تھا لیکن اب یہ حکم نہیں ہے۔

آمدم برسر مطلب اجب اصول یہ ٹھہرا کہ صحابی اپنی روایت کے خلاف ہرگز عمل نہیں کرتا اگر اپنی روایت کے خلاف کو اپنا معمول بنا لیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو صحابی کی طرف اس روایت کی نسبت ہی صحیح نہیں کسی نیچے کے راوی نے قصداً یا غلط فہمی سے صحابی کی طرف نسبت کر دی یا روایت اگر صحیح ہے تو ابتدائی عہد میں یہ حکم تھا اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

تو صورت مذکورہ میں بالفرض حضرت امام منافی الدین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ سنداً صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے یقیناً بلاشک و بلاتردد بیان فرمایا ہے تو یقیناً اس حدیث پر آپ کا بھی عمل ہوگا۔ آپ مسلمان ہونے کے بعد حضورؐ کے ساتھ ہی رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کی سکونت مدینہ ہی میں رہی یہاں تک کہ آپ ۷۸ سال کی عمر میں سنہ ہجری ۵۷ یا ۵۸ یا ۵۹ میں مدینہ منورہ ہی میں فوت ہوئے۔ آپ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے رہے اور مسجد نبویؐ کے متصل مشرق کی سمت میں حجرہ شریفہ موجود ہے جو آرامگاہ ہے خاتم الانبیاء والمرسلین امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تو اور صحابہ کرام رضؓ نہ سہی خود راوی حدیث حضرت ابوہریرہؓ جنہوں نے خود اپنے محفوظ کانوں سے حضورؐ کی معصوم زبان سے بیان فرمودہ حدیث سُنی تھی ضرور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ پر دستک دیتا ان کا معمول ہوگا۔ پھر ام المومنینؓ پردہ کر کے دروازہ کھولتی ہوں گی آپ علیحدہ پردہ میں بیٹھ جاتی ہوں گی اور حضرت ابوہریرہؓ صلاۃ وسلام پڑھنے کے لیے قبر اطہر کے پاس

جاتے ہوں گے اور دوسرے صحابہؓ و تابعینؒ بھی نماز پڑھ کر حضورؐ کی آرامگاہ پر حاضری دیئے بغیر یونہی چلے جانے کو بے مروتی سمجھتے ہوئے ضرور اندر آتے ہوں گے، حجرہ چھوٹا آدمی زیادہ کتنی دیر لگتی ہوگی، خصوصاً جمعہ و عیدین کے دنوں میں بہت رش ہوتا ہوگا تو یہ امر ایسا ہے جیسے بہت مشہور ہونا چاہیے اور اس واقعہ مہمہ کو تمام صحاح والے نقل کرتے امام بخاریؒ بھی تعلیقات میں اس اجماعی عمل کو نقل فرماتے اور حضرت ام المومنینؓ کے پردہ کا احساس کرتے ہوئے اور ان کے آرام میں خلل کا احساس کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ ان کے لیے علیحدہ رہائش گاہ کا انتظام فرماتے۔ مگر ایسا نہ کیا گیا اور کیوں نہ کیا گیا؟ کونسا امر مانع تھا؟

نتیجہ

پس اس امر اہم کا عہد صحابہؓ میں منقول نہ ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ ان کا عقیدہ سماع عند القبر کا نہ تھا ورنہ یہ عمل ان کا نقل ہو کر ہم تک پہنچتا۔ نیز حضرت ام المومنینؓ کا ایسے حالات میں حجرہ شریفہ میں رہنا مشکل تھا لیکن باوجود اس کے ساری عمر اپنے حجرہ شریفہ میں گزاری جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد صحابہؓ میں یہ عمل نہ تھا اور اس عمل کا نہ ہونا دلیل اس امر کی ہے کہ وہ سماع عند القبر کے قائل نہ تھے، ورنہ صحابہؓ پر بے مروتی کا الزام عائد ہوگا والعیاذ باللہ۔ اور یہ الزام اسی وقت عائد ہو سکتا ہے کہ جب وہ سماع عند القبر کے قائل ہوں، پھر خموشی سے نماز پڑھ کر حضورؐ کی آرامگاہ پر حاضری دیئے بغیر صلوٰۃ و سلام کہے بغیر اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں یا اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

صحابی رسولؐ حضرت ابو الدرداءؓ دمشق کی جامع مسجد میں تھے۔ مدینہ پاک سے ایک آدمی وہاں دمشق میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک حدیث پوچھنے کے لیے پہنچا جس کی بابت اسے یہ بات پہنچی کہ وہ حدیث حضرت ابو الدرداءؓ نے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور کہا کہ میں نے جو سفر اتنا کیا ہے اس سفر سے میرا مقصد اور کچھ بھی نہیں صرف یہ حدیث سننے کے لیے میں نے اس قدر دور دراز سفر کیا ہے۔ حضرت

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بتائی، دیکھو مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۔

نیلوی کہتا ہے کہ وہ شخص تابعی تھا شائق علم دین تھا۔ مگر وہ شہر (مدینہ طیبہ) جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آرامگاہ میں عزلت گزیں ہیں، چھوڑ کر دور دراز کا سفر کر کے مشافہۃً حضرت ابوالدرداءؓ سے حدیث سننے کے لیے آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ آدمی براہِ راست آنحضرتؐ سے فیض حاصل نہ کر سکتا تھا اور جب ایک تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تو آج پندرھویں صدی کا آدمی آنحضرتؐ سے براہِ راست کس طرح فیض حاصل کر یا کرا سکتا ہے۔ اس حدیث میں ان کا رد نکل آیا جو کہتے پھرتے ہیں کہ جب ہم کو کسی قضیہ میں اشکال ہوتا ہے تو ہم سیدھے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں اور آپ سے اشکال حل کروا لیتے ہیں۔ نیز حضرت ابوالدرداءؓ نے اس مدنی آدمی کو یہ نہیں فرمایا کہ اب تو واپس مدینہ پاک میں جا رہا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تو جا کر حاضری دے گا اور ان کی آرامگاہ پر اپنا صلوٰۃ وسلام کہے گا تو میرا عریضہ صلوٰۃ وسلام بھی آپؐ کو پہنچا دینا کہ یا رسول اللہؐ آپؐ کا پرانا دیرینہ ملازم خادم ابوالدرداء آپؐ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ یہ دستور خیر القرون میں نہ تھا، اسی طرح شام، مصر، بصرہ، کوفہ، یمن، حضرت موت وغیرہ میں صحابہؓ پھیل گئے تھے کئی آدمی ان علاقوں سے مدینہ طیبہ آتے جاتے تھے تو صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک صحابیؓ ایسا دکھائیں جو مدینہ طیبہ جانے والے کو زبانی کہلا بھیجیں کہ آپؐ کا فلاں صحابی خادم و ملازم آپ کو سلام کہتا ہے کیونکہ حضورؐ زندہ آرامگاہ میں بہ نفسِ نفیس معتکف ہیں۔ مگر کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ اپنی آرامگاہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے زائر کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور نہ یہ عقیدہ تھا کہ آپ بحیاتِ دنیویہ عنصریہ حقیقیہ جسمانیہ حسیہ، زندہ بیٹھے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق

امام ابن تیمیہؒ نے الرد علی الاخنائی مترجم ص ۲۴۲ میں کہا ہے، خلفائے راشدین کے عہد میں صحابہ کرام مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کہتے، نماز ادا کرتے اور واپس گھروں میں چلے جاتے، معلوم نہیں ہو سکا کہ نماز کی ادائیگی سے پہلے یا بعد حجرۂ نبوی پر صلوٰۃ وسلام کہنے کھڑے ہوتے ہوں۔

خیال رہے کہ خلفائے راشدینؓ اور عہد صحابہؓ میں حجرۂ نبوی مسجد کے حدود میں داخل نہ تھا ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں (جب مدینہ منورہ میں بسنے والے صحابہ اکثر فوت ہو چکے تھے ان میں سب سے آخر میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ولید بن عبدالملک کی خلافت سے قبل ۷۳ھ میں فوت ہوئے جب کہ ولید ۸۳ھ میں خلافت کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے اور ۹۳ھ میں فوت ہوئے حجرہ نبوی کو مسجد میں داخل کیا گیا .... اسی سال فقہاء کثرت سے فوت ہوئے سعید بن المسیبؒ وغیرہ اسی سال فوت ہوئے اس سال کو اسی لیے سنۃ الفقہاء کہتے ہیں، اسی سال عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی توسیع کو مکمل کیا .... اور حجرہ عائشہؓ جس میں آپؐ مدفون ہیں اس کے دروازے کو بند کر دیا اور اس کے گرد ایک اور دیوار بنا دی گئی۔ اب تو آپؐ پر سلام بھیجنے والے بہ نسبت قبر اطہر کے پہلے لوگوں سے زیادہ دور ہو گئے۔

نیلوی کہتا ہے، اس عہد کے چند صحابہؓ مثلاً ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جو ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور محمود بن الربیعؓ جن کے چہرے پر آپؐ نے پانی کی کلی پھینکی تھی جبکہ وہ پانچ سال کے تھے ۹۳ھ میں فوت ہوئے اور سائب بن یزید کندیؓ ۹۳ھ میں فوت ہوئے، عبداللہ بن ابی طلحہؓ ان کے بعد فوت ہوئے سہل بن سعد ساعدی رضؓ ۸۸ھ میں فوت ہوئے اور عہد رسالت میں بچے تھے سن رشد کو نہیں پہنچے تھے، جو موجود تھے عمر بن عبدالعزیزؒ کی اس کارروائی پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ تم نے دروازہ بند کر کے اور ارد گرد دیوار کھینچ کر ان لوگوں کو

محروم کر دیا جو زیارت قبر النبی ؐ سے مشرف ہوتے اور صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنانے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کا رویہ

خود خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ جو مجدد مائۃ ثانیہ کہلاتے ہیں اور بڑے پائے کے محدث تھے اگر ان کا یہی عقیدہ ہوتا تو خود آپؐ کے قبر اطہر پر صلوٰۃ وسلام کہتے اور لوگوں کو بھی حکم کرتے اور حجرہ شریفہ کا دروازہ بند نہ کرتے اور اس کے گرد دیوار نہ بناتے۔ بلکہ قبر اطہر کو خود کھلے میدان میں بنایا جاتا۔ چلو آپؐ کی قبر اطہر کو ام المومنین رضؓ کے حجرہ شریفہ میں بنایا ہی گیا تھا تو زیارت مشتاقین کے لیے اور عند قبر النبی صلوٰۃ وسلام سنانے کے لیے ضروری تھا کہ حجرہ شریفہ کے ایک طرف زائرین کے داخل ہونے کے لیے دروازہ ہوتا اور قبر اطہر کے نزدیک زائرین کے ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ کا انتظام ہوتا کہ وہاں زائرین بیٹھ سکتے اور اگر دروازہ بھی نہیں تو کم از کم دیوار میں ایک کھڑکی کا انتظام کیا جاتا تاکہ زائرین گزرتے ہوئے کھڑکی سے قبر اطہر پر نظر ڈالتے۔ اور آپؐ کو صلوٰۃ وسلام سُنا سکتے اور دُعا کرا سکتے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ قبر اطہر پر صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا تو رہا درکنار، قبر اطہر کی محض زیارت کے لیے بھی تو کوئی سہولت موجود نہیں چھوڑی گئی اور کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس کے ذریعے قبر اطہر پر پہنچا جا سکے، نہ ہی وہ حجرہ منیفہ جس میں آپؐ مدفون ہیں کوئی وسیع رقبہ کا حامل ہے اور نہ ہی حجرہ کی کسی دیوار پر کوئی کھڑکی موجود ہے۔ بہر حال حجرہ شریفہ کے اندر یوں قبر اطہر کے پاس جانا ممکن ہی نہیں رہا (یوں علی فرض صحۃ الحدیث "عند قبری" قبر کے پاس والی بات ناممکن ہے۔

اور اسی لیے سلف صالحین نے اس قول سے اجتناب کیا۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ پر نہ قندیلیں روشن ہو سکتی ہیں نہ ہوتی ہیں، نہ غلاف چڑھایا جا سکتا ہے نہ چڑھتا ہے۔ جب کہ مسجد نبویؐ کی زینت

اور آرائش کے لیے اس میں رنگ برنگ قمقمے اور فانوس لٹک رہے ہیں۔ اسی طرح آپؐ کی قبر اطہر کو کسی خوشبو کے ساتھ معطر کرنا بھی ممکن نہیں اور نہ ہی وہ لوگ جو عام اولیاء اللہ کی قبروں کے لیے مختلف قسم کی چیزوں کی نذر مانتے ہیں اور عملاً ان قبروں پر پہنچ کر نذریں پوری کرتے ہیں۔ آپؐ کی قبر اطہر پر کسی نذر کے پورا کرنے کی گنجائش نہیں اگرچہ بعض لوگ جالی (شبکہ) کے ساتھ خلافِ شرع معاملہ کر لیتے ہیں لیکن آپؐ کی قبر اطہر ان کی ان نازیبا حرکتوں سے محفوظ ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا: اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اے اللہ میری تربت کو بت خانہ نہ بنانا کہ اس کی پوجا شروع ہو جائے۔

بہرحال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے رشید تلامذہ تابعین اور پھر تبع تابعین قبر اطہر کو زیارت گاہ بنانے سے گریز ہی کرتے رہے اور انہوں نے اپنے مبارک عہد میں کبھی تحصیل برکت اور شفاعت کے لیے قبر اطہر کا قصد نہیں کیا۔

نیلوی کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس عہد کے صحابہ کرامؓ تابعین اور خلفاء راشدینؓ سماع عند قبر النبیؐ کے قائل نہ تھے اور ان کا معمول یہ نہ تھا کہ قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام کہیں اور ان سے دعا کروائیں اور ان کو شفاعت کرنے کے لیے عرض معروض کریں۔

ہمارے قول کی تائید امام ابن تیمیہؒ کے قلم سے

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: قبر اطہر پر کھڑے ہو کر سلام کہنے کے بارے میں صحابہؓ اور تابعین جو مدینۃ الرسولؐ میں قیام پذیر تھے ان کا معمول یہ نہ تھا کہ جب بھی وہ مسجد نبویؐ میں داخل ہوں یا مسجد نبویؐ سے باہر نکلیں تو آپ کی قبر اطہر پر جا کر سلام کہیں اور اگر اس سلام کا حکم اس سلام کی طرح ہوتا جس کو آپ کی زندگی میں صحابہؓ کرام آپ پر کہتے تھے، تو یقیناً صحابہ کرامؓ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت ضرور

وہاں پہنچ کر سلام کہتے جیسا کہ جب آپ بقید حیات تھے اور مسجد میں تشریف فرما ہوتے، تو صحابہ کرام کو حکم تھا کہ وہ آپ پر سلام کہیں، بلکہ جو شخص مسجد میں داخل ہو اور مسجد میں کچھ لوگ موجود ہیں تو اس کے لیے ان پر سلام کہنا مسنون ہے۔ اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت سلام کہنا بھی مسنون ہے، بلکہ ایک حدیث میں صراحت موجود ہے کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں ہے۔ اور اس قسم کے سلام کو قبر اطہر کے پاس مشروع قرار دینا اجماع امت کے خلاف ہے۔

نیز صحابہ کرام کی عادت معروفہ کے بھی مخالف ہے۔ اگر حجرۂ عائشہ رضؓ کے باہر سلام تحیہ کہنا مستحب ہوتا تو اس کا استحباب عام ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلاف اس مسئلہ میں عمومیت کے قائل ہیں، اہل مدینہ اور دیگر لوگوں کے درمیان فرق کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی حالت سفر اور غیر سفر میں کچھ فرق کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ اہل مدینہ کے لیے مکروہیت کا حکم اور غیر کے لیے استحباب کا حکم دلیل شرعی کا محتاج ہے۔ جب کہ اس فرق کے لیے کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ کوئی محقق بات ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے مشروع قرار دیا ہو کہ مدینہ سے الوداع ہوتے وقت قبر اطہر پر حاضری دیا کریں یا سفر سے واپسی پر قبر اطہر کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہو اور نہ ہی مدینۃ الرسولؐ سے باہر رہنے والوں کو حکم ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں یا مسجد سے نکلیں تو ان کے لیے قبر اطہر پر حاضری دینا مستحب ہو۔

حضرت ابن عمر رضؓ کا تفرد

البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ سفر سے آتے تو قبر اطہر پر جا کر سلام کہتے۔ عبداللہ بن عمر رضؓ سے جذبۂ اتباع رسولؐ کے پیش نظر بعض دیگر تفردات بھی منقول ہیں جو جمہور صحابہ کرام رضؓ کے تعامل کے خلاف ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر ہمیشہ کوشاں رہتے کہ جہاں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر اترے ہیں، وہاں اترا کرتے اور جہاں آپؐ نے نماز ادا فرمائی، وہاں اتر کر نماز ادا کیا کرتے۔

بلکہ جس راستہ سے آپ گزرتے اسی راستہ کو اختیار کرتے لیکن ان کے والد حضرت عمرؓ انہیں اسی تشدد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

امام عمرؓ کا اپنے بیٹے کو ایسے کاموں سے روکنا

سنن سعید بن منصور میں بواسطۃ الاعمش عن المعرور بن سوید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: خرجنا معہ فی حجۃ حجھا فقرأ بنا فی صلوۃ الفجر الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل ولإیلاف قریش فی الثانیۃ فلما رجع من حجہ رأی الناس ابتدروا المسجد فقال ماھٰذا فقالوا مسجد صلّٰی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھٰذا ملۃ اھل الکتٰب قبلکم اتخذوا آثار انبیائھم بیعًا، من عرضت لہ منکم فیہ الصلوٰۃ فلیصل ومن لم یتعرض لہ فلیمض یعنی المعرور فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے آپ نے فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فیل اور دوسری میں سورۂ قریش تلاوت فرمائی جب آپ حج سے واپس لوٹے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھنے کے لیے اس جگہ کا قصد کر رہے ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ اہل کتاب کا ہے انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت خانوں میں تبدیل کر دیا۔ یاد رکھو کہ اگر ایسے مقام پر نماز کا وقت آجائے تو نماز ادا کرنے میں رکاوٹ نہیں اور اگر نماز کا وقت نہ ہو تو قصداً نماز کے لیے ایسے مقام کی طرف جانا درست نہیں ہے۔

اجماعِ صحابہ کرامؓ

عبداللہؓ بن عمرؓ سمیت تمام صحابہ کرام متفق ہیں کہ اہل مدینہ کے لیے مستحب نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد نبوی میں داخل ہوں یا نکلنے لگیں تو سلام کہنے کے لیے قبر اطہر پر وقوف کریں بلکہ اس طرز عمل کو مکروہ سمجھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ جو علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر سلام کہتا ہے تو مجھ میں میری روح کو واپس کیا جاتا ہے اور میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں) اور اس کے جواز کے قائل ہیں ان کا استدلال ضعیف ہے۔ اگر اس حدیث سے سلام کا استحباب ثابت ہوتا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کے ترک پر اجماع نہ ہوتا۔ بلکہ اگر یہ عمل جائز بھی ہوتا تو کسی ایک صحابی سے تو اس کا تعامل منقول ہوتا۔ معلوم ہوا وہ اس فعل کو ناجائز سمجھتے تھے۔ لہٰذا حدیث صحیحہ بھی اس کے ناجائز ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہی ہیں اور صحابہ و تابعین رحمہم اللہ کا اجماع بھی اس کے خلاف ہے۔

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشبیہ بیت اللہ کے ساتھ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، الرد علی الاخنائی مترجم ص ۲۴۴ میں یہ بھی فرماتے ہیں:

اگر روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے آداب میں اس کو شامل کر لیا جائے کہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت روضہ نبوی پر سلام کہا جائے تو کیا بلا دلیل اس کی مشابہت بیت اللہ شریف کے ساتھ نہ ہوگی؟ جس طرح بیت اللہ شریف کے آداب میں داخل ہے کہ اس کی زیارت کرنے والا طواف قدوم کرے اور واپس جانے والا طواف وداع کرے۔ ظاہر ہے کہ شریعت حقہ میں بلا دلیل کسی حکم کو داخل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا طواف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، صحیح مسلم میں ہے:

عن ابی مرثد الغنوی انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تم قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

اس کلیہ میں قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ نہیں ہے۔

پس اہل مدینہ اور غیر اہل مدینہ کسی کے لیے قبر نبوی پر وقوف کرنا ثابت نہیں۔

آگے چل کر لکھا آپؐ کی قبر کی زیارت ممکن نہیں جب کہ اس پر قدرت حاصل نہیں اس لیے کہ آپ کی قبر اطہر کے گرد کئی دیواریں ہیں پس آپ کی قبر کی زیارت ممکن ہی نہیں غالباً اسی لیے زیارت مشروع بھی نہیں ہے پس ان لوگوں کا قول اقرب الی الصواب ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی زیارت کا جملہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔

آگے چل کر لکھا: دیگر احادیث کو ملاتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پہنچانے کے لیے فرشتے مقرر ہیں، ورنہ آپ کا سننا ثابت نہیں۔ اسی طرح بعض جاہل لوگوں کا یہ کہنا کہ آپ جمعہ کی رات اور دن کو خصوصیت کے ساتھ سنتے ہیں بالکل باطل ہے اور اسی طرح یہ نظریہ کہ آپؐ تمام مخلوق کی آوازوں کو سنتے ہیں بالکل لغو ہے۔ یہ وصف تو رب العالمین کا ہے جو تمام کی آواز کو سنتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ام یحسبون انا لا نسمع سرھم و نجوٰھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟ ہاں ہاں سب سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے بھی ان کے پاس ان کی سب باتیں لکھ لیتے ہیں۔

نیز فرمایا: ما یکون من نجوٰی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم یعنی کسی جگہ تین شخصوں کا مجمع اور کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے۔

پس جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی طرح کوئی انسان بھی تمام بندوں کی آوازوں کو سنتا ہے۔ ان کا نظریہ عیسائیوں والا ہے جو مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں اور جو کام لوگ کرتے ہیں ان کو وہ جانتے ہیں۔ ان کی آوازوں کو سنتے ہیں ان کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم الیٰ قولہ واللہ ھو السمیع العلیم۔

اعتراض اور جواب

اعتراض: صحیح مسلم میں ہے کہ ایک آدمی اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے روانہ

ہوا، اثنا سفر میں ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس سے ملا اس نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا فلاں بستی میں میرا بھائی رہتا ہے اللہ کی رضا کے لیے اس کی زیارت کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے دریافت کیا کیا تیرا اس پر کچھ احسان بھی ہے اس نے جواباً کہا نہیں صرف اللہ کے لیے اس سے محبت ہے، اس نے بیان کیا کہ میں تیری طرف اس کا قاصد بن کر آیا ہوں تجھے بشارت دیتا ہوں کہ جب تو اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے، تو اللہ تیرے ساتھ محبت کرتا ہے۔

نیز موطا امام مالکؒ میں معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے وہ لوگ میری محبت کے حق دار ہو گئے جو میری رضا جوئی کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔

پس ان دو حدیثوں کی روشنی میں یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی زیارت کے لیے سفر کرتا ہے اور اس سے وہ اللہ کی محبت کا حق دار ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا احترام فوت ہونے کے بعد بھی اتنا ہی رہنا چاہیے جتنا کہ زندگی میں تھا اور جن کو اللہ پاک نے تمام مخلوقات پر شرف بخشا ہے اور جن کی وجہ سے ہدایت حاصل ہوئی اور جن کی برکت سے ہم شیطان سے محفوظ ہوئے اور جو ہم پر اس قدر رحیم ہیں کہ جہنم سے بچانے کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے) ان کی قبر کی زیارت کے لیے سفر نہ کیا جائے۔

جواب: جن احادیث سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے استحباب پر استدلال کیا گیا ہے ان میں صراحتاً ذکر ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی زیارت کے لیے جاتا ہے جب کہ وہ زندہ ہے۔ زندگی کے بعد اس کی قبر کی زیارت کا ذکر حدیث میں نہیں ہے پس جس شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی وہ صحابہ کرامؓ ہیں جن کو خیر القرون کا لقب ملا۔ لیکن کیا جب آپؐ فوت ہو گئے ہیں تو آپؐ کی قبر کی زیارت بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ آپؐ کی زیارت صحابہ کرامؓ

نے کی جب کہ آپؐ ان کے درمیان تھے ظاہر ہے کہ اس کو اس پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کسی بھی امام سے یہ استدلال منقول نہیں کہ اس نے آپ کی قبر کی زیارت کو آپؐ کی زندگی کی زیارت کے مساوی قرار دیا ہو یا اس پر قیاس کیا ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کے پاس اس کی زندگی میں ملاقات کرتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے، بلکہ اس سے گفتگو کرتا ہے، اس کی کلام کو سنتا ہے، آپس میں سوال وجواب ہوتا ہے لیکن اس کا بھائی جب فوت ہو جائے تو کیا اس کی قبر کی زیارت کرنے سے اس کا مشاہدہ کر سکے گا؟ ہرگز نہیں! اسی طرح جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرے گا یا اس دیوار کا مشاہدہ کرے گا جو آپؐ کے حجرہ کے گرد بنی ہوئی ہے اس کو نہ تو آپ کا دیدار حاصل ہوگا نہ آپ کا کلام سن سکے گا۔ نہ اس کو آپؐ کی مجلس کا شرف حاصل ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ اس کو یہ تمام سعادتیں ضرور حاصل ہوں گی تو پھر اس کو صحابہ کرام رضؓ سے شمار کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے باطل اور غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیا کوئی شخص ان کو صحابہ کرام رضؓ میں داخل سمجھتا ہے؟ ہرگز نہیں!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل

نیلوی کہتا ہے کہ علماء اصول نے صحابی کی جو تعریف فرمائی ہے وہاں رؤیت کی حد و اندازہ کی کوئی شرط نہیں ہے، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ جانبین کی حیات دنیوی ہو۔ پس جس نے بوقت تدفین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا وہ صحابی نہیں اور اسی طرح شب معراج میں جن پیغمبروں کو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آپؐ نے دیکھا ہے، وہ بھی اس تعریف میں نہیں آتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شرف صحبت حاصل ہے اس واسطے کہ آپ زندہ زمین سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور اخیر زمانہ میں دین محمدیؐ کے نائب ہو کر امام مہدی کے وقت تشریف لائیں گے۔ کما فی جمیع کتب الحدیث (از مقدمہ استجلاء البصر من شرح نخبۃ الفکر ص ۱۶۱)

تدریب الراوی ص ۲۰۹ میں ہے من رآہ بعد موتہ علیہ السلام قبل الدفن وقد وقع ذلک لابی ذؤیب خویلد بن خالد الھذلی فانہ لا صحبۃ لہ یعنی جس شخص نے آپ کی وفات کے بعد اور مدفون ہونے سے پہلے آپ کو دیکھ لیا وہ صحابی نہیں ہے جیسے ابوذؤیب خویلد بن خالد الہذلیؓ نے آپ کو اس وقت آکر دیکھا جب آپ وفات پا چکے تھے اور ابھی تک آپ کو دفن نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا ابوذؤیب خویلد بن خالد ہذلی صحابی نہ بن سکے

نبی اکرمؐ کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۳

مشکوٰۃ ص ۱۶۵: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ بعض ازواج مطہرات نے حضورؐ سے عرض کی کہ ہم میں سے وہ کون ہے جو جلدی کے ساتھ آپ کو ملنے والی ہے یعنی آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے کون پہلے مرے گی تو آپ نے فرمایا تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں، یعنی اللہ کی راہ میں بہت دیتی ہے (الحدیث)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ سے ملاقات کا مطلب ہے عالم برزخ کی ملاقات ورنہ آنحضرتؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ منیفہ میں مدفون ہیں اس میں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ہی رہتی تھیں تو ہر وقت انہی کی ملاقات ہوتی رہتی ہے نہ کہ زینبؓ، اور تمام امہات المومنین رضؓ نے بھی عالم برزخ کی ملاقات سمجھی۔ اگر جسد عنصری حقیقی حسی دنیوی کے ساتھ حیات مراد ہوتی تو پھر پہلے ملنے والی، حضرت عائشہؓ کو کہا جاتا، نہ ان کا خیال سودہؓ کی طرف جاتا اور زینبؓ کی طرف۔

نبی اکرمؐ کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۴

مشکوٰۃ ص ۳۶۹: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضؓ کے پاس آنے کی اجازت مانگی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ (میں اندر آسکتا ہوں) حضرت سعدؓ نے وعلیکم السلام تو کہا مگر حضورؐ کو سنا کے نہیں کہا چپکے سے کہدیا۔ تین بار حضورؐ نے سلام

اور تینوں بار سعد نے جواب دیا مگر چپکے سے سُنا کر حضورؐ کو جواب نہیں دیا، پھر حضورؐ واپس گھر کو جانے لگے اور سعدؓ آپ کے پیچھے آئے اور کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں آپؐ کے تینوں سلام میرے کان میں آئے میں نے سُنا اور میں نے تینوں سلاموں کا جواب دیا لیکن میں نے آپ کو سُنایا نہیں کیونکہ میری خواہش تھی کہ میں آپ کے سلام اور کلام سے بے حد سلامتی اور برکات حاصل کروں۔ الی آخر الحدیث۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ جب خالص دنیوی زندگی میں تھے تب تو دیوار کے ساتھ اندر والے کی آواز آپ نے نہیں سُنی حتیٰ کہ واپس جانے لگے اور حائل بھی درمیان میں کپڑا نہ سہی دیوار ہی ہوگی اور بعد از وفات باہر والے کی آواز اندر والا میت کس طرح سُن سکتا ہے؟ خاص کر کے جب کہ سات پردوں ۱۸ ہاتھوں کا فاصلہ ہو۔

پھر بھی بعد از وفات آپؐ پست آواز سُن لیتے ہیں؟

اس حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں محترم مولٰنا کا تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۳۵ میں بحوالہ تذکرۃ الخلیل ص ۳۶ حضرت مولٰنا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے جو منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے، مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں" آہ کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے۔

بخاری شریف ص ۷۱۸ میں ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جب (یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو) نازل ہوئی تو) ما کان عمر یسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ یستفہمہ، اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی پست آواز سے بات کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُن بھی نہ پاتے تھے اور دوبارہ دریافت فرماتے تھے۔

جب حیات دنیوی میں آپ پست آواز نہیں سنتے تھے تو حیات برزخیہ میں پست آواز اس جہان کی اس جہان تک کیسے پہنچ سکتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ احیاۃ البرزخیۃ لیست الحیاۃ المتعارفۃ والا لاقتضت لوازمھا کما فی غایۃ الاماتی ج ۱ ص ۳۱۲ یعنی آپ کی برزخی حیات یہ متعارف حیاۃ نہیں ہے اگر آپ کی یہی متعارف حیات ہوتی تو اس کے لوازم بھی ساتھ ہوتے کیونکہ الشیی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (آب حیات ص) اور الشیئی ینعدم بانعدام لوازمہ کما فی المجلد الثالث من الہدایۃ للمرغینانی ص ۱۸۱ یعنی جب کسی چیز کے لوازمات نہ رہیں تو وہ چیز خود بھی نہیں رہتی تو اسی لیے:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لوازم حیات عنصری نہ رہے تو پھر آپ کی حیات عنصری جسمانی دنیوی حقیقی حسی بھی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ استاذی و شیخی و مقتدای و مولای فقیہ النفس ابوحنیفہ ثانی مفتی اعظم ہند حضرت محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً کاملۃً سابغۃً کافیۃً جلیلۃً عظیمۃً نے اپنے فتاوٰی میں صاف صاف تحریر فرمایا ہے:

مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ کے سنہری فتوے

کفایت المفتی جلد ۱ ص ۷۴ و ۷۵: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپ کی وفات کو موت سے تعبیر کرنا صحیح ہے قرآن مجید میں ہے:

افان مات او قتل ، اور انک میت و انھم میتون۔

اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ آپ کی بشریت مع اپنے لوازم جسمانیت وغیرہ کے نور سے پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ آپ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی اور جیسے آپ زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں کہ یہ بات صریح البطلان ہے واللہ اعلم، محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ خدا بخش عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، سکندر دین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، عبدالغفور عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی، انتظار حسین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی (محمد حسین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی)

کفایت المفتی ج ا ص ۷۷: ہاں انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے، جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے ممتاز ہے۔ مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔

کفایت المفتی ج ا ص ۹۱: جمہور امت محمدیہ کا یہ قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر[1] میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں۔ باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے یہ حضرت حق ہی کو معلوم ہے وہ حیات حضور انور پر میت کے اطلاق کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں حضورؐ کو خطاب کر کے فرمایا ہے انک میت وانہم میتون اور دوسری جگہ فرمایا اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجمع صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا تھا:

من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات

(محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ)

مفتی گکھڑوی کا فتوٰے

آپ نے حضرت مفتی اعظم ہند کا فتوٰی تو دیکھ لیا۔ اب محترم مولینا کا فتوٰی بھی سنیں جو تسکین الصدور طبع ا ص ۱۶۵ میں ہے۔ بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے۔

کفایت المفتی ج ا ص ۱۴۳ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بذات خود درود شریف سننا ثابت نہیں۔ ملائکہ سیاحین کے ذریعے سے درود شریف پہنچایا جاتا ہے (یعنی عالم برزخ میں۔ نیلوی)

مکاشفہ کے بارے حضرت استاذی المکرم رحمہ اللہ رحمۃ کافیہ نے کفایت المفتی ج ا

---

[1] قبر سے مراد شرعی قبر و عالم برزخ مراد ہے۔ خود استاذ جی نے جواہر الایمان ص میں اس کی تصریح فرمائی ہے ۱۲

ص ۱۵۵ میں فرمایا: "کسی مجلس میں کسی صاحب باطن نے کشفی طور پر مشاہدہ بھی کیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضورؐ خود مجلس میں تشریف لائے، کیونکہ کشف میں ایسی چیزوں کا ایسے مقام پر مشاہدہ ہو جاتا ہے جہاں وہ چیزیں خود نہیں ہوتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف میں جنت اور دوزخ کو قبلہ کی دیوار میں مشاہدہ فرمایا۔ صحیح بخاری کی صحیح حدیث میں اس کی تصریح ہے ما من شیئ کنت لم ارہ الا قد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار اور ایک روایت میں فی عرض ھذا الحائط او مثلہ بھی آیا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام مرئیات اور جنت و نار خود وہاں موجود نہ تھیں، بلکہ یہ کشفی مشاہدہ تھا۔

احسن و صحیح تر جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زندگی سے مراد برزخی زندگی ہے اور یہ ایسی زندگی ہے کہ اس پر موت نہیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیؐ، صدیق اور شہید ہیں اور شہداء کی زندگی اللہ تعالیٰ نے احیاء عند ربھم یرزقون فرحین فرمائی، نیز فرمایا ولکن لا تشعرون۔ بنابریں آپؐ کی برزخی زندگی تمام شہداء صدیقین، بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی اعلیٰ و افضل اور برتر ہے آپ بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور[1] میں برزخی زندگی سے فائز، جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص سے مومنین کی برزخی زندگی یعنی اہلِ ایمان کا جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز، اور بدکاروں کا عذاب میں مبتلا ہونا بھی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص ناطقہ سے اظہر من الشمس ہے۔

نبی اکرمؐ کے بارے عقیدہ نفی حیاتِ دنیویہ عنصریہ کی دلیل ۵

فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۱ میں ہے فقال اسال اللہ الرفیق الاعلیٰ الا سعد

---

[1] قبر سے مراد برزخ ہے جیسے جواہر الایمان ص ۶ میں آپ نے خود تصریح فرمائی ہے۔

مع جبرائیل ومیکائیل واسرافیل وظاھر ان الرفیق المکان الذی تحصل المرافقۃ فیہ المذکورین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ اسعد یعنی جبرائیل میکائیل اسرافیل کی مرافقت کی دعا مانگی اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جہاں یہ مقربین بارگاہ الٰہی عند اللہ دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہیں، آپ اسی مقام میں ان کی رفاقت سے سرفرازی چاہتے ہیں، نہ کہ ان مقربین بارگاہ الٰہی کو آپ اپنی قبر شریف میں رفاقت کے طلب فرما رہے ہیں۔

نبی اکرمؐ کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۶

فقہا نے مسئلہ لکھا ہے کہ ایک آدمی قبلہ رُخ ہو کر بیٹھا ہے دوسرا آدمی اس کی پشت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں (صحاح ستہ وغیرہ) میں باسانید صحیحہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آگے لیٹی ہوئی تھیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نفل پڑھتے تھے۔ جب سجدہ میں جانے لگتے تھے تو ہاتھ لگاتے تھے تو ام المومنین رضؓ اپنی ٹانگیں سکیڑ لیتی تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ زندہ آدمی قبلہ رُخ سامنے بیٹھا یا لیٹا ہو تو اس کی پشت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اس سے پہلے اسی کتاب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حجرہ عائشہ رضؓ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

تو اس اجماع سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس بات پر تمام صحابہ کرام رضؓ کا اجماع ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں دنیوی عنصری جسمانی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں ہیں بلکہ روحانی اور برزخی حیات ہے۔ ورنہ آپ کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع نہ فرماتے کیونکہ نہ تو آرامگاہ کے سامنے نماز پڑھنے کی ممانعت کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے اور نہ دیوار حجرہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے اور پھر قبر نبیؐ، قبر تو (آپ کے زعم کے مطابق) قبر ہی نہیں بلکہ آپؐ کی آرامگاہ معتکف

خارج از مسجد اور کوٹھی ہے۔ پھر آرامگاہ اور کوٹھی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں کونسی وجہ ممانعت کی ہو سکتی ہے۔

الحاصل قبر نبی ؐ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت پر صحابہؓ کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ سب صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ آپؐ بجسدہٖ وروحہٖ بحیوٰۃ دنیویہ عنصریہ زندہ نہیں ہیں دنیا کے اعتبار سے آپؐ اموات میں داخل ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۷

ابوداؤد سجستانی رح اپنی سنن ج ۲ ص ۲۹ میں باب الاضحیۃ عن المیت (میت کی طرف سے قربانی کرنے کے ثبوت وجواز کا باب (بیان) منعقد فرماتے ہیں۔

عن حنش قال رأیت علیا رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین، فقلت لہٗ ما ھٰذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اُضحی عنہ فانا اضحی عنہ یعنی حنش نے کہا میں نے حضرت علی رضؓ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دے گئے تھے کہ میری وفات کے بعد میری طرف سے قربانی کرتے رہنا۔ اس لیے میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا رہتا ہوں۔

اس حدیث باب سے امام ابوداؤدؒ نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور حدیث باب میں جس میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت اور جواز استنباط کیا گیا ہے وہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے اور قربانی کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جس سے روز روشن کی طرح عیاں واشکارا ہے کہ ابوداؤد سجستانیؒ نے حضورؐ کو میت کہا اور مستقل باب منعقد کیا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط سے مسلسل آج تک محدثینؒ، شارحین، فقہاء، مذاہب اربعہ (حنفی شافعی مالکی، حنبلی) اس باب کو پڑھتے پڑھاتے اور شرح کرتے آئے ہیں، مگر آج تک کسی غالی

سے غالی متبدع کو اس باب اور حدیث باب پر عالم بیداری میں تو کیا عالم خواب تک میں انکار و اعتراض نہیں سوجھا، غرضیکہ پوری امت بالاتفاق اس باب کو قبول و معمول بہ قرار دیتی ہوئی متفقہ طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون جسد اطہر کو میت ہی مانتی چلی آرہی ہے بلکہ خوش قسمت و بلند بخت اہل علم حضرات حضرت علی رضؓ کے عمل اور فرمان نبویؐ کی ذیل خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کا شرف بھی حاصل کرتے آرہے ہیں۔ اس اقرار کے باوجود بھی آپؐ کو دنیوی حسی حقیقی جسمانی عنصری حیات ثابت کرنا اپنے دو عملوں میں تناقض پیدا کرنا ہے۔

یہ حدیث امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع ج ۱ ص ۹۳ میں ذکر کی اور مشکوٰۃ ص ۱۲۸ میں بھی مذکور ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیات دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۸

جیسے محقق ابن اثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے آتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف فرما ہوتے تو نماز سے پہلے یا پیچھے آپؐ کو السلام علیکم کہتے۔ بغیر سلام کہے دہاتی بھی بے رخی کرتے ہوئے چلے نہ جاتے تھے مگر کسی حدیث سے یہ بات نہیں ملتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بعد از وفاۃ النبیؐ یہ معمول ہو کہ جب بھی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے آئیں تو قبر النبی پر السلام علیک یا رسول اللہ بھی کہتے جائیں۔

اس عمل صحابہ کرامؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو صحابہ کرام رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی حیات کے ساتھ آپؐ کو زندہ فی القبر مانتے تھے اور نہ ہی آپؐ کے سماع عند القبر کے قائل تھے کیونکہ اگر یہ تسلیم کریں کہ ان اصحاب کبار کا یہی عقیدہ تھا اور یہی عقیدہ رکھتے ہوئے نماز پڑھنے آئیں اور سلام علیک کہنے کے لیے آپؐ کی قبر اطہر کی طرف رخ تک نہ کریں تو صحابہ کرامؓ پر بہت بڑا الزام عائد ہوتا ہے کہ والعیاذ باللہ سخت بے مروت ہیں اس لیے کہ حسب مقولہ حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمہ اللہ قبرستان

ہیں گزرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جائے" (جمال قاسمی ص ۹)

یہ تو عام قبرستان میں گزرنے کے متعلق فرمایا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ کی وہ حیثیت تو ہرگز نہیں جو دوسروں کی قبور کی ہوتی ہے۔ جب امتیوں کے قبرستان میں بغیر سلام کرنے کے یوں ہی آنکھیں چرائے چلا جانا بڑی بے مروتی ہے اور بہت ہی بُری بات ہے تو مسجد نبوی میں پانچوں وقت نماز پڑھنے آنا اور فیصلے کرنے کرانے اور شہادت دینے کے لیے آنا اور اپنے محسن اعظم شفیق اکبر والد روحانی معلم لاثانی علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات کی خدمت اقدس میں حاضری نہ دینا اور ان کو السلام علیکم نہ کرنا بلکہ بغیر ملاقات کیے یوں ہی آنکھیں چرا کر اپنے اپنے گھروں کو چلا جانا کتنی بُری قسم کی بے مروتی ہے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والعیاذ باللہ سچ مچ ایسے ہی تھے کہ جب سامنے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا مستعمل پانی بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ اس کو باعث برکت من اللہ سمجھ کر اپنے بدن پر مل لیتے تھے آپؐ کی تھوک مبارک کو باعث برکت من اللہ سمجھتے تھے اور آپؐ کی معصوم پیٹھ کے ساتھ اپنا پیٹ لگانا سعادت سمجھتے تھے اور آپؐ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے تھے آپؐ سے دعا کرواتے تھے اور حضرت ان کے حق میں دعا مانگتے تھے، قحط پڑ جاتا تو حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرواتا۔ گناہ ہو جاتا تو آپ بھی اللہ سے بخشش مانگتا اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے گناہ بخشوانے کی درخواست کرتا۔

لیکن اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آرامگاہ میں عزلت نشین ہو گئے ہیں اب حضرت امام اول خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آپؐ کے یار غار تھے رفیق سفر تھے اور بچپن سے حضرت کے قدیمی دوست تھے ان کے بارے میں یہ بات کبھی سننے میں نہیں آئی کہ ان کا معمول ہو پانچوں وقت نماز سے پہلے یا پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ پر کھڑے ہو کر السلام علیکم یا رسول اللہ کہا ہو، حالانکہ حجرہ شریفہ میں ان کی اپنی صاحبزادی سکونت پذیر تھیں انہیں تو اجازت ملنے میں بھی کوئی دقت نہ تھی

مگر کسی ضعیف سے ضعیف حدیث میں بھی آپؓ کا یہ معمول نہیں ملتا۔

اس کے بعد امام ثانی حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا ان کے عہد ہمایوں میں بھی یہ معمول نہیں ملتا۔ قحط پڑا تو بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ پر جاکر عرض معروض کرتے، آنحضرتؐ کے چچا جان حضرت عباسؓ کو باہر میدان میں لے گئے آپ بھی دعا کی اور ان سے بھی دعا کی درخواست کی۔ اور جو قصہ حضرت بلال مزنیؓ کی طرف منسوب ہے وہ سراسر جھوٹ ہے جو سیف بن عمرو نے گھڑا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا عہد آیا اس عہد میں بھی یہ معمول نہیں ملتا، حضرت ذی النورینؓ پر کس قدر مصائب آئے مگر آنحضرتؐ کی آرامگاہ میں سلام علیک کہنے بھی نہیں گئے حتیٰ کہ اپنے دار میں بھوکے پیاسے ڈیڑھ مہینہ محبوس رہے۔ اخیر میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے کرتے باوضو اور روزہ دار ہونے کی حالت میں اشقیاء کے ہاتھوں بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے بعد حضرت علیؓ کا عہد آیا اس عہد میں بھی یہ رسم نہیں نکلی تھی کہ نماز سے آگے یا پیچھے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے والے آنحضرتؐ کی آرامگاہ پر حاضری دیتے اور السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر جاتے بلکہ کسی صحابیؓ سے یہ معمول ثابت نہیں ہے البتہ اتنا احادیث میں ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عادت مبارک تھی کہ جب سفر پر آپ جانا چاہتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آکر درود پڑھتے اور دعا مانگ کر فوراً چلے جاتے (موطا امام محمد عن مالک عن عبداللہ بن دینار ص ۳۹۶) اور پھر فرمایا قال محمد هكذا ينبغي ان يفعله اذا قدم المدينة يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم یعنی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر تشریف لاتے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام کرتے دعا کرتے پھر واپس چلے جاتے تھے ایسے ہی کرنا دوسرے لوگوں کو بھی مناسب ہے کہ جب مدینہ میں آئیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر آئیں۔ اور آپ پر درود بھیجے اور دعا مانگے پھر چلا جائے۔

مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت میں تو ہے کہ آپؓ السلام علیک یارسول اللہ پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ نبیؐ اور صاحبینؓ تینوں پر صلوٰۃ کرتے اور ایک میں ہے کہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھتے تھے۔ بہرحال یہ سلام دعائیہ ہے خطاب کرنا مقصود نہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۹

ہمارے حضرات حنفیہ فقہاء کے استاذ اولین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشہد کما یعلمنی السورۃ من القرآن التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ وھو بین اظہرنا فلما قبض قلنا السلام علی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۶) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد اسی طرح سکھایا جس طرح قرآن کریم کی سورتیں سکھاتے تھے التحیات للہ الخ آپؐ کی حیات طیبہ میں ہم تشہد میں السلام علیک ایہا النبی خطاب کے صیغے سے پڑھتے رہے۔ جب آپؐ کی وفات شریف ہوئی تو پھر ہم السلام علیک کی جگہ غائب کے صیغہ سے السلام علی النبی پڑھنے لگے۔ فلما قبض کی شرح میں علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری میں ارشاد فرماتے ہیں:

فلما قبض ھکذا جاء فی ھذہ الروایۃ دون الروایات المقدمۃ فظاھرھا انھم کانوا یقولون السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ بکاف الخطاب فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما مات ترکوا الخطاب وذکروہ بلفظ الغیبۃ فصاروا یقولون السلام علی النبی یعنی دوسری روایتوں کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ آپ کی حیات طیبہ میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کو خطاب سے پڑھتے تھے جب آپؐ وفات پاچکے تو وہ خطاب چھوڑ کر غائبانہ

طور پر علی النبی پڑھنے لگے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس بیان اور علامہ عینیؒ کی اس تشریح سے نمایاں طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں زندہ نہیں (بحیات جسد عنصری) اگر آپؐ اپنی عرفی قبر شریف میں بحیات جسد عنصری زندہ ہوتے تو حضرات صحابہ کرامؓ خطاب کو ترک ہی کیوں کرتے اور فلما قبض اور فلما مات کہنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔

اور اصل روایت میں لفظ قلنا اور علامہ عینیؒ کی شرح کے الفاظ فصار و یقولون یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کل صحابہ کرام کا یہی عمل اور یہی عقیدہ تھا کہ آپؐ اپنی عرفی قبر شریف میں بجسد عنصری زندہ نہیں۔

اور سنن ابی داؤد کی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی روح طیبہ عالم برزخ میں ہے جس کے یہ مقدس الفاظ ہے عن ابی ھریرۃؓ قال قال ما من مسلم یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیہ السلام (کتاب المناسک باب زیارۃ القبور)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ نفی حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۱۰

مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص میں ہے کان اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب سفر سے واپس آتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہدیتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبر پر سلام کہا کرتے تھے اور میں نے آپ کو سو مرتبہ بلکہ سو مرتبہ سے بھی زیادہ مرتبہ دیکھا کہ آپؓ قبر اطہر پر آتے ہیں اور کہتے ہیں السلام علی النبی (بصیغۂ غائب نہ مخاطب) السلام علی ابی بکر السلام علی ابی (بصیغۂ غائب)

اور مسند امام اعظم ص ۱۲۶ میں ہے ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمرؓ قال

من السنۃ ان تاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ وتجعل ظہرک الی القبلۃ وتستقبل القبر بوجہک ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس تو آئے اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور چہرہ قبر کی طرف کر کے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ،

مگر بڑی تلاش کے بعد مجھے یہ نہیں ملا کہ حضرت نافعؒ اور عبداللہ بن دینار کا اپنا کیا معمول تھا؟ آیا اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح ان کا اپنا معمول یہی تھا کہ سفر پر جاتے وقت اور سفر سے آتے وقت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر درود و سلام پڑھتے تھے یا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کا یہ معمول نہ تھا۔ اگر ان کا یہ معمول تھا تو اس سے وہ بات تو ہرگز ثابت نہیں ہوتی جو حیات النبیؐ یا سماع النبیؐ پر دال ہو۔ . .

حضرت ابن عمرؓ غائب کا لفظ بھی استعمال فرما لیتے تھے جیسے خطاب کا استعمال فرماتے اگر خطاب سماع کی دلیل ہے تو صیغۂ غائب کے استعمال کا کیا مطلب؟ نیز ان کا عمل سفر پر جانے یا سفر سے آنے کے وقت تھا اور جب پنجگانہ نمازیں پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں آتے تھے تو قبر النبیؐ پر ان کے آنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح جب نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تب بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک کہہ کر گھر جاتے ہوں حالانکہ آپؓ کو سلام کہنے کی بڑی شوق تھی، جیسے مشکوٰۃ باب السلام ص ۴۰۰ میں بروایت طفیلؓ بن ابی بن کعب سے مروی ہے کہ طفیل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عام معمول تھا کہ سویرے سویرے صبح میرے ساتھ بازار میں جاتے جس بساطی یا تاجر یا مسکین یا کسی اور آدمی کے پاس سے گزرتے تو آپ اس کو سلام علیک کرتے۔ طفیل کے سوال کے جواب میں آپؓ نے فرمایا کہ اے بڑے پیٹ والے ہم بازار میں صرف سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں ہم ہر اس شخص کو سلام کرتے ہیں جو ہمیں ملتا ہے یعنی اس میں ثواب ملتا ہے۔

سلام کرنے کے لیے بازار میں تو آپ چلے جاتے ہیں اور سوائے سلام کے آپؐ کا کوئی مقصد نہیں ہوتا تھا، نہ سودا لینا نہ کسی چیز کا نرخ پوچھنا، مع ہذا نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرامگاہ کے پاس جاکر سلام نہ کہتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس طرح کا عقیدہ نہیں تھا جس طرح اب سمجھا جاتا ہے۔

اور تابعین میں بھی یہ رواج نہیں تھا بلکہ حضرت خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجرہ شریفہ کا دروازہ ہی بند کر دیا اور ارد گرد دیوار کھینچ دی کہ قبر کے قریب ہی کوئی نہ آئے اور کتب حدیث کے مؤلفین نے خود قبر النبیؐ و قبر صاحبیہؓ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔

مشکوٰۃ ص ۱۴۸ میں امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سفیان تمارؒ جو تبع تابعین کبار میں سے ہیں انہوں نے کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو دیکھا جو کوہان کی طرح تھی۔ نیز ابن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں انہیں سفیان تمارؒ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ سفیان فرماتے ہیں کہ میں بیت (حجرہ شریفہ) کے اندر چلا گیا تھا جس میں دیکھا کہ تینوں قبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مسنم (کوہان کی طرح) تھیں۔ اسماء الرجال والے بھی ان کی خصوصیات سے بتلاتے ہیں کہ یہ وہ مبارک شخصیت ہے جس کو قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور یہ عبداللہ بن المبارک وغیرہ کے استاذ ہیں، حضرت امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو دیکھا ہے۔ دیکھو الکمال فی اسماء الرجال ص ۱۴) سفیان تمار کی روایت صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶ میں بھی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی عقیدہ حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۱۱

ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۰ فصل فی الصلوٰۃ علی المیت (میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان) میں ہے وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والنفل بھا غیر مشروع ولھذا تری الناس ترکوا عن اٰخرھم الصلوٰۃ علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع۔ یعنی

ولی کے نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نفل مشروع نہیں لہٰذا دوبارہ نماز جنازہ جائز نہیں چنانچہ تو دیکھتا نہیں کہ حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنازہ پڑھنے کے بعد پھر کسی نے قبر اطہر پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا۔ حالانکہ آپ کا مقدس و مطہر و معصوم جسم قبر شریف میں بالکل ویسے ہی تر و تازہ صحیح سلامت موجود ہے جیسا کہ سپرد خاک کرنے کے وقت تھا۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ آپؐ کو کس حال میں رکھا گیا تھا۔ احادیث کی کتابوں کو دیکھا تو ان میں ایک باب بایں عنوان لکھا پایا مَاجَاءَ فِیْ دَفْنِ الْمَیِّتِ یعنی وہ حدیث جو میت کو دفن کرنے کے بارے آئی ہے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیر کے روز وفات کا ذکر فرمایا پھر منگل کے دن دفن کیا جانا ذکر کیا تو صراحتہً معلوم ہو گیا کہ آپ کو جب دفن کیا گیا اس وقت آپؐ میت تھے یعنی جس وقت آپ کو قبر اطہر میں رکھا گیا تھا اس وقت آپؐ میت تھے۔ پھر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وھو الیوم کما وضع یعنی آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپؐ کو رکھا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ آپ کو میت ہونے کی حالت میں رکھا گیا تھا سو اب بھی اسی حالت میں ہیں جب آپ کو قبر اطہر میں رکھا گیا تھا اس وقت آپ کا جسد مقدس و مطہر و مطیب بلا تغیر تبدل صحیح سلامت تھا اور آج بھی آپؐ کا جسد مطہر و مطیب و مقدس بلا تغیر و تبدل صحیح سلامت محفوظ ہے اور آپؐ کی قبر اطہر ہمارے لیے شرعی احکام کی رو سے نمونہ ہے جس طرح آپؐ کی قبر اطہر کچی ہے باوجودیکہ آپ بعد از خدا بزرگ تر ہیں ہماری قبر بھی کچی ہو آپؐ کی قبر بغلی ہے ہماری بھی بغلی ہو۔ آپؐ کی قبر مسنم ہے ہماری بھی مسنم ہو، آپ کے جسد مطہر کے نیچے روئی وغیرہ نہیں رکھی گئی ہمارے جسم کے نیچے بھی کوئی روئی وغیرہ گدگدی چیز نہ ہو۔ آپ کی قبر پر چراغاں نہیں ہوتا ہماری قبر پر بھی نہ ہو آپؐ کی قبر پر سجدہ نہیں ہوتا ہماری قبر پر بھی سجدہ نہ ہو۔ آپؐ کی قبر پر قرآن خوانی نہیں ہوتی ہماری قبر پر بھی قرآن خوانی نہ ہو، آپؐ کی قبر پر سرخ رنگ کی کنکریاں ہیں ہماری قبر پر بھی سرخ کنکریاں ہوں۔ آپ کے کفن میں عمامہ، ٹوپی، جبہ

جوتا نہ تھا، ہمارے کفن میں عمامہ، ٹوپی، جبہ اور جوتا وغیرہ نہ ہو۔

ہاں چند خصوصیات ہیں جو آپؐ اور آپؐ کی قبر کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً آپ کو کپڑوں سمیت نہلانا اور عند البعض آپؐ کے نیچے قطیفہ حمراء کا بچھانا جیسے مصنف عبد الرزاق میں یہ خصوصیت کا قول امام ابو الصدیق رضؓ کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اور آپ کی قبر اطہر کا مکان (حجرۂ شریفہ) کے اندر ہونا اور آپؐ کے جسد طیب و مطہر و مقدس کا کھانا مٹی پر حرام ہونا۔ یہ سب خصوصیات ثابتہ ہیں ان میں دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ اس آخری بات میں کسی امتی کو شان بخشدے تو اس کی عنایت۔ ورنہ گارنٹی کوئی نہیں۔

مگر ہاں یہ کہنا کہ آپؐ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں اس میں کوئی پہلو خصوصیت کا نہیں ہے کیونکہ بزعم شما جب دیگر اموات بھی زائر کو دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں اور سلام زائر سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اگرچہ ان کا جسم مٹی ہو چکا ہو، تو انبیاء کرام علیہم السلام بھی دیکھ جان پہچان لیں۔ زائر کا سلام سن لیں جواب دے لیں تو کیا کمال ہوا، بلکہ اس میں انبیاء کی توہین اور دیگر اموات کا کمال پایا گیا، کیونکہ جس کا جسم عنصری صحیح سلامت ہو، زندہ ہو اور سلام سن لے اور جواب دے لے تو عقلاً بعید نہیں کیونکہ آلات صحیح سلامت ہیں۔ کمال یہ ہے کہ کان آنکھ، زبان دل وغیرہ تمام اعضاء مٹی میں مٹی ہو گئے خاک ہو گئے یا راکھ ہو گئے پھر وہ سن لے، دیکھ لے، جان لے، پہچان لے اور زائر کے سلام کا جواب دے لے یعنی نبی پاکؐ تو سنیں کانوں کی سلامتی کے ساتھ اور غیر نبی کانوں کی سلامتی کے بغیر بھی سن لیتے ہیں، نبیؐ تو بات کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی زبان صحیح سلامت ہے اور غیر نبی کی زبان مٹی ہو جاتی ہے پھر بھی باتیں باقاعدہ کرتی ہے۔ نبیؐ اس لیے دیکھ لیتے ہیں کہ ان کی آنکھیں بالکل صحیح سلامت ہیں اور غیر نبی کی آنکھیں مٹی ہو جانے کے باوجود باقاعدہ زائرین کو دیکھتی رہتی ہیں، نبیؐ کا زائر کو جان پہچان لینا کوئی کمال نہیں جب ان کا دل مبارک قفس عنصری کے اندر بلا تغیر و تبدل تندرست موجود ہے۔ کمال شان تو اللہ تعالیٰ نے غیر نبی کو عطا فرمایا

کہ باوجودیکہ دل گردے اور سارا جسم خاکی خاک ہوگیا ہے پھر بھی زائر کو جان پہچان لیتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نیلوی کہتا ہے کہ ایسا عقیدہ جس میں غیر نبی کی نبی پر فضیلت ہو اور انبیاء کی شان میں گستاخی ہو وہ بلاریب کفر ہے۔ اب ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی کس صورت میں لازم آتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نفی عقیدہ حیاۃ دنیویہ عنصریہ کی مؤید دلیل ۱۲

نیلوی کہتا ہے کہ احادیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے جو بات ارشاد ہوئی ہے اس سے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات دنیویہ کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ احمد و بیہقی و دارمی کے حوالہ سے صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ص ۳۰ و ۳۲ میں فرمایا: "لو کان موسیٰ حیًّا ما وسعہ الا اتباعی، لو کان موسیٰ حیًّا وادرک نبوتی لاتبعنی" یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتے اور وہ میری نبوت کا زمانہ پالیتے تو وہ خود بھی میری ہی پیروی کرتے، ان کو میری پیروی کیے بغیر کوئی ذرا سی گنجائش بھی نہ ہوتی۔

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ برزخی حیات میں کوئی بھی احکام شرعیہ کا مکلف نہیں اور یہ مسئلہ سب کے ہاں بلاشک مسلم الثبوت ہے۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان وضاحت سے بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دنیوی زندگی اس وقت نہیں ہے کیونکہ ان کی زندگی اگر دنیوی ہوتی تو ان پر میری پیروی فرض ہوتی لیکن چونکہ اس وقت ان پر میری پیروی فرض نہیں ہے لہٰذا حسب قاعدہ انتفاء تالی منتج ہے۔ انتفاء مقدم کا دنیوی زندگی کا حضرت موسیٰ ع سے انتفاء ثابت ہوگیا اور اگر دنیوی حیات موسیٰ علیہ السلام کی ثابت کریں تو حسب قاعدہ "وضع مقدم منتج ہے وضع تالی کا"۔ ثابت کرنا پڑے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آپ کی اتباع واجب ہے۔ لیکن کلمہ لَوْ اس بات سے آبی ہے۔

نیز سب محدثین استادِ عالی پر فخر کرتے ہیں اگر استاذ کا استاذ زندہ ہے اور اور وہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے تو خواہ کس قدر کٹھن راستہ ہو صعوبتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لتشق الانفس وہ راستہ طے کرتے ہوئے پہنچتا ہے اور شیخ الشیخ سے براہِ راست حدیث حاصل کرتا ہے۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہم دیکھتے ہیں اسی طرح ان کے شاگردوں کو کہ مدینہ میں رہتے ہوئے بعد از وصال نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نہیں پوچھتے بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ دنیویہ عنصریہ کے ساتھ رونق افروز تھے تو اس وقت صحابہ کرام رض کا یہ معمول تھا کہ جب کسی نے کسی صحابی رض سے مسئلہ پوچھا تو یہی جواب دیتے کہ جب نبی پاک ہم میں موجود ہیں تو انہیں سے پوچھ لیتے ہیں۔ جیسے مسئلہ عزل وغیرہ میں صاف موجود ہے۔

مؤید دلیل ۱۳

حضرت ابو الدرداء رض صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (جب آپ دمشق کی جامع مسجد میں مقیم تھے) ایک آدمی مدینہ طیبہ سے چل کر صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر کی صعوبتیں جھیلتا ہوا پہنچتا ہے پھر یہ معلوم کر کے حضرت ابو الدرداء رض اس کو تسلی دیتے ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ او بیچارے تو نے اس قدر تکلیف کی ہے اس قدر تکلیف کی کوئی ضرورت نہ تھی جب مدینہ پاک میں بہ نفس نفیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہیں سے آپ کے حجرہ مبارکہ کے اندر آپ کی آرامگاہ کے پاس بیٹھ کر براہِ راست حدیث پاک دریافت کر لیتا تو یا تو فوراً حضور اپنی معصوم زبان سے حدیث سنا دیتے یا حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کو بھی خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ حدیث سنا دیتے (بزعم خصم)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ دنیویہ کا عقیدہ نہ تو اس مسافر کا تھا اور نہ ہی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ سب صحابہ رض و تابعین و اہل حدیث کا متفقہ عقیدہ ہے

کہ ان (انبیاء و شہداء) کی حیاتِ اخرویہ روحانیہ ملکوتیہ، برزخیہ ہے اور اس مسئلہ میں بجز معتزلہ کے خلاف کسی نے نہیں کیا۔ کما فی شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی۔

مظاہر حق ص ۹۱ میں ہے ف: نہیں آیا میں واسطے اور کام کے یعنی سوائے سننے حدیث کے اور کچھ غرض میری نہیں۔ انہوں نے اجمالاً وہ حدیث سُنی ہوگی، چاہا کہ ساتھ تفصیل کے سنیں۔ یا احتمال ہے کہ انہوں نے بواسطہ سُنی ہوگی اب چاہا کہ بلا واسطہ سُنیں۔

مؤید دلیل ۱۴

معراج میں حضورؐ نے تمام انبیاء کی امامت کرائی

فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں میں انبیاء کرام ع سے ملاقات اور بیت المقدس میں ان کی امامت کا ذکر ہے: دخلت بیت المقدس فجمع لی الانبیاء فقدمنی جبرائیل ع حتی امتہم میں بیت المقدس کے اندر گیا اور انبیاء کرام ع کی جماعت وہاں موجود پائی پس جبرائیل ع نے مجھے ان کا امام بنایا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ ..... وفی حدیث ابی ھریرۃ عند البزار وحاکم انہ صلی ببیت المقدس مع الملائکۃ وانہ اُتی ھناک بارواح الانبیاء فاثنوا علی اللہ وفیہ قول ابراھیم لقد فضلکم محمد یعنی حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی اور انبیاء کے ارواح مطہرہ بھی بیت المقدس میں جمع کیے گئے پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے آپ سب حضرات پر میرے اس فرزند (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو فضیلت و سرفرازی بخشی ہے۔ آگے فرمایا ج ۷ ص ۱۶۴ میں ثم دخلت المسجد فعرفت النبیین من بین قائم وراکع وساجد ثم اقیمت الصلوٰۃ فامتہم یعنی جب ہم بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انبیاء کرام علیہم السلام کو قیام رکوع اور سجدہ میں مشغول پایا۔ چنانچہ تکبیر اقامت

ہوئی تو ہم نے امام ہو کر ان کو نماز پڑھائی۔

(۲) علامہ بیضاوی نے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ کی تفسیر میں آنحضرتؐ کا فرمان نقل فرمایا کہ مثلت لی الانبیاء فصلیت بھم یعنی انبیاء علیہم السلام برزخ کے مثالی اجسام میں بیت المقدس میں جمع تھے پھر میں نے انہیں نماز پڑھائی۔

(۳) صوفی خازن نے اپنی تفسیر میں فرمایا ومثلوا لہ یعنی شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام نے برزخی مثالی اجسام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی۔

(۴) علامہ سیوطیؒ نے بھی شرح الصدور ص ۲۲۹ میں فرمایا انہ رأی فیھا الارواح فی مثال الاجسام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام کو برزخی، مثالی اجسام میں دیکھا۔

(۵) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۲۹ میں فرمایا الصحیح انہ رأی فیھا الارواح فی مثال الاجسام یعنی اصل اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام وغیرہم کو برزخی مثالی اجسام ہی میں دیکھا اور ملاقات فرمائی۔

(۶) اور فرمایا وارواحھم متشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابوالوفا بن عقیل (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۶۸) یعنی حضرت ابوالوفا بن عقیلؒ ایسے نامور محدث اور چوٹی کے شارح بڑے وثوق، یقین اور دعویٰ سے فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ارواح بیت المقدس میں اپنی اپنی شکل کے مثالی اجسام سے حاضر ہوئے۔

آسمانوں میں ملاقات انبیاء کرام علیہم السلام

(۱) انبیاء علیہم السلام کی آسمانوں میں ملاقات کا ذکر ص ۱۶۸ میں کیا۔ ان جبرائیل قال لہ عند کل واحد منھم سلم علیھم قال فسلمت علیہ فرد علیّ السلام یعنی آسمانوں پر بوقت ملاقات انبیاء سے ہر ایک کو سلام کہنے کا جبرائیل نے امر کیا پس میں سلام ان انبیاءؑ کو کہتا گیا اور انبیاء کرام وعلیکم السلام کہتے رہے حتیٰ کہ فاذا فیھا آدمؑ

فقال ھٰذا ابوک اٰدم حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو جبرائیلؑ نے کہا یہ آپ کے جدّ امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

(۲) پھر بیہقیؒ کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں اما باٰدم تعرض علیہ ارواح ذریۃ المومنین فیقول روح طیبۃ ونفس طیبۃ اجعلوھا فی علیین ثم تعرض علیہ ارواح ذریۃ الفجار فیقول روح خبیثۃ ونفس خبیثۃ اجعلوھا فی سجین یعنی میں نے دیکھا کہ آدمؑ پر اس کی اولاد سے مومنین کے ارواح پیش کیے جاتے ہیں تو حکم دیتے ہیں یہ روح ونفس تو طیّب ہیں ان کو علیین میں جگہ دیدو اور جب بدکار پیش کیے جاتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ خبیث روح ونفس ہیں ان کو سجین میں داخل کردو۔

تو جب مومنین کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیّبہ بطور اولیٰ اعلیٰ علیین میں ہوں گی کیونکہ ان کی شان ارواح مومنین سے بدرجہا اعلیٰ اولیٰ ارفع ہے۔

(۳) پھر تیسری روایت میں فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا جب ہم بیت المقدس میں داخل ہوئے تو کچھ زیادہ وقت نہ گزرا کہ حتّٰی اجتمع ناس کثیر ثم اذن موذن فاقیمت الصلوٰۃ فقمنا صفوفًا ننتظر من یؤمنا فاخذ جبرائیل فقدّمنی وصلیت بھم یعنی کثیر تعداد میں لوگ مسجد میں جمع ہوگئے پھر اذان واقامت ہوئی تمام حضرات صفیں بنائے امام کے منتظر کھڑے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر آگے کردیا اور میں نے بحیثیت امام الانبیاء کے ان سب کو نماز پڑھائی۔

(۴) پھر آگے چل کر اسی صفحہ ۱۶۴ میں فرمایا رؤیتہ ایاھم فی السماء محمولۃ علیٰ رؤیۃ ارواحھم لا عیسیٰ لما ثبت انہ رفع بجسدہ یعنی چونکہ حضرت عیسیٰ مع جسد عنصری کے آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں لہٰذا ان کی ملاقات تو دنیوی جسم سے ہی ہوئی اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح نے ملاقات کا فخر حاصل کیا۔

(۵) حافظ ابن رجبؒ کا بیان سیوطیؒ شرح الصدور میں احوال القبور کے باب ۹ میں محل ارواح الموتیٰ فی البرزخ سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ کے ارواح طیّبہ عند اللہ اعلیٰ علیین میں دیدارِ الٰہی کی مسرتوں سے لطف اندوز اور فردوس کی بہاروں سے فائز ہیں

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی اس امر کا مجسم ثبوت اور مصرح شہادت ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد کہاں ہیں (قبر شریف میں ہیں یا عند اللہ جنت میں ؟) تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپؐ اب جنت الفردوس میں ہیں۔

(۶) ابن حزم ظاہری کا بیان سیوطی نے شرح الصدور ص ۹۹، ۱۰۰ میں نقل کیا کہ :
تعجل ارواح الانبیا والشھداء الی الجنۃ یعنی انبیاء اور شہداء کے ارواح طیبہ عنصری اجسام سے نکل کر فوراً جنۃ الفردوس میں تشریف لے جاتے ہیں۔

(۷) معین الدین نسفی حنفی نے بحر الکلام میں فرمایا عالم برزخ میں بعد الموت ارواح چار طرح پر ہیں (۱) انبیاء علیہم السلام کے ارواح انسانی عنصری اجسام سے خارج ہو کر جنت میں کستوری اور مثالی اجسام (انسانی صورت) سے فائز فردوس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے عرش معلّٰی سے ملحقہ نورانی قنادیل میں آرام فرما اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذتوں کی محویت سے سرشار ہیں۔

(۸) تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۳۴ میں ہے ارواح الانبیاء تخرج من جسدھا و تصیر مثل صورتھا المسک والکافور وتکون فی الجنۃ تاکل وتشرب وتتنعم وتاوی الی قنادیل معلقۃ بالعرش یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح قدسیہ اپنے دنیوی عنصری اجسام سے نکلتے ہی کستوری و کافور ایسے معطر و شفاف اجسام میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں اور عرش معلّٰی سے ملحقہ قندیلوں میں آرام فرما اور جنۃ الفردوس کی بہاروں اور نعمتوں سے لطف اندوز اور شاداں و فرحاں ہیں۔

(۹) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا بیان بھی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ نے اپنی تفسیر مظہری میں ذکر فرمایا کہ قلت وما ذکر فی ارواح الانبیاء انھا تصیر فی مثل صورتھا المسک والکافور یعنی ان لھا اجساد اکاجساد الانسان وعبرھا بالمسک للتلطیف ریحًا وعبر المجدد رحمہ اللہ عن تلک الاجساد بالجسم الموھب یعنی ہم نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح قدسیہ اجساد

عنصریہ (دنیوی اجسام) سے نکلتے ہی کستوری و کافور کے مشک بیز و شفاف جسموں میں جلوہ نما ہو جاتے ہیں، وہ اجسام بالکل انسانی جسموں ہی کی صورت میں ہیں اور ان کی مہک و خوشبو اور لطافت کی وجہ سے اسے کستوری و کافور سے تعبیر کیا گیا، اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان برزخی (مثالی) اجسام کو اجسامِ عطائیہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے[۵]

کیا وفات النبی ﷺ کے عقیدہ سے انکارِ رسالت لازم آتا ہے؟

موطا امام مالک ص ۸۳ میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی روایت ہے کہ آپ فرماتی تھیں کسر عظم المسلم میتا ککسرہ حیا وھو حی قال مالک تعنی فی الاثم یعنی مسلمان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی (گناہ) ہے جیسے اسکی زندگی۔ حدیث عائشہ رضی میں گو "فی الاثم" کا لفظ نہیں ہے مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنین رضی کی مراد ہے تشبیہ فی الاثم نہ تشبیہ فی الالم اور ابن ماجہ ص ۱۱۷ میں حضرت ام سلمہ رضی کی روایت میں صراحۃً لفظ فی الاثم وارد ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان آدمی وفات پا جانے کے بعد بھی ایمان کے وصف کے ساتھ متصف رہتا ہے جیسا کہ زندگی میں ایمان کی وصف کے ساتھ متصف تھا مرنے کے ساتھ مسلمان سے ایمان والی صفت اس سے منتزع نہیں ہو جاتی۔ جب ہر مسلم کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے تو بطریق اولیٰ یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کی وفات کے ساتھ وصفِ رسالت و نبوت زائل نہیں ہو سکتی۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وفاتِ انبیاء کے عقیدہ سے انتزاعِ وصفِ رسالت و نبوت کا عقیدہ لازم آتا ہے یہ بالکل بے اصل اور بے دلیل ہے اگر ہر مسلم سے وصفِ ایمان زائل نہیں ہوتی تو نبی سے وصفِ نبوت کیسے زائل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آپ کے نزدیک بھی

پس ابن حجر، بیضاوی، خازن، سیوطی ابن رجب، نسفی، ابن حزم، پانی پتی، مجدد الف ثانی، کاندھلوی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

حیاتِ مسلم محض برزخی ہے دنیوی نہیں ہے۔ اگر وصف نبوت کا زائل نہ ہونا دلیل بن سکتی ہے انبیاء کی حیات دنیویہ برزخیہ کی، تو پھر ہر مسلم سے وصفِ ایمان زائل نہ ہونا بھی دلیل بن سکتی ہے ہر مسلم کی حیاتِ دنیویہ برزخیہ کی، پھر انبیاء کی حیاتِ دنیویہ پر زور دینا چہ معنے ؟

فائدہ : پوسٹ مارٹم کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ !

اور اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ ہڈی توڑنے سے گناہ تو ضرور ہوتا ہے مگر اس میت کو دُکھ درد نہیں ہوتا۔ اس میت کی ہڈیاں توڑتے رہو اس کا چمڑا کاٹتے رہو اس کے گوشت کو چھری سے کاٹ کر بوٹی بوٹی کر دو میت کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔ مؤطا کے محشی صاحب محلیؒ نے صراحتاً لکھا ہے قوله فی الاثم ای لا فی الالم یعنی تشبیہ گناہ میں ہے دُکھ درد میں تشبیہ نہیں اس لیے کہ مسلمان جب اس خاکی جسم کے ساتھ زندہ تھا تو اس کو مارنے سے یا چوکا دینے سے دکھ محسوس ہوتا تھا، بال کھینچنے سے دکھ ہوتا تھا، ہڈی توڑنا تو بہت ہی بڑی بات ہے مگر مرنے کے بعد اسے کچھ احساس نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں زید کو ضرور مار دوں گا۔ اب زید مر گیا اور قسم کھانے والا اس زید کی لاش کو لاٹھیوں سے مارنے لگ جاتا ہے تو اس کی قسم پوری نہیں ہوئی اس لیے کہ مارنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مضروب کو درد ہو اور مضروب کی لاش کو اس کے مرجانے کے بعد کچھ درد محسوس نہیں ہوتا اسی لیے اسکی قسم پوری نہ ہوئی۔

سوال و جواب

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا تو عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے اور ادھر کہتے ہو کہ مرنے کے بعد میت کے بدن میں کچھ قوتِ احساسیہ نہیں رہتی تو عذاب و ثواب بے فائدہ ہوا تو اس کا جواب علماء اہل سنت نے یہ دیا ہے کہ یہاں دنیا کے باشندوں کے مارنے سے دکھ اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ

وہ مضروب دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہوتا ہے اور اب مرنے کے بعد وہ دنیوی زندگی سے نکل گیا اس کو اب کوئی مارے یا اس کی لاش کو کاٹے، ہڈیاں توڑے یا جلائے یا کتوں بلوں بھیڑیوں کے آگے ڈال دے یا چیلوں گدھوں کی خوراک بنے اس کی لاش کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اور عذابِ الٰہی جو ہوتا ہے وہ اس دنیوی جسمِ خاکی کو زندہ کرنے سے نہیں دیا جاتا، بلکہ وہ حیات کی ایک دوسری غیر معلوم الکنہ قسم ہے (نوعٌ من الحیاۃ) یعنی برزخی حیات جو دنیوی حیات سے بالکل مغایر ہے۔ دنیوی حیات محسوس ہے اور برزخی غیر محسوس دنیا والوں کو برزخ والوں کا علم نہیں، برزخ والوں کو دنیا والوں کا علم ہے۔ اہلِ دنیا کے معمولات اور اہلِ برزخ کے معمولات اور اہلِ دنیا کے مدرکات اور اہلِ برزخ کے مدرکات اور اہلِ دنیا کے مبصرات اور اہلِ برزخ کے مبصرات اور اہلِ دنیا کے مسموعات اور اہلِ برزخ کے مسموعات، اور اہلِ دنیا کی خورد و نوش کی چیزیں اور اہلِ برزخ کے خورد و نوش کا سامان، اہلِ دنیا کے مزا دینے کے آلات اور طریقے اور اہلِ برزخ کے مزا دینے کے آلات اور طریقے اور اہلِ دنیا کے لیے فرحت اور سرور کے سامان اور اہلِ برزخ کے لیے فرحت و سرور کے سامان اور اگر کسی ولی یا نیک آدمی کو خدانخواستہ ہندوؤں نے پکڑ کر آگ میں جلا دیا ہے گو اس کی یہ خاکی لاش آگ میں جل گل رہی ہے مگر عالمِ بالا علیین میں باغات اور جنات کے اندر سیر کر رہا ہے۔ اگر کسی بدبودار مقام میں اس کی لاش رکھ دی ہے تو اس کی ناک میں بدبو محسوس کرنے کی کوئی حس نہیں۔ قوتِ شامہ ختم ہو چکی ہے۔ مگر عالمِ برزخ میں جنت کے باغوں کی خوشبو محسوس کرتے ہیں مسرور ہوتے ہیں۔ یہاں دنیا میں ان کی لاش پانی میں غرق ہے مگر برزخ میں باغات کی سیر کرتے ہیں۔ یہاں دنیا کے خاکی جسم سے ہاتھ کاٹ دیئے گئے برزخ میں اڑنے کے لیے پر مل جاتے ہیں (جیسے حضرت جعفر طیار کا ذکر حدیث میں ہے) یہاں آنکھ نکال دی گئی مگر برزخ میں نظر عطا ہو جاتی ہے۔ یہاں ٹانگیں کاٹ دی گئیں وہاں چلنے پھرنے کے لیے ٹانگیں عطا ہوتی ہیں۔

بہرحال دنیا والوں کی مار کا برزخ والوں کو احساس نہیں ہوتا، دنیا والوں کی بات

برزخ والے نہیں سنتے، دنیا والے زائرین کو برزخ والے نہ دیکھتے ہیں نہ جانتے پہچانتے ہیں نہ دنیا والوں کے ساتھ مکالمہ کرتے ہیں۔

ہاں برزخ والے خدا پاک کی برزخی جزا سزا کو خوب محسوس کرتے ہیں۔ وہاں کے فرشتوں کو دیکھتے ہیں، وہاں کے سانپوں اور بچھوؤں کو اور ہر موذی جانور کو دیکھتے ہیں، اندھے نہیں، وہاں ہولناک آوازیں سنتے ہیں بہرے نہیں۔ نیک لوگ جنت کے لہلہاتے باغ دیکھتے ہیں اندھے نہیں۔ وہاں باغات کی سیر کرتے ہیں لنگڑے نہیں۔ وہاں فرشتوں کے سوالات سنتے ہیں بہرے نہیں، ان کا جواب دیتے ہیں گونگے نہیں۔ وہاں مجالس میں حاضر ہوتے ہیں ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں بد لوگ جب مار کھاتے ہیں تو چیختے چلاتے ہیں کیونکہ انہیں گرزوں کی مار محسوس ہوتی ہے ادھر اُدھر دوڑتے ہیں۔ ان کا سر حقیقۃً کچلا جاتا ہے، ان کے ہونٹ حقیقۃً کاٹے جاتے ہیں پھر درست کر دیے جاتے ہیں۔ خاکی جسم کی لاش اگرچہ حنوط اور مسالے لگا کر بڑی محفوظ رکھی ہو۔

مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام اور متقدمین احناف

صاحب تسکین نے عرفی قبور میں انبیاء کرام کے حیاتِ عنصریہ کو اجماعی مسئلہ بتایا ہم نے خیر القرون و مجتہدین تک تو بتا دیا کہ وہ انبیاءؑ کی عنصریہ حیات فی القبور العرفیہ کے قائل نہ تھے اب ہم متقدمین مشائخ احناف کے متعلق بتانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی انبیاء کی حیاتِ عنصریہ فی القبور العرفیہ کے قائل نہ تھے۔

قرون وسطیٰ میں یہ مسئلہ اٹھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیوی زندگی میں تو واقعی برحق نبیؐ و رسولؐ تھے مگر بعد از وفات اب بھی رسولؐ و نبیؐ ہیں یا کہ آپؐ کی وفات کے ساتھ ہی ساتھ آپ سے رسالت و نبوت کی صفت بھی زائل ہو گئی۔ خاکم بدہن، اب آپ رسول و نبی نہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

جیسے کرامیہ فرقہ کے بدعتیوں نے کہا تھا، لعنہم اللہ ابدًا

(۱) ابوالمعین نسفی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا کہ حیات میں تو آپ حقیقی نبی و رسول تھے اور بعد از وفات آپ حکمی نبی و رسول ہیں اور حکم شئے کو اصل کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ جیسے عدت میں نکاح کے بعض احکام قائم رہتے ہیں لیکن ابوالحسن اشعریؒ کے سوا دوسرے اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ آپ وفات کے بعد بھی حقیقی نبی و رسول ہیں جیسے وفات کے بعد ایمان کی صفت حقیقۃً باقی ہے کما مرّ۔

کیونکہ: نبوت، رسالۃ و ایمان در اصل روح کی صفتیں ہیں اور مرنے کے بعد روح تو باقی ہے اس میں کسی طرح تغیر واقع نہیں ہوتا ——— یہ ہے جواب جو ابوالمعین نسفی حنفیؒ نے دیا۔

مگر اس کے بعد سبکی نے اس جواب کو رد کر دیا اور کہا "انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وصف نبوت جسم اور روح دونوں کے لیے معاً باقی ہے۔ وتعقب بان الانبیاء احیاء فی قبورھم فوصف النبوۃ باقٍ للروح والجسد معاً.....

نقل السبکی فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ قال انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حیّ فی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ابداً یاد علی الحقیقۃ لا المجاز۔ انتہٰی المواھب اللدنیہ (ص ۵۴/۲)

(۲) محمد حسن سنبھلیؒ فرماتے ہیں، علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور رسل دار دنیا سے انتقال کے بعد حقیقی نبی رسول ہوتے ہیں یا حکمی؟ پھر جواب دیا: حنفی مشائخ کا مذہب ہے کہ اب بھی وہ حقیقی طور پر نبی و رسول ہیں! اشعری اور اس کے متبعین حکمی نبی رسول کہتے ہیں۔ جیسے ابوالمعین نسفی حنفی نے بحر الکلام ص میں لکھا ہے اور امام ابوالمحاسن قونوی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں اور دوسروں نے بھی یہی لکھا ہے۔

مشائخ حنفیہ نے اپنے دعویٰ (انبیاء و رسل کا حقیقی طور پر نبی و رسول ہونا) کی دو دلیلیں دی ہیں۔ ایک نقلی دوسری عقلی۔ نقلی دلیل آیت لا نفرق بین احد من رسلہ رسل کا لفظ ہی دلیل ہے اس امر کی کہ حضورؐ کے زمانہ میں تمام رسول وصف رسالت میں متحد و متصف ہیں۔ اس وصف میں تمام رسل میں کوئی تفاوت

نہیں۔ یہ آیت فوت شدہ رسولوں کے حکمی رسول ہونے کی نفی کرتی ہے۔ ورنہ تو اب نعوذ باللہ ہمارے نبیؐ بھی حکمی رسول ہوں۔

عقلی دلیل یہ دی کہ رسالت و نبوت کی موصوفِ اصلی و حقیقی روح ہے اور بعد از وفات روح متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی وصف میں تبدیلی آتی ہے۔ جیسے شرح طحاوی میں مذکور ہے۔

اور مشائخ اشاعرہ فرماتے ہیں کہ رسالت و نبوت ہر دو عرض تھیں اور ایک عرض دو مختلف زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی۔ اب اگر کوئی ظہر کی نماز پڑھکر فارغ ہو جائے تو یوں کوئی نہیں کہتا کہ فلاں نماز میں ہے اور نماز پڑھتے پڑھتے جو حدث لاحق ہو جائے پھر وضو کرنے چلا جائے تو اسے کہتے ہیں کہ حکم میں نماز کے ہے۔ اصل نماز میں نہیں۔

پھر حنفیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بات ثابت و محقق ہو چکی ہے کہ رسالت و نبوۃ دراصل صفت ارواح ہے (نہ جسد عنصری مع الروح کی) اور موت کا روح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں (یعنی روح نہیں مرتی) لہٰذا رسالت و نبوت بھی اپنے حال پر حقیقی طور پر قائم ہیں بقائے روح کی وجہ سے۔ مزید برآں یہ بات ہے کہ آیت کریمہ خود ان رسل کے حکمی رسل ہونے کے عقیدہ کو رد کرتی ہے (نظم الفرائد و جمع الفوائد ص۶۶) مخافۃ تطویل کی وجہ سے عربی عبارات چھوڑ رہا ہوں)

(۳) صاحب ہدایہ نے صلوٰۃ الجنازہ کی بحث میں دوبارہ میت پر نماز جنازہ پڑھانے کو مکروہ فرمایا اور دلیل دی کہ اگر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا کسی میت پر جائز ہوتا تو اب تک سب لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ پڑھتے چلے آتے کیونکہ اس وقت بھی آپ اسی حالت میں قبر عرقی میں موجود ہیں جس حالت میں آپؐ کو رکھا گیا تھا۔

صاحب ہدایہ نے بحث جنازہ میں نماز جنازہ میت پر دوبارہ پڑھنے کی کراہت پر دلیل قائم کی ہے اگر صاحب ہدایہ حضورؐ کو بجسدہ العنصری قبر شریف میں حیات سمجھتے تو دعوٰی دلیل کا باہم انطباق نہیں تھا اور تقریب تام نہ تھی کیونکہ سائل

کہہ سکتا تھا کہ دعویٰ تو ہے "میت پر دوبارہ جنازہ کی نماز مکروہ ہے" اور دلیل میں کہہ رہے ہو کہ حضورؐ کا نماز جنازہ دفن سے پہلے جو پڑھا گیا سو پڑھا گیا لیکن دفن ہونے کے بعد سے اب تک تقریباً چھ صدیاں گزر چکی ہیں کسی نے نماز جنازہ حضرتؐ کی قبر پر نہیں پڑھی۔

یہ دلیل دعویٰ کے ساتھ اس لیے منطبق نہیں کہ حضورؐ دفن کے بعد پھر بجسدہ العنصری زندہ ہو چکے ہیں اب حضرت پر نماز جنازہ پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا لہٰذا صاحب ہدایہ کی یہ دلیل غلط ہے لیکن غلط کہنے کی بجائے ان کے بعد تمام آنے والے عینی، زیلعی، کاسانی، ابن نجیم، ابن ہمام وغیرہ جید و محقق علماء اسی دلیل پر مہر تصدیق ثبت کرتے چلے گئے اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ کی حیات گو دنیویہ بھی ہے اور برزخیہ بھی ہے مگر نماز کے معاملہ میں صرف برزخیہ ہے نہ دنیویہ۔

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ بھی جسد اطہر میں دوبارہ اعادۂ روح کے قائل نہیں نیز آپؒ نے کہا کہ حضورؐ اب بھی اسی حالت میں بغیر تغیر و تبدل کے موجود ہیں جس حالت میں آپ کو لحد مبارک میں اتارا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ جب آپؐ کو لحد مبارک میں اتارا گیا اس وقت آپ کے جسد اطہر میں روح نہ تھی پس اب بھی آپؐ کے جسد اطہر میں روح نہیں ہے وہو المطلوب۔

(۴) علامہ کاسانی بھی اسی طرح فرماتے ہیں والدلیل علیہ ان الامۃ توارثت ترک الصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الخلفاء الراشدین والصحابۃ ولو جاز لما ترک مسلم الصلوٰۃ علیہم خصوصاً علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ فی قبرہ کما وضع فان لحوم الانبیاء حرام علی الارض۔ بہ ورد الاثر۔ وترکہم ذالک اجماعاً منہم دلیل علیٰ عدم جواز التکرار (بدائع صنائع ص۳۱۱)

اور دوسروں کا جسد عنصری مٹی کھا جاتی ہے الا ماشاء اللہ! اور بعضوں کا جسد بعض دوسری وجوہ سے مدتوں محفوظ رہتا ہے۔ مثلاً زمین صالح ہے یا وقت ایسا

ہے کہ زمین کے اندر کا حصہ ٹھنڈا رہتا ہو یا میت کا جسم اس قسم کا ہے کہ اس میں مٹی کی تاثیر کم ہوتی ہے۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام امت کا جیسے اجماع ہے حضرتؐ پر صلوٰۃ الجنازہ کے ترک پر (بعد الدفن) ایسے ہی تمام امت کا اجماع ہے اس امر پر کہ جسد اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا۔

(۵) علامہ سید آلوسیؒ فرماتے ہیں بے شمار علماء یہی کہتے ہیں بعد وفات انبیاء حقیقی نبی رسول ہیں کیونکہ در اصل نبوۃ، رسالت اور ایمان روح کی صفت ہے جو موت بدن کے . . . . بعد بلا تغیر باقی رہتی ہے۔ ھاں! نسفیؒ کہتے ہیں کہ اشعریؒ مرنے کے بعد حکمی نبوت کے قائل ہیں: وبقاء النبوۃ والرسالۃ بعد الموت فی حقہ وحق غیرہ من الانبیاء والمرسلین حقیقۃ مما ذھب الیہ غیر واحد فان المتصف بھما وکذا بالایمان ھو الروح وھی باقیۃ لا تتغیر بموت البدن نعم ذھب الاشعری کما قال النسفیؒ الی انھما بعد الموت حکمًا (روح المعانی ص ۳۳/۲۲)

(۶) علامہ عینیؒ ایک حدیث کی تاویل فرماتے ہیں: احتج آدم وموسیٰ ای تحاجا اما ان تکون ارواحھما تحاجت او یکون ذالک یوم القیامۃ والاول اظھر (عمدۃ القاری ص ۳۰۷/۱۵) سوال یہ ہوتا تھا کہ آدمؑ موسیٰؑ کے عہد میں زندہ نہیں تھے پھر ان کا باہمی سوال جواب کیسے ہوا تو اس کے جواب میں حدیث کی دو تاویلیں کی ہیں۔

معلوم ہوا کہ علامہ عینیؒ حنفی بھی انبیاء کی حیات بجسدہ العنصری کے قائل نہیں۔ ورنہ ان تاویلوں کی کیا ضرورت تھی؟

(۷) صعقہ کی حدیث، قاضی عیاض صاحبؒ بھی اس حدیث کو اشکل الاحادیث میں سے شمار کرتے ہیں۔ اگر قاضی صاحبؒ جسد عنصری کے ساتھ حیات انبیاء کے قائل ہوتے تو اس حدیث کو اشکل الاحادیث نہ فرماتے قال القاضی وھذا الحدیث من

اشکل الاحادیث لان موسیٰ قد مات فکیف تدرکه الصعقة وانما تدرک الاحیاء (عمدۃ القاری ص۲۹۵ ج۱۵، فیض الباری ص۳۱۹ ج۳) ۸، ۹، ۱۰

حدیث، التقدم کے متعلق ابن حجر نے علماء کی مختلف تاویلیں ذکر فرمائی ہیں:
ابن عبد البر[8]، قابسی[9]، ابن جوزی[10] وغیرہ کی تاویلیں کرنا صاف اس امر کی دلیل ہے کہ یہ علماء جسدِ عنصری کے ساتھ عرفی قبروں میں دنیوی زندگی کی طرح زندہ نہیں مانتے وقد اختلف العلماء فی وقت هذا اللفظ فقیل یحتمل انه فی زمان موسیٰ فاحی الله له آدم معجزة له فکلمه او کشف له عن قبره فتحدثا او اراه الله روحه کما اُرِیَ النبی لیلة المعراج ارواح الانبیاء او اراه له فی المنام ورؤیا الانبیاء وحی ..... او کان ذلک بعد وفات موسیٰ فالتقیا فی البرزخ اول ما مات موسیٰ فالتقت ارواحهم فی السماء وبذالک جزم ابن عبد البر والقابسی ..... وذکر ابن الجوزی احتمال التقائهما فی البرزخ (فتح الباری ص۴۲۹ ج۱۱)

الغرض صاحب ہدایہ، ابو المعین نسفی حنفی، امام ابو المحاسن قونوی، عینی حنفی، وکاسانی اور دیگر تمام ائمہ حنفیہ ومشائخ حنفیہ، نیز عبد البر مالکی، قابسی، ابن جوزی، قاضی عیاض، ابن قیم، ابن تیمیہ، ابن حجر، ابن عبد الہادی وغیرہ واحد سب کے سب (سوائے بدعتی ابن فورک اور اس کے مقلد سبکی یا اس پر حسن ظن رکھنے والے غیر محقق علماء کے) حیاتِ انبیاء باجسادہم کے بایں معنی قائل نہیں کہ آپ کی روح پُر فتوح آپ کے جسدِ اطہر میں دنیوی زندگی کی طرح دوبارہ داخل کر دی گئی ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ آپ کا جسدِ معطر، مطہر معصوم بالکل صحیح سالم بلا تغیر وتبدل اب اسی حال میں موجود ہے جس طرح صحابہ کرام نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کے حجرہ شریفہ میں زمین کھود کر رکھا تھا۔ لحد کھول کر دیکھ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا جیسے نقاب اوڑھ کر آنکھیں میچ کر گلابی رخسار والے گورے رنگ والے معصوم بدن کے ساتھ سو رہے ہیں آرام فرما رہے ہیں.... اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلِّمْ ..... اور کمال بھی اسی میں ہے کہ روح

جسم میں نہ ہو اور پھر بھی زیر زمین جسم صحیح سلامت رہے اور مٹی ذرا سا اثر بھی اس میں نہ کرے۔ یہ ہے اللہ کی قدرت!

جس معصوم جسم سے ساری عمر کوئی چھوٹا بڑا عمداً سہواً گناہ سرزد نہیں ہوا اس کے ساتھ روح کی زبردست محبت ہے، جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اسی کا نام ہے اتصال معنوی، مگر اس جسد عنصری میں روح کا اعادہ قیامت ہی کو ہوگا اس سے پہلے نہیں اور اس سے پہلے اعادہ روح پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اگر اعادہ روح پر کوئی دلیل قائم ہوتی تو ابن حجرؒ و شبیر احمد صاحبؒ اتصال معنوی کے کبھی قائل نہ ہوتے خوب سمجھ لو۔ تسکین ص۱۲۰، وفاء الوفاء ص۴۰۵/۲، رسائل قشیریہ ص۱۰، تسکین ص۱۲۴، فتح الباری ص۳۷۹/۶ تسکین ص۱۳۴، روح المعانی ص۳۶، پ۲۲، تسکین ص۱۳۹)۔

نیز علماء کا حیاتِ انبیاء کو حیاتِ شہداء کی طرح بلکہ ان سے اعلیٰ وارفع و ابلغ بتانا بھی حیاتِ عنصری کی نفی کرتا ہے، کیونکہ مشبہ و مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا ہونا ضروری ہے جو دونوں میں جامع ہو اور وہ یہاں ہے حیاتِ حقیقی روحانی، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے حیاتِ شہداء حقیقی روحانی ہے، ایسے ہی حیاتِ انبیاء بھی حقیقی روحانی ہے بلکہ روحانیت میں شہداء سے انبیاء بڑھکر ہیں۔ جیسے دنیا میں انبیاء کی روحانیت سب سے فائق تھی، اور جو لوگ "دنیا کی سی" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے دنیا میں آپ کی توجہ اللہ کی طرف رہتی تھی۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں، غرض ان کی برزخی زندگی کو انہیں کی اپنی دنیا کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ ان کی برزخی زندگی کو عام دنیوی زندگی سے تشبیہ دی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں کافر و فاسق کی زندگی اور ولی و نبی کی زندگی میں آسمان زمین کا فرق ہے (اور کہنے کو تو دونوں کی زندگی دنیاوی کہلاتی ہے) مگر کافر و فاسق کی زندگی کفر و معاصی دنیوی کر و فر اور اللہ کی نعمتوں کو فراموش کرنے میں گذرتی ہے اور نبی و ولی کی زندگی رضائے الٰہی، حقوق کی ادائیگی، یادِ حق اور تبلیغ دین میں گذرتی ہے لہٰذا انبیاء کی

برزخی زندگی کو انبیاء ہی کی دنیوی زندگی کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح ہے اور بس۔
اس امر کی تصدیق کے لیے دیکھو تفسیر مظہری ص ۲۲۴/۱۰ للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی المجددی۔
واما ما ذکر من ارواح الانبیاء انہا تصیر فی مثل صورتہا المسک والکافور
یعنی ان لہا اجسادًا کاجساد الانسان وعبرہا بالمسک لتطیب ریحہا وعبر
المجدد عن تلک الاجساد بالجسم الموہب ولکمل اتباعہم الصدیقین۔
قاضی صاحبؒ کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ انبیاء بلکہ تمام کامل متبعین انبیاء کو یعنی
ان کی ارواح کو اللہ تعالیٰ مشک و کافور کی سی خوشبودار اجساد معطر عطا فرماتا ہے جن کا نام
حضرت مجدد صاحبؒ اجسامِ موہوبہ رکھتے ہیں اور انہی اجسامِ موہوبہ میں ارواح قیامت
تک محفوظ رہیں گے۔

عباراتِ علماء کرام اہل التحقیق کی باہم تطبیق

اب جہاں کہیں آتا ہے کہ انبیاء کی حیات روح و جسد دونوں کے ساتھ ہے سو اس جسد
سے ان کی مراد وہی جسدِ موہوب ہے اور یہی جسم و شخص موہوب مراد ہے، شاہ صاحبؒ
کی تحفۃ الاسلام ص ۳۵، ۳۶ میں بقرینہ ان کے قول کے جو فیض الباری ص ۴۲۵/۳ میں ہے
ثم ان ہذہ ابدان مثالیۃ اور یہی جسدِ موہوب مراد ہے۔ شوکانی کی نیل الاوطار
ص ۲۶۴/۳ میں اور ص ۱۰۱/۵ میں بقرینہ اس امر کے کہ انبیاء کو شہداء میں سے کہا۔ اور یہی مراد ہے
عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی (تسکین ص ۱۴۰) کی بقرینہ قولہ ابلغ من الشہداء (اتحاف النبلاء
ص ۴۶۵) اور الدرر السنیہ فی الاجوبہ ص ۲۶۰/(۱) میں توصاف عبارت ہے زالت عنہ صلعم (تسکین ص ۱۴۰)
الحیوۃ الدنیا .... واما حیاۃ البرزخ فہو حی الحیوۃ البرزخیۃ وکذ الشہداء
فلو کان حیًا حیاۃ دنیویۃ لرفعوا الیہ الامر فیما جرای بینہم (تسکین ص ۱۴۰ و ص ۱۴۱)

صاحب تسکین کی ہیرا پھیری

مگر صاحب تسکین نے اس عبارت کا کچھ صحیح ترجمہ کر کے "یعنی" کے لفظ کے ساتھ جو

عبارت چلائی بس عبارت کی رُوح ہی اڑا دی صاف عبارت کا مطلب بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، ترجمہ کے بعد ہر اُردو دان مطلب سمجھ لیتا۔ مگر "یعنی" کہہ کے ظاہر مطلب سے ہٹا کر مفہوم کا رُخ ہی بدل دیا۔ "یعنی" کہنے سے مؤلفین یا شارحین کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مصنف کی متبادر مفہوم جو ناظر سمجھ رہا ہے وہ مفہوم مصنف کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد مصنف کی وہ مفہوم ہے جو "یعنی" کے لفظ سے میں بیان کرنے لگا ہوں۔ اور ایسے موقع پر شارح کا فرض ہے کہ اس مفہوم کے قرائن بیان کرے کہ چونکہ مقام فلانے پر مصنف نے یہ بات کہی ہے اس کو دیکھ کر ہم یہ سمجھے ہیں کہ یہاں بھی مصنف کی یہی مراد ہے یا فلاں اصطلاح ہے ان علماء کی اس لیے یہاں اسی اصطلاح کے ماتحت مصنف کی مُراد وہی ہے۔ دیکھو شرح جامی اور مختصر معانی کی طرز جو مطالعہ کرنا سکھاتی ہیں۔

اسی طرح ہم یہاں پوچھ سکتے ہیں کہ "یعنی" کے ساتھ جو آپ نے مطلب بیان فرمایا ہے یہ کونسے قرینے سے آپ سمجھے ہیں کہ اس قرینہ کے تحت سُلجھی ہوئی عبارت کو اُلجھا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح ابن حجرؒ کیسے صاف صاف واشگاف الفاظ کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ آپ کی زندگی اخروی ہے نہ دنیوی اور نہ حیاتِ دنیا کے مشابہ (فتح الباری ص ۲۱۳، ۳۶) پھر خواہ مخواہ ابن حجرؒ کو اپنا ساتھی کہنا منہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر لطف یہ ہے کہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں "اب تو ایٹمی دور میں بعض لوگ یہاں تک آگے نکل چکے ہیں کہ وہ برملا یہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ حیات ثابت ہے نہ سماع، لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

اگر اس کے برعکس کوئی بندۂ خدا یوں کہدے کہ شہداء کے حق میں سُنا ہے کہ ان عنصری اجساد میں سے ارواح نکل کر ان سے اعلیٰ ترین معطر نئے اجسام موہوب ہوں اور انبیاء کی شان تو ان سے اعلیٰ وارفع ہے ان کو تو شہداء کے اجساد سے بھی بہترین اجساد معطر منور ملیں گے جن کے ذریعے وہ جنت و ملاءِ اعلیٰ کی سیر کریں جنت کی اغذیہ

واشریہ سے متمتع و متلذذ ہوں جہاں چاہیں وہیں جائیں۔ لیکن اب اس ایٹمی دور میں بعض بریلویہ کہتے ہیں فخر محسوس کرتے ہیں کہ حضورؐ والعیاذ باللہ حجرۂ صدیقہؓ میں کھودی ہوئی قبر میں بند ہیں۔

اور حیاتِ انبیاء کی نسبت امام مالکؒ کی طرف ضعیف ہے خود تسکین ص ۲۳۸ میں محترم نے نُقِلَ بصیغۂ تمریض ذکر کیا۔ نیز اس کی سند ذکر نہیں کی تو اس کا کیا اعتبار جب کہ امام بخاریؒ جیسے کی بلا سند بات معتبر نہیں ہوتی۔ اور علامہ عینیؒ کی بات تسکین ۲۲۷ آپ کو بھی من وعن مسلم نہیں تو ہمیں اس کے ماننے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے جب کہ یہ تشریح صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعین کی تشریح کے خلاف ہے۔ دیکھو تفسیر اَمَتَّنَا اثنتین کی۔

حیاتِ انبیاء کی مختلف تعبیریں

صاحب تسکین نے حوالجات جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر ان میں مخالف موافق سب کو خلط ملط کرتے گئے۔ ناظرین کو تطبیق دینے میں دقت ہوتی ہے۔ مختلف عبارتوں کی تطبیق کی سعی تو کی ہے مگر عبارتیں اس تطبیق کو تسلیم نہیں کرتیں۔

اب ان حوالجات کا خلاصہ نقشہ ملاحظہ ہو۔

(۱) انبیاء احیاء ہیں — جمیع المسلمین

(۲) الانبیاء احیاء فی قبورہم — سیوطیؒ کا ادعاء تواتر (تسکین ص ۲۳۴)

(۳) حیات الانبیاء عند ربہم کالشہداء (وفاء الوفاء ص ۴۰۶/۲ و زرقانی شرح مواہب ص ۳۳۲/۲ وحیات الانبیاء ص ۱۴، بیہقی)

(۴) حیات الانبیاء فی القبر ابلغ من حیات الشہداء (اکمل من حیات الشہداء (وفاء الوفاء ص ۴۰۵/۵ (ابن محمد بن عبدالوہاب نجدی)

(۵) حیات الانبیاء فی القبر عند ربہم لارواحہم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی تعلق کی کچھ تشریح نہیں، روحانی ہے یا جسمانی؟ (قاریؒ)

(۶) احیاء کحیوۃ الدنیا بالروح والجسد معًا حیاۃ ابدا نہم کحالۃ الدنیا علی الدوام کان مع الاستغناء عن الغذاء (شفاء السقام ص۱۵۴، وفاء الوفا سمہودی ص۴۰۷ ج۳ قطب الدین)

(۷) احیاء لا کالحیوۃ الدنیا (عقیدہ نمبر ۶ کی نقیض اور مخالف) تھانوی، ابن حجر)

(۸) حیات فی القبر (کونسی قبر؟ اگر قبر عرفی ہے تو حدیث بخاری ص ۱۸۵ کے خلاف ہے (ابن عقیل، شامی، آلوسی، لیلی، قشیری، شعرانی)

(۹) حیاتِ برزخیہ، (یہ سب اہلِ حق کے ہاں مسلم ہے، محمد درویش علمائے نجد، شاہ اسحاق، تھانوی، ابن حجرؒ)

(۱۰) حیاۃ دنیویہ لا برزخیہ، (المہند علی المفند و آب حیات ص ۲۷ (نانوتوی)

(۱۱) حیاۃ دنیویہ و برزخیہ (المہند علی المفند (تو المہند میں دو متعارض نظریے ہیں۔ (خلیل احمد انبیٹھوی)

(۱۲) انہم وسائر الانبیاء احیاء حیاۃً حقیقیۃً کالشہداء وان کان حال البرزخ لا یقاس علی حال الدنیا (نسیم الریاض ص۴۹۹ ج۳ بالکل صحیح ہے۔

(۱۳) حیات النبی بعد الوفات متعلقۃ بالجسد کالشہداء (اس جسد کو جسد موہوب کہتے ہیں۔ (محقق متکلمین۔ ابو منصور بغدادی)

(۱۴) ہو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام (اگر برزخیہ حیات مراد ہے تو صحیح ہے مگر عبارت میں تصریح نہیں) (محمد عابد سندھی)

(۱۵) حیاتِ انبیاء حیاتِ حسی دنیاوی است (متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں اور متاخرین کا اعتبار نہیں، (شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ)

(۱۶) آپؐ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر (حضرت مدنیؒ)
متقدمین میں سے اس کا بھی کوئی قائل نہیں یہ حضرت مدنیؒ کا تفرد ہے۔ جیسے حضرت نانوتویؒ کا تفرد ہے)

اب سنیئے! اتنی بات تو مسلّم ہے کہ انبیاء حیات ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ زندگی

کس قسم کی ہے سو اس میں بعض نے کہا برزخیہ بعض نے کہا دنیویہ نہ برزخیہ بعض نے کہا دنیویہ و برزخیہ ہر دو (ان کا تضاد ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں) ..... پھر سوال یہ ہے کہ کیسی زندگی ہے۔ بعض نے کہا جیسے دنیا میں تھی حیاتِ حقیقیہ، بعض نے کہا نہیں بلکہ خود حسی دنیوی زندگی ہے۔ پھر یہ سوال ہے کہ اس جسمِ عنصری میں روح داخل ہوئی ہے یا نہ بعض نے کہا روح بعد از دفن جسدِ عنصری میں داخل ہو گئی، بعض نے کہا نہیں روح داخل نہیں ہوئی روح تو ہے اعلیٰ علیین میں لیکن اس کا تعلق جسدِ عنصری کے ساتھ ہے۔ پھر سوال ہوا کہ کس قسم کا تعلق ہے بعض نے کہا اشراقی، بعض نے کہا اشراقی پھر سوال ہوا کس جگہ آپ زندہ ہیں بعض نے کہا عندربہم بعض نے کہا فی القبر۔

پھر اب ایک نیا سوال اٹھا کہ حضرت کی روح پر فتوح نے عندالموت جسدِ عنصری سے پرواز بھی کیا ہے یا نہیں بعض حضرت نانوتویؒ کے اندھے مقلد کہتے ہیں کہ آپؐ کی روح پر فتوح آپؐ کے جسمِ عنصری کے اندر ہی اندر سمٹ گئی ہے باہر نکلی ہی نہیں۔

اب ناظرین خود سوچیں کہ مسئلہ ایک ہے اور نظریاتِ علماء میں اس قدر شدید اختلاف ہے کیا عقیدہ اسی کا نام ہے؟

آیئے اب قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھیے کہ قطعی آیاتِ قرآنیہ سے یہ امر محقق ہے کہ حضورؐ پر موت آئے گی پھر احادیث متواترہ سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کو نہلایا گیا کفنایا گیا آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی آپؐ کو دفنایا گیا مرثیہ جات پڑھے گئے لوگ روئے شکستہ دل ہوئے مگر دفنانے کے بعد کوئی ایسی صحیح صریح حدیث نہیں ملتی جس سے محقق ثابت ہو جاوے کہ دوبارہ زندگی آپ کو دنیوی حاصل ہو گئی ہے۔ برزخی زندگی میں کسی کو انکار نہیں وہ تو شہداء سے بھی اعلیٰ و اولیٰ و ازکیٰ و اطیب و افضل و اکمل ہے، شہداء کو جو ان ابدان سے خیر ابدان میسر ہوئے ہیں انبیاء کرام کو اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ابدانِ شہداء سے بھی اعلیٰ اور خیر ابدان نصیب ..... ہوئے ہیں، جیسے شان میں علو ہے ایسے آپ کے ابدان میں بھی علو ہے لاریب فیہ۔ جیسے تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴ میں مذکور ہے۔

اور جو کہتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ موت کے قائل ہیں وہ موت عرفی ولغوی کے قائل نہیں ہیں کیونکہ عام عرف اور لغت میں موت کے یہی معنی ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۰۴)

مگر حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں "بعد اس کے کہ آپ کا انتقال حسب فرمودۂ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچ گئی اس حیات کو یا تو حیاتِ ثانی کہا جائے گا یا مثل حیاتِ شہدا سمجھا جائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں مفید مطلب صاحب رسالہ نہیں اس کی غرض تو اس ردّ و کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل یا تغیر جیسے حیاتِ دنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔ یعنی غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعتِ طعنِ میراث فدک تھی سو وہ جبھی ہو سکتی ہے کہ حیاتِ نبوی حیاتِ دنیوی ہو اور پھر وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو۔ ورنہ حیاتِ شہدا اور حیاتِ ثانی مانع ترتب میراث نہیں اور علیٰ ہذا القیاس مانع اجازت نکاح ازواج یوصیکم اللہ سے ثبوتِ میراث نبوی جب ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موتِ اوّل مسلّم ہو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ ہی نہیں بلکہ زندہ ہیں تو پھر آیت یوصیکم اللہ اور حدیث لا نورث میں کیا تخالف رہا (ص ۳۸) ارواح انبیاء کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔

اب ہم صاحب تسکین سے پوچھتے ہیں کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ موت کے قائل ہیں اسی معنی سے قائل ہیں جو آپ فرماتے ہیں "موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے"۔ انقطاع و اتصال ایک ہی چیز ہے؟ آپ انقطاع کا مفہوم موت میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور نانوتویؒ اتصال مانتے ہیں۔ دوسرے آپ جو فرماتے ہیں "وفات کے بعد پھر آپ کو حیات مرحمت ہوئی ہے یہ حیات اول ہی ہے یا حیاتِ ثانی؟ اگر حیات ثانی ہے تو وہ حضرت نانوتویؒ کے نظریہ کے مطابق مانع ترتب میراث نہیں، آپ حیاتِ ثانی کے

قائل ہوتے ہوئے حیاتِ ثانی کو مانع ترتب میراث کیونکر سمجھتے ہیں؟ اسی کا نام ہے آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ اگر وہی حیاتِ اول ہے تو ایک بار جسم سے رُوح کا تعلق منقطع ہو چکنے کے بعد دوبارہ تعلق قائم ہونے سے حیاتِ اوّل کیونکر کہلا سکتی ہے۔ پس وفات سے آپ کی مراد علاقہ روح کا جسد سے منقطع ہونا ہے یا استنارِ حیات اگر اول ہے تو حضرت نانوتویؒ کے خلاف ہے اگر ثانی ہے تو تمام ائمہ لغت وسلف کے خلاف ہے بینوا توجروا۔

نیز تمام سلف کہتے ہیں نُزِعَ رُوحُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۳۷) یعنی نکال دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو۔۔۔ مسند احمد میں ہے خرجت نفسہ (فتح ص ۱۱۸)

حضرت نانوتویؒ (حیاتِ قاسمی ص ۵ میں) فرماتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا، تطبیق کیسے؟

نیز حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں "اگر متقدمین نے حرمتِ نکاح ازواجِ مطہرات کو ان کے امّہات ہونے پر متفرع کیا ہے۔ تو یہ خاکپائے متقدمین ومتاخرین ان کے امّہات ہونے کو آپؐ کی حیات پر متفرع دیکھتا ہے۔"

ایک تو حضرتؒ کی تحقیق سلف سے علیحدہ ہے دوسرے یہ سمجھائیں باپ کی وفات کے بعد اماں جی، اماں جی نہیں رہتی ہیں۔

نیز حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں "اس (حیاتِ رسول) میں انقطاع یا تغیر وتبدل جیسے حیاتِ دنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔" یعنی حیاتِ دنیوی بدل کر حیاتِ برزخی واقع نہیں ہوئی۔ مگر صاحب تسکین چور رہے ہیں پریشان کھڑے ہیں۔

مسلکِ اہلِ حق

میراث کا مطالبہ کرنا خود دلیل ہے وفات النبیؐ کی

امام ابوبکرؓ کا جواب بھی دلیل ہے وفات النبیؐ کی

صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۵ میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ و حضرت عباسؓ ہر دو حضرت امام ابوبکر کے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں سے اپنا حصہ مانگنے آئے اور یہ فدک کا باغ اور خیبر کا پانچواں حصہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے ہمارا کوئی وارث نہیں ہے ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور آلِ محمدؐ اس مال میں سے کھالیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا قسم ہے خدا کی جس بات کو جس طرح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے میں اس کو اسی طرح کروں گا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ملنا چھوڑ دیا اور آخر دم تک میراث کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔

عقیدہ بنتِ رسولؐ و عمِ رسولؐ: اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور ابن عباسؓ ہر دو کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اسی واسطے میراث کا مطالبہ کیا کیونکہ میراث کا مطالبہ وفات کے بعد ہی کیا جاتا ہے نہ کہ زندگی میں، اور ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ دفن کے بعد پھر ان کے اجسادِ مطہرہ میں روح واپس آگئی ہے۔ ورنہ فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے اور مشافہۃً آپ سے گفتگو کروا لیتے، جیسے اہل تشیع کہتے ہیں کہ خلافت کے بارے حضرت علیؓ ابوبکرؓ کو قبر پر لے گئے حضورؐ نے حضرت علیؓ کا حق بتایا والعیاذ باللہ۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ حیات النبی فی القبر کا عقیدہ روافض کا ہے۔

دوسری حدیث

بخاری ص ۹۹۶ مالک بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا ان کے چوبدار

یرفا نے ان سے کہا کہ آپ عثمانؓ بن عفان و عبدالرحمٰنؓ بن عوف و زبیرؓ بن عوام و سعدؓ بن ابی وقاصؓ کو آنے کی اجازت دیتے ہیں؟ اور حضرت علیؓ و عباسؓ کو بھی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں! چوبدار نے ان سب کو اندر بلا لیا۔ حضرت عباسؓ نے آکر حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین میرے اور علیؓ کے درمیان میں فیصلہ کر دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تم کو اس خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، تم جانتے ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات خاص کا ارادہ کیا ہے۔ سب لوگوں نے کہا بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا آپ دونوں صاحبان بھی یہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہاں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں یہ قصہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مال (یعنی خیبر کی آمدنی) کو اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کیا تھا اور آپ کے سوا اور کسی کو (اس طرح کچھ) نہیں دیا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ ما افاء اللہ علیٰ رسولہ منہم ..... فدیہ تو یہ مال خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تھا اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تمہارے سوا اپنے واسطے جمع نہ کیا تھا اور اس کے دینے میں تم پر کسی کو ممتاز نہ کیا تھا بلکہ تمہارے ہی اندر اس کو تقسیم فرما دیتے تھے یہاں تک کہ یہ فدک وغیرہ مال باقی رہا تو اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کا سال بھر کا خرچ نکال لیتے تھے اور باقی کو جہاں اور مال خرچ ہوتا تھا اس کو خرچ کر دیتے تھے اور اپنی زندگانی تک آپ ایسا ہی کرتے رہے اب میں تم کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے یا نہیں۔ سب نے کہا ہاں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں تم یہ جانتے ہو یا نہیں ان دونوں نے کہا ہاں بیشک ہم جانتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے

کہا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی وفات فرمائی تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں اور انہوں نے اس میں ویسا ہی تصرف کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا تو میں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں اور میں نے دو برس تک ویسا ہی کیا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کرتے تھے۔ اب آپ دونوں صاحبان میرے پاس تشریف لائے ہیں اور آپ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ اے عباسؓ! آپ تو مجھ سے اپنے بھتیجے کے مال سے حصہ مانگتے ہیں اور یہ علیؓ اپنی بیوی کا حصہ ان کے مال سے مانگتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ دونوں صاحبان چاہیں تو وہ میں آپ کو اسی طرح جس طرح حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ دیتے تھے دے دوں اور جو اس کے سوا آپ چاہتے ہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، ایسا فیصلہ قیامت تک نہ کروں گا اور اگر آپ دونوں اس کے انتظام سے عاجز ہیں تو میرے سپرد کیجیے میں آپ کی طرف سے انتظام کر دوں گا

مطلب اس حدیث کا

مطلب یہ ہے کہ فدک وغیرہ کا مال حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں کے قبضے میں تھا۔ ان کا آپس میں کچھ جھگڑا ہوا تب حضرت علی اور حضرت عباس، حضرت عمرؓ کے پاس اس واسطے آئے کہ حضرت عمرؓ اس کو ان دونوں میں تقسیم کر دیں، حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ یہ مال آپ صاحبوں کی ملک نہیں ہے جو تقسیم کیا جائے اور جب تقسیم ہو جائے گا تو ہر شخص اس پہ مالکانہ تصرف کرے گا اور اس کی بیع و شرا ہو جائے گی، حالانکہ یہ بالکل خلاف ہے آپ صاحبوں کے پاس یہ اس واسطے ہے کہ آپ اس سے گزارہ کریں اور جو آپ سے اس کا انتظام نہیں ہو سکتا تو میرے سپرد کیجیے! میں اس کا انتظام کروں گا۔

اس حدیث میں معلوم ہوا کہ جو حدیث حضرت امام ابوبکرؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کو سنائی تھی اور حضرت فاطمہؓ وہ حدیث سن کر خاموش ہوگئی تھیں۔ اور

اس حدیث پر جرح نہ فرمائی اور یہ ان کی خموشی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کو مسلم تھی، یہی حدیث حضرت امام ثانی امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرامؓ کے سامنے بیان فرمائی (عثمانؓ بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیرؓ بن العوام، سعدؓ بن وقاص رضی اللہ عنہم) اور سب نے تصدیق مؤکد بالقسم کی اور حضرت علیؓ و عباسؓ نے بھی تصدیق مؤکد بالقسم کی، اور سُنیئے! معلوم ہوا کہ ان ائمہ سبعہ کا یہی عقیدہ تھا کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں شیعہ کے عقیدہ کے مطابق آپ ان سب کو قبر النبیؐ پر تصدیق کروانے نہیں لے گئے۔

تیسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد میرا ورثہ دینار وغیرہ چیزوں کی طرح تقسیم نہ کیا جائے۔ میری بیویوں اور میرے کارکنوں کے خرچ کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔ (بخاری ج ۲ ص

آپ کا وصیت کرنا ہی بتا رہا ہے کہ آپؐ وفات پائیں گے۔

چوتھی حدیث

حضرت ام المومنین جویریہؓ کے بھائی عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت دینار، درہم، غلام، لونڈی وغیرہ کچھ نہیں چھوڑا مگر ایک سفید خچر (دُلدل جو مقوقس حاکم سکندریہ نے تحفۃً بھیجا تھا اور اپنے ہتھیار (تلوار، نیزہ، زرہ، خود، عصا بھالدار وغیرہ) اور زمین جنہیں آپؐ نے صدقہ فرما دیا تھا (مشکوٰۃ ص ۵۵۰)

پانچویں حدیث

ازواج مطہراتؓ کیطرف سے میراث النبیؐ کا مطالبہ اور عائشہ صدیقہؓ کا جواب وفات النبی کی دلیل ہے!

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

ہوئی تو آپؐ کی پاک بیویوں نے چاہا کہ حضرت عثمان رضؓ کو حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس اپنی میراث مانگنے کے واسطے بھیجیں، تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے (پھر کسی نے اس کی تردید نہیں فرمائی)

احادیث وفاۃ النبیؐ اور آپ کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی متواتر ہیں

ان روایات کو بیان کرنے والے اور تصدیق کرنے والے اکابر صحابہ کرام رضؓ ہیں جن میں یہ ہستیاں بھی ہیں، ابوبکر صدیق رضؓ عمر فاروق رضؓ، عثمان بن عفان رضؓ، علی بن ابی طالب رضؓ، عباس رضؓ، ابوہریرہ رضؓ، عمرو بن الحارث رضؓ، زبیر بن عوام رضؓ سعد بن وقاص رضؓ، عبدالرحمن بن عوف رضؓ حذیفہ بن یمان رضؓ اور ازواج مطہرات جو تعداد میں نو تھیں تو یہ مجموعہ بیس صحابہ کرام رضؓ ہیں جن کا ذکر اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں ہے ص ۴۳۷، ۹۹۵، ۹۹۶، ۳۸۲، مسلم ج ۲ ص ۴۲، شمائل ترمذی ج ۲ ص ۲۵ و ابوداؤد ج ۲ ص ۳۹ و بخاری ص ۵۵۶ و مسلم ج ۲ ص ۹۱ و بخاری ص ۹۸۸ و المغازی ص ۶۹ و کتاب الخمس ص ۴۳۵ و براہین قاطعہ ص ۲۱، علماء کرام کی معتد بہ جماعت ۱۰ راویوں پر تواتر کا اطلاق کرتے ہیں دیکھو تدریب الراوی یہاں تو ۲۰ صحابہ موجود ہیں۔

روافض بھی مجبوراً مان گئے!

(۱) اور یہ روایت فریق مخالف (اہل تشیع) کے ہاں بھی مسلم ہے چنانچہ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۳۴۶ میں ہے تفقہ فی الدین فان الفقہاء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر

(۲) اسی طرح کافی کلینی کتاب العلم ج ۱ ص ۱۸ میں ہے وعن ابی عبداللہ (جعفر الصادق) قال قال علیہ السلام ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم

یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر اھ وفی روایۃ فی ص ۱۷ وانما اورثوا احادیث من احادیثھم

(۳) ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے شرح نہج البلاغت ص ۵۳۸ میں کہا قال ابوبکر قال علیہ السلام انا معشر الانبیاء لا نورث ذھبًا ولا فضۃ ولا ارضًا ولا عقارًا ولا دارًا ولکن نورث الایمان والحکمۃ والعلم والسنۃ فقالت فاطمۃ رضیت بذلک

(۴) اصول کافی کلینی کتاب الحجۃ میں ہے قال ابوعبد اللہ ان داؤد ورث علم الانبیاء وسلیمان ورث داؤد وان محمدًا ورث سلیمان وانا ورثنا محمدًا

شیعہ سنی کا متفق علیہ مسئلہ

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہر دو فریق (سنی شیعہ) کے مابین متفق علیہا ہے جیسا کہ آپ نے اوپر کے حوالجات میں پڑھ سمجھ لیا ہے اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور شیعہ کی اصح الکتب کافی کلینی ج ۱ ص ۶ میں ہے خذوا بالمجمع علیہ فان المجمع علیہ لا ریب فیہ جس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہو اس کو معمول بہا بناؤ کیونکہ اس میں کسی طرح بھی شک قلق اضطراب اور پریشانی کی گنجائش نہیں ہے۔

جعلی شیعہ کا سوال اور اس کا جواب

سوال: العلماء ورثۃ الانبیاء ضعیف روایت ہے جیسے مرآۃ العقول ص ۲۳ میں مذکور ہے

جواب: جس روایت کی تائید میں قرآن پاک موجود ہو اس کا جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

سوال: فروع کافی ج ۲ ص ۴۷ میں ہے ورث علیؑ علم رسول اللہ و ورثت فاطمۃ المال۔

جواب: اس میں لخت جگر نبی علیہ السلام کی توہین ہے کہ العیاذ باللہ وہ مال کی بھوکی تھیں اور مال اور دنیا کی طالبہ تھیں۔ قرآن پاک نے طالب دنیا کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے

وہ غور سے سنیں سورۂ شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۴ میں فرمایا ہے من کان یرید حرث الآخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب یعنی جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہش مند ہو ہم اس کے لیے اس کی کھیتی کو بڑھا دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہشگار ہو تو ہم اس کو اسی دنیا میں سے کچھ تھوڑا سا دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس شخص کا کوئی حصہ نہیں ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے جس نے صرف ایک آخرت کا فکر اپنے ذمے لے لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام افکار کے لیے کافی ہوگا اور جو شخص دنیاوی ہموم اور احوال کے تفکرات اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کونسی وادی میں ہلاک ہو گیا یعنی جس کو آخرت کا غم ہے اس کی کفالت فرمائی جاتی ہے اور جو دنیاوی ہموم لیے پھرتا ہے اور دنیا حاصل کرنے کا اسے غم لگا ہوا ہے تو اس سے بے پرواہی کا اظہار ہے۔

اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تو بڑی عابدہ زاہدہ اور تارکۃ الدنیا تھیں انہیں وہ بات یاد تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں کہ چکی پیسنے کی وجہ سے میرے ہاتھوں میں تکلیف ہو گئی ہے اور سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بردے آئے ہیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ ام المومنینؓ سے کہہ دیا کہ حضرتؐ تشریف لائیں تو عرض کر دینا کہ فاطمہؓ خادم مانگنے آئی تھی، حضرتؐ آئے بتایا گیا، حضرتؐ اپنی صاحبزادیؓ کے پاس جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جو تم نے مانگی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے بچھونے پر آؤ تو سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو بس تمہارے لیے یہ وظیفہ خادم سے بہتر ہے (مشکوٰۃ ص ۲۰۹)

اسی طرح وہ بات بھی آپؓ کو یاد تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک مانگا تھا آپؐ کی حیات میں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا (مشکوٰۃ ص ۳۵۶) حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

اب عاقل، بالغ مسلمان عاشق رسولؐ و عاشق اہل بیت کا قلب کس طرح

گواہی دے سکتا ہے کہ جس چیز کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کو دینا پسند نہیں فرمایا باوجود اُن کے مطالبہ کے پھر اسی چیز کو آپؐ کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت سے مانگنے گئی ہوں گی۔

حضرت بتولؓ کا امتِ محمدیہؐ پر احسانِ عظیم

دراصل بات یہ ہے کہ حضرت بتول رضی اللہ عنہا کا امتِ محمدیہؐ علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ پر بہت بڑا احسان ہے کہ جو اعتراض ممکن الوجود تھا اسے اپنے طریق سے حل کر دیا۔ کیونکہ مسئلہ عدم ایراثِ انبیاء کا ان کو معلوم تھا کہ عام لوگوں کی وراثت سے مستثنیٰ تھا اور قاعدہ ہے کہ عام کتاب اللہ پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی کرنا منع ہے اور استثناء کے ساتھ تغییر کلام ہو جاتی ہے یعنی عام کتاب اللہ غیر مخصوص منہ البعض قطعی ہوتا ہے۔ پھر استثناء سے بعض کی تخصیص ہو جائے گی اور عام جب مخصوص منہ البعض ہو جاتا ہے تو حکم کی قطعیت جاتی رہتی ہے ظنی بن جاتا ہے تو اس طرح قرآن پاک کا قطعی حکم بدل کر ظنی بن گیا اور خبر واحد یا قیاس کے ذریعے تغییر کتاب اللہ ناجائز ہے۔ ہاں خبر مشہور یا متواتر کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اب حضرت بتولؓ کے سوال اور حضرت خلیفۂ بلافصل امامنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے جواب سے جو بحضر الصحابہؓ تھا یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیا علیہم السلام کا مورث مال کا نہ ہونا ایک امر مشہور و مستفیض ہے اب کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ جب قرآن کا مسئلہ ہے وان کانت واحدۃً فلہا النصف یعنی میت اگر ایک لڑکی چھوڑ مرے تو اس کو ترکہ کا نصف ملتا ہے تو اس حکم خداوندی کے رُو سے حضرت بتولؓ کو نصف جائداد متروکہ ملنی چاہیئے۔

امکان تھا کہ یہ اعتراض اگر صحابہؓ کے عہد میں نہ اُبھرتا بسبب ان کے اعلم الناس ہونے کے کہ یہ مسئلہ ان کو یاد تھا اور ان کے دل میں مرکوز تھا۔ مگر عہدِ صحابہؓ کے بعد ابھرتا کہ بعد از وفاتِ نبیؐ ان کا ورثہ کیا ہوا تو اس امکانی اعتراض کو سوال وجواب کے ذریعے رفع کر دیا کہ یہ مسئلہ سب کے کانوں میں پڑا تو سب نے تصدیق وتصویب

فرمائی تو یہ خبر مستفیض ہو گئی۔

جب حضرت بتولؓ کو علم ہو گیا کہ یہ مسئلہ مستفیض ہو گیا (وجدت اس مقصد کو پالیا) پھر آپؓ نے مرتے دم تک وراثت کی بات ہی نہ چھیڑی اور نہ ہی چھیڑنے کی ضرورت تھی فلم تتکلم حتی ماتت (بخاری ج ۲ ص ۹۹۶)

بعض راویوں کا اپنی ناقص فہم سے روایت بالمعنیٰ کرنا!

بعض راویوں نے وجدت کے معنی غضبت کے سمجھ کر روایت بالمعنیٰ کر دی۔ اور وجدت کی جگہ غضبت کا لفظ رکھ دیا جس سے مسئلہ کی نوعیت ہی بدل گئی۔

مطالبہ بتولؓ کی روایت ۳۳ کتابوں میں ہے جن میں ۱۴ روایتوں میں غضبت کے الفاظ ہیں اور ۱۹ میں وجدت، اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ غضبت روایۃ باللفظ ہو اور وجدت روایت بالمعنیٰ ہو کیونکہ وجدت تو غضبت کے معنیٰ میں آسکتا ہے بشرطیکہ اس کا صلہ علیٰ اور یہ بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں وجد کا صلہ علیٰ ہے مگر پھر بھی اس کے معنی غضب کے نہیں چنانچہ فرمایا قال اولو جئتکم باھدیٰ مما وجدتم علیہ اٰباءکم (یعنی ان کے پیغمبر نے فرمایا جس طریقے پر تم نے اپنے دادوں کو پایا ہے اگرچہ میں اس سے بہتر مقصود تک پہنچانے والا کوئی طریقہ لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تب بھی تم انہیں کی اقتدا کرو گے؟) لیکن کسی لغت میں غضب بمعنیٰ وجد نہیں اس لیے یہ تو ممکن ہے کہ وجد کے لفظ سے غضب کے معنی راوی نے سمجھ لیے ہوں، اور غضب کا لفظ بول دیا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اصل الفاظ روایت میں تو ہوں غضب اور راوی نے اس کے معنی وجد سمجھ لیے ہوں اور وجد ہی بول دیا ہو۔

دوسری یہ بات بھی ہے کہ جن ۱۴ روایتوں میں غضب کے الفاظ ہیں ان میں یہ لفظ جو ہے "فلم تتکلم حتی ماتت" ان کا راوی ہے زہری عن عروہ عن عائشہؓ یہ الفاظ زہری کے اپنے ہیں (نہ عروہؓ کے نہ عائشہؓ کے) کیونکہ ان ۱۴ میں سے ۹ میں قال کا لفظ ہے جس کا فاعل زہری ہے (دیکھو صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ و صحیح بخاری

ص ۹۸۸ والمغازی ص ۶۹ وکتاب الخمس ص ۴۳۵ وبراہین قاطعہ ص ۲۱) اور زہری کا ادراج مشہور عالم ہے۔ کتب حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مثلاً التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۶۲ و فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ص ۱۰۳ و تدریب الراوی ص ۱۷۲ و مرقاۃ ج ۱ ص ۱۰۶ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰ وکتاب الاعتبار ص ۷۲ وکتاب تجرید التمہید ص ۱۵۵ تحت مراسیل ابن الشہاب الزہری و تنویر الحوالک للسیوطی ج ۳ ص ۷۰ باب ما جاء فی میراث العقل، بہت کثرت سے زہری اپنا کلام حدیثوں میں داخل کر دیتا ہے یُدخل کلامہ فی الاحادیث کثیراً ..... اسی طرح نصب الرایہ اور کتاب البغدادی الفقہ والمتفقہ اور النکت تحت النوع العشرین قلمی جو پیر جھنڈا میں ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت بتولؓ کے سکوت سے زہری نے یہ سمجھ لیا کہ آپؓ غضبناک ہونے کی وجہ سے نہیں بولتی تھیں اور ظاہر ہے کہ فہم راوی حجت نہیں ہوتا اور احادیث میں اس کے نظائر بے شمار ہیں اور زہری کا یہ فہم عقلاً بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت امام ابوبکر صدیقؓ حدیث نبوی سنائیں اور حضرت بتولؓ حدیث نبوی سن کر غضبناک ہو جائیں خصوصاً جب کہ بتولؓ نے آنحضرتؐ کی زندگی میں براہِ راست مشافہۃً خود فدک کا مطالبہ کیا تھا اور آنحضرتؐ نے انکار فرما دیا تھا، ورنہ نعوذ باللہ حضرت بتولؓ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ ان کو اپنے ابا جان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غصہ ہے کہ انہوں نے مجھے فدک نہیں دیا اور اپنے خلیفہ کو وصیت کر گئے ہیں کہ خبردار! فاطمہؓ کو حصہ نہ دینا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

الحاصل

بہر حال اصل لفظ وجدت تھا راوی سمجھے کہ شاید یہ وجدت بمعنی غضبت ہے تو وہی کہہ دیا مگر راوی جھوٹا اور بدنیت نہ تھا، ثقہ تھا، نیک نیت تھا اس بنا پر امام بخاری نے اس کے الفاظ بعینہٖ نقل فرما دیئے اور حلِ حدیث محققین، محدثین و فقہاء مجتہدین پر چھوڑ دیا۔ جیسے دوسری احادیث کا معاملہ ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انہی ۳۳ روایات میں سے ۱۰ روایات میں اَرْسَلَتْ کا لفظ ہے (مسلم ج ۲ ص ۹۱ و بخاری ص ۵۲۶) یعنی حضرت بتول نے حضرت امام ابوبکر صدیق کے پاس خود نہیں بلکہ کسی اور کو بھیجا (شاید حضرت علی رض کو بھیجا ہو) اور حقیقت میں یہی حق معلوم ہوتا ہے اور خود کہنے پوچھنے کی بات مجاز ہے۔ جیسے مذی کا مسئلہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت پڑنے پر حضرت اسود یا مقداد کے واسطے سے دریافت فرمایا۔ مگر بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا یہ اسناد مجازی ہے۔

بہر حال دل گواہی نہیں دیتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خود مخدرہ دوشیزہ سے زیادہ حیادار تھے۔ ان کی صاحبزادی جو قرآن و سنت کی حامل اور عامل جو نبوت کی گود میں پلی تھی، جو چال ڈھال میں آنحضرت کے مشابہ تھی بذات خود پردہ سے باہر جا کر غیر محرم کے سامنے ایک ادنیٰ سی چیز دنیائے دنی کا مطالبہ کرنے کے واسطے کھڑی ہو گئی ہوں یہ بات شیعہ تو کہہ سکتا ہے، چنانچہ اصول کافی ص ۲۹۱ میں ہے اخذت فاطمۃ بتلابیب عمر ثم جذبت الیہا (یعنی جناب فاطمہ رض بتول نے عمر رض کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا) نعوذ باللہ منہ۔ مگر سُنی کی زبان جل تو سکتی ہے مگر یہ بکواس بولنے پر کبھی آمادہ اور تیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اتنی باحیا ہستی کے متعلق اس قسم کی بے حیائی کی بات بے حیا ہی کی زبان فتان بازبان سے صادر ہو سکتی ہے۔

ایک غیر متعلقہ مگر ضروری بحث

فائدہ: اسد الغابہ لابن الاثیر رح ج ۵ ص ۵۲۳ میں ہے کہ حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو سراپردۂ جلال کے پیچھے سے ایک آواز آئے گی پکارنے والا پکارے گا یا اھل الجمع غضوا ابصارکم حتی تمر فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اے قیامت میں جمع ہونے والو اپنی اپنی آنکھیں نیچی کر لو تا اینکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رض گزر جائیں۔" اور یہ روایت حاکم نے بھی مستدرک میں بایں سند بیان فرمائی ہے قال ابو بکر محمد بن

عبد اللہ بن عتاب العبدی ببغداد وابو بکر بن ابی دارم الحافظ بالکوفۃ وابو العباس محمد بن یعقوب وابو الحسین بن ماتی بالکوفۃ والحسن بن یعقوب العدل قالوا حدثنا ابراھیم بن عبد اللہ عیسی ثنا عباس بن ولید بن بکار العتبی ثنا خالد بن عبد اللہ الواسطی عن بیان عن الشعبی عن ابی جحیفۃ عن علی علیہ السلام۔

یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے کیونکہ اس سلسلہ کا ایک راوی العباس بن الولید بکار العتبی جسے دارقطنی نے کذاب کہا، ابن ابی الدنیا نے کہا یہ حدیثیں وضع کرتا تھا ابو نعیم اصبہانی نے کہا یہ شخص بے بنیاد اور منکر روایتیں بیان کرتا ہے ابن حبان اسے منکر روایتیں پیش کرنے والا کہتے ہیں (لسان المیزان ج ۳ ص ۲۳۷) پھر فرمایا قلت اتھم بحدیثہ عن خالد بن عبد اللہ عن بیان الشعبی عن ابی جحیفۃ عن علی مرفوعا اذا کان یوم القیمۃ نادی مناد یا اھل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمۃ حتی تمر (ہ) میں کہتا ہوں کہ یہ اپنی اس حدیث سے متہم ہو چکے ہیں جو انہوں نے خالد بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن منادی پکارے گا کہ لوگو! اپنی اپنی آنکھیں بند کر لو تاکہ حضرت فاطمہؓ پل صراط سے گزر کر جنت میں جائیں۔ عقیلی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی اس حدیث پر وہم اور غلطیاں غالب ہیں۔

یاد رہے! کہ حضرت فاطمہؓ بتول کا سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہونا بصمیم قلب مسلم ہے لیکن یہ بھی تو ہے کہ اسی میدان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی ہوں گے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مردوں میں سب سے زیادہ یہ مجھے محبوب ہیں (بخاری ص ۵۱۷) حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہوں گی جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب ہستی ہیں (بخاری ص ۵۱۷) کیا امہات المومنین کا مرتبہ خدا کے نزدیک حضرت فاطمہؓ بتول جتنا بھی نہیں ہے کہ ان کے لیے تو پردہ کا اتنا سخت اہتمام، اور ان لوگوں کے لیے کچھ بھی نہیں؟ نیز جیسے فاطمہؓ بتول آپؐ کی صاحبزادی ہیں ایسے ہی زینبؓ، رقیہؓ و ام کلثومؓ بھی آپؐ ہی کی صاحبزادیاں ہیں، پھر تخصیص فاطمہؓ کی کیا وجہ؟ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شیعہ کی بیان کردہ روایت

ہے جو دوسری صاحبزادیوں کا قائل نہیں۔

اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: امام سیوطیؒ نے اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۴۰۳ میں فرمایا ولم یتعقبہ الحافظ ابن حجر فی الاطراف کعادتہ یعنی اور مرورِ فاطمہؓ کی روایت کا اطراف میں ذکر کر کے حافظ ابن حجر صاحبؒ نے اس روایت کا حسب عادت پیچھا نہیں کیا ہے۔

نیز حاکم نے اس حدیث کے بارے کہا صحیح علی شرط الشیخین، اور المناوی نے کہا علی شرط مسلم"۔ سیوطی نے بھی صحیح الاسناد لکھ کر کہا کہ یہ حدیث حضرت علی رضؓ کے سوا ابوہریرہؓ، ابوایوب عائشہ صدیقہؓ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ اتنی روایتیں ہوتے ہوئے اس حدیث پر وضع کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر فضائل و مناقب میں ضعیف احادیث لی جاتی ہیں۔

الجواب: حاکم کی تصحیح کا ان کے تساہل کی وجہ سے معتبر نہ ہونا محدثین کے نزدیک مشہور و معروف ہے، خصوصاً جب کہ اس کی سند ہمارے سامنے ہے جس میں کذاب راوی صاحب صاف نظر آ رہے ہیں اور جس حدیث میں کذاب راوی ہو اسی کو موضوع کہتے ہیں پھر تعجب ہے کہ ایسی حدیث کو جس کا راوی کذاب ہو اسے صحیح الاسناد، صحیح علی شرط مسلم، صحیح علی شرط الشیخین، کس وجہ سے کہہ دیا جاتا ہے اور فضائل و مناقب میں واقعی ضعیف احادیث لی جاتی ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا ضعف کذب راوی اور وضع کی حد تک نہ پہنچا ہو، ورنہ تمام متضاد مناقب تسلیم ہوں گے۔

نیز خود حاکم نے جب کہا صحیح علی شرط الشیخین تو اس کے ساتھ یہ لفظ بھی ہیں الا ان العباس لم یخرجا لہ (اللآلی ج ۱ ص ۴۰۳) یعنی عباس بن ولید بن بکار ضبی کی روایت مسلم و بخاری میں سے کوئی ایک بھی نہیں لایا۔ اور مناوی نے جو فرمایا علی شرط مسلم تو علامہ ذہبی حلفاً فرماتے ہیں لا واللہ بل موضوع والعباس راویہ قال الدارقطنی کذاب یعنی بخدا یہ حدیث مسلم کی شرط پر نہیں ہے بلکہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ اس کا راوی عباس ہے، جسے دارقطنی نے کذاب کہا اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا کہ یہ حدیث اسی عباس کے

اباطیل اور معایب میں سے ہے اور ابن جوزی نے بھی کہا کہ یہ موضوع ہے۔

اور اللآلی میں اگر یہ کہا ہے "لم یتعقبہ الحافظ ابن حجر" تو ساتھ یہ بھی کہا نعم تعقبہ الذہبی (ہاں ذہبی نے اس کا تعاقب کیا ہے) پھر اوسط طبرانی کے حوالے سے باسند حدیث نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت علی رضؓ سے صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں عبدالحمید (بن بحر الزہرانی) اور عباس بن (ولید بن) بکار ضبی متفرد ہیں۔ پھر کہا اس حدیث کے شواہد ہیں ان میں سے پہلا شاہد حدیث ابی ہریرہؓ ہے اس میں راوی ہے عمرو بن زیاد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان الثوبانی ابوالحسن جس کے بارے ابن عدی نے کہا حدیث کا چور ہے اور باطل حدیثیں بیان کرتا تھا پھر اس کی روایت ابن حجرؒ نے لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۴ میں لکھ کر کہا وہذا موضوع پھر ایک اور حدیث لکھ کر کہا کہ ابن عدی نے کہا یہ حدیث اس اسناد سے باطل ہے کیونکہ عمرو بن زیاد وضع حدیث کے ساتھ متہم ہے اور دارقطنی نے کہا یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ پھر ایک اور حدیث اسی سند سے بیان کی جو اللآلی میں ہے پھر کہا کہ اس حدیث کا عمرو (بن زیاد) ہی واضع ہے۔ پھر کہا ابن مندہ نے بھی اس کو متروک الحدیث کہا (لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۵)

اور دوسرا شاہد حدیث ابی ایوب انصاریؓ کی ہے جس کی سند میں محمد بن یونس کدیمی اور حسین بن حسن الاشقر اور قیس بن ربیع اور سعد بن طریف ہیں اور یہ چاروں کے چاروں متروک ہیں۔

اور تیسرا شاہد حدیث عائشہؓ ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان، ج ۲ ص ۳۱۴ میں خبر منکر کہا ہے اور اس کی سند میں اضطراب بتایا اور کہا اضطراب کے ساتھ ساتھ اس طرح کی منکر حدیث لایا ہے۔

اور حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث میں ربیع بن یحییٰ الاشناقی کا شیخ حماد بن سلمہ کا پڑوسی ہے جو مجہول ہے۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور حدیث ص ۴۰۴ میں لکھی جس میں عمیر بن عمران متروک ہے پھر اس کے شیخ حفص بن غیاث کا شیخ محمد عبیداللہ الغرزمی بھی متروک ہے

ابن عدی نے عمیر کے بارے کہا حدث بالیوا طیل (لسان ج ۴ ص ۳۸۰)

اور چوتھا شاہد حدیث ابی سعید ہے جس میں داؤد بن ابراہیم عقیلی مجہول ہے بلکہ لسان المیزان ج ۲ ص ۴۱۵ میں ہے کہ ازدی نے کہا کہ مجہول کذاب ہے اس کے ساتھ احتجاج نہیں ہوتا۔ پھر یہی زیر بحث حدیث ذکر کرکے کہا کہ ازدی نے اسے منکر کہا۔

رہا ابن اثیر کا سکوت سو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ کیونکہ محدثین ایسا اتفاقات سکوت فرما جاتے ہیں حالانکہ وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی جیسے لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۵ میں ایک حدیث کے بارے ابن حجر فرماتے ہیں کہ خطیب نے یہ حدیث ذکر کرکے سکوت فرمایا حالانکہ یہ حدیث باطل ہے۔

شیعہ کی طرف سے ایک سوال اور ہمارا جواب

کتب شیعہ سے وراثت مال نبی ؐ کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ دیوان علی ص ۸ میں ایک شعر لکھا ہے:

ویطلب اقوام موارث مالک ۔۔۔ وبیننا موارث النبوۃ والہدی

یعنی اور لوگ تو مرنے والے کے ورثہ کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ہمارے درمیان تو نبوت اور ہدایت کا ورثہ چلتا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ ص ۲۱۷ میں ہے عن الفضیل بن یسار قال سمعت ابا جعفر الصادق یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... العباس ولا علیا ولا ورثہ فاطمۃ یعنی بخدا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ عباس کو مال کا وارث بنایا نہ علی رضؓ کو نہ فاطمہؓ کو۔

خصائل بابویہ ج ۱ ص ۳۹ و حدیدی شرح نہج البلاغت جزء ۱۶ ج ۲ ص ۲۶۱ و دلائل الامامۃ لابن جریر بن رستم الطبری ص ۳ میں ہے اتت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شکواہ الذی توفی فیہ فقالت یا رسول اللہ ھذان ابنان تورثھما شیئا قال اما الحسن فان لہ ھیبتی واما الحسین

فان لہ جرأتی یعنی آنحضرتؐ کی مرض الموت میں آپ کی صاحبزادی فاطمہ بتول رضؓ اپنے صاحبزادوں کو ساتھ لے کر آئیں کہ ان دونوں بیٹوں کو وارث کسی چیز کا بنایا جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ حسنؓ کو میرے ورثہ میں سے ہیبت اور حسینؓ کو جرأت اور شجاعت ملی ہے۔

شیعہ کتب کی عبارت

جلاء العیون میں کلینی، ابن بابویہ، شیخ طوسی سے بسند ہائے معتبر زین العابدین، باقر جعفر صادق سے نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا جبکہ گھر مہاجرین و انصار سے پُر تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا میراث سنبھالو تو انہوں نے معذوری ظاہر کی پھر حضرت علی کو فرمایا تو حضرت علی رضؓ نے سب میراث

اہل سنت کا اس پر اعتراض

سوال یہ ہے کہ علی رضؓ وارث کیسے بن گئے جب کہ بیٹی اور چچا موجود تھے اور وارث بننے سے انکار کیسے کر سکتے تھے جب خدا پاک کا حکم ہے۔ پھر بیٹی کو کیوں نہیں فرمایا گیا کہ اپنی وراثت سنبھال، پھر جب بیٹی خود مانگنے آئی تھیں تو انکار کیوں کر دیا اور نواسوں کو وراثت دی تو ہیبت اور جرأت دی مال تو پھر بھی نہیں دیا۔ پھر وراثت تو ہوتی ہے جب آدمی فوت ہو جائے۔ وفات سے پہلے وراثت سنبھالنا مہمل سی بات ہے

پھر جب یہ مان لیا جائے کہ آپؐ کی روح مبارک جسد عنصری سے باہر نہیں گئی اندر ہی اندر رہ گئی ہے تو موت واقع نہ ہوئی جب موت نہیں تو یوں کیوں کہا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ عمرؓ و عثمانؓ وغیرہ کو اپنی خلافت کی پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے آپؐ کا جنازہ ہی نہیں پڑھا، جنازہ تو اس کا ہوتا ہے جو وفات پا جائے اور روح پرواز کر جائے زندہ شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ تو تمہاری بات اگر تسلیم ہی کر لیں کہ نماز جنازہ شیخین نے نہیں پڑھا تو کونسا قصور کیا، وہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز جنازہ ہم کیوں پڑھیں جب تم کہتے ہو کہ زندہ ہیں۔ بھلا زندہ کا بھی جنازہ ہوتا ہے۔

اصل حقیقت

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؐ وفات پا چکے تھے آپؐ کو نہلایا گیا کفنایا گیا آپؐ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تیس ہزار صحابہ جو حاضر موجود تھے سب نے باجماعت فرداً فرداً نماز پڑھی اخیر میں ولی (ابوبکرؓ) نے پڑھی اس کے بعد کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا حق نہ تھا۔ پھر آپؐ کے لیے لحد بنائی گئی اور اس میں آپؐ کو رکھ کر مسنم قبر بنائی گئی۔

شیعہ پر حضرت نانوتویؒ کا اعتراض

ہمارے حضرت شیخ الشیخ قاسم العلوم والخیرات نے اجوبہ اربعین میں شیعہ پر چند اعتراض فرمائے ہیں جن میں سے ایک اعتراض یہ ہے جو اجوبۂ اربعین ج ۱ ص ۸۱ میں سوال نمبر ۱۹ میں درج ہے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبیؐ ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ کیوں مانگا؟ زندوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، اور شہیدوں کی نظیر دو، تو یہ نظیر کام کی نہیں۔ کیونکہ شہداء یہاں کے بدن سے زندہ نہیں ہیں اس بدن کے حساب سے تو مردہ ہیں۔ ہاں حیثیت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے۔

اور موت کا جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے تو آپ حیات النبیؐ ہیں، اور نہیں جاتی تو میراث کی صورت نہیں اھ

آپ کے فرمان کی تشریح

کیسے صاف فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ بدستور بقید حیات ہیں تو حضرت فاطمہ بتولؓ نے ترکہ کیوں مانگا۔ ترکہ تو ان کا ہوتا ہے جو فوت ہو جائے زندہ لوگوں کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت فاطمہ بتولؓ نے تو مانگا ہے اور یہ ترکہ مانگنا آپؓ کا شہرت سے ثابت ہے۔ صحابہؓ میں سے تین راوی ہیں حضرت عائشہؓ وحضرت ابوہریرہؓ وحضرت ابوطفیلؓ۔ پھر ان کے تلامذہ وتلامذۃ التلامذہ عن آخرہم اس کثرت سے ہیں جن پر جھوٹ کا گمان نہیں ہو سکتا۔

جب حضرت بنتِ رسولؐ کا ترکہ مانگنا صحیح ہے تو آپؐ کی وفات بھی یقیناً صحیح ہے اس میں شک یا انکار کرنا یقیناً غلط ہے۔ اور پھر فرمایا انبیاء کا ورثہ ثابت کرنے کے لیے شہیدوں کو بطور نظیر پیش کرو تو یہ نظیر تمہیں کام نہیں دے سکتی کیونکہ شہداء یہاں کے بدن سے (یعنی بدن خاکی عنصری سے جو دنیا میں چلتا پھرتا کھاتا پیتا نمازیں پڑھتا روزے رکھتا حج

کرتا اور زکوٰۃ دیتا اور دیگر کام کرتا تھا۔) زندہ نہیں ہیں تو اس خاکی عنصری بدن کے حساب سے مردہ ہیں جس کا تعلق دنیا کے مال و اسباب اور ازواج کے ساتھ تھا۔ اب وہ تعلق منقطع ہوگیا اب دنیا کا مال و اسباب ان شہداء کے حق میں بے کار محض ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ان شہداء کے مال و اسباب کو دوسرے اموات کے مال و اسباب کی طرح ترکہ میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح ان شہداء کی بیویوں کا تعلق بھی منقطع ہوگیا۔ موت سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ گیا صرف چار ماہ دس دن تک یا بصورت حمل وضع حمل تک اس نکاح کا اثر دوسرے اموات کی بیویوں کی طرح باقی ہے اسی بقاء اثر نکاح کی وجہ سے وہ اپنے میت شوہر کے گھر سے بغیر داعیہ شدیدہ کے نکل نہیں سکتی اور اسی بقاء اثر نکاح کی وجہ سے میت شوہر کے مال میں سے نان و نفقہ و سکنیٰ کی حقدار ہے اور وراثت میں بھی اس کا حصہ ہے ورنہ خود نکاح موت کے ساتھ ختم ہوگیا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد وہ بیوہ خود مختار ہے جہاں چاہے وہ نکاح کر سکتی ہے کہ اب وہ خاوند والی نہیں رہی۔

ہاں ان شہداء کو زندہ جو کہا جاتا ہے تو اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے پھر اس برزخی جنتی زندگی میں وہیں کے اموال و ازواج (حور عین) کے ساتھ ان کے اس بدن برزخی (طیر خضر) کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ اب ان ابدان برزخیہ کا تلذذ تنعم اور تمتع وہیں کے اموال و ازواج کے ساتھ ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اکراماً و احتراماً بر سبیل خرق عادت اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بغیر حنوط اور بغیر اعادہ روح کے ان کے ابدان عنصریہ کو تغیر و تبدل سے محفوظ و مصئون صحیح سلامت رکھے جیسے کہ بعض شہداء کے ابدان عنصریہ کا صحیح سلامت رہنا مشاہد بھی ہے

پھر فرمایا اور موت کا جواب بھی کام کا نہیں اگر حضرت بتول رضؓ کے ترکہ مانگنے کا جواب اس طرح دو کہ حضرت فاطمہ رضؓ نے اس لیے ترکہ مانگا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وعدہ الٰہیہ کل نفس ذائقۃ الموت کا ذائقہ چکھا ہے اور آپ ایک دفعہ تو موت کے پنجے میں آئے ہیں خواہ ایک آن کے لیے سہی لمحہ دو لمحہ کے لیے سہی بعد میں پھر بیشک جان میں جان آجائے بہر حال موت آ تو گئی اس لیے حضرت بتول کا ترکہ مانگنا درست ہوا تو یہ

جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت جب تسلیم ہوگئی تو موت سے حیات جاتی رہتی ہے۔ (کیونکہ موت وحیات باہم متقابلین ہیں خواہ تقابل عدم و ملکہ کا کہو یا تقابل ایجاب وسلب کا یا تقابل تضاد کا) اور اجتماع متقابلین کا بیک مکان وزمان بیک جہت محال ہے) جب موت سے حیات جاتی رہی تو آپ حیاۃ النبی نہ رہے اور اگر بالفرض موت النبیؐ سے حیات النبیؐ نہیں جاتی بلکہ حیات قائم اور بحال خود رہتی ہے تو میراث کی کوئی صورت نہیں کیونکہ جو شخص بقید حیات ہو اس کے مال واسباب اس کے ملک سے نکل کر بطور خلافت دوسرے کے ملک میں خود بخود نہیں جا سکتا جب تک کہ مالک خود کسی کے ملک نہ کر دے اور جب زندگی میں کسی کے ملک کرے گا تو اسی وقت مالک کے ملک سے نکل کر دوسرے کے ملک میں چلا جاتا ہے یہ نہیں کہ طلاق وعتاق کی طرح کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے سے معلق رہے۔ اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ بیع بالتعلیق جائز نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو مسئلہ ہے کہ جب مشتری کی طرف سے خیار شرط ہے تو بائع کے ملک سے نکل کر مبیع مشتری کے ملک میں آجاتا ہے۔ یوں نہیں کہ بائع کے ملک سے تو نکل جائے اور مشتری کے ملک میں نہ آئے۔ کیونکہ شرع محمدی میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ چیز مملوک تو ہے مگر اس کا مالک کوئی نہیں۔

اسی طرح اگر یہاں ما نحن فیہ میں یہ کہا جائے کہ لا نورث وما ترکناہ صدقۃ میں حضرت کا اپنی زندگی میں فرمانا بنا یہ مطلب رکھتا ہو کہ جو میں چھوڑ جاؤں وہ ابھی سے صدقہ ہے تو اس حین حیات میں صدقہ کرنے سے ابھی اسی وقت بلا تعلیق بالموت صدقہ بالفعل ہوگیا۔ جب صدقہ ہوگیا تو ابھی سے حضرتؐ کے ملک سے نکل گیا جب ملک سے نکل گیا تو وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وراثت اس مال میں چلتی ہے جو موت کے وقت مورث کے ملک میں ہو۔ جب صحت کی حالت میں وہ مال آپؐ کے ملک سے نکل چکا تو وراثت کہاں؟

اور اگر مرتے دم تک وہ مال مورث کے ملک میں رہا تو روح پرواز کرتے ہی تجہیز وتکفین وتدفین ودین اور وصیت کے بعد بطور خلافت کے وارثین کے ملک میں آجاتا ہے۔

تطبیق قاسمیؒ

چونکہ موت متعارف سے حیات جاتی رہتی ہے اور حضرتؒ موت پر ایمان رکھنا بھی ضروری فرماتے ہیں اور حیاۃ النبیؐ کا عقیدہ بھی لازمی سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی کہ موت کے جو معنی لغت اور عرف میں مراد لیے جاتے ہیں وہ صرف اسی صورت میں ہے جب موت کی نسبت غیر انبیاء کی طرف ہو۔ لیکن جب موت کی نسبت انبیاء کی طرف ہو تو اس وقت موت کے وہ لغوی و عرفی معنی مراد نہ ہوں گے بلکہ اس وقت موت بمعنی سلب الحیوٰۃ ہوگا نہ بمعنی رفع الحیوٰۃ۔ اور وراثت کا سوال اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ موت کے معنے رفع الحیوٰۃ کے ہوں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کے معنی رفع الحیات کریں تو حیات النبیؐ کا انکار لازم آئے گا اور پھر انبیاء کی وراثت کا قول کرنا ہوگا۔ اور حضرت رحمہ اللہ خود آب حیات ص ۲۷ میں صاف فرماتے ہیں کہ

"غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعت طعن میراث تھی۔ سو وہ جبھی ہو سکتی ہے کہ حیات نبویؐ حیاتِ دنیوی ہو اور وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو۔ ورنہ حیاتِ شہداء اور حیاتِ ثانی (یعنی موتِ عرفی کے بعد پھر دنیوی حیات) مانع ترتب میراث نہیں اور علیٰ ہٰذا القیاس مانع اجازتِ نکاح ازواج نہیں" اور اس عبارت سے ایک دو سطر اوپر فرماتے ہیں:

"اس (صاحب رسالہ آب حیات) کی غرض تو اس ردّ و کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیاتِ دنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ بعض مضامین دیباچہ اس پر شاہد ہیں۔"

الحاصل

بہر حال حضرت رحمہ اللہ کا مسلک وہ نہیں جو دوسرے علماء کا ہے اور اس مسلک کو خود محترم جناب مولینا صاحب بھی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۰۴ میں فرماتے ہیں۔

"عرف عام میں موت جان نکل جانے کا نام ہے یعنی جب رُوح جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں۔ علماء نے موت کا معنی کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے قرآن وحدیث کے نصوص واشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت رُوح نکالی جاتی ہے آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے۔

موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے رُوح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کر سکتی۔"

اس عبارت میں مولٰنا نے صاف اقرار فرمایا ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص واشارات بتاتے ہیں کہ موت کے وقت رُوح (جسم سے) نکالی جاتی ہے اور رُوح کا جسم سے نکل جانے اور رُوح کا تعلق جسم سے منقطع ہونے کا نام موت ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ رُوح کا جسم سے تعلق بوقتِ موت منقطع ہو جاتا ہے اور موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں مولٰنا نانوتویؒ قرآن وحدیث کی نصوص واشارات کے خلاف جمال قاسمی ص ۱۵ میں فرماتے ہیں:

"ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا۔" اب حضرت نانوتویؒ کے متعلق کیا فتوٰے دیں گے۔ نیز لکھتے ہیں: سوا ان کے اوروں کی (شہداء صلحاء اور دیگر مومنین وغیرہم کی) ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔ یہاں کے جسم سے سب کی ارواح بے علاقہ ہو جاتی ہیں، بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو عجب نہیں کیونکہ ان کو جب نعم البدل (طیر خضر) عنایت ہو گیا تو اب اس جسم کی محبت کیا رہی ہو گی اس لیے ان کا سماع اور ان کی قبور سے استغاثہ مستبعد زیادہ ہے۔

مولٰنا سے دُوسرا سوال

نیز جب آپ لوگ حضرت نانوتویؒ کے مسلک کے خلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے اخراج روح کے قائل ہیں اور موت عرفی مانتے ہیں تو آپ کا مسلک نانوتوی پر ہونے کا دعوٰی

کیسے تسلیم کیا جائے۔ دیوبندی مسلک کا بانی تو اخراجِ رُوح کا منکر ہے اور آپ اخراجِ رُوح کے قائل جیسے آپ کا موجودہ خصم اخراج کا قائل ہے تو جیسے آپ کا خصم اخراجِ رُوح کا قائل ہو کر دیوبندیت سے خارج ہے تو آپ بھی اس مسئلہ میں خصم کے ساتھ موافقت اور بانیٔ دیوبند کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں پھر آپ پکے دیوبندی؟ یہ منطق ہماری سمجھ میں کیا آئے گی کسی عقلمند کی سمجھ میں نہیں آسکتی، خصوصاً جبکہ بانیٔ دیوبند کا قول محترم جناب مولانا صاحب کی تحریر کی روشنی میں قرآن وحدیث کی نصوص واشارات کے بھی سراسر خلاف ہوا۔ اور محترم مولانا صاحب کسی فریقِ مخالف کی بات قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف پاکر سنگین فتویٰ صادر فرماتے ہیں اور یہاں.....!

مولانا سے تیسرا سوال

پھر ص ۲۰۵ حضرت نانوتوی کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں جسم سے رُوح کے سمٹ جانے سے جسمانی حواس معطل ہو جاتے ہیں" اول تو یہ بات آپ ہی کے خلاف ہے کیونکہ جسمانی حواس جب معطل ہو گئے، کانوں نے سننا چھوڑ دیا، آنکھوں نے دیکھنا چھوڑ دیا، زبان نے بولنا چھوڑ دیا، پاؤں نے چلنا چھوڑ دیا اور رُوح صرف دل میں مرکوز ہو گئی، تو نماز کیسے قیام کیسے، رکوع کیسے؟ سجود کیسے، قعدہ جلسہ کیسے حج کیسے تلبیہ کیسے، طواف وسعی ووقوف عرفہ وجمع ورمی جمار کیسے، زائرین کا سلام سننا کیسے پھر ان کو جواب دینا کیسے خدا کی بارگاہ میں زائرین کی شفاعت کیسے؟ ان سب امور کے لیے حواس کی سلامتی ضروری ہے۔

مولانا سے چوتھا سوال

پھر صفحہ ۲۰۶ میں کہا "رُوح کا تعلق واتصال سب امور متشابہات میں سے ہیں۔ ان کی صحیح کیفیت کے بارہ میں کوئی جزم سے نہیں کہا جا سکتا" جنابِ من! پھر اس گورکھ دھندا کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ آپ کی حیات دنیوی بھی ہے برزخی بھی ہے حسی حقیقی ہے۔

سیدھا کہدیتا چاہیے کہ دُنیا کے اعتبار سے آپ اموات میں داخل ہیں اور زندگی آپ کی برزخی ہے جو ہمارے فہم سے وَرا ہے۔

مولٰنا کا ہم پر بلا تحقیق الزام

پھر فرمایا "ان کی کم فہمی ہے جو مسئلہ حیات النبیؐ کو شرک قرار دیتے ہیں"

کسی نے کہدیا ہوگا۔ مگر لگتا ایسا ہے کہ یہ مسئلہ مفضی الی الشرک تو بن ہی جائے گا کیونکہ آپؐ دُنیا میں تو بشری صفات کے ساتھ متصف تھے جب معراج میں آسمانوں پر تھے تو زمین پر نہ تھے، بیت المقدس میں تھے تو مکہ معظمہ میں نہ تھے، مکہ میں تھے تو مدینہ میں نہ تھے غزوات میں جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرما جاتے۔ جب کئی مل کر قضیہ پیش کرتے تو فرماتے ایک ایک بولو سب کی بات ایک ہی دم نہیں سُنائی دیتی۔ آپ نیند فرماتے تو طلوع سورج نہ دیکھ سکتے، حجرہ شریفہ کے اندر ہوتے تو باہر والے آواز دیتے تو نہ سنتے نہ باہر کا بندہ نظر آتا۔ جب بہتوں کی بات کا جواب دینا ہوتا تو یکبارگی ہر ایک کا جواب نہ دیتے بلکہ باری باری ایک ایک کا علیحدہ علیحدہ جواب مرحمت فرماتے جب نماز میں مشغول ہوتے تو آنے والے کے سلام کا جواب نماز سے فارغ ہو کر دیتے۔

مگر اب جبکہ قبر میں آپ دفن ہیں تو آپ اعلیٰ علیین میں بھی۔ قبر اطہر میں بھی اور بقول بریلویہ کے آپؐ ہر جگہ حاضر بھی اور حج میں بھی جاتے ہیں۔ عرفہ، مزدلفہ، منیٰ میں بھی ہیں قبر میں بھی ہیں، نماز میں بھی ہیں۔ تمام زائرین کا سلام بھی سنتے ہیں، ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ دیکھتے بھی ہیں پہچان بھی لیتے ہیں۔ ہر ایک کو الگ الگ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ دنیا کے جمیع مسلمین کے اعمال بھی دیکھتے ہیں بیک وقت نماز میں خدا کے ساتھ مناجات بھی ہو رہی ہے (ان العبد یناجی ربہ فی الصلوٰۃ) اور اسی وقت ادھر زائرین کی طرف بھی توجہ سلام سننا اور جواب دینا ان کی عرضیاں بھی سننا اور خدا کی بارگاہ میں بھی پیش کرنا اور سات پردوں کے اندر سے سب کو دیکھ لینا بھی ہو۔ بھلا ایک آن میں اعلیٰ علیین، قبر، مکہ، عرفہ، منیٰ میں ہونا، یہ صفات بشری ہیں۔ کیا سب کی بیک وقت سننا اور ہر ایک

کی طرف فرداً فرداً توجہ کر کے ایک ہی دم میں جواب دینا صفت مختصہ خدا پاک کی نہیں ؟

مولٰنا بریلویہ کے پلیٹ فارم پر

پھر اسی صفحہ پر فرمایا " شرک تو تب ہوتا ہے کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو، اس کے گھر کی ہو، پھر اس پر کبھی موت طاری نہ ہو۔ مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں "۔

مخدوم من! بعینہٖ اسی طرح استدلال بریلویہ کا ہے کہ وہابی امت کا ہمیں مشرک کہتے ہیں شرک تو تب ہوتا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا علم غیب و اختیار مانتے جو خدا کی عطا نہ ہوں ان کے گھر کے ہوں۔ مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں، بلکہ بت پرست ہندو بھی اپنے دیوتاؤں کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے تمام اختیارات خداداد ہیں۔

مولٰنا کو جواب خود اُن کے اپنے قلم سے

خود صاحب تسکین نے تبرید النواظر ج ۲ ص ۷۶ میں پانچویں اعتراض کا جواب دیا ہے جو بریلویوں کی طرف سے کیا گیا تھا ہم اس اعتراض اور جواب کو بلا تبصرہ ناظرین کے پیش خدمت کرتے ہیں۔ پھر ناظرین خود سوچتے رہیں کہ محترم نے اب کونسی لائن اختیار فرمائی ہے۔

پانچواں اعتراض کہ فقہاء کرام نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر عالم الغیب اور حاضر ناظر ہیں۔ اور ہم لوگ تو عطائی طور پر آپ کو (بلکہ دیگر انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو) عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانتے ہیں اور چونکہ عطائی طور پر ان صفات کے غیر اللہ میں تسلیم کرنے سے خاصۂ خداوندی میں شرکت لازم نہیں آتی (کیونکہ خداوند تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں) اس لیے یہ شرک نہیں ہے (دیکھیے جاء الحق ص ۱۲۸ و مقیاس حنفیت ص ۴۷۷)

جواب : یہ اعتراض بھی یقیناً اور حتماً مردود ہے اولاً اس لیے کہ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح نفوس قدسیہ) کا اپنا وجودِ مسعود اور نبوت و رسالت وغیرہ وہبی اور عطائی ہے، تو یہ تصور کہاں سے اور کیسے قائم کیا جا سکتا ہے کہ ان کی (علم، سمع و بصر وغیرہ) کوئی صفت ذاتی بھی ہو سکتی ہے؟ کیونکہ جب موصوف عطائی ہے تو اس کی صفت کے ذاتی ہونے کا تصور کیسا؟ جب اس کا احتمال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تو اس میں ذاتی اور عطائی کا قصہ چھیڑنا ہی بیکار اور باطل ہے **وثانیاً** اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر اِلٰہ اور خالق مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (بلکہ دیگر بزرگوں کو بھی) عطائی طور پر اِلٰہ اور خالق تسلیم کرتا ہوں تو کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا؟ اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اگر وہ ہرگز مسلمان نہیں اور یقیناً نہیں تو فرمایئے کہ اس بیچارے نے خدا تعالیٰ کا ذاتی خاصہ آپ میں یا کسی دوسرے میں تسلیم نہیں کیا۔ پھر وہ کافر کیسے ہوا؟ نیز اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بالاستقلال اور تشریعی نبی ہیں۔ مگر کوئی دوسرا شخص (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی جو ثلاثون کذابون دجالون کی مد میں ہے) بالتبع یا غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور اسی کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض اور آپ کا ظل ہے تو کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ ایسے شخص نے تو آپ کا خاصہ غیر میں تسلیم نہیں کیا، پھر وہ کافر کیسے ہو گیا؟ **وثالثاً** خدا تعالیٰ کی صفات کے دو پہلو اور دو شقیں ہیں۔ ذاتی اور محیط تفصیلی، اور ان میں سے کسی پہلو اور شق کو بھی غیر کے لیے ثابت کرنا قطعاً اور یقیناً شرک اور کفر ہے اور صورت مذکورہ میں ماننے والے گو عطائی مانتے ہیں۔ مگر کل اور محیط بھی تو تسلیم کرتے ہیں جو نصوص شرعیہ کے سراسر مخالف اور بجائے خود شرک ہے،

ورابعاً مشرکین عرب بھی عطائی طور ہی اپنے الٰہوں اور معبودوں کے لیے یہ صفات تسلیم کرتے تھے مگر وہ مشرک اور کافر قرار دیئے گئے۔ اس کی مزید تحقیق راقم الحروف کی کتاب "گلدستۂ توحید" اور "ازالۃ الریب" وغیرہ میں دیکھیے!

انبیاءؑ کا مورث نہ بننا دلیل حیات عنصریہ نہیں ——— بطرز دیگر

جریانِ وراثت کا نہ ہونا آپ کے حیات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کا مال ہی نہ تھا۔ کیونکہ صحیح بخاری ص ۴۰۹ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ کی زرہ تیس صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ زرہ تو حضورؐ کے ملک تھی، یہ بات نہیں۔ زرہ تو غنیمت کے مال سے حاصل ہوئی تھی اور غنیمت کا مال عامۃ المسلمین کا مال ہوتا ہے یعنی غازیوں، یتیموں اور مسکینوں کا مال ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۳ میں لکھا ہے۔ "الاشارۃ الی ذالک من آخر احوالہ وہو مناسب حدیث عمرو بن الحارث فی الباب الاول انہ لم یترک دینارًا ولا درھمًا" اس میں آپؐ کی حیات کے آخری احوال کی طرف اشارہ ہے اور یہ اس حدیث کے مناسب ہے جو باب اوّل میں حضرت عمرو بن الحارث سے مروی گزری ہے کہ آپ نے کوئی دینار درہم نہیں چھوڑا کیونکہ رہن دَین کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور دَین اشد ضرورت ہی کے وقت لیا جاتا ہے جب پاس کچھ نہ ہو۔

مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۲۹ میں امام طحاویؒ نے فرمایا ان زکریا کان زاھدًا نجارًا یعمل بیدیہ لیس من ذوی الاموال ..... وکذالک سائر انبیاء اللہ عز وجل صلوٰت اللہ علیہم اجمعین فلم یورثوا دینارًا ولا درھمًا وانما اورثوا العلم یعنی حضرت زکریا علیہ السلام تارک الدنیا اور لکڑی کا کام کرتے تھے جس سے قوت لایموت حاصل کر لیتے تھے مال داروں میں سے نہ تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایسا ہی حال ہوتا ہے اسی واسطے وہ دینار درہم کا وارث نہیں بناتے، علم کا وارث بناتے ہیں۔

اُمتیوں کو ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنیکی حرمت انبیاءؑ کی حیاۃِ عنصری کی دلیل نہیں

اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا جو حرام ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ آپ حیات ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالےٰ نے منع فرمادیا ہے ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا یعنی آپؐ کی وفات کے بعد کبھی بھی آپؐ کی پاک بیویوں کے ساتھ تم نکاح نہ کرنا۔ حضرت مولٰنا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے اور تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے اس لیے تحریم بھی واقع ہوئی۔ قال تعالیٰ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ اور بے حجابی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے اس لیے ان احکام یعنی جواز خلوت ونظر ومس وامثالہا میں امومیت ثابت نہیں اور جب امومیت کی اصل حقیقت تعظیم ہے تو ازواج مطہرات امہات المومنین بھی ہیں۔

اور ابوۃ معنویہ باصلہا المذکور تمام انبیاء کے لیے ثابت ہے۔

مجاہدؒ سے منقول ہے کل نبی اب لامتہ، البتہ اس اصل کی فرع یعنی تحریم ازواج انبیاء علیہم السلام سو اس پہ کوئی دلیل نفیاً یا اثباتاً کافی نہیں۔ البتہ روح المعانی میں مواہب سے اس کا خصوصیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا نقل کیا ہے (بیان القرآن ج ۹ ص ۳۷)

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا امتی وغیرہ پہ حرام ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ آپ حیات ہیں اور زندہ کی بیوی سے نکاح حرام ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے حرمت علیکم امہاتکم.... والمحصنٰت من النساء حرام ہے تم پہ تمہاری ماؤں سے نکاح کرنا.... اور ان عورتوں سے بھی جو قید نکاح میں ہوں یعنی ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح حرام ہے، چونکہ حضورؐ پاک حیات ہیں اور امہات المومنینؓ آپؐ کی بیویاں ہیں اس لیے ان سے نکاح کوئی نہیں کر سکتا۔

سو یہ بات صریح غلط ہے کیونکہ والمحصنات من النساء سے ہر ایک اس عورت سے نکاح حرام ہے جو عقد نکاح کر چکی ہو خواہ وطی اس کے ساتھ ہوئی ہو یا نہ۔ اگر اسی وجہ سے حضورؐ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح حرام ہوتا تو ان عورتوں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہوتا جن کا صرف حضرت کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور غیر مدخول بہا تھیں جیسے قتیلہ بنت قیس حالانکہ منکوحہ نبوی غیر مدخول بہا کے نکاح کو سلف سے لے کر خلف تک سب نے جائز رکھا ہے اگر علت ممانعت نکاح حیاۃ نبوی ہوتی تو مدخول بہا کی ہی کیا خصوصیت تھی، مدخول بہا و غیر مدخول بہا دونوں کا نکاح امتیوں کو حرام ہوتا۔ جیسے حضرت نانوتویؒ نے خود اس اعتراض کا اعتراف آب حیات ص ۲۶ میں فرمایا۔

آپؐ کی منکوحہ غیر مدخول بہا قتیلہ بنت قیس

ب، ع، س قتیلہ بنت قیس بن معدیکرب الکندیہ اخت الاشعث بن قیس وقیل قیلۃ والاول اصح۔ تزوجہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ عشر ثم اشتکی وقبض ولم تکن قدمت علیہ ولا راٰھا ولا دخل علیہا۔ قیل انہ تزوجہا قبل وفاتہ بشہر وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصی ان تخیر فان شاءت ضرب علیہا الحجاب وتحرم علی المومنین وان شاءت طلقہا ولتنکح من شاءت فاختارت النکاح فتزوجہا عکرمۃ بن ابی جہل بحضرموت فبلغ ابا بکر رضی اللہ عنہ فقال لقد ہممت ان احرق علیہما بیتہما۔ فقال لہ عمر رضی اللہ عنہ ما ہی من امہات المومنین ولا دخل علیہما ولا ضرب علیہا الحجاب۔ وقیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص فیہا بشیئ ولکنہ لم یدخل بہا وارتدت مع اخیہا حین ارتد ثم نکحہا عکرمۃ بن ابی جہل فارد ابوبکر ان یرجمہ فقال عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یدخل بہا ولیست من امہات المومنین وقد بینہا اللہ عزوجل بالردۃ فسکت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفیہا و فی

غیرها من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم التی لم یدخل بھن اختلاف کثیر تحصل منہ کثیر فائدۃ (اسد الغابہ ص ۵۳۳/۵)

قتیلۃ بنت قیس بن معدی کرب الکندیۃ اخت الاشعث بن قیس قالہ ابو عمر ویقال قیلۃ تزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ عشر و مات ولم تلک قدمت علیہ ولا رآھا ولا دخل بھا وقیل کان تزویجہ ایاھا قبل وفاتہ صلعم بشھرین وقیل تزوجھا فی مرض موتہ وقیل اوصی ان تخیر فان شاءت ضرب علیھا الحجاب وتحرم علی المومنین وان شاءت فلتنکح من شاءت فاختارت النکاح فتزوجھا عکرمۃ بحضرموت فبلغ ابا بکر رضی اللہ عنہ فقال لقد ھممت ان احرق علیھما بیتھما فقال لہ عمرؓ ماھی من امھات المومنین ولا دخل بھا ولا ضرب علیھا الحجاب. وقال بعضھم مات قبل خروجھا من الیمن فخلف علیھا عکرمۃ وقیل انھا ارتدت فاحتج عمرؓ علی ابی بکرؓ بانھا لیست من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارتدادھا قال ولم تلد لعکرمۃ. والاختلاف فیھا کثیر جداً. انتھی کلام ابن عبد البر واخرج ابو نعیم من طریق اسحق بن ابراھیم بن حبیب الشھیدی عن عبد الاعلی عن داؤد بن ابی ھند عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج قیلۃ اخت الاشعث ومات قبل ان یخیرھا و ھذا موصول قوی الاسناد ایضاً واخرجہ ایضاً من طریق عبد الوھاب الثقفی عن داؤد عن الشعبی مرسلاً ولفظہ قتیلۃ بنت الاشعث ومات فتزوجھا عکرمۃ فشق علی ابی بکر رضی اللہ عنہ فذکر کلام عمر رضی اللہ عنہ فاطمات ابو بکر وسکن (الاصابہ ص ۳۹۳/۴ و ص ۳۹۴/۴)

قتیلۃ بنت قیس ..... ویقال قیلۃ ولیس بشیء والصواب قتیلۃ ... تزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سنۃ عشر ثم اشتکی فی النصف من صفر ثم قبض یوم الاثنین مضیا من ربیع الاول من سنۃ احدی عشر و

لم تکن قدمت علیہ ولا ارادھا ولا دخل بھا وقال بعضھم کان تزویجہ ایاھا قبل وفاتہ بشھرین وزعم اٰخرون ایضاً انہ تزوجھا فی مرضہ وقال منھم قائلون انہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصٰی ان تخیّر..... وقال الجرجانی زوّجھا اخوھا منہ صلی اللہ علیہ وسلم فمات علیہ الصلوٰۃ والسلام قبل خروجھا من الیمن فخلف علیھا عکرمۃ بن ابی جھل وقال بعضھم ما اوصٰی فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیئٍ ولکنھا ارتدت حین ارتد اخوھا فاحتج عمرؓ الی ابی بکرؓ کانھا لیست من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارتدادھا ولم تلد لعکرمۃ بن ابی جھل وفیھا اختلافاً کثیراً جداً" (الاستیعاب علی الاصابہ ص۳۸۹)

ازالۃ الخفاء ص۶۸ مقصد دوم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، اہلِ بیتِ رسالت کی بھی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اسی کی آپؓ مسلمانوں کو وصیت فرما گئے۔ چنانچہ آپؓ کا قول "ارقبوا محمداً فی اہلِ بیتہ"۔ یہ ایک جماعت نے روایت کیا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اہلبیت میں تلاش کرو۔ ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ناموس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی آپؓ نہایت مراعات اور محافظت کرتے تھے۔ چنانچہ تحریم نکاح غیر مدخولہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحث واقع ہوئی۔ آپؓ نے اس کے متعلق جس امر کا اظہار کیا الاستیعاب میں مذکور ہے۔ وہ یہ کہ قتیلہ بنتِ قیس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تزوج کیا مگر قبل اس کے پاس جانے کے آپ نے وفات پائی۔ بعد ازاں عکرمہ بن ابوجہل نے حضرموت جا کر اس سے نکاح کر لیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؓ نے فرمایا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جا کر ان دونوں کے گھر میں آگ لگا دوں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا کہ جانے دیجیے وہ امہات المومنین سے نہیں ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نہیں گئے اور نہ انہیں پردہ میں رکھا۔

اور اگر حرمت نکاح کی وجہ امہات المومنین کا مال ہونا ہے تو مال سے نکاح کی حرمت

جیسے والد کی زندگی میں ہے ایسے ہی والد کی وفات کے بعد بھی حرمت ہے تو یہ بھی حیات نبیؐ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ازواج مطہرات کا امہات المومنین ہونا حقیقۃً نہیں ہے جو من کل الوجوہ مائیں ہوں۔ ورنہ جیسے بیٹا مر جائے تو اس کی اولاد ہونے کی صورت میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو ۱/۶ کل ترکہ سے ملتا ہے اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ۱/۳ اور باپ کو ۲/۳ کل ترکہ سے ملتا ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ میں سے جو ہستیاں وفات پاتی تھیں ان میں سے کسی کے ترکہ سے نہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ورثہ ملتا تھا اور نہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو ورثہ ملتا تھا۔

بلکہ ازواجہٗ امہاتہم کا مطلب ہے کہ امہاتہم یعنی آپؐ کی بیویاں وجوب تعظیم کے لحاظ سے ان (مؤمنین) کی مائیں ہیں۔ البتہ تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدًا اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات کے ساتھ کبھی بھی نکاح نہ کرنا کیونکہ یہ بھی ایک فرد اسی نادانستہ ایذاء رسولؐ کی ہے اور اس ممانعت میں رسول کے کمال شرف واحترام کا اظہار ہے۔

اور بے حجابی کا چونکہ تعظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے اس لیے ان احکام میں یعنی جواز خلوت ونظر ومس اور ان جیسے دوسرے امور میں امومیت (ماں ہونا) ازواج مطہرات کا ثابت نہیں۔

چنانچہ امام ابوبکر رازی جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے:

فیہ وجہان احدھما انھن کالامھات لھم فی وجوب الاجلال و التعظیم والثانی تحریم نکاحھن ولیس المراد انھن کالامھات فی کل شیئ

تفسیرات احمدیہ میں ہے ای فی التحریم واستحقاق التعظیم لا فی ما عدا

معالم التنزیل میں ہے ای امھات المومنین فی تعظیم حقھن و تحریم نکاحھن علی التابید لا فی النظر الیھن والخلوۃ یعنی ازواج مطہرات کا تمام مؤمنین کی مائیں ہونا صرف نکاح حرام ہونے کے واسطے مختص ہے یعنی ازواج

مطہرات مثل ماں کی دائمی حرام ہیں اور ان کی درگاہ کی تعظیم ہر مومن پہ واجب ہے لیکن ان کو دیکھنا، چھونا، تنہائی میں بیٹھنا ان کے حق میں بھی حرام ہے جیسے اجنبیوں کے حق میں حرام ہوتا ہے اور یہ حکم تحریمی بالاجماع ان کی لڑکیوں اور بہنوں کی جانب متعدی نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صاحبزادیوں کا نکاح حضرت امام عثمان رضی اللہ عنہ و امام علی رضی اللہ عنہ و ابو العاص بن الربیع اموی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور حضرت امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اور حضرت میمونہؓ کی بڑی بہن لبابہ کبریٰ کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا جن کے بطن سے فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد قثم، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم ہوئے۔ اور حضرت میمونہ کی چھوٹی بہن لبابہ صغریٰ کا نکاح ولید بن مغیرہ سے ہوا جن کے بطن سے سیفٌ من سیوف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہوئے۔

اب رہا یہ کہ امہات المومنین کے بھائیوں کو مومنین کے ماموں کہنا جائز ہے یا نہ؟ مثلاً حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین کہہ سکتے ہیں یا نہ؟ سو اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام شافعی رح سے صریح منقول ہے کہ.... خال المومنین کہنا جائز ہے۔

کشف الرحمٰن ضمیمہ ۶۶۷ میں ہے: اور آپؐ کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سے ان کی تعظیم کی بنا پر کوئی مسلمان حضورؐ کی وفات یا طلاق کے بعد نکاح نہیں کر سکتا ہے .... اور چونکہ ان ازواج مطہرات کا مائیں ہونا ان کی تعظیم اور جلالت شان کے اعتبار سے ہے اس لیے نکاح میں تحریم فرمائی۔ باقی امور میں امومیت ثابت نہیں۔ مثلاً ورثہ اور حجاب وغیرہ۔ تو اب ان کی بیٹیوں کو مسلمانوں کی بہنیں اور ازواج مطہرات کے بھائی بہنوں کو مسلمانوں کے ماموں یا خالائیں نہیں کہنا ہوگا۔ بعض حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ ازواج مطہرات صرف مردوں کی مائیں ہیں یا مسلمان عورتوں کی بھی مائیں ہیں الخ

نیلوی کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے نہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے، نیز ص ۶۳ میں سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کا، تحریم ازواج مطہرات اظہار فرمایا۔

مواہب لدنیہ ص ۴۰۶ میں ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان وازواجہٗ امہاتہم کا مطلب یہ ہے ای ہن فی الحرمۃ کالامہات حرم نکاحہن علیہم بعدہٗ تکرمۃ لہ وخصوصیۃ لہ (اس کا مفہوم حضرت حکیم الامت کے قلم سے گزر چکا) اسکے آگے دوسری وجہ بتائی کہ اسلیے بھی ان سے نکاح حرام ہے کہ ولانہن ازواج لہ فی الآخرۃ کہ آخرت میں بھی بدستور وہ آپ کی بیویاں ہیں، پھر تیسری دلیل ضعیف قول کی علامت قیل لگا کر لکھا وقیل انما حرمن لانہ حی فی قبرہ ولہذا حکی الماوردی انہ لایجب علیہن عدۃ الوفاۃ یعنی ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ازواج مطہرات سے اس لیے نکاح حرام ہے کہ آپ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اسی لیے ماوردی سے حکایۃ ہے کہ ان پر عدت وفات واجب نہیں۔

لیکن علامہ ابن القیم نے قصیدہ نونیہ میں اس کی تردید فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: ؎

لکن اتین بعدۃ شرعیۃ ٭ فیہا الحداد ولزم الاوطان ٭ یعنی ازواج مطہرات نے آپ کی وفات کے بعد شریعت کا حکم عدت والا بجا لائیں جس میں انہوں نے سوگ منایا اور اپنے اپنے حجروں میں رہنا اپنے ذمے لازم کر لیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم فتوی مفتی اعظم پاکستان

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عالم دین ہے اور وہ کہتا ہے کہ حضرت مولانا علامہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے اور حضرت مولانا شیخ القرآن غلام اللہ خان صاحب کے متعلق بھی زید کا یوں ہی خیال ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ حیات النبی کے منکر ہیں لہذا آپ جواب دیکر ہمارے شک وشبہ کا ازالہ فرمائیں آپ جواب مکمل اور مدلل دیں آپ کی عین نوازش ہوگی فقط والسلام

الجواب: یہ سب انتہائی غلو ہے نماز ان سب کے پیچھے بلا کراہت ہو جاتی ہے واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع دار العلوم کراچی ۱۴/۱/۶۹ مہر دار الافتاء اختر حسین آزاد بقلم خود، ۱۷ محرم ۱۳۸۸ھ

(تمت)

انشاء اللہ جلد ندائے حق جلد-2 منظر عام پر آنے والی ہے۔

له دعوة الحق

الکتاب المسطور

فی جواب

سماع الموتیٰ و تسکین الصدور

المعروف بہ

ندائے حق

مع اضافات جدیدہ

مکتبہ اشاعت اسلام